تصوف۔ عقائد

مجموعہ

رسائل امام غزالیؒ اردو

از حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد دوم

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ
حقیقت روح انسانی
میزان عمل
بدایت الہدایت
التفرقۃ بین الاسلام الزندقہ

دار الاشاعت اردو بازار کراچی
فون ۲۱۳۷۶۸

طبع اوّل دارالاشاعت ۱۹۹۰ء
طباعت شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D گارڈن ایسٹ کراچی

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

فہرست مضامین جلد دوم

اس میں پانچ رسائل شامل ہیں

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ

میزانِ عمل

بدایۃ الہدایۃ

التفرقہ بین الاسلام والزندقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ ان کی کتابیں ہر خواص وعام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں جنہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے برصغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دارالاشاعت کو بحمد اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیر نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر مرورِ زمانہ سے اب وہ کتابیں ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ بحمداللہ کہ زیر نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور پھرتے ہیں۔ مگر گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈوکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بطور خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی ہیں امید ہے کہ اہل علم اور دینی تعلقات سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

میرے والد ماجد محمد رضی عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹ محرم ۱۴۱۱ھ کو انتقال ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ سے گذارش ہے کہ حتی الامکان انکی مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

والسلام

خلیل اشرف عثمانی

إنّ في ذالك لعبرة لأولي الأبصار

الحکمة فی مخلوقات اللہ
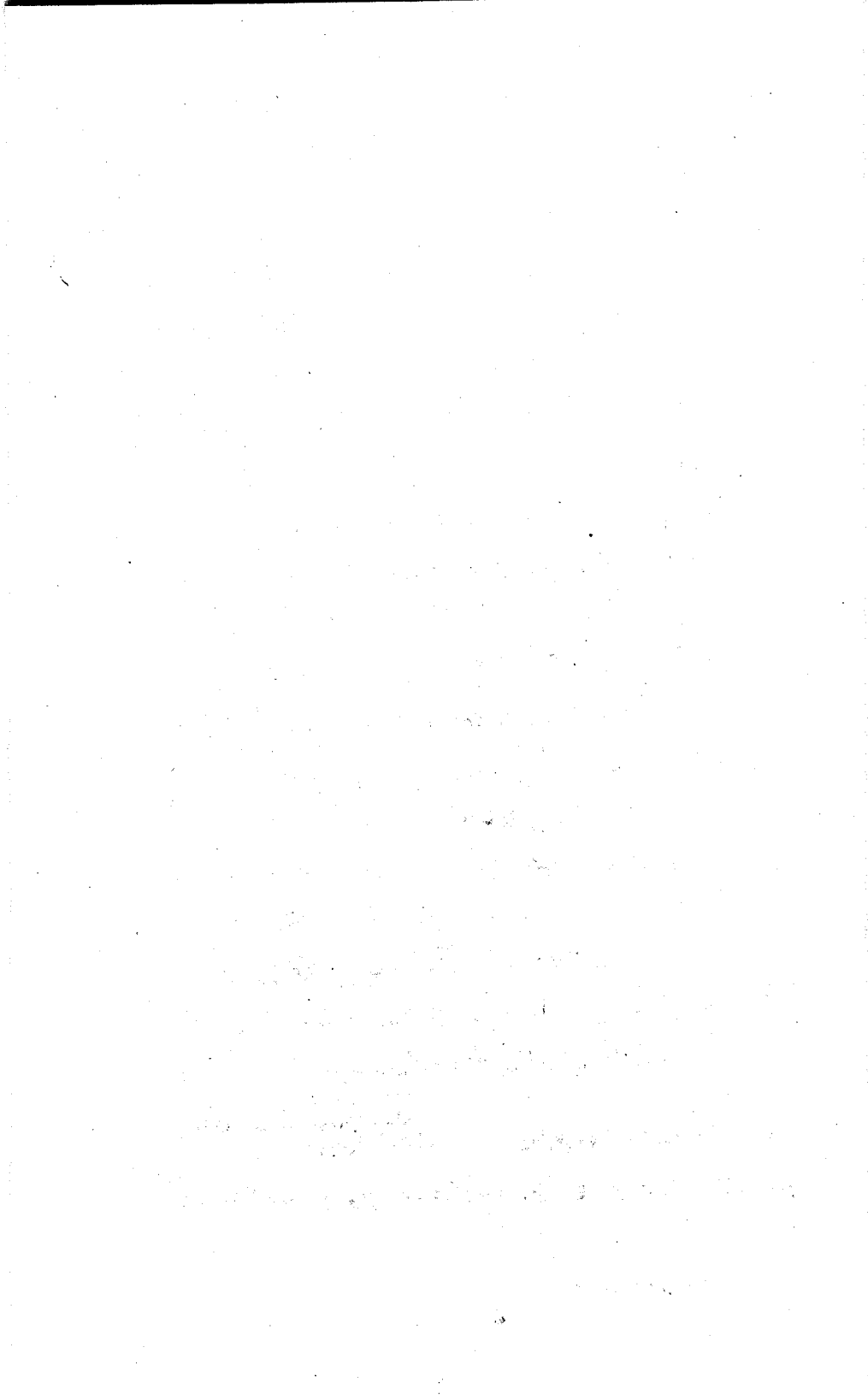
تصنیف حضرت امام محمد غزالیؒ

اردو ترجمہ

از

مولوی محمد علی لطفی

معہ تعارف

از

جناب مفتی محمد شفیع صاحب

سنہ ۱۹۶۰ء

تعارف از جناب مولینا مولوی محمد شفیع صاحب مدظلہ سابق مفتی دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسان کیا اور اس کی ہستی کیا کہ خالق کائنات کے افعال وصفات کی حکمتیں اور اسرار معلوم کرے۔

در بہاران زادہ مرگش در دی ست ﴿ پشہ کے داند کہ عالم از کیست

لیکن انسان عجائب المخلوقات میں سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے۔ ایک طرف اس کی نزاکت وضعف کی حد نہیں تو دوسری طرف اس کی اولوالعزمیوں کا میدان بھی بڑا وسیع ہے۔ وہ طبعی طور پر راز کائنات معلوم کرنے کے درپے رہتا ہے۔ کچھ ہاتھ آئے یا نہ آئے۔ اگرچہ محقق حکماء امت کا آخری فیصلہ ان مسائل میں یہی ہوتا ہے کہ

؎ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

اور بقول میر ؎

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے افسوس ﴿ معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

مگر دانائے روم نے انسان کی اس فطری خواہش کا ایک عذر بھی اس طرح بیان فرمایا ہے

؎ بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت

اسی عذر کے ماتحت متقدمین و متاخرین علمائے ان موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ تشریعی امور کی عقلی حکمتوں پر حکیم الامتہ حضرت تھانوی کی کتاب المصالح العقلیہ اردو زبان میں ہے۔ اور تکوینی امور کی حکمتوں پر امام غزالی کا رسالہ "الحکمتہ فی مخلوقات اللہ تعالے" عربی زبان میں تھا۔ ہمارے محترم دوست مولانا محمد علی صاحب لطفی جو اپنے جد امجد حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کے خلف رشید ہیں۔ آپنے اس رسالہ کو اردو زبان میں منتقل فرماکر اردو داں طبقہ پر بڑا احسان کیا۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ نہ تو بالکل تحت اللفظ ہے جس کو پڑھنے میں طبیعت الجھے اور نہ تحت اللفظ سے اتنا آزاد کہ اصل کلام کا مفہوم بدل دے ساتھ مقدمہ میں حضرت

امام غزالیؒ کے کچھ حالات و سوانح بھی مستند کتابوں سے جمع فرمادیئے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً نو تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بیحد مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر دے اور اس رسالہ کو اصل رسالہ کی طرح مقبول و مفید بنائے آمین۔

بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی

۲۶ رجب ۱۳۷۵ھ

تقریظ از مولینا اطہر علی صاحب مدظلہ شیخ الجامعہ الامدادیہ کشورگنج

میں نے عزیزی مولانا محمد علی صاحب لطفی نبیرہ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کی تازہ محنت کا ثمرہ "رموز کائنات" ترجمہ اردو الحکمۃ فی مخلوقات اللہ مصنفہ امام غزالیؒ کا مطالعہ کیا۔ موصوف نے اس سلسلہ میں جس محنت کا ثبوت دیا ہے وہ قارئین رسالہ کو خود محسوس ہو جائے گا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض رسائل ایسے ہیں کہ جن کا اگر اردو ترجمہ ہو جائے تو ہمارے نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ثابت ہوں گے۔ ان رسائل میں سے ایک یہ رسالہ بھی ہے۔ تصنیف کے لئے تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہی کافی ہے لیکن اس کے ترجمہ میں لطفی صاحب نے جو خوبیاں رکھی ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مترجم کو ان کی کوششوں پر مبارکباد دیتا ہوں اور تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ لطفی صاحب کی محنت و عرق ریزی کو قبول فرمائیں اور مطالعہ کرنے والوں کو اس کے فوائد و ثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشیں آمین یارب العٰلمین

فقط

اطہر علی

۳۱؍ اگست ۵۷ء

۶۸۷

مقدمہ

ستائش می سزد البتہ یکتا ذات یزداں را
کہ او از نطق تشریف شرف بخشید انساں را

حامداً و مصلیاً۔ انسان کی فطرت ہے کہ ہر شیٔ کی حقیقت و حکمت معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے اور یقیناً اشیاء کی حقیقتوں کا علم قلبی اذعان و یقین کے ثبات و استحکام کا موجب ہے۔ اسی حکمت و مصلحت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی مخلوقات و مصنوعات میں غور و فکر کرنے کی جا بجا دعوت دی ہے۔

انظروا الی آثار رحمتہ اللہ
کیف یحیی الارض بعد موتہا
ان ذلک لمحیی الموتیٰ

رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس
طرح موت کے بعد زمین کو زندگی بخشتا ہے
بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے۔

مرد مومن کی حق شناس نگاہ میں کائنات ارضی و سماوی کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اسرار قدرت کے بیش بہا خزانوں کو اپنے اندر مستور کئے ہوئے ہے اور اس کی بصیرت افروز نظر جمادات کے ایک ایک سنگریزے میں، اور نباتات کے ایک ایک پتے میں معرفت الٰہی کے دفتر بے پایاں کا جلوہ دیکھ رہی ہے ؎

برگِ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع و خالق کے وجود اور اس کے کمال قدرت کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے ؎

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

عربی کے ایک شاعر نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے سہ

وفی کل شیئ لہ آیۃ

تدل علی انہ واحدٗ

اس موضوع پر فاضل مصنفین نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی "حجۃ اللہ البالغہ" ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی کی "اسرار الشریعۃ" حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" اور حضرت مولٰینا اشرف علی تھانویؒ کی "المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" یہ تمام تصانیف تقریباً اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ کسی میں تشریعی امور کی حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے اور کسی میں تکوینی امور کی حکمتوں کو۔

آخر الذکر مولٰینا اشرف علی تھانوی نے اپنی گرانقدر تصنیف "المصالح العقلیہ" میں تشریعی امور کی حکمتوں اور ان کے مخفی اسرار کو بے نقاب کیا ہے جس کو پڑھ کر قلب میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

نیشنل اسمبلی پاکستان کی لائبریری میں جب یہ کتاب مجھے ہاتھ آئی۔ اس کو پڑھا اور بالاستیعاب پڑھا۔ کتاب نایاب ہے اور اپنی نوعیت میں نہایت دلچسپ اور مفید تصنیف ہے۔

مصنفین سلف نے اپنی مختصر و مشغول زندگی کے قیمتی لمحات صرف کر کے کیسی کیسی گرانقدر علمی خدمات انجام دی ہیں اور اپنے مابعد کے لئے کیسے کیسے بیش قیمت علمی خزانے جمع کر کے کتنا بڑا احسان کیا ہے، ان گرانقدر علمی خدمات کا صلہ انسان کیا ادا کر سکتا ہے اس کا اجر جزیل خدائے تعالٰی ان کو عطا فرمائے گا۔ واللہ عندہٗ حسن الثواب۔

حضرت مولٰینا تھانوی مرحوم کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس قسم کا مختصر رسالہ یا کتابچہ میں بھی لکھوں کہ آخرت میں ذریعۂ نجات ہو۔ اپنی علمی بے مائگی کا پورا پورا احساس تھا، جو ہمت کو پست کئے ہوئے تھا۔ لیکن یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ طبیعت نے مجبور کر دیا اور دل میں یہ عزم کر لیا کہ کم از کم کسی ایسی کتاب کا ترجمہ ہی کیا جائے جو اس موضوع پر ہو کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ

جس کتاب پر نظر کی کسی نہ کسی نے اس کا ترجمہ کر کے "السابقون الاولون" میں اپنے لئے مقام حاصل کر لیا ہے۔ آخر حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" ہاتھ آئی، پھر اس کے ترجمہ کی تلاش و جستجو کی کہ میری یہ سعی تحصیل حاصل نہ ہو، باوجود تلاش کے اس کا کوئی ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا۔ خیال کیا کہ شاید قدرت نے یہ سعادت مجھ جیسے تہی دامن ہی کے نصیب میں رکھی ہو۔ قلم اٹھایا اور ترجمہ شروع کر دیا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صاحب قلم تصنیف و تالیف کے بلند مقام پر بیٹھنے کا جائز حقدار نہیں ہوتا ؎

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

اگرچہ میرے ذوق و شوق نے مجھے اس خدمت کی تکمیل کے لئے آمادہ کر دیا ہے، تاہم میں کسی طرح بھی مصنفین و مترجمین کی صف میں کھڑے ہونے کا اپنے کو اہل نہیں سمجھتا، ہاں یہ ضرور یقین رکھتا ہوں کہ جب اس سراپا رحمت کی بارش خادمان علوم پر برسے گی تو یقین ہے کہ اس کی باران رحمت کے دو چار قطرے میرے دامن عصیاں پر بھی ضرور پڑیں گے، اور یقیناً مجھ جیسے ناکارہ اور آلودۂ عصیاں کی مغفرت کا سامان ہو جائیں گے کہ

رحمت حق بہا نمی جوید

اثنائے ترجمہ میں ہندوستان کا سفر پیش آگیا، ہر چند کہ کتاب سفر میں ہمراہ تھی لیکن سفر میں اتنا موقع نہ مل سکا کہ اس کام کو جاری رکھا جا سکتا، اور تقریباً ۲ ماہ کے لئے یہ سلسلہ مسدود ہو گیا، واپس آکر اس کی تکمیل کی۔

ابتدائے کتاب میں فاضل مصنف حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح عمری بھی مستند و معتمد کتابوں سے مطالعہ کر کے لکھی ہے، کہ صالحین کا تذکرہ بھی ذکر خیر اور عمل صالح میں شامل ہے۔ اور اس کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہی کام بارگاہ ایزدی میں میری نجات کا ذریعہ ہو جائے کہ وہ نکتہ نواز ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

کتاب کے ترجمہ کرنے میں اس امر کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فروگزاشت نہ ہو تاہم انسان خطا و نسیان سے اپنے دامن کو پاک نہیں رکھ سکتا۔ وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ میری کوتاہیوں کو بمصداق "واذا مروا باللغو مروا کراما" درگزر فرماتے ہوئے میرے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالے اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا کرے اور میری نجات کا وسیلہ بنائے۔
ان اجری الا علی اللہ

مترجم
محمد علی لطفی
سنہ ۱۹۵۶ء

مصنف کے حالات

تا نہ خواہی داشتن گرداعہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

یہ ایک ایسی باکمال شخصیت کا تذکرہ ہے جو عالم باعمل بھی تھا اور درویش کامل بھی، ایک لائق مصنف بھی تھا اور مصلح صادق بھی، جو غزالی کے مشہور لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام اور سنہ ولادت

امام غزالی کا نام محمد ہے، ابوحامد کنیت اور غزالی عرف ہے، اور لقب زین الدین۔ بیشتر مورخین غزالی کی نسبت طوس کے قریہ غزالہ کی طرف بیان کرتے ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کی نسبت "غزّال" کی مناسبت سے ہے، جس کے معنی کاتنے والے کے ہیں۔ امام غزالی کے والد اجداد ان کاتنے اور اس کی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ اسی نسبت سے ان کو غزالی کہا جاتا تھا۔

امام غزالی خراسان کے ضلع طوس میں طاہران کے مقام میں ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ جب ان کے والد کا انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں بیٹوں امام محمد غزالی اور احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کو تعلیم دلائیں۔

تعلیم

سرمایہ ختم ہو جانے پر اس درویش دوست نے بھی افلاس و تنگدستی کی وجہ سے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا، جہاں خورد و نوش کا انتظام بھی تھا، امام غزالی نے ایک موقع پر اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔ طلبنا العلم لغیر اللّٰہ فابیٰ ان یکون الا للّٰہ۔ ہم نے پیٹ کی خاطر (غیر اللہ کے لئے) علم سیکھنا شروع کیا تھا، لیکن تقاضائے علم نے اس طرح

سے علم کے حصول کا انکار کیا اور بتایا کہ علم محض اللہ کے لئے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں آج کی طرح باقاعدہ اسکول و مدارس نہیں تھے۔ اہل علم مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔

امام غزالی نے اپنے ہی شہر کے ایک لائق عالم احمد بن محمد راذ کانی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر جرجان میں امام ابو نصر اسماعیل سے، جو کچھ پڑھتے تھے اس سے متعلق اساتذہ کی تقریر اور نوٹ لکھتے جاتے تھے، جیسا کہ اس زمانے میں طریق تھا۔ یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد نیشاپور چلے گئے اور وہاں کے ایک مشہور عالم دین امام الحرمین عبد الملک ضیاء الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا، یہ بزرگ اونچے درجہ کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، ان سے استفادہ کے بعد امام غزالی کی علمی قابلیت کی بڑی شہرت ہو گئی، اور بڑے بڑے علمی معرکوں میں امام غزالی کو فتح و کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ نظام الملک طوسی کے دربار میں مجلس مناظرہ منعقد تھی، علمی مباحث پر تذکرہ تھا۔ دور دراز مقامات کے مشاہیر علماء موجود تھے، امام غزالی بھی شریک تھے۔ اس مباحثہ میں فتح و کامرانی کا سہرا جس کے سر رہا، یہ ایک نوعمر اور جواں سال امام غزالی تھے، اس کامیابی اور فتح مبین نے امام غزالی کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔

امام غزالی کے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ ایک بار جب وطن واپس آرہے تھے، راستہ میں قافلہ لوٹ لیا گیا، اور امام صاحب کی پونجی بھی چھین لی گئی امام غزالی کو اپنی پونجی میں جس چیز کے چھن جانے کا قلق تھا، وہ ان کے تعلیمی نوٹ تھے جو اساتذہ کی تقاریر کے دوران لکھکر تیار کئے تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار سے جاکر اس کا مطالبہ کیا، ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ پھر تم نے خاک پڑھا اور ہنسکر وہ کاغذات واپس کر دیئے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی بات تھی لیکن اس طعن کا امام صاحب کے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ پھر جو کچھ پڑھا اس کو سینے میں محفوظ رکھا۔

تحصیل علم حدیث

تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد علم حدیث کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس کی تحصیل کے لئے علامہ اسماعیل عفصی اور حافظ عمر بن ابی الحسن رو سانی پر نظر انتخاب پڑی، یہ دونوں بزرگ علم حدیث میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔

موخر الذکر عالم حدیث کو امام غزالی نے وطن طوس میں اپنے یہاں مہمان رکھا، ان کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ علم حدیث کی مشہور کتابیں صحیحین صحیح بخاری اور صحیح مسلم انہیں بزرگ سے پڑھیں اور اس طرح امام غزالی نے اپنے فن حدیث کے شوق کو آخر عمر میں پورا کیا۔

نظامیہ کی مسند نشینی

۴۸۴ھ میں امام غزالی نہایت عظمت و شان کے ساتھ دار العلوم نظامیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے نظامیہ وہ دار العلوم تھا جس کو نظام الملک طوسی نے کثیر رقم خرچ کر کے قائم کیا تھا۔ اس کی مسند نشینی معمولی منصب نہ تھا۔ اس مسند پر بڑی بڑی جلیل القدر اور باکمال ہستیوں نے درس دیا تھا۔ امام غزالی کا اس منصب پر فائز ہونا اور مسند تدریس پر معمور کیا جانا اہل علم طبقہ کی نظر میں بڑی کامیابی تھی۔

عرصہ تک امام غزالی نے اس خدمت تدریس کو بحسن و خوبی انجام دیا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال اور اہل علم ہوئے۔

عزلت نشینی

امام غزالی کی طبیعت میں قدرے جاہ پسندی اور تمکنت تھی اور بہت نازک مزاج تھے، ریشم کے کپڑے زیب تن رہتے، ابن جوزی لکھتا ہے۔ کان یلبس الحریر والذہب (ریشم اور سونا پہنا کرتے تھے۔

لیکن ایک وقت وہ آیا کہ امام غزالی کی طبیعت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا اور دنیا سے تعلقاً ترک تعلق کرکے عزلت نشین ہو گئے۔ علمی مباحثوں اور مناظروں سے نفرت ہو گئی، تحقیق و تدوین کی طرف توجہ کی، دنیا کے ان نمائشی ہنگامہ آرائیوں سے تنفر ہو گیا۔ کھانا پینا بالکل سادہ رہ گیا، تکلفات و تعیشات برطرف ہوئے، بدن پر قیمتی اور لباس فاخرانہ کی جگہ معمولی کمبل رہتا تھا، کھانے میں لذیذ و مرغن غذاؤں کے بجائے معمولی ساگ پات پر گزر بسر تھی، رفتہ رفتہ طبیعت پر تصوف کا رنگ غالب آ گیا، اور خلوت میں مجاہدات و ریاضات ان کی زندگی کا معمول ہو گیا اور شیخ بو علی فارندی سے آپ نے بیعت کی۔

عزلت نشینی کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے امام غزالی کو ایک صحرا میں پریشان حال جاتا ہوا دیکھا، ایک خرقہ زیب تن تھا، پانی کی چھاگل ہاتھ میں تھی، یہ شخص امام غزالی کو حلقہ درس و تدریس میں اس شان سے دیکھے ہوئے تھا، جب چار چار سو مشتاقان علم کا جھرمٹ امام کے گرد ہوتا تھا۔

اس نے امام غزالی کو اس پراگندہ حال میں دیکھ کر پوچھا کیا یہ حالت پہلے سے بہتر ہے، امام غزالی نے بہ نظر حقارت اس کی طرف دیکھا اور یہ دو شعر پڑھے۔[1]

ترکتُ هوی لیلٰی وسُعدٰی بمنزلٍ ❊ وعُدتُ الی مصحوبِ اولِ منزلِ
فنادتْ بی الاشواقُ مهلاً فهذه ❊ منازلُ من تهوی رویدک فانزلِ

عزلت نشینی کا محرک

امام غزالی کو درس و تدریس کے مبارک شغل بحث و تحیص کے علمی مذکروں اور وعظ و نصیحت کی پاک مجلسوں سے عزلت نشینی اور اس درویشانہ سادہ زندگی کو پسند

---

[1] ترجمہ:۔ میں نے لیلیٰ وسعدیٰ کا عشق تو منزل پر ہی چھوڑ دیا۔ اور اب میں اپنے حقیقی محبوب اور رفیق اعلیٰ کی طلب و جستجو میں رواں دواں ہوں۔ شوق محبت نے مجھے للکارا۔ او صحرا نورد! کدھر جاتا ہے ادھر آ کہ تیرے محبوب کا مقام یہ ہے اب اپنے سفر کو ختم کر دے

مبین حقیر گدایان عشق را کیں قوم ❊ شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

کرنے کا وہ قوی محرک کیا تھا جس نے امام کے قلب پر ایسا اثر کیا تھا۔ اس کی بابت مورخین نے امام غزالی کے بھائی احمد الغزالی سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ امام غزالی وعظ فرما رہے تھے، ہزاروں علماء، صلحاء، مشائخ اور امراء بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بھائی احمد الغزالی آنکلے اور اس طرح مخاطب ہوئے۔

لہ اصبحت تھدی ولاتھتدی وتسمع وعظاً و لا تسمع

فیاحجر الشحذ حتی متیٰ تسنّ الحدید ولاتقطع

ان دو شعروں کا امام کے قلب پر یہ اثر ہوا کہ پھر کبھی وعظ نہ کہا، اپنے باطن کی اصلاح و تعمیر میں ایسے مشغول ہوئے کہ دنیا و ما فیہا سے بالکل بے نیاز ہو گئے، ساری عمر مجاہدات و ریاضات میں بسر کی۔

علامہ شبلی نے بھی امام غزالی کی زندگی میں انقلاب کا سبب اسی واقعہ کو ٹھہرایا ہے۔

لیکن خود امام غزالی اپنی تصنیف "المنقذ من الضلال" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ثم انی فرغت من ھذہ العلوم اقبلت بھمتی علی طریق الصوفیۃ وعلمت ان طریقتھم انما تتم بعلم وعمل وکان حاصل علمھم قطع عقبات النفس والتنزہ عن اخلاقھا المذمومۃ و صفاتھا الخبیثۃ حتی یتوصل بھا الی تخلیۃ القلب من غیر اللہ و تحلیہ بذکر اللہ"

جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریق کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا

لہ ترجمہ:۔ تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو پند نصیحت کرتے ہو لیکن خود اس پر کاربند نہیں۔ پس اے سنگ فسان آخر کب تک تم اس طرح سے لوہے کو تیز کرتے رہو گے اور کاٹو گے نہیں۔

قطع کرنا، اخلاق رذیلہ اور صفات خبیثہ سے پاک و منزہ ہونا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ اپنے قلب کو غیر اللہ کی آلودگیوں سے پاک و صاف کرلیا جائے۔ اور ذکر الٰہی کے نور سے اس کو منور کیا جائے۔

امام غزالی اپنی اس درویشانہ پاک زندگی پر ایسے شاد کام تھے کہ پچھلی زندگی کو اس کے مقابلہ میں جاہلانہ تاریک زندگی بتاتے تھے۔

امام غزالی کی صحرانوردی کے زمانہ میں کسی نے فتویٰ طلب کیا، آپ نے جواب میں کہا مجھ سے دور رہو، "ایام البطالہ" کی یاد تازہ کرتا ہے، جس زمانہ میں فتویٰ نویسی کا کام کیا کرتا تھا، اس زمانہ میں اگر تو یہ سوال کرتا تو میں جواب دیتا،

اس جواب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام غزالی اس معراج کمال پر تھے کہ درس و فتویٰ کے علمی دور کو ویرانی اور خرابی کا دور بتاتے ہیں

اے دل طلب کمال در مدرسہ چند ؛ تکمیل اصول و حکمت و ہندسہ چند
ہر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ ست ؛ شرمے ز خدا بدار ایں وسوسہ چند

ذوالنون مصریؒ نے غالباً ایسے ہی پاک باطن نفوس کی بابت یہ کہا تھا،

ھم قوم آثروا اللہ علی کل شیٔ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماسوی اللہ پر اللہ کو ترجیح دی ہے اور بس اسی کے ہو گئے خدا نے بھی انہیں نواز لیا۔

یقیناً انسان جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا حاصل بجز محبوب کے اور کچھ نہیں ہوتا ۔

ز آمیزش جان و تن توئی مقصودم
وز مردن و زیستن توئی مقصودم
تو دیر بزی کہ من رفتم زمیاں
گر من گویم زمن توئی مقصودم

شعر گوئی :- امام غزالی کو شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی ۔ لیکن صرف رباعیات

کی حدتک، کہ قصائد، مدح سرائی اور خوشامدوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے امام غزالی کی آزادانہ اُفتادِ طبیعت کے موزوں نہ تھے بدیں وجہ آپ نے کبھی کسی کی شان میں قصیدہ نہیں لکھا، ایک رباعی ملاحظہ ہو ؎

باجامہ نمازے لب برخم کردیم ؛ وزآب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ درین میکدہ ہا دریابیم ؛ آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

اس رباعی میں رنگ تصوف صاف جھلک رہا ہے، گویا عشق محبوب میں اس درجہ وارفتہ و سرشار ہیں کہ زبان حال کے علاوہ زبان قال میں بھی اس کو ضبط نہ کرسکے

تصنیفات

اگرچہ زہد و تقوی کی اس زندگی میں تمام معمولات متروک ہو چکے تھے، تاہم تصنیف و تالیف کا مشغلہ اس عزلت نشینی کی زندگی میں بھی جاری تھا۔ امام غزالی کی تصنیفات یوں تو بیشتر علوم و فنون میں پائی جاتی ہیں، خاص کر علم کلام اور اخلاق پر آپ کی تصانیف نہایت مبسوط اور جامع ہیں۔ منجملہ ان کے چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ جواہر القرآن۔ تہافتہ الفلاسفہ۔ حقیقۃ الروح۔ عجائب المخلوقات (الحکمۃ فی مخلوقات اللہ) یاقوت التاویل فی التفسیر۔ منہاج العابدین۔ تعلیم الدین۔ کشف علوم الآخرۃ وغیرہ۔

آپ کی بے شمار تصنیفات کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اس ۵۵ سال کی مختصر د محدود زندگی میں عزلت نشینی و ریاض و مجاہدات کا زمانہ بھی شامل ہے، عہد طفولیت و عہد طالب علمی بھی، اور پھر مصائب و آلام روزگار سے بھی دوچار ہونا، تصنیفات و تالیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کردینا آسان نہیں۔

وفات

این سعادت بزور بازو نیست

افسوس یہ آفتاب علم و حکمت ۵۰۵ھ میں اپنی عمر کے ۵۴ سال پورے کرکے اپنے جائے ولادت طاہران میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ لیکن

فہرست مضامین کتاب

رموز کائنات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ کتاب

حمد وسپاس اس خدائے واحد کے لئے جس نے اپنے مقربین بارگاہ کو مخصوص نعمتوں سے نوازا۔ اور اپنی مصنوعات میں غور وفکر کرنے والوں پر خاص لطف وکرم فرمایا۔ اپنی کائنات میں تدبر وتفکر کو ایمان ویقین کے استحکام کا ذریعہ بنایا۔ ان اصحاب فکر ونظر نے غور وفکر سے اپنے خالق حقیقی کو پہچانا، اس کے واحد ویکتا ہونے کا کامل یقین حاصل کیا اور خدا کی عظمت وقدرت کا مشاہدہ کیا، اور اس کو تمام عیوب سے منزہ ومبرا ہونے کا دل سے اعتراف کیا۔ بلاشبہ وہی عدل وانصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور اہل نظر اس کے کمال قدرت پر شاہد عدل ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف وہی قادر وتوانا ہے، جیساکہ اس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔

خدا اور اس کے فرشتے شاہد ہیں کہ بجز اس ذات واحد کے کوئی لائق پرستش نہیں اور صرف وہی عدل وانصاف کا مالک ہے، اپنے ارادہ میں غالب ہے اور اپنے تمام امور کو حکمت ومصلحت کے ساتھ انجام دینے والا ہے
درود وسلام ہو اس ذات پر جو سید المرسلین، امام المتقین ہیں، اور ہم جیسے گنہگاروں کی سننے والے ہیں، جن کا اسم گرامی محمدؐ ہے، جو تمام انبیاء میں آخری نبی ہیں۔ اور صلوۃ وسلام ہو ان کی اولاد واصحاب پر جب تک دنیا قائم ہے۔

اما بعد! برادر! خدا تجھکو حقیقت شناسوں کی توفیق عطا کرے، اور دین ودنیا کی فلاح وکامرانی نصیب فرمائے۔ خدا کی معرفت اس کی عجائبات ومصنوعات میں تدبر وتفکر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، اور درحقیقت یہی معرفت

ایمان ولیقین کے ثبات و استحکام کا موجب ہے۔ اور اسی سے ابرار و اتقیار کے منازل و مدارج میں تفاوت ہوتا ہے، کیونکہ حقیقی معرفت کا حصول مخلوقات الہی میں غور و فکر کرنے پر منحصر تھا اس لئے اس کتاب کو ارباب عقول کی رہ نمائی اور ان کے استفادہ کے لئے لکھا گیا۔ اس میں ان حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کی طرف قرآن حکیم نے متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے،

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی، وحی کے ذریعہ اس کی رہ نمائی فرمائی، اور اصحاب نظر اور ارباب عقول کو اپنی مصنوعات میں غور و فکر کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق دعوت دی:-

قل انظروا ماذا فی السموات والارض	اے محمد علیہ السلام آپ لوگوں سے کہدیجئے کہ تم غور کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں۔
وجعلنا من الماء کل شئ حی افلا یومنون ۝	اور پانی سے ہم نے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جن کے معانی میں غور و فکر کرنے سے خدا کی معرفت اور حقیقی عظمت کا علم ہوتا ہے۔ جو سعادت و فلاح کا حقیقی سبب ہے اور جس پر انعامات الہی کا مدار ہے۔

اس کتاب میں چند ابواب ہیں اور ہر باب میں مخلوقات الہی کی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کو حتے الامکان وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اگر دنیا کی تمام مخلوقات اپنی تمام قوتوں کو صرف کردے کہ کسی ایک مخلوق الہی کی تمام حکمتوں کو بالاستیعاب بیان کرے تو یہ کام نامکمل رہے گا اور سب عاجز ہوں گے۔

فلسفی سر حقیقت نہ توانست کشود
گشت راز دگر آں راز کہ افشا می کرد

کائنات ارضی و سماوی میں غور و فکر کی دعوت

افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنینٰھا و زینّٰھا و مالھا من فروج ۵	کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر نہیں کی، ہم نے اس کو کیسا بلند اور وسیع بنایا ہے پھر ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

الله الذی خلق سبع سمٰوات — اس خدا نے ہی ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا

جب تم اس جہاں میں غور و فکر کرو گے تو ایسا معلوم ہوگا یہ تمام جہاں ایک مکان ہے جس میں ہماری جملہ ضروریات کی اشیاء موجود ہیں۔ آسمان کی نیلگوں چھت ہے اور زمین ہمارے لئے بستر ہے۔ یہ ستیارے آسمان میں روشنی کے لئے بجلی کے قمقموں کے قائمقام ہیں۔ جواہرات زمین کے تہ خانوں میں اس طرح سے محفوظ ہیں جیسے قیمتی ذخیروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور ہر ایک چیز اپنے اپنے قرینہ سے اپنے مقصد کی تکمیل میں کار فرما ہے۔ اس مکان کا مالک انسان ہے۔ اور اس مکان کی جملہ اشیاء مالک مکان کی ضروریات کے لئے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات ہوں یا حیوانات سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ خالق حقیقی نے آسمان کا رنگ ایسا بنایا ہے جو نگاہ کے لئے موزوں ہے اور قوت بخشتا ہے۔ اگر اس رنگ کے خلاف یہ آسمان شعاعوں اور انوار کا مجموعہ ہوتا تو نگاہوں کو خیرہ کر دیتا کیوں کہ سبز اور نیلگوں رنگ نگاہ کے لئے مناسب اور سازگار ہے۔ انسان، آسمان کی وسعت و فراخی کو دیکھکر نفس میں کیف اور

سرور حاصل کرتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ نکلے ہوئے ہوں اور ماہتاب اپنی درخشانی سے تمام جہاں کو منور کئے ہوئے ہو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے شاہی محلوں میں زیب و زینت کے لئے بہتر سے بہتر سامان مہیا کرتے ہیں اپنے دربار کی چھتوں پہ نہایت خوبصورت نقوش و نگار کراتے ہیں جن کو دیکھکر آنکھوں میں نور اور قلب میں سُرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ان زیبائش و آرائش کی طرف بھی اگر متواتر دیکھا جائے تو آخر کار دل اکتا جاتا ہے اور ایک قسم کی کوفت ہونے لگتی ہے۔ برخلاف آسمان کے قدرتی مناظر و خوشنمائی اور اس کی وسعت اور ستاروں کی چمک دمک کو جتنا بھی دیکھا جائے طبیعت اس سے کبھی گھبراتی نہیں بلکہ قدرت کی گوناگوں گلکاری اور اس کی صنعت کو دیکھکر انسان کے دل میں خدا کی عظمت اور اس کے کمال و قدرت کا سِکّہ بیٹھ جاتا ہے۔ اور وہ دل کی گہرائی سے بے ساختہ پڑھنے لگتا ہے کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا اسی لئے حکما نے کہا ہے کہ جب تو رنجیدہ ہو تو آسمان کی طرف دیکھکر خدا کی قدرت اور اس کی صنعت میں اپنا دل بہلا کیونکہ یہ تیرے رنج و غم کو دور کرنے کے لئے کافی سامان ہے۔ اور ستاروں کو دیکھ اور پھر اُن کی برکتوں اور فائدوں پر نظر کر کہ دنیا والے کس طرح ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سمندر کی تاریک اور اندھیری راتوں میں یہ ستارے مسافروں کی کیسی رہ نمائی کرتے ہیں۔ اور بعض حکما اس کے بھی قائل ہیں کہ ستاروں میں جانے کے لئے راستے بنے ہیں۔ ایک سیارے کے باشندے دوسرے سیاروں کے باشندوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔ بعض حکیم نے کہا ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرنے سے دس فائدے حاصل ہوتے ہیں:-

۱۔ انسان کا رنج و غم دور ہوتا ہے　　۲۔ بُرے خیالات دور ہوتے ہیں

۳. خوف و ہراس دل سے جاتا رہتا ہے ۴. خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے
۵. خدا کی عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے ۶. فاسد تفکرات دور ہوتے ہیں
۷. سوداوی امراض کو فائدہ ہوتا ہے ۸. مشتاق دلوں کو تسلی و سکون ہوتا ہے
۹. عشق الٰہی کے بیماروں کو شفا ہوتی ہے ۱۰. دعا کرنے والوں کی دعاؤں کا مرکز و قبلہ ہے۔

آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں

وجعل الشمس سراجا — خدا نے سورج کو مثل روشن چراغ کے بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کاموں کے لئے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کا کامل علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ ہم اپنی قدرت و نظر کے مطابق جتنا جانتے ہیں یہاں لکھتے ہیں آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں۔ روزگار اور معاش کی طلب و سعی میں بڑی دشواری ہو جائے گی۔ اگر ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو روشنی سے آنکھیں کیوں کر لذت اٹھا سکتی ہیں۔ اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیوں کر ممکن ہوگا۔ انسانی جسم کو راحت و آرام کیوں کر نصیب ہوگا بلکہ معدے میں غذا کی ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا۔ اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص و آز نفس میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہوگی۔ وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مضمحل اور سست ہو جائے گی۔ اس سے قویٰ میں اضمحلال اور بدن کے انتظام میں اختلال کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح وہ جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لئے تھان پر باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام

کرکے پھر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ان کا حال بھی زبوں ہو جائے گا۔ ادھر آفتاب غروب نہ ہونے اور متواتر نکلے رہنے سے زمین اتنی گرم ہو جائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان وحیوان اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے۔ سورج کا طلوع وغروب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہیں۔ انسان نیز دوسری مخلوق کا سکون وراحت اسی میں مضمر ہے جس طرح کہ انسان بجلی کی متواتر روشنی سے گھبراکر روشنی کو بند کرکے آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی کرکے اپنی اضطرابی کیفیت کو تسلی دیتا ہے اور جیسا کہ انسان آگ سے کھانا وغیرہ تیار کرکے خود متمتع ہوتا ہے۔ پھر دوسروں کو دیدیتا ہے کہ اب وہ اس سے اپنا کھانا وغیرہ تیار کرلیں۔ اور دوسرا تیسرے کو تیسرا چوتھے کو اسی طرح تمام عالم قائم ہے۔ روشنی اور تاریکی۔ سردی اور گرمی دونوں ملکر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہونچاتے ہیں۔

اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا ہے۔

قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدا الی یوم القیمۃ من الٰہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء	آپ ان لوگوں سے کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دیتے تو کونسا معبود ہے جو روشنی لائے گا۔

پس جس طرح آفتاب کے طلوع وغروب میں حکمتیں ہیں اسی طرح اس کے تقدم وتاخر یعنی تغیر موسم کے اعتبار سے اس کے طلوع وغروب میں اوقات ومقام کا تغیر وتبدل اس میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ نباتات وحیوانات کا بہت کچھ انتظام آفتاب کی اسی تقدیم وتاخیر سے طلوع وغروب ہونے پر موقوف ہے۔ فصلوں کا پکنا اور غلہ کا اور پھلوں کا اپنے وقت پر پختہ ہو کر تیار ہو جانا بھی اسی پر موقوف ہے۔ اور شب وروز کا موسم کے لحاظ سے کم وبیش ہونا بھی اسی حکمت پر مبنی

ہے۔ اگر طلوع و غروب ایک مقررہ وقت پر ہی ہوا کرے تو رات دن میں یہ کمی بیشی کیونکر ہو سکتی ہے۔ انسان کی افتاد طبیعت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ وہ ہر آن تغیرات و تبدلات کو پسند کرتی ہے۔ اور اس سے لطف اٹھاتی ہے۔ کل جدید لذیذ اوقات کا پہچانتا اور پھر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دینا وغیرہ یہ سب امور اسی آفتاب کے طلوع و غروب پر منحصر ہیں۔ دیکھو خدا نے رات کو راحت و سکون کا سبب اور دن کو طلب معاش کسب و معشیت کے لئے کس حکمت و مصلحت سے بنایا ہے پھر سال میں موسموں کا تغیر و تبدل اور ان موسموں میں آب و ہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب آفتاب ہی کی برکتوں کا ثمرہ ہیں۔ اور آب و ہوا میں سردی و گرمی اور رطوبت و یبوست کے اثرات شجر و نباتات اور ان کے پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں۔ اور آفتاب کے طلوع و غروب اور موسم کے تغیر و تبدل اور اس کے اثرات ہی سے بادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے جو انسانات۔ حیوانات اور نباتات کے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہے۔ انسان کی طبیعتوں میں اختلافات بھی اس کی برکات کا سبب ہے۔ مزاج میں کمی و بیشی اور اعتدال کا پیدا ہونا اس کا دارو مدار بھی اسی پر ہے۔ غرض کہ امراض کا پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا جاتا رہنا بدنوں میں قوت پیدا ہونا اور کاموں میں از سر نو جدوجہد کا عزم مصمم پیدا ہونا یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اوقات پر تدریجی طور پر کام جاری ہیں۔ جس میں بیش بہا حکمتیں و مصلحتیں مضمر ہیں۔ جن پر نظر و غور و فکر سے اس صانع و حکیم کی کاریگری کی داد دینا پڑتی ہے۔ کہ اس نے کمال قدرت اور نہایت حکمت سے کیسا نظام عالم بنایا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین ۰

پھر آفتاب کا برجوں میں جانا جس سے سال کے دوروں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما موسم سرما ربیع و خریف چاروں موسم کا پیدا ہونا

موقوف ہے اور اسی سے سال کا حساب، مہینوں اور دنوں کا شمار اور چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم اسی پر موقوف ہے۔

تمام جہان پر آفتاب کے بلند ہونے پر نظر کرو۔ خدا نے کس بلیغ حکمت سے اس کو بلند کیا ہے۔ اگر ایک ہی جگہ پر وہ قائم ہوتا تو اس کی شعاعوں سے زمین کے ایک ہی حصہ کو فائدہ ہوتا باقی حصے اس کے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوتے اور پھر اس کے اثرات و ثمرات بھی تمام جہان کو یکساں طور پر نہیں پہونچ سکتے تھے۔ اس کی روشنی ہمیشہ ایک ہی جہت پر پڑتی اور دوسری جہتیں اس سے محروم رہتیں۔ یہ خدا کی بلیغ حکمت ہے کہ اس نے آفتاب کو متحرک بنایا طلوع ہوتے وقت جن اطراف واکناف میں اس کی روشنی پڑتی ہے غروب ہوتے وقت وہاں سایہ ہوتا ہے اور جو حصہ طلوع ہوتے وقت روشنی سے محروم تھے۔ اب غروب ہوتے وقت وہ بھی اس کی روشنی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس طرح سے آفتاب کا فیض سب کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رات و دن کی مقداروں پر نظر کرو۔ خدا نے کس خوبی سے اس کا نظام رکھا ہے جس میں عالم کی فلاح و بہبود مدنظر ہے۔ کہ اگر ذرا بھی اس میں فرق آجائے تو اس کا بڑا اثر زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو کم و بیش پہونچے گا۔ خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات۔ حیوانات کو لیجئے کہ جب تک وہ دن کی روشنی دیکھتے رہیں گے کام میں لگے رہیں گے حتیٰ کہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی۔ چوپائے چرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ حد سے کسی چیز کا بڑھنا اس کے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے نباتات کو ذرا دیکھئے۔ آفتاب کی حرارت اگر متواتر پڑتی رہے گی تو نباتات خشک ہو کر جل جائے گی۔ اور یہی حال رات کے برابر رہنے کا ہے۔ اگر دن نہ ہو اور رات ہی رہے تو حیوانات سے طلب معاش اور کسب معیشت میں اختلال کا موجب ہوگی۔ اور طبعی حرارت سرد

پڑ جانے سے نباتات وحیوانات کے فساد و تلف ہو جانے کا سبب ہو گا۔ جس طرح کہ اس مقام پر نباتات کا حال ہوتا ہے۔ جہاں ہم آفتاب کی روشنی و گرمی پہونچنے کا بندوبست نہ کریں۔ اور اس کی شعاعوں کے اثرات کو وہاں تک نہ پہونچنے دیں۔

چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔
تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا وقمرا منیرا ۝

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان پر بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ آفتاب اور نورانی چاند بنایا۔

اس حکیم مطلق نے جب رات کو وجہ سکون وراحت بنایا۔ ہوا کو خوشگوار ٹھنڈا کر دیا۔ تو اس نے رات کو تاریک اور مطلق ظلمت نہیں رکھا۔ ورنہ رات کی تاریکی میں انسان اپنے ان کاموں کو کیونکر انجام دیتا جن کے انجام دینے میں وہ روشنی کا محتاج ہے۔ کیوں کہ شدت گرمی یا تنگی وقت کی وجہ سے کبھی اس کو راتوں کو اپنے دن کے کام انجام دینا ہوتے ہیں۔ تو چاند کی روشنی سے اس کو بڑی مدد ملتی ہے اور چاند کو ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے جو بعض راتوں میں اپنی پوری تابانی سے پھیلی ہوتی ہے۔ انسان کو اس سے نشاط وفرحت حاصل ہوتی ہے اور ان راتوں میں جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی۔ ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ دیکھنے والے کو ایک فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس خوبی سے رات کی تاریکی کو چاند ستاروں کی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے ——— دور کیا۔ تاکہ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

پھر چاند کی نقل و حرکت پر سالوں اور مہینوں کا علم کس طرح موقوف کیا ہے۔ یہ اللہ کی بڑی مصلحت و حکمت ہے۔ ستاروں میں روشنی کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ زراعت و کاشت کا بہت کچھ معاملہ چاند و ستاروں پر موقوف ہے۔

بحر و بر کے مسافرین کے لئے رہ نمائی کا بڑا سبب ہے۔ بڑے بڑے لق و دق جنگلوں میں رات کی تاریکی میں سفر کرنا اور اسی طرح سمندر کی تاریک راتوں میں راستہ کا معلوم کرنا انہیں سیاروں کے وجود پر موقوف ہے۔

اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔

وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستے معلوم کر سکو۔

آفتاب کی طرح ماہتاب کے طلوع غروب اور آنے جانے میں اور پھر اس کے پہلے دن طلوع ہونے اور کم و بیش ہونے اور بعض راتوں میں اس کے غائب ہونے اور بعض اوقات اس کے کسوف سے لوز ہونے میں۔ جو جو حکمتیں پوشیدہ ہیں جو قدرت الٰہی پر دلائل ہیں۔ ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

پھر آسمان کا ان ستاروں کے ساتھ ہر شب و روز سرعت سے حرکت کرنا۔ جس کو ہم خود بھی طلوع غروب کے وقت مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر یہ حرکت اس سرعت سے نہ ہوتی تو یہ رات و دن کے ۲۴ گھنٹہ کی طویل مسافت کیونکر قطع ہوتی۔ اگر خدا نے تعالے چاند کو ہم سے اتنا بلند نہ رکھتا جس سے ہم اس کی شدت رفتار کو محسوس نہیں کر سکتے تو یقیناً اس کی حرکت کی سرعت رفتار سے

ہماری آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ جس طرح کہ کبھی کبھی خلا میں بجلی کے چمکنے سے ہم محسوس کرتے ہیں۔ اور اس حکمت سے بھی اس نے ہم سے اتنا دور اور بلند رکھا ہے۔ کہ قریب و محسوس ہونے سے ایسے حادثات نہ پیدا ہوں جن کے ہم متحمل نہ ہوں۔ اس لئے ایک خاص انداز اور مقدار پر اس نے بنایا۔

ان ستاروں پر نظر کرو جو سال کے بعض ایام میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اور بعض ایام میں طلوع جیسا کہ ثریا جوزاء اور شعریٰ اگر یہ ہمیشہ ایک وقت میں نکلے رہتے۔ تو انسان کو وہ فوائد حاصل نہ ہوتے جو اس موجودہ صورت میں حاصل ہیں۔ اور انہیں فوائد و مصالح انسانی کے پیش نظر اس نے بنات نعش لے کو ہمیشہ نکلا ہوا بنایا ہے جو کسی وقت غائب نہیں ہوتی کہ وہ بمنزلہ نشانات و دلائل کے ہے مسافروں کو رات کی تاریکی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس طرح سے اگر یہ ستارے ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے خدا بناتا جو حرکت نہ کرتے اور ہر برج میں سے ہو کر نہ گذرتے تو پھر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں جو ان سے دلالت و ہدایت کا کام لیا جاتا ہے اس سے ہم محروم ہو جاتے جس طرح کہ ہم چاند و سورج کے اپنے منازل و بروج میں منتقل ہونے سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ زمین پر سفر کرنے والا راستہ کی منازل و مدارج طے کر کے گذرنے میں اپنے لئے سہولت و فائدے حاصل کرتا ہے۔

کہ آسمان اور آسمان کے یہ تمام سیارے اس عالم پر سال کے چاروں فصلوں میں

لے بنات و نعش سے مرکب ہے قطب شمالی کے قریب چارپائی کی شکل میں چار ستارے ہیں جو نعش کہلاتے ہیں اور اس کے مشرقی شمالی پایہ کے متصل تین ستارے ہیں جو بنات کہے جاتے ہیں اسطرح بنات النعش سات ستاروں کا ایک مجموعہ ہے ←

* * * * * * *

اس لئے گردش کرتے ہیں کہ اس میں حیوانات و نباتات و دیگر مخلوقات کے
ہزاروں فوائد اور ان کی معیشت مضمر ہیں۔
اس خالق کا یہ کمال قدرت ہے کہ اس نے آسمان کو ایسا بلند ایسا
خوشنما اور مستحکم اور ثابت بنایا ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس میں کسی
قسم کا تغیر و تبدل محسوس نہیں کہ اس کا ادنیٰ سا تغیر بھی اہل زمین کے ایک
بڑے تغیر و تبدل کا موجب ہوتا۔ اور نظام عالم میں بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا
کیوں کہ زمین کا نظم و نسق آسمان کے ساتھ کچھ اس طرح سے وابستہ ہے
اور خدا کی یہ بڑی قدرت ہے کہ نظام عالم ایک نہج پر اسی طرح جاری اور
ساری ہے۔ سبحان العلیم القدیر

زمین کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ | اور ہم نے زمین کو بطور فرش بنایا۔
والارض فرشناها فنعم الماهدون | سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے زمین کا کیسا اچھا بستر بچھایا ہے۔ جس پر ہم آرام کرتے ہیں اس بستر کے بغیر ہمارے لئے رہنا دشوار تھا۔ پھر ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا۔ ہماری ضرورت کی تمام چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں۔ سردی اور گرمی سے حفاظت بھی زمین پر رہ کر کر سکتے ہیں۔ اور بدبو دار چیزیں اور مردار جن کے تعفن کی وجہ سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی چیزوں کو زمین میں دفن کر کے ہم ان کی خراب ہوا کے اثر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

الم نجعل الارض كفاتا احياء وامواتا | کیا ہم نے زمین کو زندوں مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا۔

ہمارے لئے زمین پر راستے بنائے تاکہ ہم اپنے لئے ضروری سامان لانے لیجانے کے لئے سفر کریں۔ اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کر یکیں اسی طرح سے ہمارے جانوروں کے لئے چارہ دیزہ بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ہماری کھیتی باڑی بھی زمین پر ہوتی ہے ان تمام چیزوں میں ہم زمین کے محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے:۔

اخرج منها ماءها ومرعاها والجبال ارسٰها متاعا لکم ولانعامکم

زمین میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کی خاطر۔

زمین کو نرم اور ہماری مزدوروں کے مناسب پیدا فرما کر اس نے ہم کو اختیار دیا کہ ہم زمین کو اپنی مزدوروں کے لئے استعمال کریں۔ اس پر بیٹھیں آرام کریں سوئیں اپنے کام کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کریں۔ یہ سب آسانیاں اس لئے حاصل ہیں کہ زمین کو ہمارے حسب حال بنایا ہے۔ کیوں کہ اگر یہ زیادہ نرم اور متحرک ہوتی تو ہم اس پر نہ مکانات بنوا سکتے نہ کھیتی باڑی کر سکتے نہ اس پر ٹھہر سکتے۔ نہ آرام کر سکتے تھے۔ جیسے کہ زلزلوں کے جھٹکوں سے ہم متوحش ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے ڈر کر ہم اپنا کوئی کام بھی نہیں کر پاتے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں کی تنبیہ کے لئے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے کبھی کبھی اپنی قدرت اس طرح سے ظاہر فرماتا ہے یہ بھی خدا کی بڑی حکمت ہے۔

جس طرح خدا نے زمین کو مناسب نرم بنایا ہے اسی طرح اس نے مناسب خشک اور سرد بنایا ہے۔ اور اگر زیادہ خشک پتھر جیسی سخت بنا دیتا تو ہم کاشت کے لئے اور مکانات کے لئے اس کو کیوں کر استعمال کر سکتے تھے۔ اس لئے اس نے کمال حکمت سے اس کو مناسب نرم اور خشک سرد بنایا کہ زمین پر رہنے والوں کو زمین کے استعمال کرنے میں سہولت ہو۔

پھر اس نے اپنی حکمت سے شمالی حصّہ کو جنوبی حصہ سے قدر سے بلند بنایا کہ پانی ایک طرف سے بہہ کر دوسری طرف جا سکے۔ اور اس طرح سے حیوانات کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے۔ اور آخر میں وہ پانی سمندر میں جا کر گر جائے اگر ایسا نہ ہوتا یعنی زمین ایک طرف سے ذرا بلند اور دوسری طرف

سے ذرا نشیب میں نہ ہوتی تو پانی سطح زمین پر رک کر اس کو سمندر بنا دیتا۔ اور آمدورفت بند ہو جاتی۔ لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہوتا۔ جیسا کہ ہم سیلاب کے زمانے میں پریشانیوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتے ہیں۔

اب زمین کے اندرون کی طرف ذرا غور کرو۔ خدا نے اس کے اندر کیسے کیسے خزانے پوشیدہ رکھے ہیں۔ کہیں جواہرات کی کانیں ہیں تو کہیں سونے چاندی کے خزانے کہیں یاقوت و زمرد کے ذخیرے کہیں لوہے تانبے سیسے گندھک ہڑتال۔ سنگ مرمر۔ چونا۔ سیمنٹ۔ تیل وغیرہ کے بڑے بڑے خزانے اگر تفصیل سے ان کو لکھا جائے تو اس کے لئے کافی وقت اور صفحات کی ضرورت ہو گی ان تمام خزانوں اور ذخیروں کو ہم اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں اور کس کس طرح سے یہ چیزیں ہمارے کام میں آتی ہیں۔

اگر زمین پہاڑ کی طرح بلند اور سخت ہوتی تو ہم اس سے خاطر خواہ نفع حاصل نہ کر سکتے تھے۔ خدا نے اپنی حکمت سے مسطح اور ہموار حسب ضرورت نرم و سرد اور خشک بنایا کہ ہم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ زمین کے پہاڑ کی طرح بلند و سخت ہونے میں ہم کاشت کے لئے اسے کیوں کر استعمال کر سکتے تھے۔ کیوں کہ کاشت اسی زمین پر ہو سکتی ہے کہ زمین نرم ہو اور ہموار بھی ہو تا کہ ضرورت پر پانی کھپ سکے۔ اور نرم و نازک پودے زمین کے نرم سینے کو چاک کر کے باہر آ سکیں۔ اور وہ نرم و نازک پودے جب تناور درخت ہو کر زمین پر قائم ہوں تو درختوں کی جڑیں اور نرم و نازک ان کی رگیں زمین کی گہرائی میں چاروں طرف پھیل کر درخت کو قائم رکھنے میں مددگار ہوں اور اس کو سرسبز و شاداب کرنے میں زمین سے اپنی خوراک حاصل کر کے درخت کو سیراب کر سکیں اور اس کو قائم رکھ سکیں۔

زمین کے نرم ہونے میں جہاں اور بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں آسانی سے جہاں ہم چاہتے ہیں کنویں کھود لیتے ہیں اگر زمین پہاڑ کی طرح

سخت ہوتی تو کنویں کھودنے میں بڑی دشواری ہوتی۔ اس طرح سے ہمارے سفر کرنے میں بھی بڑی دشواری ہوتی کیوں کہ پتھروں میں راستوں کا بنانا بڑا سخت کام ہے اور راستوں کے موجود نہ ہونے سے اور ان کے متعین نہ ہونے سے۔ ہمارے لئے سفر کرنا ناممکن ہوجاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا	وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کردیا۔ پس تم اس کے راستوں پر چلو۔
وجعل لکم فیھا سبلا لعلکم تھتدون	اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے کہ تم منزل مقصود تک پہونچ سکو۔

منجملہ ان فوائد کے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مکانات کے بنانے میں یہاں کی مٹی کو باآسانی استعمال کرسکتے ہیں۔ اینٹیں بناتے ہیں گارے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں اور برتن وغیرہ ... دوسری بہت سی ضروری چیزیں تیار کرتے ہیں۔

جن مقامات پر زمین سے نمک پھٹکری ابرق اور گندھک وغیرہ نکلتی ہے وہاں کی مٹی زیادہ نرم ہوتی ہے۔ اور نرم زمین میں طرح طرح کی نباتات پیدا ہوسکتی ہے۔ سخت اور پہاڑی زمین میں یہ نہیں ہوسکتی اور زمین کے نرم ہونے سے بہت سے جانور اچھے رہنے کے ٹھکانے بناتے ہیں۔ حشرات الارض کے رہنے کے لئے سوراخ اور بل اور کھوئیں زمین ہی میں ہوتی ہیں اور یہ سب آسانی زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے ہے۔ کانوں کا زمین کے اندر پیدا فرمانا خدا کی بڑی حکمتوں میں سے ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بطور احسان فرمایا ہے۔

واسلنالہ عین القطر	اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہا دیا۔

یعنی ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے سے تمتع حاصل کرنے کے لئے طریقوں کو آسان کر دیا۔ اور اس کی کان (خزانہ) پر مطلع کیا اور اسی طرح سے اپنے بندوں پر امتنانا ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس	ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے بہت کام کی چیز ہے

اس مقام پر نزول کا مفہوم خلق ہے یعنی پیدا کرنا جس طرح کہ دوسری جگہ لفظ انزل سے خلق کے معنی کو مراد لیا گیا۔ جیسے ایک جگہ فرمایا۔

وانزلنا لکم من الانعام	خدا نے تمہارے فائدے کے لئے مویشی پیدا فرمائے۔

حضرت سلیمان کے حق میں جس آیت میں انزلنا ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے معنی اسطرح ہیں کہ ہم نے پیدا فرمایا اور ان پوشیدہ خزانوں سے سونا وغیرہ معدنیات کو نکال کر اپنے کاموں میں لانے کے طریقوں کی تعلیم دی کہ ان معدنیات کو کس کس کام میں کیوں کر لایا جا سکتا ہے۔ شیشہ سے نفیس برتن تیار کئے جا سکتے ہیں۔ جن میں اپنی ضروری چیزوں کو طویل مدت تک کے لئے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ان کانوں سے سرمہ مومیا۔ سلاجیت وغیرہ مفید چیزوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو ہمارے بہت سے کام آتی ہیں۔

اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس نے زمین پر پہاڑوں کو قائم فرما کر زمین کو مستحکم کر دیا۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے :-

والجبال ارساھا	اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا۔
والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم	اور رکھ دئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر

چمک نہ پڑے۔

وانزلنا من السماء ماء فاسکناہ فی الارض	ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا۔

اس حکیم مطلق نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا۔ جن کے تمام فائدوں اور مصلحتوں کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ منجملہ ان حکمتوں کے یہ ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے۔ جو حیوانات و نباتات کی زندگی و تازگی کا سبب ہے۔ اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور سورج کی گرمی پانی کو خشک کر دیتی اور اس صورت میں زمین کو کھود کر مشقت کے بعد پانی حاصل ہو سکتا تھا۔ خدا نے بڑی حکمت سے پہاڑوں کو زمین پر پیدا کیا۔ جن کے اندر پانی کے بڑے بڑے ذخیرہ جمع ہو کر تھوڑا تھوڑا کر کے چشموں اور نہروں اور دریاؤں کی شکل میں پانی بہتا ہے اور اس طرح زمین کے دور دراز کے مقامات تک کو سیراب کرتا ہے۔ اور یہ پانی گرم موسم میں اور بھی قابل قدر ہوتا ہے اور اس زمانے تک اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بارش کا زمانہ شروع ہو۔ اور جن پہاڑوں میں پانی کے جمع کرنے کے لئے اندروں میں گنجائش نہیں ہوتی ان پہاڑوں پر برف کی شکل میں پانی کے خزانے کو محفوظ کر دیا جو سورج کی گرمی سے تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت پگھل کر ندیوں نالوں اور نہروں میں جا کر زمین اور اہل زمین کو سیراب کرتا ہے۔ پہاڑوں پر کہیں کہیں بڑے بڑے حوض بھی ہوتے ہیں۔ جہاں پانی جمع رہتا ہے اور ضرورت پر اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ غلہ کے بڑے بڑے ذخیروں اور گوداموں سے ضرورت کے وقت غلہ حاصل کیا جاتا ہے۔

علاوہ اس کے پہاڑوں پر بعض خاص قسم کے درخت اور جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو اور کہیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ پہاڑوں پر نہایت بلند درخت پائے جاتے ہیں۔ جن کی لکڑی عمارتوں اور کشتیوں کے بنانے میں خاص کر استعمال کی جاتی

ہے۔ یہ لکڑی دوسرے درختوں سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ پہاڑوں پر ایسے پر فضا اور شاداب مقامات ہیں کہ وہاں جاکر لوگ اپنے فرصت کے ایام گزارتے ہیں۔ اور صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ چوپاؤں اور دوسرے جانوروں کے لئے بھی وہاں سامان خورد و نوش اور آرام کرنے کے پر فضا مقامات بنے ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کے لئے خاص کر وہ جگہ مخصوص ہے جہاں وہ اپنے گھر بناتی ہیں اور انسان بھی گرمی کے موسم میں تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اور اپنے مردوں کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لئے وہاں دفن کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وتنحتون من الجبال بیوتاً امنین	اور پہاڑوں میں اپنے رہنے کے مکانات بناتے ہیں۔ جن میں بےخوف رہتے ہیں۔

منجملہ دیگر فوائد یہ بھی ہیں کہ پہاڑوں پر راستوں کی شناخت کے لئے بڑے بڑے نشانات نصب کرتے ہیں۔ مسافروں کو اثنائے سفر میں ان نشانات سے بڑی مدد ملتی ہے۔

ایک یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے لشکر اور جماعتیں جو اپنے مقابل سے نہیں لڑ سکتے۔ وہ پہاڑوں پر پناہ لیتے ہیں۔ اور پہاڑوں کو قلعہ کی جگہ استعمال کر کے اپنے کو دشمن سے محفوظ سمجھتے ہیں۔

خدا کی حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس حکمت سے زمین میں سونے چاندی کے خزانوں کو محفوظ کیا ہے۔ اور پھر خاص انداز سے اس کو پیدا فرمایا ہے اور پانی کی طرح سونے اور چاندی کو وافر نہیں پیدا کیا۔ اگرچہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ پانی کی طرح ان چیزوں کو بھی اتنا ہی کثیر مقدار میں پیدا فرما دیتا۔ یہ بھی اس کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اور مخلوق کی فلاح و بہبود اس انداز پر موقوف ہے۔ جس کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں۔

اس نے فرمایا ہے۔
وان من شئ الا عندنا خزائنه
وما ننزله الا بقدر معلوم

اور جتنی چیزیں ہمارے پاس ہیں سب کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اور ہم اس چیز کو ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں۔

سمندر کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا

اس خدا نے تمہارے لئے سمندر کو تمہارے قبضہ میں دے دیا کہ تم اس سے تازہ گوشت مچھلیاں کھاؤ۔

خدا تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا۔ اور زمین کے اطراف و جوانب میں اس طرح پھیلا دیا۔ کہ زمین کا خشک حصہ اور پہاڑ وغیرہ اس کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ایک چھوٹا سا جزیرہ نما بلند حصہ ہو جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہو اور اسی نسبت سے زمین کے جانور ہیں۔ ان جانوروں کی نسبت سے جو خدا نے سمندر میں بنائے ہیں۔ یعنی سمندر میں رہنے بسنے والے جانور خشکی کے جانوروں سے کئی حصے زائد ہیں۔ اور سمندر میں خدا نے بڑے بڑے عجائبات پیدا کئے ہیں جن کو دیکھکر خالق کی قدرت نظر آتی ہے۔ سمندر میں حیوانات جواہرات اور خوشبودار اشیاء اس کثرت سے ہم کو ملتی ہیں کہ زمین پر اتنی افراط سے نہیں پائی جاتیں اور ایسے ایسے عظیم الجثہ جانور پانی میں پائے جاتے ہیں کہ اگر وہ کسی وقت اپنی پشت کا ایک حصہ پانی سے بلند کر دیں۔ تو اس پر کسی وسیع بلند ٹیلہ یا پہاڑ کا شبہ ہونے لگتا ہے اور جس طرح خشکی میں انسان پرندے گھوڑے اور گائے وغیرہ مختلف انواع و اقسام کے حیوانات ہیں اسی طرح اس سے کئی حصہ زائد پانی میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ جتنی اقسام کے جانور پانی میں پائے جاتے ہیں خشکی میں تو دکھائی بھی نہیں دیتے۔ پھر خدا نے

عجیب قدرت وحکمت سے ان کی ضروریات کو بنایا ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو اس کے لئے کئی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوگی۔
خدا نے کس خوبی اور حکمت سے موتی کو سیپی کے اندر محفوظ طریقے سے پانی میں رکھا ہے اور مرجان کو پانی کے اندر پتھر کی چٹان کی تہ میں کس طرح محفوظ کیا ہے۔ خدا نے بندوں پر امتناناً فرمایا۔

یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان	ان دونوں (دریا) سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔

اس مرجان کے متعلق جس کا قرآن کی اس مذکورہ آیت میں ذکر ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا موتی ہے۔ جو لؤلؤ سے زیادہ رقیق اور چھوٹا ہوتا ہے۔ اور اس احسان وانعام کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔

فبای آلاء ربکما تکذبان	پس تم اپنے مالک کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے۔

اس آیت میں آلاء سے مراد خدا کے انعامات واحسانات ہیں۔
اسی طرح عنبر اور دیگر قیمتی چیزوں کو دیکھو جن کو خدا نے اپنے کمال حکمت سے سمندر میں پیدا فرمایا ہے۔
پانی کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیوں کی روانی پر نظر کرو، کہ بندوں کی کتنی ضرورتیں ان کشتیوں اور جہازوں کی آمدورفت سے پوری ہوتی ہیں۔ خدا نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے

والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس	اور ان جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں انسانوں کی نفع کی چیزیں اور اسباب لے کر (اس میں بڑی عبرت وموعظت ہے)

خدا نے کس طرح سے انسان کو سمندر پر قدرت واختیار دیا ہے کہ وہ اس

کے سینہ پر مال سے لدے ہوئے کیسے بڑے بڑے جہاز ادھر سے ادھر ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتا ہے اگر انسان کے پاس بار برداری کے لئے یہ سامان نہ ہو تو اس کے لئے بڑی دشواری پیدا ہو جائے اور ایک ملک کا مال اتنی کافی مقدار میں دوسرے ملک تک پہونچانا ناممکن ہو جائے اور اس میں کافی زیر باری اور مشقت پیدا ہو جائیگی ۔

خدا نے اپنے بندوں پر بڑا کرم فرمایا کہ اس نے لکڑی ایسی ہلکی اور مضبوط چیز بنائی جو پانی پر اتنے بوجھ کو لے کر قایم رہ سکے ۔ اور خدا نے اپنی رحمت سے انسان کو کشتیاں اور جہاز تیار کرنے کی حکمت اور سمجھ عطا فرمائی پھر ہواؤں کو اس انداز سے چلایا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جہازوں اور کشتیوں کو لے جائیں اور انسان کو ہواؤں کے چلنے کے اوقات اور اس کا علم عطا فرمایا ۔ ان تمام نعمتوں کے لئے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے ۔

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو
عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

خدا کی اس قدرت کو دیکھ کہ اس نے پانی کیسا سیال متصل الاجزاء پتلا لطیف بنایا ہے گویا کہ تمام پانی ایک بڑا جسم ہے اور اتصال وانفصال کو جلد قبول کر لیتا ہے کہ جلد ہی دوسرے پانی سے مل کر ایک متصل جسم ہو جاتا ہے جس میں تصرف کرنا آسان ہوتا ہے ۔ اور پانی کی روانی اور لطافت جیسی خوبیوں کی بدولت اس پر کشتی اور جہاز آسانی سے رواں ہو سکتے ہیں ۔

اس کی عقل پر افسوس کرنا پڑتا ہے جو خدا کی اتنی نعمتوں اور بخششوں پر نظر نہ کرے اور غافل بنا رہے حالانکہ ان تمام چیزوں میں خدا کی قدرت و حکمت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں ۔

وفی کل شئ لہ آیۃ ۔ تدل علی انہ واحد

یہ تمام کمالات قدرت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے انسان اپنی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک کر دے اور دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ میں نے کیسی کیسی گوناگوں نعمتیں اور مفید چیزیں بنائی ہیں۔ کیا ان کا بنانے والا کوئی دوسرا ہے۔ جس کو میرے ساتھ تو شریک ٹھہراتا ہے؟۔ بلکہ یہ صرف اسی واحد قادر اور حکیم مطلق کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

پانی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
وجعلنا من الماء کل شیٔ حی
افلا یومنون
فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ
ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا
ءالہ مع اللہ بل ھم قوم یعد
لون

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز
جس میں جان ہے۔ پھر کیا یقین نہیں
رکھتے۔
پھر اس پانی کے ذریعہ پُررونق باغ
اگائے ورنہ تم سے ممکن نہ تھا کہ تم
ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو
کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے
بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں
کو خدا کی برابر ٹھہراتے ہیں۔

خدا نے پانی جیسی ضروری چیز کو اتنی افراط سے پیدا فرما کر بندوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے۔ انسان۔ حیوان نباتات سب کی زندگی کے لئے پانی کا ہونا لازمی ہے۔ شدت پیاس میں اگر پانی میسر نہ آئے تو ایک گھونٹ پانی کے لئے — انسان ——— بڑی سے بڑی دولت دینے کے لئے آمادہ ہوگا۔ اس وقت انسان کو پانی کی قدروقیمت معلوم ہوگی۔ خدا کی اتنی مفید نعمت سے ہم غفلت میں ہیں اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پھر خدا کی بڑی حکمت یہ کہ اس نے اتنی ضروری چیز کو کیسی فراوانی اور افراط سے پیدا فرمایا کہ ہر انسان وحیوان ادنیٰ سی طلب کے بعد پانی حاصل

کرسکے۔ اگر پانی دوسری اشیاء کی طرح ایک محدود مقدار میں ہوتا تو زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ بلکہ نظام عالم ہی منتشر ہو جاتا۔
پانی کی لطافت اور رقت پر نظر کیجئے کہ جوں ہی آسمان سے برس کر زمین پر آتا ہے۔ درختوں کی جڑوں میں بہو نچکر ان کی غذا بن جاتا ہے اور سورج کی حرارت سے بخارات کی شکل میں اوپر کی طرف چلا جاتا ہے اور اپنی لطافت ہی کی وجہ سے غذا کو معدے میں باآسانی لے جاکر ہضم میں مدد دیتا ہے پیاس کے وقت اس کے پینے میں کیسی لذت محسوس ہوتی ہے۔ اور اس کو پی کر ہم تمام تکان اور بے چینی کو بھول جاتے ہیں۔ اور جسم میں ایک راحت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ غسل کرنے میں ہم اس کو استعمال کرتے ہیں بدن کا تمام میل اس سے غسل کرکے دور کرتے ہیں۔ اپنے میلے اور گندے کپڑے اسی سے دھوکر صاف کرتے ہیں۔ پانی مٹی میں آسانی سے مل جاتا ہے جو ہمارے مکان بنانے میں کام آتی ہے اور ہر سوکھی اور خشک چیز کو ہم پانی کے ذریعہ نرم اور تر کرتے ہیں۔ طرح طرح کے مشروبات پانی ملاکر ہی تیار ہوتے ہیں۔ بڑی سے بڑی آگ لگنے پر ہم پانی کی مدد سے اس پر قابو پالیتے ہیں۔ اور پانی چھڑکتے ہی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑجاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان انتہائی غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو پانی کے دو گھونٹ پی کر اس کا غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ اور آتش غضب سرد ہو جاتی ہے۔ اور نزع کے عالم میں جب سکرات کی تکلیف ہوتی ہے تو پانی پی کر اس میں کمی ہوتی ہے۔ ایک مزدور دن بھر کی سخت مشقت کرکے جب پانی سے غسل کرتا ہے اور ایک گلاس پیتا ہے تو وہ تمام دن کی مشقت کو بھول جاتا ہے۔ ہمارے تمام کھانوں میں اس کا استعمال ضروری ہے۔ اسی سے ہمارے کھانے تیار ہوتے ہیں کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو مرطوب ہیں۔ بغیر پانی کے تیار نہیں ہوسکتیں۔ پس خدا کی اس بیش بہا نعمت کو دیکھ کہ اس نے

کس افراط سے اس کو پیدا کیا ہے کہ آسانی سے ہم اس کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اگر اتنی افراط سے اور آسانی سے یہ بہم نہ ہو سکتا تو زندگی میں بڑی تنگی ہو جاتی اور ہمارا تمام عیش و راحت مکدر ہو جاتا۔

پس خدا کا ہزار شکر ہے کہ اس نے پانی کو پیدا فرما کر ہمیں اتنے کاموں میں استعمال کرنے کی قدرت دی اور اس سے بے شمار فائدے پہونچا کر ہماری زندگی میں بڑی سہولت عطا فرمائی۔ خدا کے ان انعامات کو ہم شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها	اللہ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔

ہوا کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وارسلنا الریاح لواقح فانزلنا من السماء ماء فاسقیناکموہ و ما انتم لہ بخازنین

اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم یہی پانی آسمان سے برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں تم اتنا پانی جمع نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت سے ہوا کو اس طرح خلق کیا ہے کہ اس کے اندر ریاح داخل ہیں۔ اگر یہ ہوا موجود نہ ہوتی تو خشکی کے سارے جانور ہلاک ہو جاتے۔ ہوا کے چلنے اور حیوانات کے جسموں کو لگنے سے بدن کی حرارت معتدل حالت میں ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہوا بڑی جانوروں کے لئے بالکل اس طرح ہے جس طرح پانی کے جانوروں کے لئے پانی کا وجود کہ وہ بدون پانی کے تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

اگر ہوا کا بدن کو لگنا اور بدن کے اندرون میں سمانا نہ ہو یا تھوڑی دیر کے لئے ہوا بند ہو جائے تو بدن کی تمام حرارت قلب کے اندر رجوع ہو جائے اور فرط حرارت سے موت واقع ہو جائے گی جیسا کہ ہم اس وقت دم کے گھٹنے اور سانس کے رکنے سے محسوس کرتے ہیں۔ جب گرمی شدید ہو اور ہوا بند ہو جائے

پھر خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے ہوا کو بادلوں کے ایک جگہ سے

دوسری جگہ سے جانے پر کیسا مامور کیا ہے۔ ہوا بادلوں کو ایسی زمین پر لے جاکر بارش برساتی ہے جہاں کی زمین سوکھی اور پانی کے لئے پیاسی ہو اس طرح سے ہمارے کھیتوں کو پانی قدرت الہی سے ملتا ہے اور اگر اس طرح سے خدائے تعالےٰ ہواؤں کو بادلوں کے چلانے پر مامور نہ کرتا تو بادل پانی کے بوجھ سے بوجھل ہو کر ایک ہی مقام پر رکے رہتے اور پھر ہماری کھیتیاں اور باغات سوکھے رہ کر ضائع ہو جاتے۔

ہواؤں میں خدا نے یہ بھی حکمت پوشیدہ رکھی ہے کہ وہ جہازوں اور کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے۔ اور اس طرح سے ایک ملک کی پیداوار سے دوسرے ملک کے باشندے متمتع ہوتے ہیں اگر جہازوں اور کشتیوں سے اس طرح سے مال لانے لیجانے کا انتظام نہ ہوتا تو لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں اس طرح سے ایک چیز ایک جگہ ضرورت سے زائد پیدا ہو کر بے قدر ہوتی۔ اور ضائع ہو جاتی اور دوسرے مقام کے لوگ اس چیز کے معدوم ہونے سے اس کے لئے ترستے رہتے اور ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔

دیکھو خدا نے ہوا کو کیسا لطیف الاجزاء بنایا ہے۔ کہ جب چلتی ہے تو لطیف الاجزاء ہونے کی وجہ سے ہر ہر چیز میں باآسانی پہونچ جاتی ہے اور پھر ہر جگہ کی بدبو (عفونت) کو پاک وصاف کر دیتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو چیزوں اور زمین میں بدبو کے بڑھ جانے سے طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ جاتیں اور انسان و حیوانات کی ہلاکت کا سبب ہوتیں۔

جب ہوا چلتی ہے تو اپنے ساتھ غبار اور خاک کو لے جاتی ہے باغوں میں جب وہ غبار ہوا کی حرکت سے درختوں کے پتوں میں ہو کر گزرتا ہے تو اس سے درخت صاف ہوتے ہیں۔ اور ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح سے ہوا پہاڑوں پر مٹی کی تہ جما دیتی ہے۔ جس سے پہاڑوں

یں زراعت کے نشو ونما کی قوت آجاتی ہے اور اسی طرح سے سمندر کے ساحل پر ہوا کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور سمندر عنبر جیسی قیمتی اور مفید اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔

ہوا کے چلنے سے بارش کے قطرے ہلکے ہو کر ہوا میں منتشر ہو کر زمین پر گرتے ہیں۔ اور اگر ہوا ان کو متفرق و منتشر نہ کرتی تو بارش کا پانی بادلوں میں بلندی سے یک بارگی مجتمع ہو کر زمین پر گرتا جس سے جانی اور مالی نقصان ہوتا۔ لیکن خدا نے بڑی حکمت سے ہوا کے ذریعہ اس پانی کے زمین پر گرنے کو ایسا آسان کر دیا کہ کسی کو اس سے نقصان نہیں اور وہ منتشر قطرات زمین کی وسیع سطح پر تدریجی طور پر جمع ہو کر نالوں اور نہروں کی شکل میں ہو کر نشیبی علاقوں میں بہہ کر جا گرتے ہیں اور پھر خدا کی اس نعمت کی وسعت اور ہمہ گیری پر نظر کرو کہ دوست و دشمن سب ہی کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ جتنی یہ زندگی کے لئے ضروری ہے اتنا ہی خدا نے اس کو وافر پیدا کیا ہے۔ اس کے بے انتہا فوائد اور چند در چند منافع پر نظر کر و خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔

خدا نے فرمایا ہے۔

هو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب و منه شجر فیه تسیمون ۝ ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون ۝

(وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی چرنے چھوڑ دیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے)۔

بیشک اس میں سوچنے والوں کے
لئے توحید کی دلیل موجود ہے۔

پھر خدا کی قدرت کو دیکھو کہ بارش کے ایام میں کچھ ایسے دن بھی ہو تے ہیں کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا ہوا بھی ساکن ہوتی ہے اس میں لوگوں کے بڑے فوائد ہیں اگر بارش ہی بارش مسلسل ہو تو بھی انسان اور حیوانات اکتا جائیں۔ اسی طرح اگر ہوا برابر ساکن رہے تو بھی بڑی تکلیف کا باعث ہو۔ اور پھر لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہو۔ تم آئے دن دیکھتے ہو کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ رہتا ہے تو تمام کھیتی باڑی سڑ جاتی ہے۔ مکانات منہدم ہونے لگتے ہیں راستے پانی کی کثرت سے بند ہو جاتے ہیں۔ آمد و رفت کے وسائل منقطع ہونے سے تمام کاروبار میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ ملازم پیشہ ور کاریگر سب کے کاموں میں رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

اور اگر حبس کا سلسلہ رہے یعنی بارش نہ ہو، ہوا رک جائے تو بدن خشک ہو جائیں۔ کھیتی کیاری سب سوکھ جائیں۔ چشموں، دریاؤں اور حوضوں کا پانی سڑ جائے اور اس کی عفونت سے ہوا میں بھی عفونت اور یبوست غالب آجائے۔ جس سے بہت سی بیماریوں کے پھوٹ پڑنے کا امکان ہے اشیاء کے کم پیدا ہونے یا قطعًا پیدا نہ ہونے سے سخت گرانی ہو جائے۔ جانور چارہ نہ ملنے سے کمزور اور لاغر ہو جائیں۔ چراگاہیں بیکار ہو جائیں شہد کی مکھیاں یبوست کے غلبہ کی وجہ سے شہد کے ذخیروں کو جمع نہ کر سکیں غرضکہ کسی بھی ایک حالت کے رہنے سے نظام عالم فاسد ہو جائے گا اس لئے اس حکیم مطلق نے دونوں حالتوں کو یکے بعد دیگرے مقرر کیا کہ ایک دوسرے کے نقصانات اور مضرتوں کو رفع کر دے۔ ہوا میں اعتدال پیدا ہو کر اس میں مفید اثرات ظاہر ہوں۔ اور اس طرح تمام اشیاء میں صلاحیت

اور افادیت پیدا ہو کر دوسروں کے لئے مفید ہوں۔ پس یہ خدا کی بڑی مشیت اور غالب حکمت ہے۔ کہ اسطرح پر نظام قایم ہے۔

اگر کوئی شخص دیدہ بصیرت سے محروم ہو اور یہ اعتراض کرے کہ بعض وقت اس طرح بھی نقصان اور ضرر پہونچتا ہے اس لئے ہم یہ جواب دیں گے کہ اس سے انسان کا امتحان اور اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور انسان کو آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اس قدرت وحکمت کو سمجھے کہ اس نے متضاد اشیاء سے کیوں کر متمتع ہونے کے مواقع دیئے ہیں جو اسی کے فضل وکرم پر موقوف ہیں اس سے بہت سے ظالموں کو ان کے ظلم و تعدی سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بیماری کو دور کرنے کی خاطر کیسی کیسی تلخ اور کڑوی دواؤں کو استعمال کرتا ہے اور اس کو ایک لمحہ فکر کے لئے یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ خدا نے کوئی چیز بیکار اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ اور جو چیزیں ذائقہ میں کیسی کیسی بدمزہ اور بری ہیں ان میں قدرت نے اپنی حکمت سے شفا کے لئے کیسے کیسے راز پوشیدہ کئے ہیں۔ ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر ۞ | لیکن اتارتا ہے ناپ کر جتنی چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے۔

آگ کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

افرأیتم النار التی تورون أأنتم انشأتم شجرتھا ام نحن المنشئون نحن جعلناھا تذکرۃ ومتاعا للمقوین فسبح باسم ربک العظیم ٥

بھلا دیکھو تو، وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہم نے ہی وہ درخت بنایا۔ یاد دلانے اور برتنے کو جنگل والوں کے لئے۔ پس اپنے رب کی جو بڑا ہے، تو اس کی پاکی بیان کر۔

خدا نے آگ جیسی ضروری نفع بخش چیز کو پیدا فرما کر بندوں پر بڑا احسان فرمایا اور کیونکہ اس کی کثرت اور زیادتی بڑے فساد اور تباہی کا موجب تھی اس لئے اس نے اپنے کمال وحکمت سے اس طرح سے محفوظ رکھا کہ ضرورت پڑنے پر اس کو موجود کر لیا جاتا ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور پھر وہ پوشیدہ اور معدوم ہو جاتی ہے گویا اس کو بعض دوسری چیزوں میں اس طرح سے پوشیدہ فرمایا کہ ضرورت پر اس کو حاصل کر لیا جائے۔ اس طرح سے ہم اسکی مضرتوں اور نقصانات سے محفوظ ہیں۔ آگ سے بے شمار فوائد اور منافع ہم کو حاصل ہوتے ہیں۔ اگر آگ نہ ہوتی تو ہم اپنے کھانوں کو کیوں کر تیار کرتے۔ ہماری ماکولات، مشروبات بغیر آگ کے قابل استعمال کیوں کر ہو سکتیں۔ ان کے مختلف اجزاء اور ارکان بغیر آگ پر پکائے ایک دوسرے میں

کس طرح تحلیل ہو کر ہمارے لئے مفید غذا بنیں، یہ خدا کی خاص مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ ہمارے کام کی چیزوں کو کس کس حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔

اگر آگ کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو خدا کی بخشی ہوئی بہت سی نعمتوں سے ہم کیوں کر فائدہ اٹھاتے۔ سونا۔ چاندی۔ تانبہ۔ پیتل۔ لوہا۔ سیسہ وغیرہ فلزوری معدنیات سے نفع اندوز ہونا ہمارے لئے بدون آگ کے ناممکن ہوتا آگ کی بدولت ہم معدنیات کو پگھلا کر زیورات برتنوں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ جہاں خدا کی بخشی ہوئی معدنیات بڑی نعمتیں ہیں۔ وہاں ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو استعمال کرنے کے طریقے سکھانا بھی خدا کی بڑی مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے۔ جن نعمتوں پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

خدا تعالےٰ نے فرمایا۔

اعملوا آل داؤد شکرا	کام کر واے داؤد کے گھر والو احسان مان کر۔

لوہے کو لیجئے۔ آگ پر نرم کر کے اور پگھلا کر کن کن ضروری چیزوں میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کے لئے کیسے ہتھیار اور آلات تیار کرتے ہیں۔ اگر تفصیل سے ہم ان آلات و سامان جنگ کی فہرست بتائیں تو اس کے لئے کافی صفحات درکار ہوں۔

خدا نے فرمایا۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس	ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے بہت سے فائدے ہیں۔
لتحصنکم من باسکم فہل انتم شاکرون	کہ وہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہو سو تم کچھ شکر کرتے ہیں۔

اسی لوہے سے ہم ایسے ایسے اوزار و ہتھیار تیار کرتے ہیں جو ہماری کھیتی

باڑی میں کام آتے ہیں۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر تراش لیتے ہیں حتیٰ کہ پہاڑوں کو جگہ سے فنا کر دیتے ہیں۔ اور اپنے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں۔ لکڑی چیرنے پھاڑنے کے آلات بھی لوہے سے تیار کرتے ہیں۔ اس قسم کی سیکڑوں مفید اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم لوہے سے بناتے ہیں۔ یہ سب آگ کی بدولت ہے اگر آگ نہ ہو تو ہم اس مذکورہ بالا اشیاء سے نفع نہ اٹھا سکیں۔ اور مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے برتن کے تبادلے سے بے شمار فوائد ہم کو حاصل ہیں۔ ان سے ہم قطعاً محروم ہو جائیں۔ اپنی زینت و آرائش کے کتنے سامان سے ہم بالکل محروم ہوں۔ اور یہ جواہرات وغیرہ سب ہمارے لئے بیکار ہو جائیں۔

آگ میں خدا نے روشنی کی ایسی صفت حکمت ودیعت کی ہے کہ شب کی مسلسل تاریکی سے جب گھبراتے ہیں تو آگ جلا کر روشنی کر لیتے ہیں روشنی سے ہمکو ایک سکون ملتا ہے ہم اپنی مجلسوں اور محفلوں کو آگ کے مختلف لیمپ روشن کرکے سجاتے ہیں۔ آگ کی روشنی سے ہم تاریکی میں بہت سے خطرات سے محفوظ رہتے ہیں اور رات کی اندھیری میں بھی ہم روشنی کرکے اسطرح سے متمتع ہوتے ہیں گویا آفتاب نکل رہا ہو پھر آگ میں خدا نے حرارت جیسی مفید صفت رکھی ہے کہ سردی سے حفاظت کرتے ہیں۔ برف اور سرد ہواؤں کے نقصانات سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں۔ آگ روشن کر کے بڑے بڑے مہلک اور خونخوار جانوروں کا ہم مقابلہ کرتے ہیں لڑائیوں میں آگ سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں۔ اپنے قلعوں کی حفاظت بھی اس سے کرتے ہیں خدا کی بلیغ حکمت پر نظر کرو کہ اس نے کتنے بے شمار فوائد اس میں رکھے ہیں اور ایسی مفید شے کو ہمارے حوالہ اور اختیار میں دے دیا۔ جب چاہیں اس کو روشن کر لیں۔ اور ضرورت پوری ہونے پر اسکو غائب کر دیں۔

انسان کی تخلیقی حکمتیں

خدا نے فرمایا۔

ولقد خلقنا الانسان من سُلالۃ من طین	اور بیشک ہم نے انسان کو ایک چکیلا مٹی سے بنایا۔

قدرت کو جب منظور ہوا کر وہ انسان کو پیدا فرمائے اور زمین پر بنے رہنے کا موقع دے۔ اور پھر اس کو امتحان و آزمائش میں ڈالے۔ تو خدا نے اس کی پیدائش اس طرح مقرر کی کہ ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل پیدا ہوں اور انسان کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت۔ پھر ان میں باہم الفت و محبت کا رشتہ پیدا کیا۔ ایک دوسرے کی محبت کے دواعی قلوب میں اس طرح مستور رکھے کہ ایک کو دوسرے کے بغیر صبر و قرار نہ ہو۔ ان میں خواہشات کو پیدا کیا کہ یکجا ان کا رہنا اور بسنا ممکن ہو اور بدن کے ایک مخصوص عضو کو اس طرح خلق کیا کہ وہ جنس لطیف کے رحم میں داخل ہو کر منی کے جوہر لطیف کو ودیعت کر دے۔ جہاں انسان کی تخلیق تدریجی طور پر ہو یہ جوہر لطیف انسان کے تمام جسم سے حاصل ہو کر ایک خاص حرکت کے ساتھ عضو مخصوص کے ذریعہ ایک جسم کے باطن سے دوسرے جسم کے باطن میں پہونچکر ایک خاص امتزاجی کیفیت کے بعد انسانی شکل اختیار کرتا ہے اور اس شکل کے اختیار کرتے میں کئی دور اور درجے طے کرنا ہوتے ہیں۔ یعنی نطفہ سے خون بستہ اور خون بستہ سے گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈیوں کا جسم پھر ان پر گوشت پوست پھر ان حصص جسم کو اعصاب او تاد عروق کے حکمت آمیز جالی کے

ذریعہ سے بندش کرنا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنا۔ پھر اعضاء کی شکل عطا کرنا پھر کان، آنکھیں، ناک، منہ، دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو ان میں بنانا پھر ان میں قوتیں عطا کرنا۔ آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عطا کرنا بھی ایک ایسی حیرت انگیز اور شاہکار فطرت ہے کہ کماحقہ اس کی شرح کرنے سے ہم عاجز ہیں آنکھ کو سات طبقات سے مرکب کیا۔ ہر طبقہ میں خاص صفت ودیعت کی اس کی شکل مخصوص بنائی۔ ان طبقات میں سے ایک طبقہ بھی اگر بیکار یا ضائع ہو جائے تو آنکھ سے نظر نہیں آسکتا۔ آنکھ کے اطراف میں پلکوں پر نظر کیجئے جو آنکھ جیسی نازک چیز کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں۔ ان پلکوں میں خدا نے کیسی سریع حرکت کی قدرت رکھی ہے۔ کہ ادنیٰ سی چیز کو آنکھ کی طرف آتا دیکھکر فوراً وہ حرکت میں آجاتے ہیں اور آنے والے خطرہ سے آنکھوں کو آگاہ کر کے اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ اور ہوا میں اڑنے والے گرد وغبار سے آنکھوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ گویا یہ پلک آنکھوں کے لئے بمنزلہ دو دروازہ کے ہیں۔ جو ضرورت پر کھل جاتے ہیں اور ضرورت نہ ہو تو بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر پلکوں کی تخلیق سے اس آنکھوں کی حفاظت کے علاوہ آنکھوں اور چہرے کا حسن وزینت بھی قدرت کو منظور ہے اس لئے ان کے بالوں کو ایک انداز سے بڑا رکھا کہ زیادہ بڑے ہونے سے آنکھوں کو اذیت ہوتی اور اگر زیادہ چھوٹے ہوتے تو بھی آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہوتے۔ آنسوؤں کو قدرت نے نمکین بنایا کہ آنکھوں کا میل کچیل صاف ہو جائے۔ پلکوں کے دونوں اطراف کو اس سے مائل اور جھکا ہوا بنایا کہ آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں کا میل گوشہائے چشم سے بہکر باہر جاسکے آنکھوں پر دونوں بھوں حفاظت اور چہرے کی زینت کے لئے بنائی ہیں۔ انسان کے موزوں بال جھالر کی طرح ہوتے ہیں جو چہرے پر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو اس طرح بنایا

کہ جو ایک خاص رفتار سے بڑھتے ہیں۔ تالمات میں کمی بیشی کر کے ہر شخص جس وضع قطع کو پسند کرتا ہے۔ ان کو بنا سکے۔ منہ اور زبان میں خدا نے کیسی کیسی حکمتیں اور قوتیں ودلیعت کی ہیں منہ کے بند کرنے کے لئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنانے کہ ضرورت پر کھولے جا سکیں اور بے ضرورت بند ہو کر منہ میں مضر چیزیں گھس کر نقصان نہ پہونچا سکیں۔ اس کے علاوہ دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اور زینت بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہونٹ نہ ہوتے تو منہ بدنما بھی معلوم ہوتا اور غیر محفوظ بھی۔ ان ہونٹوں سے بات کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ان کی مختلف حرکات سے بعض حروف پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے مافی الضمیر کو ان کی مدد سے ظاہر کرتا ہے ان ہونٹوں کی مدد سے کھانا کھانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لقمہ کو منہ کے اندر ادھر ادھر پلٹنے کا کام انہیں ہونٹوں سے لیا جاتا ہے تاکہ کھانا ڈاڑھوں کے نیچے رہ کر اچھی طرح جبایا جاسکے۔ گویا اس طرح یہ ہضم میں بڑی مدد پہونچاتے ہیں۔

دانتوں کی بناوٹ (ساخت) کو دیکھو کہ قدرت نے ان کو بتیس [۳۲] ٹکڑوں میں بنایا ہے۔ سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکرے کی شکل میں نہیں بنایا ورنہ منہ کے اندر اس سے بڑی اذیت ہوتی۔ موجودہ شکل میں اگر دانت میں خرابی پیدا ہو تو باقی دانت سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ایک سالم ہڈی کا ٹکڑا ہونے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا۔ دانتوں سے حسن و زینت کے علاوہ ہم کتنا کام لیتے ہیں۔ اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا کھانا دشوار ہوتا۔ اور سخت قسم کی چیزوں کا کھانا ناممکن ہوتا پھر ان کی ساخت پر غور کرو کہ کس طرح سے ان میں دندانے بنانے اور جڑوں کو کس مضبوطی سے مستحکم کیا ہے۔ کہ سخت سے سخت ہڈی کو ہم دانتوں کی مدد سے پیس ڈالتے ہیں۔ اور اسی مصلحت سے اس کے جسم کو بہت سخت رکھا کہ نرم ہونے کی صورت میں ان سے کام لینا ممکن نہ تھا یہ سب اس مصلحت سے کہ کھانا جسم کے اندر - - - -

ایسی حالت میں جائے کہ جلد ہضم ہو کر بدن کا جزو بن جائے اور بدل ما یتحلل ہو کر انسان کو قوت بخشے۔ حکما کا قول ہے کہ کھانے کے ہضم کے مختلف درجات ہیں اور پہلا درجہ منہ ہے جسکو ہضم اول کہتے ہیں۔

دانتوں کے اطراف میں دونوں طرف ڈاڑھیں بنائیں تا کہ سخت چیز کے کاٹنے میں ان سے مدد لی جائے۔ جڑوں کو مضبوط کیا یہ دانت سفید رنگ کے برابر برابر ایک قطار میں آب دار موتیوں کی طرح جڑے ہوئے منہ میں کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

قدرت نے منہ کے اندر رطوبت کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ کھانا کھانے کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ کھانے میں ملکہ ہضم میں مدد دیتی ہے۔ اگر کھانے کے علاوہ منہ میں بھری رہتی تو بات کرنے میں بڑی دشواری ہوتی اور منہ کا کھولنا مشکل ہوتا۔ اور منہ کھولتے وقت رطوبت کا باہر آجانا یقینی تھا اس لئے کھانے کے وقت ظاہر ہونا تاکہ وہ کھانے کے ہضم میں مدد دے اور بعد میں اس کا غائب ہونا یہ عین حکمت اور مصلحت ہے بعد میں بس اتنی رطوبت کا رہنا ضروری ہے جس سے حلق تر رہے اور سوکھنے نہ پائے ورنہ پھر کلام کرنا دشوار ہو جائے۔ خشک یبوست کے غلبہ سے پھر سانس اور دم گھٹنے لگے اور انسان ہلاک ہو جائے۔ اس حکیم مطلق کی لطف و کرم کو دیکھو کہ اس نے انسان کو کھانا کھانے کے لئے لذت اور قوت ذائقہ زبان میں رکھی کہ وہ اپنے موافق و مناسب چیزوں کو استعمال کرے اور خراب و بد مزہ نامناسب اشیاء کو ترک کر دے۔ اس لذت کی وجہ سے کھانا کھانے میں خاص مدد ملتی ہے اور جو کھانا مزے سے لے کر کھایا جائے وہ ہضم خوب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو طبیعت قبول کرتی ہے۔ ورنہ بد مزہ کھانا جس کے کھانے سے کراہت ہو طبیعت اس سے متنفر ہو کر قے کی شکل میں رد کر دیتی ہے اشیاء کے سرد و گرم مناسب و نامناسب ہونے کو انسان زبان کے ذائقہ سے محسوس

کرتا ہے۔

الم نجعل لہ عینین ولسانا و شفتین — بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔

انسان کو قدرت نے دو کان عطا کئے، کانوں میں خاص طرح کی رطوبت پیدا کی کہ وہ قوت سماعت کی حفاظت کرے۔ اور موذی اور ضرر رساں کیڑوں مکوڑوں سے کان کی حفاظت کرے۔ اور ان کو ہلاک کر ڈالے کان پر سیپی کی شکل کا دونوں طرف ایک ایک پنکھا سا بنایا کہ آوازوں کو جمع کر کے کان کے سوراخ میں پہونچا دے۔ ان پنکھوں میں خدا نے ایسی تیز حس پیدا کی جو موذی جانور یا دوسری نقصان دہ چیزوں کے قریب آنے کو فوراً محسوس کرے۔ ان کانوں کو ٹیڑھا پیچیدار بنایا کہ آواز اچھی طرح سے بلند ہو کر اندر پہونچے اور موذی چیز یک بارگی اندر نہ پہونچ سکے۔ بلکہ ان پیچیدار طویل راستوں میں چلنے سے اندر پہونچنے میں تاخیر ہو اور اس کو دفع کیا جاسکے۔ اور سونے والا اسکی حرکت سے بیدار ہو جائے۔ پھر ہوا کے اندر جانے سے مسموعات (سُن کر جن چیزوں کو معلوم کیا جاتا ہے) کے ادراک کرنے کی قوت بھی خدا نے اس میں رکھی ہے۔ ان بھیدوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ناک کو دیکھئے کہ وسط چہرے پر کس خوبی سے اسکو بلند کیا ہے جس سے چہرے پر بڑی خوبصورتی اور خوشنمائی ہوگئی ہے۔ اس میں دو نتھنے بنائے ہیں ان میں قوت حاسہ شامہ کو محفوظ کیا ہے۔ تاکہ مطعومات و مشروبات کی بوؤں کو محسوس کر سکے اور خوشبو سے راحت حاصل کر سکے اور بدبو سے اجتناب کر سکے۔

اسی ناک کے ذریعہ روح حیات (تازہ ہوا) کو سونگھ سکے جو قلب کی غذا ہے۔ اور باطنی حرارت کو اس کی وجہ سے تازہ کیا جاسکے، اور اس کو مناسب تازہ ہوا مل سکے۔

یہ نرخرہ انسان کے کتنے کام آتا ہے۔ آواز کا باہر آنا اور زبان سے حروف کی ادائیگی میں زبان کا مختلف حرکتیں کرنا۔ سانس کا آنا جانا ان تمام کاموں میں نرخرہ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں بعض بہت تنگ اور بعض کشادہ، بعض نرم اور بعض سخت بعض لمبے بعض چھوٹے اور ان اختلافات ہی کے باعث آوازوں میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں اسی لئے دو آواز بھی آپس میں بالکل نہیں ملتیں جس طرح کہ دو صورتیں بالکل مشابہ نہیں ہوتیں۔ آواز کو سنکر بولنے والے کو اچھی طرح سے پہچان لیا جاتا ہے جس طرح شکل وصورت سے انسان کو شناخت کیا جاتا ہے یہ بھی خدا نے بڑی حکمت رکھی ہے اور یہ اختلافات روز اول ہی سے قدرت نے رکھے ہیں چنانچہ حضرت آدم اور حوا کو بنایا تو ان کی صورتوں میں بھی فرق رکھا اسی طرح ان کی اولاد میں یہ فرق نمایاں ہیں۔ یہ اختلاف و فرق بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اور اسکی وجہ سے بہت سی دشواریوں سے نجات پاتے ہیں۔

قدرت نے انسان کو دو ہاتھ دیئے ہیں۔ ان سے بے شمار فائدے ہیں۔ ہاتھوں میں قدرت نے جلب منفعت اور دفع مضرت کی صلاحیت رکھی۔ ہاتھوں کو اسطرح بنایا کہ اس میں چوڑی ہتھیلی اور پانچ انگلیاں اور انگلیوں میں پورے بنائے چار انگلیاں ایک سمت میں برابر اور پانچواں انگوٹھا دوسری طرف کو جو چاروں طرف انگلیوں کے حرکت کر سکے۔ یہ خدا کی قدرت کا کمال ہے ساری دنیا کے لوگ جمع ہو کر سوچیں اور چاہیں کہ ہاتھ کو موجودہ شکل کے علاوہ کسی دوسری نہج پر بنایا جائے۔ تو ناممکن ہوگا۔ اسی وضع اور ساخت کے ذریعہ انسان ہاتھوں سے پکڑنے اور بھینے دینے کے تمام کام انجام دیتا ہے ہاتھ کو پھیلا کر ایک طباق بنا لیتا ہے چاہے تو اس کو بند کرے دفع شر کے لئے اس کو ایک آلہ کے طور

پر استعمال کرے ۔ چاہے اس کو چلو کی شکل بنا کر پانی پینے کے لئے پیالہ کا کام لے چاہے تو چمچہ کا کام لے اور چاہے تو جھاڑو کا کام لے۔

ان انگلیوں کے پوروں پر ناخن بنائے جن سے انگلیوں کی زینت بھی ہے اور حفاظت بھی اور چیزوں کے اٹھانے میں مدد بھی اگر ناخن نہ ہوں تو ہم بہت سی باریک اور چھوٹی چیزوں کو اٹھا نہیں سکتے کھجلی آنے پر ان سے کھجانے کا کام لیا جاتا ہے ۔

اب اس پر غور کرو کہ ناخن کتنی چھوٹی اور حقیر سی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے اغراض و فوائد پر نظر کرنے سے اسکی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

اگر ناخن نہ ہوتے تو جسم میں خارش ہوتی تو انسان اس کو دور کرنے کے لئے کیا کرتا ۔ اس وقت اسکو اپنی بے چارگی کا حال معلوم ہوتا ۔ اور ناخنوں کی قدر کو سمجھتا۔ پھر قدرت نے ناخنوں کو نہ تو ہڈی کی طرح سخت بنایا اور نہ گوشت کی طرح نرم، وہ بڑھتے بھی ہیں ۔ ٹوٹ جانے پر دوبارہ بھی نکل آتے ہیں زیادہ بڑھنے پر تراشش دیئے جاتے ہیں ۔ سوتے اور جاگتے کھجلی آنے پر کھجانے کی طرف از خود حرکت کرتے ہیں ۔ یہ قدرت نے ان میں صلاحیت رکھی ہے ۔

قدرت نے انسان کو ران اور پنڈلیاں دی ہیں ان کو کس طرح سے پھیلایا ہے ۔ ان میں دو پاؤں بنائے کہ کھڑا ہو سکے ۔ چل پھر سکے ۔ اور ضرورت پر دوڑنے کا کام بھی لے پاؤں میں بھی اس نے ناخن بنائے جس سے پاؤں کی زینت اور حفاظت یہ سب کچھ قدرت نے اس کے ناپاک قطرہ سے بنایا ہے جسم کی تمام ہڈیاں بھی قدرت نے اسی قطرہ سے تیار کیں جو جسم انسانی کے لئے بطور ستون ہیں جسکے سہارے وہ قائم ہے ۔ ہڈیوں کی شکل وصورت دیکھو، کیسی مختلف ٹیڑھی، سیدھی، مستطیل، مدوّر، ٹھوس اور خول اور چوڑی، ہلکی ۔ اور بھاری اور بڑی مختلف شکلیں ان میں پائی جاتی ہیں ان کے

جوڑوں کے اندر قدرت نے ایک رقیق چپچپا مادہ رکھا ہے جس سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس سے قوت بھی پہونچی ہے اور اس سے بے شمار فائدے ہیں۔

انسان اپنی گوناگوں ضرورتوں کی وجہ سے اپنے تمام جسم کا محتاج ہے اور اس سے مختلف طرح سے اپنے جسم کو حرکت دینا ہوتی ہے۔ قدرت نے اس کی ضروریات کے لحاظ سے ہڈیوں کو علیحدہ علیحدہ بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ضرورت پر اس کے مطابق باآسانی جسم کو موڑا جا سکے اگر تمام جسم میں بجائے سیکڑوں ہڈیوں کے ٹکڑوں کے ایک سالم ہڈی ہوتی تو پھر اس کو اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے جھکنے اور مڑنے میں بڑی مشکل ہوتی۔ ان ہڈیوں کو باہم ملانے کے لئے اور الگ الگ جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کے لئے اعصاب واوتاد کا رشتہ قائم کیا ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے ملانے کے لئے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا ہے کہ ایک اگر محدب ہے (نوکدار) تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف (خول) تاکہ دونوں باہم اچھی طرح متصل ہو سکیں۔ غرضکہ یہ تمام انفصال اور جسم کی ترکیب اس حکمت سے قدرت نے بنائی ہے کہ انسان ارادہ کرنے پر ادنیٰ سی حرکت سے اپنے جسم سے حسب منشاء کام لے سکے۔

انسان کے سر کو دیکھو یہ ۵۵ ہڈیوں سے مرکب ہے اور تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سب کی شکلیں جداجدا ہیں پھر قدرت نے ان تمام مختلف اشکال کی ہڈیوں کو اس کی حکمت سے مرکب کیا ہے کہ مکمل کروی شکل بن گئی ہے۔

چھ ہڈیاں کھوپڑی کے حصہ میں ہیں۔ ۲۴ اوپر کے جبڑے میں اور ۲ نیچے کے جبڑے میں باقی دانت ہیں جنہیں قدرت نے جوڑا بنایا ہے تاکہ پیسنے کا کام دیں بعض تیز کہ کاٹنے اور توڑنے میں کام آئیں گردن کو قدرت نے سر کے

لئے مرکز بنایا ہے۔ اور اس میں سات گول گول (کھوکھلے) مہرے ہیں
جو ایک دوسرے پر قائم ہیں۔ ان میں جو حکمتیں خدا نے رکھی ہیں اگر ان
کو بیان کیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جاتے۔

گردن کے زیریں حصہ کو پشت پر قائم کیا ہے اور اسطرح کہ چوبیس۲۴
مہرے سلسلہ بہ سلسلہ سُرین کی ہڈی تک پہونچتے ہیں سُرین میں تین اور
ہڈیاں ہیں اور پشت کی ہڈیوں کو نیچے کی طرف سے دم والی ہڈی سے
جوڑا گیا ہے جس کو عصعص کہتے ہیں۔ جو خود بھی تین مختلف ہڈیوں سے
مرکب ہے۔

پشت کی ہڈی کو سینے، شانے۔ ہاتھ، بازو۔ سُرین، ران، پنڈلیوں
وغیرہ سے بڑی حکمت سے وابستہ کیا ہے۔ بدن انسانی میں ۲۴۸ ہڈیاں ہیں۔
اس میں وہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں مستثنیٰ ہیں جو مفاصل کے خلار کو بھرنے کے لئے
ہوتی ہیں۔

خدا کی قدرت اور اس کی کاریگری پر غور کرو کہ اس نے منی کے
ناپاک قطرہ سے یہ سب کچھ بنایا۔ اس سے خدا کی عظمت اور کمال قدرت
کا پتہ چلتا ہے اور جس ترکیب و نظام سے اس نے انسان کی تخلیق کی ہے
اس کے خلاف کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ورنہ انسان کے لئے بڑی مشکلات
پیدا ہو جائیں گی۔ اہل بصیرت کے لئے اسمیں بڑی عبرت ونصیحت ہے۔

اب ذرا جسم کے اندرونی نظام پر غور کرو۔ ہڈیوں کو حسب ضرورت حرکت
میں لانے کے لئے قدرت نے عضلات پیدا کئے ہیں یہ تعداد میں ۵۲۹ ہیں اس
کی ترکیب گوشت پٹھے رباطات اور جھلی سے ہے یہ مختلف شکل وصورت
کے ہیں اور چھوٹے بڑے چوڑے پتلے حسب موقع اور حسب ضرورت
بنائے گئے ہیں۔ ۲۴ عضلات جو آنکھوں اور پلکوں کی مختلف حرکات کا کام دیتے
ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ کا نظام فاسد ہو جاتے۔

اسی طرح ہر ہر عضو کے مناسب عضلات ہیں جو اس کی مناسبت سے چھوٹے اور بڑے ہیں۔

اب اعصاب پٹھے عروق رگیں اور وہ شرائین نبض لیعان کے پیدا ہونے کے مقامات اور ان کی تشریحات اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے پھر ان میں خدا نے جو جو صفات وخصوصیات و ودیعت کی ہیں جن کو ہم اپنے حواس سے نہیں معلوم کر سکتے۔

اس کی تخلیقی صورت اور دیگر حیوانات سے امتیازی شرافت واعزاز پر نظر کرو۔ کہ خدا نے اس کو سیدھا بنایا۔ کہ بیٹھے میں بھی اس کی یہ بہتر صورت قائم ہے۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کاموں کو کرتا ہے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح سے اوندھا اُلٹا نہیں بنایا اگر اس کو الٹا اور اوندھا بنایا جاتا تو پھر وہ اپنے کاموں کو آسانی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

مجموعی حیثیت سے انسان پر نظر کرو۔ اور اس کے ظاہری و باطنی نظام کو دیکھو تو قدرت کا کمال حکمت اور اس کی کبریائی کا حیرتناک نمونہ ہے انسان کے اعضاء کو کامل بنایا۔ کہ غذا کی ایک خاص مقدار کھانے سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے لیکن ان اعضاء کے لئے بھی قدرت نے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ غذا کی غیر معمولی زیادتی سے اعضاء انسانی بھی معمول سے زیادہ طویل عریض اور فربہ ہو جاتے تو پھر نقل وحرکت میں بڑی رکاوٹ ہوتی۔ اور اس طرح سے وہ جسم عضو معطل ہو جاتا اپنے کاموں کو انجام نہ دے سکتا یہ خدا کا بڑا احسان اور اس کا انعام ہے کہ اس نے انسان پر اپنی خاص رحمت سے اس کے لئے ہر چیز کو موزوں اور مناسب رکھا ورنہ مکان ولباس وغذا سب ہی چیزوں میں اس کے لئے دشواریاں پیدا ہو تیں۔

جب ہم ایک انسان میں فکر کرتے ہیں کہ ایک قطرہ سے اس نے انسان کو کس طرح

بنایا اور اس میں کیسے کیسے فطرت کے شاہکار پوشیدہ ہیں۔ تو پھر آسمان و زمین سورج چاند ستارے دیزہ ہزاروں مخلوقات الٰہی ہیں قدرت نے ان سب میں کیسی کیسی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ کی ہیں۔ ان کی وضع قطع ان کی مختلف شکل و صورت، ان کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مشارق و مغارب کا متفاوت ہونا یہ سب کچھ اس کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اور یہ دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ آسمان و زمین کا ایک ذرہ بھی اس کی حکمت و مصلحت اور فائدہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ذرہ میں خدا کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جنکو ہم سمجھ بھی نہیں سکتے ؎

ہر درقے دفتر یست معرفت کردگار

خدا نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے

أأنتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمکها فسواها	کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اس کو بنالیا۔ اونچا کیا اس کا ابھار پھر اسکو برابر کیا۔

اگر دنیا کے تمام انسان و جنات جمع ہو کر اپنی پوری قوت سے یہ چاہیں کہ نطفہ سے حیات یا قوت سامعہ یا باصرہ بخشدیں تو یہ ان کے لئے ناممکن ہے۔ صرف یہ اسی کی قدرت ہے کہ اس نے کسطرح سے ان کو رحم مادر میں پرورش کیا۔ اسکو شکل عطا کی اس کو خاص اور مناسب انداز کے ساتھ بنایا۔ اس کو مناسب اور متشابہ اجزاء عطا فرمائے اور ایک جز کو دوسرے میں کس حکمت سے منتقل فرمایا۔ جسم میں ہڈیاں بنائیں اعضا کی مناسب موزوں شکلیں بنائیں۔ عروق اعصاب کو ترتیب دیا ان کے ظاہر و باطن میں حسن تدبیر سے غذا کے لئے راستے بنائے تاکہ ان کا بقاء قیام ممکن ہو اور جسم انسانی کے بقا تک اعضا میں قوت باقی رہے جسکے اندر کسطرح سے۔ قلب و جگر۔ معدہ۔ تلی۔ پھیپھڑہ۔ رحم۔ مثانہ۔ آنتیں۔ ان تمام چیزوں کو مخصوص

مناسب شکل میں اپنے اپنے مقام پر کس طرح سے رکھا کہ ہر ایک اپنی جگہ پر اپنا کام جاری رکھے اور بدن انسانی کے قیام و بقا کا سبب بنیں۔

معدہ کو غذا کے پکنے کے لئے مضبوط اور عمدہ قسم کے اعصاب سے بنایا کہ غذا کے پختہ کرنے کا کام اس سے لیا جاتا ہے معدہ میں غذا کے بآسانی پکنے میں سہولت کے پیش نظر غذا کو منہ میں ڈاڑھوں کے ذریعہ باریک کر دیا کہ معدہ پر زیادہ بار نہ ہو۔ جگر کو اس کام پر مامور کیا کہ غذا کے صالح عنصر سے خون تیار کرے۔ اور ہر ہر عضو کو اس سے غذا پہونچائے۔

تلی پتہ گردوں کو جگر کی خدمت کے لئے بنایا تلی کا کام یہ ہے کہ وہ سودا (خون کے جلے ہوئے اجزاء) کو حاصل کرے، مرارہ پتہ صفراوی اجزاء کو علیحدہ کرے۔ گردے مائی اجزاء کو حاصل کریں۔ اور مثانہ میں جمع کریں۔ گویا مثانہ کا کام یہ ہے کہ وہ گردوں سے مائی اجزاء کو اپنی طرف جذب کر کے پیشاب کی راہ باہر نکالے۔ عروق اور جگر خون کو جسم کے تمام حصوں میں پہونچانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور خون کا جوہر (خالص خون) جو گوشت کے جوہر سے زیادہ لطیف اور صالح ہوتا ہے۔ اس جگر میں محفوظ رہتا ہے گویا یہ ایک بجائے برتن کے ہے جن میں صالح جوہر کا خزانہ محفوظ ہے اور حسب ضرورت جسم کے حصوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے خدا کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور اس کی تمام تفصیلات و تشریحات کو سمجھنا اور بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں رحم کی تخلیق اور اس میں بچہ کی پرورش اور ضرورت پر اسکو غذا کا پہونچانا یہ سب کچھ اس کے کمال و حکمت کی دلیل ہے پھر اولاد کی محبت کو ماں کے قلب میں پیدا کرنا جو بچہ کی پرورش کا سبب ہے یہ محبت ہی ہے جو ماں بچہ پر ہزار جان سے قربان ہوتی ہے۔ تکلیف اٹھاتی ہے مگر بچہ کو آرام پہونچاتی ہے اگر قدرت قلب میں بچہ کی محبت پیدا نہ فرماتی تو ماں اتنی تکلیفیں برداشت

نہ کرتی اور شدت تکلیف سے بچہ سے نفرت پیدا ہو جاتی جب بچہ کا جسم بڑا ہوجاتا ہے اعضا قوی ہو جاتے ہیں بدن میں قوت اور طاقت آجاتی ہے تو اب اس کو قدرت دانت عطا کرتی ہے۔ اور اب اس کی غذا دودھ کے بجائے دوسری اشیاء ہوتی ہے کیونکہ اب وہ غذا بھی کھا سکتا ہے جس کے لئے وہ دانتوں سے کام لے۔ اسطرح سے بچہ میں رفتہ رفتہ عقل وشعور پیدا ہوجاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حد تک پہونچ جاتا ہے جب اس میں عقل وشعور کامل ہو۔

قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو محض جاہل ہوتا ہے نہ اس میں عقل ہوتی ہے نہ ہوش نہ اچھے برے کی تمیز پھر تدریجی طور پر قدرت یہ ساری قوتیں اسکو بخشتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بچہ میں ولادت کے وقت عقل وشعور ہوتا تو دنیا میں اس وجود ظاہری کے بعد وہ ان تمام چیزوں کو دیکھکر سخت تعجب کرتا جن کو اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھا اور پھر اپنی حالت پر نظر کرتا۔ کس کس طرح سے اسکو کپڑوں میں گودوں میں جھولے میں اٹھایا جاتا ہے۔ اور یقیناً وہ اپنے نرم ونازک جسم کے رکھنے کی وجہ سے اس کا محتاج ہے۔ پھر وہ ہزاروں باتوں پر اعتراضات کرتا اور ممکن ہے وہ اپنے وجود سے ہی انکار کر دیتا۔ کیونکہ وہ ۹ مہینے رحم مادر میں رہ کر پرورش پاتا ہے اور بچہ پر جو شفقت وپیار آتا ہے اس کی ان حرکات کی وجہ سے اس میں کمی ہوتی۔ اور لوگ اسکو زیادہ نہیں چاہتے پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ بچہ میں یہ چیزیں آہستہ آہستہ آئیں تاکہ وہ آہستہ آہستہ دنیا میں ہر چیز کو سمجھ سکے اور تدریجاً اس کو استعمال کرنا سیکھے قدرت نے ہر چیز کو کمال وحکمت سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کو خطاء وصواب میں تمیز دی اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس میں ایسے دواعی پیدا فرماتا ہے جو تناسل وتوالد کا سبب ہیں۔ اس کے چہرے پر بال نکلتے ہیں تاکہ بچوں

اور عورتوں سے ممتاز ہو۔ اسکو شباب کا حسن عطا ہوتا ہے۔ جب بڑھاپا غالب ہوتا ہے تو چہرے پر جھرّیاں پڑ جاتی ہیں۔

لڑکی ہونے کی صورت میں قدرت اس کے چہرے کو بالوں سے صاف رکھتی ہے۔ تاکہ اس کے چہرے کی نزاکت وحسن ظاہر ہو اور مردوں کے لئے یہ جاذب نظر ہو کہ بقائے نسل کا راز اس میں مضمر ہے۔

کیا یہ سب کچھ نظام اور کمال قدرت کا شاہکاریوں ہی بے سود اور بے غرض ہے۔ اور کیا عقل اس کو باور کرتی ہے۔ کہ جس شے کو قدرت نے ان گوناگوں ترکیبوں اور حکمتوں سے تیار کیا ہو اس کو مہمل یوں ہی چھوڑا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد ہے جو اس کی تخلیق میں پوشیدہ ہے

جس وقت بچہ رحم مادر میں ہو اگر اس کو خون کی صالح غذا نہ پہونچے تو وہ خشک ہو کر ہلاک نہ ہو جائے گا۔ جسطرح کہ نباتات پانی کے نہ ملنے سے سوکھ کر ہلاک ہو جاتی ہے۔

اگر بچے کی تکمیل کے بعد اگر عورت کو درد بے چین نہ کر دے جو بچہ کے تولد کی دلیل ہے اور بچہ مکمل ہونے کے بعد اپنے وقت پر پیدا نہ ہو تو کیا بچہ رحم میں رہ جانے سے ماں اور بچہ دونوں ہلاک نہ ہو جائیں گے۔

پیدا ہونے کے بعد اگر مناسب غذا دودھ اس کو نہ ملے تو کیا بچہ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے گا۔

اور اگر وقت پر اس کے دانت نہ نکلیں اور وہ دوسری غذاؤں کو کھانے لگے تو غذا بغیر چبائے کھانے سے بدہضمی کی شکایت پیدا نہ ہو گی اور کیوں کر وہ اس قسم کی چیزوں کو چبائے گا۔ جب کہ منہ میں دانت نہ ہونگے اور اگر اس کے چہرے پر بال نہ ہوں تو وہ عورتوں اور بچوں ہی میں شمار کیا جائے گا۔ ہیبت جلال اور وقار و دبدبہ جو انسان کے لئے بڑے بڑے کاموں

میں جزدلانیک میں کیونکر پیدا ہوسکیں گے۔ یہ ساری چیزیں اور نعمتیں اس کو کس نے عطا کیں۔ اس خدا نے ہی انسان کو یہ تمام نعمتیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتی ہیں۔

اس امر میں فکر کرو کہ کیوں کر انسان کو شہوت جماع پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے آلہ تناسل پر نظر کرو کہ وہ کسطرح سے رحم میں نطفہ کو پہونچانے کا سبب ہے اور پھر وہ حرکت جو نطفہ کے خارج کرنے کے مقتضی ہوتی ہے اسی طرح اور دوسری حکمتوں پر نظر کرو۔ اور انسان کے دوسرے اعضا کو دیکھو اور ہر ہر عضو کے کاموں پر نظر کرو کہ قدرت نے ہر ہر عضو کو کس کس کام اور غرض کے لئے کیا مناسب شکل و صورت میں بنایا ہے۔ آنکھوں کو دیکھنے کے لئے ہاتھوں کو چھونے اور پکڑنے کے لئے پاؤں چلنے اور دوڑنے کے لئے معدہ کو کھانا ہضم کرنے کے لئے جگر کو ہضم کردہ کھانے سے چاروں اخلاط کو چھانٹنے اور حسب ضرورت تقسیم کرنے کے لئے منہ کو بات کرنے اور غذا داخل کرنے کے لئے، جسم کے منافذ و مسامات کو فضلات خارج کرنے کے لئے غرض کہ جب تم انسان کے جسم میں ہر چیز پر اس طرح فکر کروگے تو معلوم ہوگا کہ قدرت نے اپنے پورے کمال و حکمت کا آئینہ اسکو بنایا ہے۔

غذا کے معدے میں پہونچنے پر غور کرو کہ کس حکمت سے معدہ غذا کو پکاتا ہے۔ پھر اس کے خالص اور صالح جزو کو جگر کے سپرد کردیتا ہے باریک باریک عروق کے راستے سے جو جگر تک جاتی ہیں ان عروق کو اتنا باریک خاص حکمت سے بنایا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ فاسد اور غلیظ مواد جگر تک نہ پہونچ سکے جو فساد کا باعث ہو۔

گویا یہ عروق چھلنی کے قایم مقام ہیں کہ ہضم کئے ہوئے کھانے کو چھان کر ضروری اور صالح و مناسب جزو جگر تک پہونچاتی ہیں۔ جگر اس جزو

کو خون میں تبدیل کرتا ہے خدا کی حکمت سے وہ غذا اب خون میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہاں سے وہ عروق و منافذ کی راہ تمام بدن میں پہونچتا ہے اور خالص جوہر حاصل کرنے کے بعد جو فاضل اور ردی مادہ بچتا ہے وہ ان اعضا کی غذا کے لئے بہم پہونچایا جاتا ہے جن کی غذا وہی مادہ ہے گو یا کہ جگر ایک اعلیٰ قسم کا ظرف ہے جس میں جسم انسانی کے لئے ہر قسم کی غذا تیار رہتی ہے۔ اور ادہر ادھر منتشر ہونے سے محفوظ رہتی ہے ۔ اور حسب ضرورت اعضا کو پہونچائی جاتی ہے۔

کیا تم کو انسان کے تمام جسم میں ایک بھی چیز ایسی نظر پڑتی ہے جو فضول اور بے کار ہو۔ اور اس کا کوئی مقصد اور اس سے غرض نہ ہو آنکھوں کو خدا نے اشیاء کے ادراک کرنے کے لئے بنایا ہے رنگوں میں تمیز کرنے کے لئے پیدا کیا ہے ۔ اگر رنگ ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں یا آنکھیں رنگوں کو ادراک نہ کرتیں تو ان مختلف رنگوں کے ہونے سے کیا فائدہ تھا۔ جس طرح یہ روشنی جو آنکھوں کی روشنی کے علاوہ ہے آنکھوں کے لئے نہ ہوتیں تو آنکھوں سے کیونکر فائدہ اٹھایا جا سکتا - آنکھیں تو اسی وقت کام کرتی ہیں جب کہ روشنی موجود ہو معلوم ہوا کہ روشنی کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں اُس کی مدد سے دیکھنے کا کام لیں ۔ رنگوں کا وجود اسلئے ہے کہ آنکھیں ان کو دیکھکر فائدہ اٹھائیں اور اشیاء میں تمیز کریں۔

کان خدا نے اس لئے بنائے کہ ان کے ذریعہ آواز سنیں - اگر آوازیں ہوتیں اور کان میں ان کے سننے اور ادراک کرنے کی قوت نہ ہوتی تو پھر آوازوں کے وجود سے کیا منفعت اور غرض ہوتی یہی حال باقی تمام حواس کا ہے حواس اور محسوسات میں ایک ایسا لازمی رابطہ ہے کہ جس کا وجود بغیر حواس کے بے سود اور بے فائدہ ہوتے اور روشنی اور

ہوا کا بھی یہی حال ہے اگر روشنی کا وجود نہ ہوتا جن کی بدولت اشیاء دکھائی دیتی ہیں۔ تو پھر حاسہ بصارت غیر مفید ہو جاتا اگر ہوا کا وجود نہ ہوتا جو کانوں میں آوازوں کو پہونچاتی ہے۔ تو پھر کانوں کے ہونے سے کیا فائدہ پہونچتا۔

بہرے اور نابینا کی مشکلات کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ان دونوں نعمتوں کی محرومی کی وجہ سے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جب وہ چلتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنا قدم کس جگہ رکھ رہا ہے۔ آیا کسی مہلک اور خطرناک گڑھے میں اس کا پاؤں جارہا ہے یا کسی نقصان دینے والے کیڑے یا جانور پر اپنا پیر رکھ رہا ہے۔ نہ اس کو یہ معلوم کہ سامنے کیا ہے۔ جس طرف وہ چل رہا ہے۔ آگے اگر کوئی بڑی مصیبت آرہی ہے اس سے وہ قطعی بے بہرہ ہے۔ قدرت کی بہت سی نعمتوں سے وہ محروم ہے موجودات کے گوناگوں رنگ اس کے لئے بالکل بے کار ہیں۔

کالا۔ گورا۔ سرخ پیلا سب اس کے لئے برابر ہیں۔

اور جو قوت سماعت سے محروم ہے بہرا ہے وہ تو عزیب لذت کلام سے ہی ناواقف ہے آوازوں میں جو ایک لذت اور کشش ہوتی ہے اس سے وہ قطعاً محروم ہے وہ دلکش آواز اور بھدی اور بھونڈی آواز میں کیا فرق کر سکتا ہے عرض تو جب کرے کہ آوازیں اس کے کان میں پہونچیں وہ تو ان کے تصور تک سے محروم ہے اگر کسی مجمع میں بیٹھا ہے یا کسی شخص سے مخاطب ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں۔ وہ لوگوں میں موجود ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہے۔ زندہ ہوتے ہوئے اس کی حالت مردوں جیسی ہے۔

تیسرا وہ شخص جو قدرت کی نعمت عقل سے محروم ہے یعنی دیوانہ اور

پاگل ہے اس کا درجہ تو جانوروں سے بدتر ہے جانور تو اچھے برے مفید اور غیر مفید میں فرق کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ غریب یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ عقل سے ہی محروم ہے جس کے ذریعہ اشیاء میں باہم امتیاز کیا جاتا ہے اب تم قدرت کی بخشی ہوئی ان نعمتوں پر نظر کرو جو اعضا کی شکل میں انسان کو عطا کی گئی ہیں اور ان قوتوں پر نظر کرو جو ان کے اندر قدرت کی طرف سے سامعہ۔ شامہ باصرہ۔ مدرکہ ذائقہ وغیرہ عطا ہوئی ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کی جملہ ضروریات کو فراہم کرتا ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو اس کام میں خلل آجائے اور یہ اس کے لئے بڑا حادثہ ہوگا جو شخص ان میں سے ایک چیز سے بھی محروم کر دیا جائے تو گویا قدرت نے اسکو بڑی آزمائش میں ڈال دیا۔ اور خدا کی نعمت کی قدر قیمت اس کو اس کے کھونے پر حاصل ہوئی۔ اب وہ اس نعمت کی محرومی پر بجز صبر کے اور کیا کر سکتا ہے بجز اس کے کہ اس محرومی کی وجہ سے جو جو مشکلات سامنے آئیں اسکو صبر و سکون سے برداشت کرے تاکہ آخرت میں خدا اسکو اجر عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل بخشے خدا کی قدرت اور اسکی حکمت دیکھو کہ ہر حال میں اس کی رحمت بندوں پر ہے نعمت کے ملنے پر شکر کی صورت میں اور نعمت سے محرومی پر صبر کی صورت میں۔

انسان کے اعضا پر نظر کرو بعض عضو فرد یعنی ایک ایک ہیں۔ اور بعض زوج یعنی دو دو دو پھر ان اعضا کے ان کاموں اور ذمہ داریوں پر نظر کرو جن پر یہ مامور اور متعین ہیں۔ کہ کس کس حکمت اور مصلحت سے قدرت نے یہ اعضا خلق کئے ہیں۔ ایک سر کو لیجئے کہ اپنے وجود میں تنہا ہے لیکن کتنے حواس اور قوتوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ اگر سر پر ذرا بھی کسی اور چیز کا اضافہ ہو جائے گا۔ تو اس پر بار ہوگا۔ اگر سر بجائے ایک کے دو ہوتے تو ایک کے بات کرنے کی صورت میں دوسرا معطل رہتا۔ اگر دونوں ملکر بات کرتے تو پھر

بھی ایک کا وجود بے کار ہوتا ۔ اگر ایک سر ایک بات کہتا اور دوسرا سر دوسری جو پہلی سے مختلف ہوتی تو پھر مخالف کے لئے یہ سمجھنا اور فرق کرنا دشوار ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی مراد ہے ۔

بخلاف ہاتھوں کے کہ قدرت نے ۲ ہاتھ دیئے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ ہوتا تو پھر انسان کو کام کی انجام دہی میں بڑی دشواری ہوتی ۔ یقیناً ۲ ہاتھوں کا ہونا ہی عین حکمت ہے ۔ جسکا ایک ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور ایک سے وہ اپنے کاموں کو کرتا ہے اس سے پوچھنے کہ اسکو کیسی تکلیف ہے اول تو وہ اتنا کام نہیں کر سکتا جو دونوں سالم و تندرست ہاتھوں والا کام کر سکتا ہے ۔ پھر جو تکلیف اور صعوبتیں ایک ہاتھ والا محسوس کرتا ہے ۔ دوسرے کو نہیں ۔

اسی طرح دو پاؤں کے ہونے کی حکمت ظاہر ہے کہ اس سے کم ہونے کی صورت میں چلنا ممکن ہی نہ تھا ۔

آلات صوت کی ہیئت ترکیبی پر غور کرو ، حنجرہ (نرخرہ) کو دیکھو وہ بالکل ایک نلکی کی طرح ہے آوازوں کے باہر لانے کے لئے ۔ زبان ہونٹ دانت حروف کو بنانے کا کام دیتے ہیں ۔ منہ میں اگر یہ چیزیں نہ ہوں یا خارج ہو جائیں پھر دیکھئے کہ بات کہنے میں اس پر کیا گزرتی ہے اور حنجرہ آواز کے باہر لانے کے علاوہ ہوا کو پھیپھڑے تک پہونچانے کا کام بھی انجام دیتا ہے جس سے قلب کو راحت ملتی ہے ۔ اگر یہ تنفس کا سلسلہ نہ ہو یا کچھ دیر کو روک دیا جائے تو قلب کو بڑی تکلیف اور اذیت پہونچے گی زبان سے کھانے میں جو مدد ملتی ہے اور دانتوں سے کھانے چبانے اور پیسنے میں جو امداد ہوتی ہے اور ہونٹ سے کسطرح سے کھانے اور پینے میں مدد ملتی ہے ۔ اور منہ کے لئے کسطرح وہ دونوں ہونٹ دروازہ کا کام انجام دیتے ہیں اس تمام بیان سے یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ تمام اعضاء انسانی بے شمار

فوائد اور مصالح پر مبنی ہیں ان میں ذرا بھی کمی بیشی ہو جاتی تو کام میں خلل واقع ہو یہ سب قدرت کے خاص انداز اور تدبیر سے ہے۔

دماغ کو لیجئے۔ اگر اس کو کھولیں تو اس میں ایک جھلی سے کو لپٹا ہوا پاؤ گے تاکہ صدمات سے محفوظ رہے اس پر کھوپڑی کا ڈھکن چڑھا ہوا ہے جس پر بالوں کو حفاظت اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رہے پس دیکھو قدرت نے دماغ کی حفاظت کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ دماغ ایک نازک ترین شئے ہے اس لئے اس نے اسکو اچھی طرح محفوظ رکھا ہے کہ تمام حواس کے لئے اصل ہے۔ بدون اسکے تمام حواس معطل ہیں

قلب کو دیکھو کہ سینہ کے بند صندوق میں کس طرح سے محفوظ ہے اس پر جھلی کا غلاف چڑھا ہوا ہے اس کو ہر چہار طرف سے گوشت اور اعصاب سے مستحکم کیا ہے۔ یہ اعضاء میں اشرف ہے اور بحیثیت بادشاہ کے ہے اس لئے اسکی حفاظت ایسی ہی ضروری تھی

حلق کو دیکھو۔ قدرت نے اس میں دو منفذ (راستے) بنائے ہیں ایک آواز کے آنے کے لئے جسکو حلقوم کہتے ہیں اور جو پھیپھڑے تک پہونچتا ہے۔ دوسرا غذا کے جانے کے لئے جس کا تعلق معدہ سے ہے حلقوم پر ایک پردہ لگا ہے جو کھانے کو آنے سے روکتا ہے۔ پھر پھیپھڑے کو نیچے کے قائم مقام بنایا کہ قلب کو ہوا پہونچا کر اسکو تازہ دم رکھے اور شدت گرمی اور حبس سے قلب کے کام میں خلل نہ پڑے اور ہوا نہ ملنے سے قلب کی حرکت بند ہو کر انسان کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ اس لئے اس کے اندر کے بعض خلاء کو ہوا سے بھر رکھا ہے۔ تاکہ برابر ہوا قلب کو ملتی رہے۔

پیشاب و پاخانہ کے راستوں پر غور کرو کہ قدرت نے کس حکمت سے انکے راستے نالیاں بنائی ہیں۔ کہ ضرورت پر کام دیتی ہیں اور بلا ضرورت

وہ جاری نہیں ہوتیں ورنہ انسان کی زندگی اس دائمی جریان سے اجیرن بن جاتی اور وہ کسی وقت بھی پاک وطاہر نہ رہ سکتا۔

مخذین۔ ـ عالموں اور سُرین کو دیکھو کہ قدرت نے کسطرح ان کو پُر گوشت بنایا ہے کہ بیٹھنے میں انسان کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں ہوتی جیسے کہ کمزور اور دُبلا پتلا انسان جس کے جسم پر گوشت کم ہوتا ہے اور رانیں گوشت سے خالی ہوتی ہیں وہ بیٹھنے میں بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے کیوں کہ گوشت کی نرم گدی اس کے نیچے نہیں ہوتی۔

انسان کے آلہ تناسل پر نظر کرو۔ کہ اگر ہر وقت وہ مسترخی ڈھیلا رہتا تو پھر رحم میں منی کے پہونچانے کی کیا شکل ہوتی۔ اور اگر ہمہ وقت وہ قائم ہی رہتا تو کام کرنے میں چلنے پھرنے میں بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ قائم و سیدھا رہتا ہے اور بلا ضرورت وہ نرم اور چھوٹا ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ موجود نہیں ہے اور اس میں کبھی شہوت پیدا نہیں ہوتی۔

مکان کے حصوں میں بیت الخلاء (پاخانہ) تمام حصوں سے زیادہ پردہ اور سکون کا مقام ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان وہاں جاکر فطرتی تقاضے یعنی قضائے حاجت کر کے اس اضطراب اور گھبراہٹ کو رفع کرتا ہے جو قضائے حاجت سے قبل اسکو لاحق تھی اور وہاں وہ برہنہ ہو کر مخلیٰ بالطبع ہو کر بیٹھتا ہے۔ قدرت کے کمال حسن تدبیر سے اس کا وہ مقام (مخرج براز) جسم میں انتہائی پوشیدہ جگہ پہ بنایا۔ پھر دونوں طرف پُر گوشت رانوں سے اس کا اور بھی پردہ کر دیا گویا وہ برہنہ ہونے ہوئے بھی ایک حد تک ڈھکا ہوا ہے۔

بالوں اور ناخنوں کی پیدائش پر غور کرو جو بڑھتے رہتے ہیں ان کے تراشنے میں بڑی مصلحت ہے پھر ان بالوں اور ناخنوں کو بے حس بنایا کہ تراشنے

میں انسان کو اذیت نہ ہو۔ ورنہ دو صورتوں میں سے ایک لازمی ہے یا تو ان کو اذیت کے خوف سے یوں ہی اپنی حالت پر چھوڑ رہنے دیتا اور حد سے زیادہ بڑھ جانے پر اس کی شکل دھقیوں جیسی بدنما ہو جاتی یا پھر ان کو تراشتا اور مناسب مقدار میں ان کو کرتا تو تراشنے کی اذیت کو محسوس کرتا۔

پھر بالوں کے اگنے کے مقامات پر غور کرو اگر آنکھ کے اندر بھی بال اگتے تو پھر انسان اسکی وجہ سے اندھا ہو جاتا کیونکہ آنکھ جیسی نازک ولطیف شئے اسکو کیونکر برداشت کرتی۔ اور اگر منہ کے اندر بال ہوتے تو کھانے پینے میں جو اذیت ہوتی ظاہر ہے کہ انسان پر کھانے پینے کا لطف حرام ہو جاتا۔ اسی طرح اگر ہاتھ کی ہتھیلی میں بال ہوا کرتے تو چھونے اور پکڑنے کی لذت سے انسان محروم ہو جاتا۔ اور بہت سے کام کرنے میں وہ مانع ہوتے اسی طرح اگر بال اندرون فرج (شرمگاہ) میں ہوتے تو لذت جماع سے انسان محروم ہوتا پس ان باتوں سے خدا کی قدرت کا اندازہ کرو۔ کہ اس نے کس طرح ہر چیز کو اپنے صحیح مقام پر رکھا ہے اور انسان کو لذت آرام کے مواقع دیئے ہیں اور بے محل اشیاء کو نہیں رکھا کہ انسان کا عیش و آرام منغص ہو جاتا۔

پھر اس پر غور کرو کہ قدرت نے انسان کے اندر کھانے پینے سونے اور جماع کرنے کی ضرورتوں کو پیدا فرمایا ہے۔ اور اس کے اظہار کے لیے دواعی اور محرکات بنائے۔

بھوک و پیاس کھانے پینے کی طلب کے محرکات ہیں اور کھانا پینا یقینا انسان کی زندگی کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہوا پانی۔

سونا اور نیند کا آنا یہ بھی انسان کے لئے طبعی طور پر ضروری ہے اس کے بغیر بدن انسانی کو راحت و آرام اور قوتوں میں از سر نو تازہ حیات نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ انسان کچھ دیر سو نہیں جاتا کہ پھر تازہ دم ہو سکے۔

خواہش جماع کا ہونا جماع و صحبت کے لئے دواعی و محرکات سے ہے جو نسل و بقائے نسل کے لئے انتہائی ضروری ہے انسان کی طبیعت میں محرکات و دواعی کا ہونا از بس ضروری ہے۔ اگر یہ محرکات نہ ہوں تو انسان لیا اوقات دوسرے مشاغل میں رہ کر ان ضروری چیزوں سے بے پرواہ اور غافل رہے اور اسطرح اسکی قوت جسمانی کمزور ہو کر ان میں سستی آجائے اور پھر یہ ہلاکت کا باعث ہو۔

اسی طرح اگر جماع محض حصول اولاد کی خاطر ہوتا تو نسل منقطع ہو جاتی۔ کیوں کہ بہت سے ایسے عوارض ہیں جنکی وجہ سے وہ اسطرف توجہ نہ کرتا اور یہ بے توجہی انقطاع نسل کا موجب ہوتی پس قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ اس نے انسانی طبیعت میں مقتضیات دواعی اس طرح ودیعت کئے ہیں کہ انسان جماع کے لئے مضطر ہوتا ہے اور پھر اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بدن کی ترتیب و ترکیب کو دیکھو کہ بدن بمنزلہ دار الملک اور... دار السلطنت کے ہے جس میں نوکر خدمت گار اپنے اپنے کام پر حاضر ہیں ایک کے سپرد ایک خدمت ہے تو دوسرا اسکی امداد کے لئے حاضر ہے گھر میں ذرا گندگی اور متعفن مادہ پیدا ہوا فورًا خادم نے اسکو باہر نکالکر پھینکدیا کہ مکان صاف ستھرا رہے یوں سمجھو کہ اس مثال میں بادشاہ تو وہ خالق ہے جس نے ان تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے۔ اور بدن انسانی بمنزلہ مکان کے ہے اور اعضاء ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ۔ یہ سب بمنزلہ خدام کے ہیں اور عقل وحفظ و غضب وغیرہ یہ سب قوم کی جگہ ہیں۔ کہ اگر مذکورہ بالا میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو پھر تمام جسم مختل ہو جائے اور لینا۔ دینا۔ دیکھنا چلنا پھرنا حفاظت وغیرہ ان تمام کاموں میں حرج ہو جائے نہ راستہ کو پہچان سکے نہ علم سے فائدہ اٹھا سکے نہ نفع حاصل کر سکے نہ نقصان

سے اپنے آپ کو بچا سکے نہ اپنی تحریر سے فائدہ اٹھا سکے نہ گزشتہ
واقعات سے عبرت حاصل کر سکے یہ تمام دشواریاں کبھی ایک چیز کے نہ ہونے
سے پیش آسکتی ہیں۔ پھر ان تمام نعمتوں پر نظر کرو جو خدا نے دے
رکھی ہیں۔ اگر وہ سب معدوم ہو جائیں۔ تو پھر انسان کا وجود ہی معطل
ہو جائے اس سے خدا کے فضل و احسان کا اندازہ کرو۔ اور پھر اسکی حکمت
عملی پر غور کرو۔ «اما بنعمة ربك فحدث» قوت حافظ یقیناً بڑی نعمت الٰہی ہے لیکن
نسیان (بھول) یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ اور بڑی حکمت اس میں
پوشیدہ ہے۔ اگر انسان میں بھول چوک کا مادہ نہ ہوتا تو انسان ہر
وقت رنج وغم میں مبتلا رہتا اور پھر اس کرب و الم سے اس کی جان پر
بن جاتی وہ آفات و مصائب کو ہر وقت ذہن میں یاد رکھتے ہوئے دنیا
کی تمام لذتوں سے محروم رہتا کہ اس حالت میں اس کے لئے کسی
سے تمتع حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ کیوں کہ فرط رنج وغم سے اس کی قلبی
کیفیت اتنی خراب رہتی کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو جاتا ظالم سے
ذرا سی غفلت کی توقع حاسد سے ذہول ونسیان کا امکان اور کسی بدخواہ
کی طرف سے ادنیٰ سی غفلت ان میں سے کسی کی توقع کا امکان نہ ہوتا
پس قدرت کی اس حکمت کو دیکھئے کہ اس نے حفظ ونسیان دو متضاد شئے کا
انسان میں جمع کر دی ہیں۔ اور دونوں میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں
پوشیدہ ہیں پھر قدرت کی اس حکمت کی داد دیجئے کہ اس نے انسان میں
بعض مخصوص وہ صفتیں دی ہیں جو دیگر حیوانات میں نہیں دیں مثلاً حیا
کا مادہ قدرت نے انسان کو ودیعت کیا ہے اگر حیا و شرم انسان میں نہ ہو
تو انسان گناہ کرنے سے کبھی نہ رکے۔ ضروریات کو پورا نہ کرے مہمان کی
خاطر مدارات نہ کرے اچھے کام کرنے کی رغبت نہ ہو برے کام سے
اجتناب نہ کرے۔ کیونکہ بہت سے کام انسان لوگوں سے شرم و حیا کی وجہ

سے کرتا ہے اما نتوں کو واپس کرتا ہے والدین کے حقوق ادا کرتا ہے
بے حیائی کے کاموں سے رکتا ہے یہ سب امور حیا و شرم ہی کے سبب
سے انسان کرتا ہے پس ایک حیا کے ہونے کے فوائد اور اس کے نہ
ہونے کے باعث اتنے نقصانات ہیں پس اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کرو۔

قوت گویائی (نطق) پر تفکر کرو جس کی بدولت انسان تمام جانوروں سے
ممتاز ہے۔ جس کے برکت سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور دوسرے
کو سمجھا دیتا ہے اور دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ لیتا ہے اگر قدرت نے
یہ نعمت نہ بخشی ہوتی تو افہام و تفہیم کیونکر ممکن ہوتا۔

اسی طرح نعمت کتابت پر غور کرو جسکی بدولت آج ہزاروں برس
پیشتر کے حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ اور ہمارے حالات و واقعات آنے
والوں کو صدیوں تک معلوم ہوتے رہیں گے۔ اس کی برکت سے ہمارے
علوم آداب معاملات حساب و کتاب سب کچھ کتابوں میں محفوظ ہے۔ بھول
جائیں تو کتابت کو دیکھکر یاد کر لیں اگر کتابت کی نعمت قدرت سے ہم کو
نہ ملتی تو ہم اپنے سے قبل کے زمانے کے حالات سے تلقا نا واقف رہتے
اور علوم و فنون سب ضائع ہو جاتے بلکہ خلاق و آداب اور فضائل سب ہی
نعمتوں سے یکسر ہم محروم ہو جاتے اور معاملات میں بڑی دشواری پیدا
ہو جاتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام و کتابت یہ انسان کے لئے کسبی
چیزیں ہیں۔ یہ امور طبیعہ میں سے نہیں ہیں اور اس لئے عربی۔ ہندی
رومی خطوط میں بہت اختلافات پاتے ہیں اور یہی حال کلام کا ہے کہ یہ ایک
اصطلاحی چیز ہے اسمیں بھی اختلاف کا ہونا یقینی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد کتابت سے ملکۂ کتابت ہے یعنی
خدا کی بخشی ہوئی وہ قدرت جو اس نے انسان کو ہاتھوں میں انگلیوں میں،

ہتھیلیوں میں بخشی ہے اور ذہن و فکر کو عطا ہوتی ہے اس میں کسب کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح اگر زبان اور قوت نطق اور اس میں ذہن و فکر کی ترکیب نہ ہوتی تو انسان ساری عمر کبھی نہیں بول سکتا تھا پس خدا کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے ایسی مفید اور کام کی چیزیں انسان کو عطا فرمائیں۔ پھر قوت غضب پر نظر کرو جو قدرت نے انسان میں ودیعت رکھی ہے جس کی وجہ سے موذی اور نقصان دہ اشیاء کو دفع کرتا ہے اور مادہ حسد کی وجہ سے جلب منفعت کرتا ہے مگر قدرت نے انسان کو ان دونوں قوتوں میں معتدل رہنے پر مامور فرما دیا ہے۔ کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی اگر تجاوز کرے گا تو پھر شیطانی صفات یقیناً اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور شیطانی درجہ اور رتبہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے۔ خدا سے اس کو بعد ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے غضب کی حالت میں اس پر لازم ہے کہ دفع شر میں وہ بہت تدبر سے کام لے اور حسد کے وقت وہ غبط کو کام میں لائے کیونکہ حسد میں دوسروں کی نعمت کے زوال اور خود کو کامران ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور غبطہ میں زوال نعمت دوسروں سے نہیں ہوتا محض حصول شباہت اور مماثلت مقصود ہوتا ہے۔

قدرت نے کمال حکمت سے انسان کو بعض مفید چیزیں عطا کیں اور بعض چیزوں سے باز رکھا ہے۔

اس میں بھی انسان کی فلاح اور مصلحت ہے۔ مثلاً انسان میں قدرت نے امید اور تمنا کا مادہ عطا کیا۔ جس کی وجہ سے دنیا کی آبادی اور تناسل کا سلسلہ قائم دائم ہے۔ اس کی بدولت کمزور اور غریب طبقے کے لوگ طاقتور اور دولت مند طبقہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں بڑے بڑے بااختیار لوگ دنیا کو آباد کرتے ہیں۔ اور ان کی اس تعمیری کوششوں سے کمزور طبقہ کے

کے لوگوں کو ضمناً بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔
انسان بہرحال تخلیقی طور پر کمزور پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ گذری ہوئی قوم کے بنائے ہوئے مکانات اور تعمیری چیزوں کو نہیں نہ دیکھتا تو نہ تو اس کے رہنے کے لئے کوئی مکان ہوتا اور نہ اس کے پاس ایسا آلہ اور سامان ہوتا جس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں از سر نو تعمیر کرے۔ گویا یہ قوت امل (آرزو) موجودہ لوگوں کے لئے عمل کا پیش خیمہ ہے۔ کہ ان کو عملی دنیا میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے آنے والوں کے لئے یہ لوگ ایسی بے شمار چیزیں چھوڑ جائیں گے جن سے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری اور ساری رہے گا۔ یہ سب اس آرزو کی برکتیں ہیں۔
بعض چیزوں سے انسان کو مصلحتاً قدرت نے باز رکھا، مثلاً اس کی عمر کی مدت اور اسکی موت کا علم۔
اگر انسان کو اپنی عمر معلوم ہوتی اور وہ عمر کم ہوتی تو پھر اس کو زندگی میں کوئی مزہ نہ آتا۔ اور دنیا کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لیتا۔ حتٰی کہ وجود نسل اور تعمیر میں وہ ذرا بھی جدوجہد نہ کرتا۔ اور اگر مدت عمر دراز ہوتی اور اس کو معلوم ہوتا تو وہ خواہشات کا بندہ بن جاتا اور حدود سے تجاوز کرتا۔ اور بڑی بڑی مہلکات میں گھس پڑتا اس لئے کہ عمر کی مدت اس کو معلوم ہوتی تو وہ اپنی مدت کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔ اب کیونکہ قدرت نے اس کو اس سلسلہ میں قطعاً ناواقف رکھا ہے تاکہ ہمہ وقت اس کو موت کا کھٹکا لگا رہے اور خواہشات میں پڑنے سے خدا کا خوف اور پھر موت کا ڈر بھی پیدا ہو۔ اور موت سے پہلے نیکیوں کے ذخیرہ کرنے کا خیال دل میں رہے۔
انسان جن جن چیزوں سے متمتع ہوتا ہے ان پر نظر کرو۔ قدرت نے ان میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں اور کیسی لذتیں اور ذائقے قدرت نے کھانوں میں پیدا کئے ہیں۔ قسم قسم کے کھانے اور ان میں الگ الگ مزے طرح طرح کے پھل

ان کے مختلف رنگ ان کی خوشبو کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے سواریوں پر نظر کرو
ان کے اقسام کو دیکھو ان سے کیا کیا آرام اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ قسم قسم
کے پرندے اور ان کی بولیاں سنو ان کی دلکش آوازیں اور شریلے نغمے ان
کو سنکر انسان مست ہوتا ہے سکے اور نقود پر نظر کرو کہ ان کے ذریعے
انسان اپنی ضروریات کو کیسے کر پورا کرتا ہے۔ جڑی بوٹیوں کو دیکھو انسان
اپنی تندرستی اور قوت کے لئے ان سے کیا کیا فائدے حاصل کرتا ہے کھانے
کے جانورون پر غور کرو ان کے گوشت میں خدا نے کیسی لذت بنائی ہے پھر ان
جانوروں سے کھیتی باڑی میں کسطرح کام لیا جاتا ہے۔ آب پاشی کے لئے ان کو
کسطرح استعمال کیا جاتا ہے پھر پھولوں کو دیکھو ان میں کیسی بھینی بھینی خوشبو آتی
ہے ان سے کیسے کیسے تیل اور عطر نکالے جاتے ہیں پھر انسان اس کو جسم اور
لباس پر لگا کر محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ وضع وضع کے لباس اور
کپڑوں کو دیکھو۔ پھر موسم کے اعتبار سے ان لباسوں کی اقسام پر نظر کرو۔
قدرت نے انسان کو عقل وسمجھ عطا فرمائی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا
موقع عطا کیا ہے قدرت کی کیسی کاریگری ہے کیسی کیسی عجائبات ان میں پوشیدہ ہیں
جن کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے، جلب منفعت اور انتفاع کے سلسلہ میں
قدرت نے انسان کو مختلف طبیعتیں اور ضرورتوں کا حامل بنایا ایک انسان ایک
چیز سے ایک فائدہ اٹھاتا ہے دوسرا اسی چیز سے دوسرا فائدہ اٹھاتا ہے اسی
انتفاع کی بدولت ایک دولتمند ہے اور دوسرا فقیر۔ دولتمند اور محتاج میں
امتیاز بھی اسی سے ہوتا ہے۔ اور یہی دنیا کی آبادی وتعمیر کا سبب ہے
لوگوں کے انتفاع وجلب منفعت کے اختلاف کی مثال ایک کمسن بچے
کی سی ہے کہ بسا اوقات وہ نادانی اور ناسمجھی کی وجہ سے ایسی چیزوں
میں مشغول ہوجاتا ہے۔
جو اس کو نقصان پہونچاتی ہیں۔ اور ان چیزوں میں منہمک ہوجاتا ہے کہ

اس سے علیحدہ کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے۔

دنیا کی چیزوں میں بے شمار حکمتیں اور لطائف ہیں۔ ان کو شمار کرنا اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اور نہ انسان ہر چیز کے وجود کی حقیقت و حکمت اور اس کی کنہہ کو پہونچ سکتا ہے۔ مخلوقات کی جملہ حکمتیں اور مصلحتیں اس حکیم مطلق کو ہی معلوم ہیں جس کی رحمت عام ہے اور جس کا علم وسیع اور ہر شئی کو محیط ہے۔

اس باب کا تتمہ

قدرت نے انسان کو بڑا شرف و مرتبہ عطا کیا ہے جو دوسری مخلوقات کو نہیں دیا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور جنگل اور دریا میں سواری دی۔ اور ستھری روزی دی، اور بڑھا دیا۔ ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

یہ شرف و عزت انسان کو قوت ادراک اور عقل و شعور کی بدولت ملا ہے جس سے دوسرے حیوانات محروم ہیں۔ اور انسان اس عقل ہی کی بدولت ممتاز ہے اسی کی بدولت وہ ملاء اعلےٰ سے قریب تر ہے اسی کی برکت ہے وہ کائنات و مصنوعات میں غور و فکر کرکے خالق کی معرفت و قدرت کو پہچانتا ہے۔ خود اپنی ہستی اور وجود پر نظر کرکے خدا کی حکمت و قدرت کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ خدا نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون

خود تمہاری ذات میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں تم دیکھتے نہیں ہو۔

انسان جب وہ اپنے وجود اور اصل پر غور کرتا ہے اور نظام جسم پر غور و فکر کرتا ہے اور قدرت کی عطا کردہ حکمتوں اور قوتوں میں تدبر کرتا ہے تو پھر

وہ خدا کی عظمت و حکمت کا دل سے اعتراف کر لیتا ہے اس کی کمال تدبیر اور کمال حکمت کو تسلیم کرتا ہے۔ اسی عقل کی بدولت وہ اچھے برے کھوٹے کھرے۔ مفید و مضر میں تمیز کرتا ہے بادی النظر میں اس عقل کے وجود کو نہ کسی جسم کی شکل میں محسوس کرتا ہے نہ اسکی بو سونگھتا ہے نہ اس کا ذائقہ چکھتا ہے۔ نہ اس کو متشکل دیکھتا ہے اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے فیضان و برکات سے منکر نہیں ہو سکتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ صرف عقل کی طاقت و قوت کی بدولت وہ ہزاروں مغیبات کو دیکھ لیتا ہے۔ جہاں نہ آنکھوں کی رسائی ہے نہ کانوں کی پہونچ یہ ساری قوتیں۔ جہاں عاجز ہیں وہاں عقل کی قوت و طاقت اپنا کام کرتی ہے آسمان و زمین کے عجائبات و مناظر انکی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر عقل کے سامنے بے نقاب ہیں۔ قدرت کے وہ مظاہر جو ان حواس ظاہری سے مستور ہیں شعور و عقل کے نزدیک سب بے حجاب ہیں اب جتنا علم اس کو ملے دا اتنی ہی اس میں نور و روشنی بڑھتی ہے اور پھر آسمان سے ماوراء اور نیچے کی کائنات اور تحت الثریٰ میں معدنیات و مغیبات سب عقل کے سامنے روشن ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اپنے اعضاء و جوارح پر جب انسان نظر کرتا ہے کہ وہ ارادہ کے ساتھ ہی حرکت میں آجاتے ہیں۔ اور یہ حرکت اتنی سریع ہوتی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ آیا ارادہ اور حرکت دونوں میں مقدم کون ہے اور موخر کون اگرچہ رتبۃً ارادہ مقدم ہوا کرتا ہے مگر قدرت نے جوارح کو انسان کی قوت ارادی کے ایسا تابع و مطیع کر دیا ہے کہ ارادہ کے وجود میں آتے ہی جوارح اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس عقل و شعور اور ادراک کے باوجود انسان اپنی حقیقت کے سمجھنے سے کماحقہ قاصر ہے۔ کبھی وہ اپنے لئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں اس عالم میں

قطعاً جاہل ہوں اس کے باوجود وہ بڑے بڑے دقائق و لطائف میں فرق کرتا ہے۔ اور باریک باریک چیزوں کو سمجھتا ہے کبھی وہ اپنے متعلق ہمہ دانی کا دعوے کرتا ہے ۔ لیکن وہ ایسی باتیں کر گزرتا ہے کہ انجام کار وہ نادم و پشیمان ہوتا ہے۔

کبھی کسی چیز کو یاد کرتا ہے لیکن بھول جاتا ہے ۔ کسی چیز کو بھلانا چاہتا ہے لیکن بھلا نہیں سکتا۔ چاہتا ہے کہ اپنا وقت عیش و عشرت میں گذارے اور رنج والم کو پاس نہ آنے دے لیکن اچانک ایسے حالات واسباب ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی تمام خوشی رنج والم سے بدل جاتی ہے کبھی کسی معاملے میں وہ اپنے آپ کو ہوشیار اور ہر وقت متنبہ رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے غفلت میں ہو جاتا ہے ۔ ایک طرف اس کو ہمہ دانی کا دعوےٰ ہے لیکن مشاہدات و تجربات سے اس کی جہالت و نادانی ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی وہ اپنے کو قطعاً کور و اندھا اور بے بہرہ تصور کرتا ہے ۔ لیکن بڑی بڑی تدبیریں اور حکمتیں اس سے صادر ہوتی ہیں ۔ جس سے اسکی قابلیت اور علم کا اندازہ ہوتا ہے ۔ پھر بھی وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہی ہے ۔ آواز کیوں کر پیدا ہوتی ہے کس طرح نکلتی ہے کہاں تک پہونچتی ہے کلام کے حروف کیونکر مرتب ہو کر ایک با معنی شکل اختیار کرتے ہیں ۔ اسکی نگاہ کہاں تک کام کرتی ہے ۔ کیونکر وہ اپنی آنکھ سے بصارت کا کام لیتا ہے یہ آنکھوں میں نور کس طرح سے اور کہاں سے آتا ہے ۔ اور کس طرح وہ اشیاء کو دیکھتا ہے اس کے قلب میں ارادہ کیونکر پیدا ہوتا ہے ۔ وجود سے پہلے یہ کہاں تھا وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کے علم سے وہ قدرت کے کمال اور اس کی بالغ حکمت کو تسلیم کرتا ہے ۔ اگرچہ حقیقت علم سے ہنوز بے بہرہ ہے ۔

قدرت نے انسان میں خواہش پیدا کی جو اسکی طبیعت کے مناسب ہے اگر وہ خواہش نفس کے استعمال کرنے میں اپنے نور عقل سے کام لے تو وہ

مہلکات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور بلند مرتبہ تک پہونچ سکتا ہے اور اگر اس خواہش کو اغراض نفس کے لئے استعمال کرے تو پھر نور معرفت سے اسکو کوئی حصہ نہیں مل سکتاہے اور نہ ان امور کو وہ حاصل کرسکتاہے جن کے حصول پر روز قیامت بڑے اجر ملنے کا وعدہ ہے۔ ثواب وعذاب ان امور کے حصول وعدم حصول اور اس خواہش کے صحیح وغلط استعمال پر موقوف ہے درحقیقت یہ خواہش جو قدرت کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے انسان کی عملی زندگی میں ایک موثر آلہ ہے انسان کے ذہن ودماغ میں قدرت نے جو فکر وتدبر کی قوتیں رکھی ہیں۔ وہ بھی اس خواہش کے بغیر بیکار ہیں حقیقتاً ان سب کا باہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسری اور دوسری کے بدون پہلی قوت بیکار ہے۔ اور انسان کو پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اسکی تمام قوتیں اعتدال سے کام میں لگی ہوں۔ اور اشیاء کا حسن وقبح اور اخلاق کا اعلیٰ اور ادنیٰ ہونا اور زمانہ کے ساتھ ان کا مناسب ہونا یہ ساری چیزیں اس پر مبنی ہیں۔

پس قدرت کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے انسان میں کیسی کیسی مفید اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ ظرف کی قدر وقیمت مظروف سے ہوتی ہے مکان کا رتبہ مکین سے ہی ہوتا ہے جب خدا نے انسان کے قلوب کو اپنی معرفت کا محل بنایا تو اسکا درجہ کتنا بلند ہوگیا۔

اور کیوں کہ قدرت نے انسان کے لئے مرجع ومرکز اس گھر کے سوا ایک دوسرا گھر تجویز کیا ہے۔ جسکو دار آخرت کہتے ہیں۔ اس گھر کا حال اور علم۔ انسان سے قطعاً مخفی رکھا ہے اس کے علم کے لئے اس نے نور رسالت کو پیدا کیا اور اس نور کی پھیلائی ہوئی روشنی میں انسان پر دار آخرت کے احوال اور کوائف ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس نے انبیاء ورسل دنیا میں بھیجے جن کی دو حیثیتیں ہیں۔ خدا کے فرمان بر داری کرنے والوں کے لئے وہ بشیر دلبشارت

خوشخبری دینے والے ہیں اور اس کی نافرمان بندوں کے حق میں وہ نذیر
ڈرانے والے ہیں ان انبیاء کی امداد وحی کے ذریعہ سے فرمائی اور وحی کو
سمجھنے اور اسکو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا کی
انبیاء نے انسانوں کو دنیا کے معاملہ
میں مصالح و حکمتوں سے واقف کیا اور آخرت کے متعلق جو معاملہ

حکمتیں ہیں ان سے بھی انسان کو آگاہ کیا یہ علم و معرفت جو انسان کو انبیاء و رسل
کی معرفت اور ان کی وساطت و توسل سے حاصل ہوا، محض نور عقل سے ہرگز
حاصل نہیں ہوسکتا تھا، انبیاء کو خدا نے ایسے روشن دلائل اور واضح براہین
دے کر بھیجا جن کی وجہ سے انسان کو بجز ایمان و اذعان کے چارہ کار نہیں وہ
دلائل انبیاء کے ایک ایک حکم اور ایک ایک چیز پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں
گویا خدا نے اس طرح سے انسان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرما دی۔ اور اب اتمام
حجت ہوچکا۔ دین و دنیا کی دونوں راہیں اس نے دکھادیں۔ نجات و ہلاکت کے
دونوں راستوں کو واضح کردیا۔

قدرت نے انسان کو کیسا شرف عطا فرمایا اور اس کی نسل کو کیسی عزت بخشی
کہ انسان کی نسل سے کیسے کیسے صاحب کمال صاحب فضیلت لوگ ہوئے
جن کو قدرت کی طرف سے نبوت و رسالت جیسے عالی مناصب عطا ہوئے
اور انوار و تجلیات عطا ہوئیں پس جو سعید ہے وہ ایمان لاکر خدا کی
نعمتوں کا مظہر اور اس کے احسانات و انعامات کا مستحق ہوتا ہے، اور جو
شقی ہے وہ ان چیزوں کی تکذیب کرکے ابدی رنج و مصیبت کو خریدتا
ہے اور محض دنیا کے حصول کی خاطر وہ اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے۔
اس کے احسانات و انعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ سوتے
میں عالم خواب میں کبھی عالم مثال میں ایسی ایسی چیزیں دکھاتا ہے جن سے ان

کو ہدایت و رشد حاصل ہوتی ہے۔ کبھی اس خواب کے ذریعہ اس کو کسی کام سے روکنا منظور ہوتا ہے، تو اس کو دھمکایا جاتا ہے، کبھی کسی کام کی ترغیب و شوق دلانا ہوتا ہے۔ بہرحال ایسے امور جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے، وہ چاہتا ہے تو کسی ذریعہ سے کچھ علم اپنے کسی خاص بندے کو عطا فرماتا ہے۔ اور یہ اس کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ یختص برحمتہ من یشاء

پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے :-

الم تروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ	کیا تم ان پرندوں پر نظر نہیں کرتے جو آسمان پر رُکے ہوئے ہیں بجز خدائے واحد کے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔

خدا نے پرندوں کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے ان میں تمام ان چیزوں کو پیدا کیا جو ان کے اڑنے کے مناسب و موافق تھیں۔ ان میں ثقیل چیزوں کو نہیں پیدا کیا جو اڑنے کے منافی یا مخل تھیں۔ جن جن چیزوں کی پرندوں کو ضرورت پڑتی وہ سب بنائیں۔ اور اسی طرح سے ان کا قوام بنایا۔ ان کی غذا بنائی۔ اور ہر ہر عضو کے لئے غذا سے مناسب حصہ پہنچایا جو اس حصہ جسم کی غذا بنے۔ عضو کے نرم و سخت اور خشک ہونے کی صورت میں غذا کے اجزاء سے ایسے مناسب اجزاء کو ان عضووں کی غذا کے لئے پہنچاتا ہے جو نرم و خشک اور سخت اعضا کے کام آسکیں۔

پرندوں کو خدا نے ۲ پاؤں دیئے، ہاتھ نہیں دیئے، پاؤں اس لئے کہ وہ چلے پھرے اور زمین سے فائدہ حاصل کر سکے۔ اڑنے میں ان سے مدد لے۔ پاؤں کو نیچے سے کشادہ بنایا، تاکہ زمین پر اچھی طرح سے قائم رہے۔ پاؤں بھی اس کے نہایت ہلکے اور پُر حکمت بنائے۔ انگلیوں کا کچھ حصہ رقیق و باریک جلد سے بنایا جو ٹانگوں کی جلد سے ذرا سخت ہے۔

ٹانگوں کی جلد موٹی اور مضبوط بنائی، تاکہ گرمی و سردی میں ان کو پروں کی ضرورت نہ ہو، اور ٹانگوں کا پروں سے برہنہ ہونا یہ بڑی حکمت و مصلحت ہے۔ کیونکہ پرندوں کو دانہ چگنے اور پانی پینے میں اور اس کی طلب میں چلنے میں ضرور ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کیچڑ پانی اور گندگی ہو، اب اگر اس کی ٹانگیں پروں سے پُر ہوتیں تو پانی اور کیچڑ میں لتھڑ کر بوجھل ہو جاتیں، اور پرندے کے لئے بڑی دشواری ہوتی۔ اس لئے قدرت نے اس کے جسم میں جہاں ضروری سمجھا وہاں بالوں اور پروں کو نہیں پیدا کیا تاکہ اس کے اڑنے چلنے پھرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ پرندوں کو اس نے لانبے لانبے پاؤں والا بنایا، ان کی گردنوں کو طویل بنایا تاکہ اپنی غذا حاصل کرنے اور دانہ چننے میں مدد ملے، اگر پاؤں لمبے اور گردن چھوٹی ہوتی تو اس کے لئے جنگلوں میں دانہ چگنا اور سمندروں دریاؤں سے پانی پینا مشکل ہوتا اور اس کو اپنے سینہ کو پانی پینے دانہ چگنے کے لئے جھکانا پڑتا کبھی وہ اپنی چونچ کی لمبائی سے بھی مدد لیتا ہے تاکہ اس کو مزید آسانی ہو۔ اگر گردن لانبی ہوتی اور پاؤں چھوٹے ہوتے تو اس کی گردن اس کو وزنی معلوم ہوتی اور پھر دانہ دنکا چگنے میں یہ آسانی نہ ہوتی۔ خدا نے اس کے سینے کو گول اور اس طرح ہڈیوں سے اس کو ترتیب دیا ہے کہ وہ ہوا کو اڑنے میں آسانی سے پھاڑ سکتا ہے اور اسی طرح اس کے بازوؤں کے سروں کو مدوّر بنایا ہے، کہ اس کو اڑنے میں مدد ملے پھر پرندوں کی انواع و اقسام کے لحاظ سے، ان کے غذا حاصل کرنے کی رعایت سے ان کی چونچیں چھوٹی، لمبی، تیز، سخت، ٹیڑھی اور سیدھی بنائی ہیں تاکہ دانہ چننے کھودنے توڑنے چیرنے پھاڑنے میں کام دے سکیں۔ بعض چونچوں کو قدرت نے ایسا تیز اور سخت بنایا ہے کہ ان کے ذریعہ سخت سے سخت چیزوں کو وہ توڑ سکیں اور گوشت کو نوچ کر کھا سکیں۔ بعض

چونچیں چوڑی اور کناریدار ہوتی ہیں کہ دانے کو اچھی طرح سے ان پر رکھا جا سکے۔ بعض سیدھی ہوتی ہیں مگر حد اعتدال میں تاکہ وہ سبزی ترکاری پھل وغیرہ کھا سکیں۔ بعض زیادہ لانبی مگر ہڈی کی طرح سخت ہوتی ہیں مگر اندر کے حصہ میں ملائم ہڈی کی طرح نرم ہوتی ہیں، اور دانتوں کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

پرندوں کے پروں کو خدا نے لانبا بانس کی طرح سے خول اور ہلکا بنایا تاکہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور نہایت مضبوطی سے وہ بازوؤں میں لگے ہوتے ہیں کہ رات دن اڑنے سے بھی وہ خراب نہیں ہوتے۔ کیونکہ اڑنے میں نہایت سریع حرکت کرنا پڑتی ہے، اس لئے پروں کو نہایت مستحکم بنایا، اور جسم کے لئے سردی اور گرمی سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنایا پرندوں کے تمام جسم میں پروں کو پیدا فرمایا کہ سردی و گرمی سے بدن کی حفاظت ہو اور اس سے ان کی زینت و حسن بھی ہو۔ ان پروں میں یہ صفت بھی رکھی کہ مسلسل بھیگنے سے بھی وہ خراب نہ ہوں بلکہ ادنیٰ حرکت سے پانی ان پر سے جھاڑا جا سکے۔ پروں میں سوراخ بھی رکھے کہ ان کی پرورش اور فضلات کے خارج کرنے میں کام آئیں۔

پرندوں کی دم کو اس طرح بنایا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور دائیں بائیں ایک ہی طرف کو پرندے ہوا کے زور سے نہ بہہ جائیں۔ اگر دم نہ ہوتی تو وہ حسب منشا اور حسب ضرورت اڑنے میں اپنے لئے جہت متعین نہیں کر سکتے تھے۔ گویا کہ یہ دم پروں میں بمنزلہ پاؤں کے ہے جو کشتی میں ہوتے ہیں، جن کی مدد سے کشتی کے چلانے میں آسانی ہوتی ہے پرندوں میں طبعی طور پر علیحدہ رہنے کی طبیعت پیدا فرمائی کہ اس سے ان کی حفاظت رہتی ہے۔ اور کیونکہ پرندے بغیر چبائے غذا کو نگلتے ہیں اس لئے بعض چونچوں میں ایسی دھاریں بنائی ہیں کہ گوشت وغیرہ قسم کی چیزوں

کو ان کی مدد سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ تاکہ ہضم میں سہولت ہو، پھر ان کے پوٹوں میں ایسی حرارت پیدا کی کہ وہ سخت سے سخت غذا کو بھی گلا کر قابل ہضم بنا دیتی ہے اور چبانے اور دانتوں کے دوسرے کام سے ان کو بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا اندازہ تم کو اس سے ہو سکتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ ثابت انگور کسی کو کھلا دو تو یوں ہی سالم فضلہ کے ساتھ خارج ہوگا اور پرندوں کو کھلا دو تو وہ پس کر غذا میں ہضم ہو کر نا سرج ہوگا۔ کیونکہ پرندوں کے پوٹوں میں جو حرارت ہے وہ دوسرے حیوانات میں نہیں پائی جاتی۔

پرندوں کی تخلیق خدا نے اس طرح بنائی کہ وہ انڈے دیتے ہیں، بچے نہیں دیتے، جس طرح دوسرے حیوانات۔ تاکہ اڑنے کے کام میں حمل کے بوجھ سے خلل نہ پڑے۔ ورنہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں جب بچہ حمل کی پوری مدت ختم کرلیتا تو بھاری ہونے کی وجہ سے ماں کے لئے اڑنا مشکل ہوتا، قدرت نے کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہر چیز کو مناسب بنایا ہے۔

کس نے پرندوں کو یہ سبق دیا کہ وہ انڈوں پر بیٹھیں ان کو سے کر گرمی پہنچائیں کس نے ان کو یہ تعلیم دی کہ دانے کو پہلے خود اپنے منہ میں رکھیں اور جب وہ نرم ہو جائے تو اپنے بچوں کو کھلائیں، اور جب تک بچے غذا کے قابل نہ ہوں خالی ہوا سے ان کے پیٹ کو بھرتے رہیں۔ دیکھو پرندے اپنے بچوں کی پرورش اور داشت میں کیسی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں حالانکہ انسان کی طرح سے نہ تو پرندوں میں سمجھ و عقل ہوتی ہے نہ وہ دور اندیشی اور سوجھ بوجھ ہوتی ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے اور پرندے اپنے بچوں سے اس طرح توقعات اور امیدیں بھی نہیں رکھتے جو انسان اپنی اولاد سے سلسلہ نسل سے متعلق،

ہر طرح کی امداد امانت کے حصول کی توقعات رکھتا ہے۔ ان تمام عاقبت

اندیشوں اور دور اندیشیوں سے پرند ے یکسر خالی الذہن ہوتے ہیں۔ تاہم اپنے بچوں کی پرورش اور حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ قدرت کی طرف سے ان کے دلوں میں جذبہ محبت ودیعت ہوتا ہے۔

پھر اس بات پر غور کرو کہ مادہ کو اپنے حاملہ ہونے کا علم کیونکر ہوتا ہے جو انڈے کی شکل میں اس کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اور انڈا دینے کے لئے اور اس کی حفاظت کا ضروری انتظام کرنے کے لئے وہ کس کس طرح سے تنکوں کو جمع کر کے نرم بستر تیار کرتی ہے جس پر وہ انڈا دے گی اور پھر بچہ پیدا ہونے تک انڈوں کے اوپر وہ بیٹھے گی۔

کبوتر کو تم دیکھو کہ وہ کس طرح سے انڈے کے اندر کی حالت کو معلوم کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اب بچہ کامل ہو چکا، اور وہ انڈے کو توڑ کر بچہ کو نکال لیتا ہے، اور اگر انڈا کسی وجہ سے گندا اور خراب ہو جاتا ہے تو کبوتر کس طرح اس کے فاسد ہونے کو معلوم کر لیتا ہے، اور اس پر بیٹھنا ترک کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اس گندے انڈے کو اپنے گھونسلے سے باہر پھینک دیتا ہے۔

بچے کے انڈے سے نکل آنے کے بعد سب سے پہلی غذا کو جو کبوتر اپنے بچے کو دیتا ہے وہ صرف ہوا ہوتی ہے، پھر ہضم شدہ غذا اور اس طرح رفتہ رفتہ جب وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ اب بچے کے پوٹے میں دانے کو ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو پھر دانے سے غذا دیتا ہے۔ اگر وہ ابتداہی سے بچے کو دانہ کی غذا دے تو بچہ کمزور ہونے کے باعث اس کو ہضم نہیں کر سکتا۔ اب یہ سمجھ اور عقل اس کبوتر میں کس نے پیدا کی جس نے بچے کی ہضم کی قوت کا اتنا صحیح اندازہ کر لیا۔ یہ سب خدا نے اس کو عطا فرمائی۔ اور جب بچہ انڈے سے باہر آ جاتا ہے تو کبوتر اس کو اپنے پہلو میں لئے رہتا ہے کہ اس کو گرمی پہنچتی رہے۔

ایسا نہ ہو کہ انڈے کی گرمی سے جدا ہو کر وہ بالکل سردی میں رہ کر ہلاک ہو جائے اس لئے اپنے پروں میں دبا کر گرمی پہنچاتا ہے۔

اور پھر تمام پرندے ایک ہی طرح سے بچوں کے پیدا کرنے میں نہیں ہیں بلکہ ان کی بہت سی اقسام ہیں، اور ہر قسم کے لئے الگ الگ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو خدا نے ان میں رکھی ہیں۔ مرغی کو دیکھئے۔ اس میں خدا نے بچوں کو پھرانے اور کھلانے کی صفت نہیں رکھی اس لئے مرغی کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذا خود حاصل کرتا ہے اور دانا دنکا چگنے لگتا ہے۔

پھر نر اور مادہ دونوں پر نظر کرو کہ کس طرح بچوں کی پرورش میں کوشاں نظر آتے ہیں، اور یکے بعد دیگرے بچوں کو اپنے آغوش میں رکھکر گرمی پہنچاتے ہیں تاکہ ٹھنڈ سے ہلاک نہ ہو جائیں، اور انڈے گندے نہ ہو جائیں۔ گویا وہ اس گرمی پہنچانے کی ترکیب سے اچھی طرح واقف ہیں اور اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا تو یقیناً انڈے خراب ہو جائیں گے اور پھر بچے مر جائیں گے۔

انڈے کی تخلیق پر نظر کرو، اس کے مادے کو دیکھو، وہ دو قسم اور رنگ کا ہوتا ہے ایک سفید رطوبت جو غذا کے لئے ہوتی ہے اور دوسری زرد رنگ کی رطوبت جو بچہ کے جسم کی ساخت اور اس کی نشو و نما کے لئے۔ دیکھو خدا نے کس حکمت سے اس انڈے میں بچے کے لئے غذا بھی پہلے سے مہیا کر دی ہے۔

پرندوں کے پوٹوں تک غذا کے جانے کے راستہ کو کیونکر تنگ بنایا گیا ہے، اب اگر پرندا ایک ایک دانہ کے چگنے میں دوسرے دانہ کے پوٹے میں پہنچنے تک کا انتظار کرے تو اول تو اس کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اور پھر پرندوں کو ہر وقت شکاری کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی حرکت کے ہونے سے ہوشیار اور متنبہ رہتا ہے، تو وہ اتنی

مہلت کہاں سے پا سکتا ہے اس لئے خدانے اس کے پوٹے کو اس طرح سے بنایا ہے گویا کہ وہ کھانے کو جمع رکھنے کا ایک تھیلا ہے یہاں وہ جلدی جلدی سے وہ دانے چن کر جمع کر لیتا ہے، اور پھر اطمینان سے ایک ایک دانہ کو اس تھیلے سے لیکر ہضم کے مقام پر پہنچاتا رہتا ہے اور پھر تمام پرندوں میں ایک ہی حکمت مشترک نہیں بلکہ وہ پرندے جو اپنے بچوں کو خود بھراتے ہیں، ان کے لئے کھانا پوٹے سے نکالنا بہت آسان کر دیا گیا ہے۔

پرندوں کے پروں کی تخلیق پر اور ان کی بناوٹ پر نظر کرو کہ وہ کپڑے کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے باریک باریک تاروں سے مربوط ہوتے ہیں۔ کچھ خشک اور قدرے سخت ہوتے ہیں جو اطراف سے حفاظت کرتے ہیں، اور کچھ نرم جو دباؤ سے لوٹنے نہ پائیں۔ وہ پر اندر سے خالی اور بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ ڈوروں کے تاروں کی طرح سے ایکدوسرے سے جڑے ہوتے ہیں کہ اگر پرند ان کو پھیلائے تو اس طرح سے نہیں پھیلتے کہ ہوا ان میں داخل ہو کر پرندوں کو اڑنے سے باز رکھے۔ ان پروں کے وسط میں ایک موٹا سخت اور خشک عمود سا ہوتا ہے۔ جس پر چاروں طرف یہ پر اُگے ہوتے ہیں جس طرح بال ہوتے ہیں، اور وہ عمود ان سب کو محفوظ اور مضبوط رکھتا ہے اگرچہ وہ عمود اندر سے خول ہوتا ہے، تاکہ ہلکا رہے مگر اپنی صلابت کے باعث بہت مضبوط ہوتا ہے اور پروں کے وسط میں یہ عمود نہ ہو تو یہ پر ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ تیز ہوا میں پرندوں کا اڑنا بھی محال ہو جائے۔

لانبی ٹانگوں والے پرندوں پر نظر کرو، عام طور پر وہ صاف اور چٹیل میدانوں یا پھر ایسے نشیبی مقامات پر اپنی غذا کی طلب میں رہتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے، گویا وہ ادھر ادھر چلنے میں یہ غور کرتے ہیں کہ پانی کی

تہہ میں کون سی چیز ان کی مقصد کی چل رہی ہے کہ آہستہ سے ایک دو قدم آگے بڑھا کر اس کو کھالیں، اب اگر ان کی ٹانگیں چھوٹی ہوں تو پھر ان کا جسم اور سینہ پانی کی سطح پر مس ہو کر پانی میں حرکت پیدا کر دے گا اور اس طرح ان کا شکار آگاہ ہو کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا تو گویا ان کی ٹانگوں کا لانبا ہونا ان کے حق میں عین حکمت اور مصلحت ہے۔

چڑیوں کو دیکھو جو اپنے اپنے گھونسلوں سے کھانے کی طلب میں صبح کو نکلتی ہیں اور ادھر ادھر اُڑ کر اپنے لئے غذا تلاش کرتی ہیں اور شام کو اپنا پیٹ بھر کر گھونسلوں میں واپس آتی ہیں اور اسی طرح سے خدا کی یہ سنت جاری ہے۔ ان کی غذا ایک مقام پر اکھٹی نہیں مل جاتی جو ان کو اس کی طلب میں دُور دُور جانے کی ضرورت نہ ہو۔ اور اگر ایک جگہ پر ان کو اپنی غذا اکھٹی مل جایا کرتی تو وہ حرص میں اتنا کھا جائیں کہ پھر ان کے لئے اڑنا محال ہو جائے، اور پھر ہضم کرنا بھی دشوار ہو۔ اور بعض جانوروں کو اگلنا اور قے کرنا بھی نہیں آتا، جو زیادہ کھا جانے کی صورت میں ایک بڑا علاج ہے، جس طرح پانی کے بعض جانور زیادہ کھا جانے پر قے کر کے اپنے معدہ کو ہلکا کر لیتے ہیں۔ اس لئے چڑیوں کے اپنی غذا کی طلب میں جگہ جگہ اڑ کر جانے اور تھوڑا تھوڑا ہر جگہ سے کھانے ہی میں بڑی مصلحت و حکمت پوشیدہ ہے کہ اس طرح ان کا کھانا ہضم بھی ہو جاتا ہے، اور اڑنے میں بوجھ بھی نہیں ہوتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ اگر فراغت سے بغیر سعی و کوشش کے اس کو کھانے کو مل جایا کرے تو وہ بھی بیمار پڑ جائے۔

اب ان پرندوں کو دیکھو جو صرف رات ہی کو نکلتے ہیں اور دن میں قطعاً نہیں اڑتے، جیسے اُلو ابابیل چمگادڑ وغیرہ۔ ان کی غذا مچھر پتنگے وغیرہ ہیں جو فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ پس یہ غذا ان کو

ہوا میں جو زمین سے زیادہ نزدیک ہے حاصل ہو جاتی ہے، یہ قدرت کی زیادہ حکمت ہے۔ غالباً ان کی آنکھوں کی روشنی اور بصارت اس قابل نہیں کہ زمین سے اپنی غذا ادھر ادھر چل پھر کر حاصل کر سکیں، اور یقیناً یہ جانور اس سے قاصر ہیں، اس لئے کہ سورج کی روشنی میں یہ جانور باہر نہیں نکلتے۔ جہاں یہ روشنی نہ ہو اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہ باہر آتے ہیں پس قدرت نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی غذا اس طرح ہوا سے حاصل کرلیں۔

چمگادڑ کو قدرت نے بے بال و پر بنایا ہے، پس اسی حکمت سے اس کے قائم مقام دوسری چیزیں بنائی ہیں، اس کا منہ بھی ہے اور دانت بھی، اور زمین پر زندگی بسر کرنے والے دوسرے جانوروں کی طرح اس میں اور بھی تمام چیزیں مشترک ہیں، طریقۂ ولادت وغیرہ۔ اور پھر اس کے باوجود اس کو اڑنے پر قادر کر دیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ خدا بغیر بال و پر کے بھی اڑانے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ پرندوں کی نوع کے سوا دوسری نوع کو بھی وہ اڑنے کی قدرت دے سکتا ہے۔ اس طرح خدا نے بعض مچھلی بھی اس طرح بنائی ہیں کہ وہ سطح سمندر پر کافی دور تک اڑ کر جا سکتی ہیں۔ پھر پانی میں چلی جاتی ہیں۔

کبوتر اور کبوتری ان دونوں کی باہم تعاون پر غور کرو کہ انڈوں کے سینے میں کس طرح ایک دوسرے کی قائم مقامی کرتے ہیں، اگر ایک غذا کی تلاش میں جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ انڈے پر بیٹھ کر انڈے کو گرمی پہنچاتا ہے اور اس طرح سے انڈے کو گرمی پہنچانے کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہونے پاتا اور پھر ان کی غیر حاضری زیادہ دیر تک کے لئے نہیں ہوتی، ہر ایک کو انڈے پر بیٹھنے کی فکر رہتی ہے

یہانتک اگر ان کو پاخانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو وہ اس کو روکے رہتے ہیں۔ اور پھر دفعۃً قضائے حاجت کرتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب کبوتری انڈے سے حاملہ ہوتی ہے تو کبوتر اس کی کتنی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے کہ اس کو گھونسلہ سے باہر نہیں چھوڑتا۔ اس ڈر سے کہ انڈا کسی ایسی جگہ نہ دے دے۔ جہاں انڈا ضائع ہو جائے۔ انڈے سے بچے کے نکل آنے پر دونوں کس طرح ان کو بھراتے ہیں اور کیسے ان پر مہربان ہوتے ہیں۔ اور جب بڑے ہو جاتے ہیں اور عادت کے مطابق ماں باپ سے دانے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں تو پھر کبوتر اور کبوتری ان کو مار کر اپنے سے علیحدہ کر دیتے ہیں تاکہ اب وہ اپنی غذا خود حاصل کریں۔

خدا نے ان کو اڑنے کی کتنی طاقت اور قدرت دی ہے کہ اگر کوئی پکڑنا چاہے تو وہ اس کے ہاتھ نہیں آتے، تیزی سے اُڑ جاتے ہیں۔ پرندوں کے پنجوں میں قوت، چونچ میں تیزی، اور ناخنوں میں نوک خدا نے کیسی بنائی ہیں کہ پرندے ان سے چھری کا کام لیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی پنجوں میں گوشت کو لٹکا کر اُڑا لے جاتے ہیں، اور جہاں چاہتے ہیں لیجاتے ہیں۔

پانی کے پرندوں کی غذا خدا نے پانی ہی میں بنائی ہے اور ان میں اڑنے کی قوت کے علاوہ پانی میں تیرنے اور غوطہ لگانے کی بھی قوت دی ہے کہ وہ پانی کی گہرائی میں جاکر اپنی غذا حاصل کر سکیں۔

غرضکہ خدا نے پرندوں کی جملہ انواع واقسام میں ان کے حسب حال اور حسب ضرورت چیزیں عطا کی ہیں۔ جو ان کی ضروریات

زندگی کے حاصل کرنے میں مفید اور معاون ہیں۔ اس سے تم خدا
کی حکمت اور کمال قدرت کا اندازہ کرو۔

چوپایوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ۔ گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت کے لئے بھی ہیں۔

خدا نے چوپایوں کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرما کر انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ایسے کام کے جانور پیدا فرمائے اور ان کی جسمانی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ نہ زیادہ نرم اور نہ زیادہ سخت کہ ہم ان سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کے گوشت پوست اور اعصاب و عروق نہایت مستحکم اور مضبوط بنائے ہیں کہ ہم ان کو سواری اور باربرداری کے کام میں لا سکیں۔ ان کی کھال نہایت موٹی اور مضبوط بنائی کہ ان کا تمام بدن اس کھال میں محفوظ رہے اور ان کا گوشت اس کھال کی وجہ سے باہر کی زد سے محفوظ رہے۔ ان جانوروں کو کان اور آنکھیں بھی دیں کہ انسان ان سے اپنی ضروریات کو کامل طور سے پورا کر سکے۔ اس کے برخلاف اگر وہ جانور اندھے اور بہرے ہوتے تو کام کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ اور دشواری پیش آتی اور ان جانوروں میں عقل و ہوش بھی مصلحتاً زیادہ نہیں عطا کیا، تاکہ انسان کے تابع اور فرمانبردار رہیں۔ ورنہ ہل چلانے، بھاری بھاری بوجھ لادنے اور چکیوں میں استعمال کرنے کے جیسے سخت کاموں سے وہ گریز کرتے، اور قابو میں نہ آ سکتے تھے۔

قدرت خوب جانتی تھی کہ انسان کو ان تمام کاموں کی ضرورت پڑے گی اور انسان کی طاقت سے یہ کام باہر ہیں۔ اب اگر ایسے کاموں کے انجام دینے کا انسان کو مکلّف گردانتی، تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو اس پر ان کاموں کو پورا کرنا بارگراں ہوتا، دوسرے اس کی ساری قوت ان سخت سخت کاموں کے انجام دینے میں صرف ہو کر ختم ہو جاتی تو پھر علوم و اخلاق کی تحصیل، فضائل و محامد کا حصول اور درجات کی تکمیل، جو انسان کی خصوصیات میں سے ہیں، اور جن کی بدولت انسان کو شرف و امتیاز کا اعلیٰ رتبہ دیا گیا ہے، ان سے انسان قطعاً محروم رہ جاتا، اور یہانتک انسان عاجز ہو جاتا کہ وہ اپنے لئے معاش حاصل کرنے کے بہتر وسائل و وظائف اور معزز طریقے بھی استعمال نہ کر سکتا تھا۔ پس اس طرح خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کے مناسب اور اس کی مصلحت کے پیش نظر اپنی عین حکمت و تدبر سے جانوروں کی تخلیق ایسی بنائی کہ وہ ہر طرح سے انسان کے کام آسکیں، اور کسی طرح سے کام کرنے میں گریز نہ کریں۔

حیوانات اور جانوروں کی اقسام اور ان کی ضروریات کے مناسب اُن میں صلاحیتوں اور قوتوں کے موجود ہونے پر غور کرو۔ مثال کے طور پر انسان ہی کو لے لیجئے، قدرت نے انسان کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ علوم و فنون کو حاصل کرے، دستکاری و صنعت میں کمال پیدا کرے، اور اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر مجبور ہے کہ کپڑے کا بننا، مکانات کی تعمیر، لکڑی کا کام اور فن آہنگری وغیرہ کو بھی انجام دے۔ اس مصلحت و حکمت کے پیش نظر خدا نے انسان کو اس کے مناسب عقل و شعور اور دل و دماغ عطا کیا، اعضاء کی ساخت میں بھی اس تناسب کو ملحوظ رکھا، ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں انگلیاں

اور ہتھیلی ہے کہ وہ اشیاء کو گرفت کر سکے، دستکاری اور دوسرے کاموں کی انجام دہی کے اوقات میں ان اوزاروں کو صحیح طرح سے گرفت میں لاکر ان کا استعمال کر سکے۔

ان جانوروں کی بناوٹ پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے گوشت بنایا ہے، کہ ان جانوروں کو شکار کرنے اور اس کو پکڑنے کی پوری پوری صلاحیتیں اور قوتیں بخشیں، ان کے ہاتھ پاؤں میں تیز قسم کے ناخن اور پنجے بنائے کہ موقع پر وہ شکار کو قابو میں لاسکیں، پھر ان کو چیر پھاڑ کر کے ان کو اپنی خوراک بنا سکیں۔

ان جانوروں پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے نباتات بنائی ہیں، کہ بعض جانوروں کے نیچے کے حصوں کو اس طرح بنایا ہے کہ سخت زمین پر جب وہ اپنی خوراک کی تلاش میں چلیں پھریں تو زمین کی خشونت اور اس کے سنگ ریزوں کی رگڑ سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں۔ اور پتھریلی زمین ان کے جسم کو زخمی نہ کر سکے، اسی طرح کسی کسی جانور کو گول گڑھے دار کھر عطا کئے، کہ زمین پر اپنے قدم کو پوری طرح جما سکیں۔ اور سواری اور باربرداری میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر قائم رکھ سکیں۔

گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کرو کہ ان کے دانت اور ڈاڑھیں کیسی تیز اور دھار دار بنائی ہیں اور ان کا منہ کیسا کشادہ رکھا ہے گویا قدرت نے —— ان کو ایک قسم کے ہتھیار عطا کئے ہیں جن سے وہ اپنے لئے شکار حاصل کرسکیں۔ اس کے برخلاف اگر گھاس کھانے والے جانوروں میں پنجے اور تیز دانت اور دھار دار ڈاڑھیں ہوتیں، تو ان کے کس کام آتیں، قطعاً بے سود ہوتیں۔ کیونکہ نہ تو ان کو شکار سے کوئی کام اور نہ گوشت کھانے کی ضرورت، جو ان چیزوں سے

مدولیں۔ اس طرح سے کہ اگر درندوں میں اس قسم کے پہلو اور کھال ہوتی جس کی ضرورت گھاس کھانے والے جانوروں کو پیش آتی ہے تو یہ ان کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور وہ اپنے لئے شکار نہ حاصل کر سکتے، جو ان کی غذا ہے۔ گویا وہ ان ہتھیاروں سے بھی محروم ہوتے جن کی ان کو شکار کرنے میں ضرورت ہو۔

پس اب اس پر غور کرو کہ قدرت نے ہر جانور کو اس کی ضروریات اور مصالح کے مناسب اعضا، قویٰ، اور جسمانی ساخت عطا فرمائی ہے اب ان کے بچوں کی پیدائش کو دیکھو، مثلاً چوپایوں کے بچوں پر نظر کرو کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ کس طرح سے چلتے پھرتے ہیں، انسانوں کی اولاد کی طرح نہ ان کی پرورش کی ضرورت اور نہ اس طرح سے اٹھائے اٹھائے پھرنے کی حاجت۔ اس لئے ان کی ماؤں میں وہ عقل وشعور بھی نہیں پیدا کیا جس کی ضرورت انسانوں کو اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں پڑتی ہے۔ اور نہ ان میں اس طرح کے ہاتھ اور ان میں انگلیاں بنائیں جن کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے یہ سب اس لئے کہ ان چوپایوں کے بچوں میں مستقل خود چلنے پھرنے کی صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ اپنی ماؤں کے ساتھ ساتھ رہیں۔

پرندوں میں مرغی تیتر وغیرہ کے بچوں کو دیکھو کہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو بچے کمزور ہوتے ہیں اور خود ماں کے ساتھ ساتھ دانہ دنکا نہیں کھا سکتے، جیسے کبوتر کے بچے، ان کی ماؤں کو خدا نے ان پر ایسا شفیق اور مہربان کیا ہے کہ وہ خود ان کو بھراتی ہیں۔ اپنے منہ میں چباکر بچوں کو کھلاتی ہیں اور ان کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ وہ اپنی قدرت پر خود چل پھر کر دانہ چگ سکیں۔ خدا نے اس طرح ہر ایک میں یہ مادۂ رحم وشفقت

کم وبیش اپنی بلیغ حکمت سے عطا فرمایا ہے۔

چو پاؤں کے قوائم (ٹانگوں) پر نظر کرو کہ چلنے پھرنے اور دوڑنے میں وہ کس طرح سے اپنے آگے پیچھے کے دو دو پاؤں کو زمین پر رکھتا ہے تاکہ زمین پر قائم رہ سکے، پانی کے جانور پانی پر چلنے میں اپنے جسم کے حصہ سے وہی کام لیتے ہیں، جو پاؤں والے زمین پر اپنی پاؤں سے کام لیتے ہیں دو ٹانگوں والے چلنے میں جب ایک پاؤں کو اٹھاتے ہیں تو دوسرے پر اس طرح سہارا دیتے ہیں کہ قائم رہ سکیں۔ اور چار ٹانگوں والے جب دو دو پاؤں کو آگے پیچھے بڑھاتے ہیں تو اٹھاتے وقت دوسری دو ٹانگوں پر اس طرح سہارا کرتے ہیں کہ گرنے نہیں پاتے۔ اور اس حکمت سے ٹانگوں کو اٹھاتے ہیں کہ آگے کی ایک طرف کی تو پیچھے کی دوسری طرف کی جو آگے کی مخالف جہت ہو، کیونکہ ایک ہی جہت کی آگے پیچھے کے بیک وقت پاؤں اٹھانے کی حالت میں وہ اپنا جسم سادھ نہیں سکتے جسطرح کہ پلنگ ایک ہی طرف دو پایوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اگر وہ دونوں ہاتھوں کو اٹھائیں، اور پھر دوسری دفعہ میں دونوں پاؤں، اس طرح رفتار میں خرابی پیدا ہو کر وہ سواری اور باربرداری کی صحیح خدمت نہ کرسکیں گے۔ اس لئے خدا نے ان میں یہ حکمت اور سوجھ بوجھ دی ہے کہ جب آگے کا دائیں طرف کا پاؤں اٹھائیں تو پیچھے کا بائیں طرف کا۔ تاکہ آگے پیچھے کی مخالف سمت کی ٹانگوں پر وزن سدھا رہے۔ اور چال میں نرمی اور سلامتی باقی رہے۔ گدھے کو دیکھو کہ باربرداری اور چکی میں کام آتا ہے، برخلاف گھوڑے کے، اس سے یہ کام کوئی نہیں لیتا۔ اور اونٹ اگر سرکشی کرنے لگے تو چند لوگوں کے قابو میں بھی نہیں آتا، اور جب وہ عاجزی اور سادے پن میں ہو تو ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں نکیل دیدیجئے وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

اور سرکش بیل اس وقت تک قابو میں نہیں آتا تاوقتیکہ اس کی گردن کو گرم لوہے سے نہ داغا جائے۔ تب ہی اس سے کھیت جوتنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ گھوڑے سواری کے کام آتے ہیں، اور میدان جنگ میں ان پر اسلحہ بھی لاد کر لیجایا جاتا ہے۔ بکریوں کے گلہ کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی چرانے کو لیجاتا ہے۔ لیکن جب وہ گلہ سے جدا ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں تو پھر ان کا یکجا کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ یہی حال تمام جانوروں کا ہے کہ ان کو عقل و شعور اسی لئے خدا نے ان کے مناسب دیا ہے، جو انسان کی خدمت کرنے میں مزاحم نہ ہو۔ ورنہ یہ انسان کے قابو میں ہرگز نہ آ سکتے تھے۔ ——————— خواہ انسان کتنا ہی ان کو تابع کرنے کے لئے جد و جہد کرتا۔

یہی حال درندوں کا ہے، اگر ان میں عقل و شعور ہوتا تو یہ انسانوں پر برابر حملہ کرتے رہتے اور ان کو باز رکھنے کے لئے انسان کو بڑی مشقتیں اٹھانا ہوتیں، خصوصاً اس صورت میں جب وہ بھوکے ہوتے، اور غذا کی طلب میں پھرتے، تو انسانوں کا نکلنا اور چلنا پھرنا تک بند کر دیتے اس لئے خدا نے ان کو باوجود قوت و طاقت زیادہ دینے کے، عقل و شعور سے محروم رکھا، اور انسانوں سے خائف رہنے کا جذبہ ان میں پیدا فرما کر انسان پر بڑا احسان کیا۔

کتے کو دیکھو وہ بھی ایک قسم کا درندہ ہے۔ انسان کا کیسا تابعدار ہو کر رہتا ہے کہ مالک کے مکان کی حفاظت کرتا ہے، ساری رات خود جاگتا ہے مگر مالک کی حفاظت میں جان دیتا ہے۔ پھر اپنی گرجدار آواز سے ہر خطرہ پر مالک کو متنبہ بھی کر دیتا ہے کہ مالک ہوشیار ہو کر اپنی مدافعت کے لئے تیار رہے۔ کتے میں صبر کا کیسا مادہ ہے، کئی کئی وقت تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے، مگر مالک سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔ مالک اس پر

کتنا ہی سختی کرے، مارے پیٹے لیکن وہ اس پر بھی اس کو نہیں چھوڑتا یہ خصائل و عادات کتے میں خدا نے انسان کی منفعت کی خاطر پیدا فرمائے ہیں۔

کتا شکار میں کیسا کام آتا ہے اور شکار کو اپنے دانت اور ناخن سے قبضہ میں کر کے مالک کے لئے محفوظ کرتا ہے۔ یہ سب کچھ انسان کی منفعت اور فائدہ کے غرض سے خدا نے بنائے ہیں۔

پھر ان چوپاؤں کی پیٹھ کو خدا نے کس طرح مسطح اور چار پاؤں پر مضبوط بنایا ہے تاکہ سواری اور باربرداری سے لچک نہ جائے اور قائم رہ سکیں۔ جانوروں کے اندام نہانی (فرج) (شرمگاہ) کو پیچھے کی طرف ظاہر اور کھلا ہوا بنایا، تاکہ نر ان سے آسانی سے جفتی کر سکے۔ اگر انسانوں کی طرح باطنی سطح میں ہوتی، تو نر ان سے جفتی نہ کر سکتا۔

کیونکہ نر مادہ تے ملتے وقت سامنے سے روبرو ہو کر نہیں آتا، جس طرح مرد عورتوں سے ملتے ہیں۔ پس یہاں بھی خدا کی حکمت و تدبیر پر غور کرو۔ ہاتھی کی شرمگاہ اگرچہ نیچے کے حصہ میں بنائی ہے، مگر جفتی کے وقت وہ اپنے اس حصہ کو ـــــ باہر کی طرف لے آتا ہے کہ نر اس سے بآسانی جفتی کر سکے۔ پس کیونکہ خدا نے جانوروں میں اس مقام کو انسان کے خلاف بنایا ہے، اسی اعتبار سے ان میں چند مخصوص صفتیں ایسی رکھی ہیں کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں، اور اس طرح تناسل کا سلسلہ جاری اور قائم رہ سکے۔

پھر جانوروں کے جسم کو بالوں اور اون سے کس طرح سے ڈھانپا ہے کہ سردی اور گرمی سے ان کے جسم کی حفاظت رہے۔ ان کے پاؤں کو کھروں اور ناخنوں پہ بنایا کہ سخت زمینوں پر دور دور سفر کرنے میں برہنہ ہونے کی حالت میں زخمی نہ ہوں اور محفوظ رہیں۔ اور بعض میں کھر کے قائم مقام پے تا ہے ان کے پاؤں پر بنا دیئے ہیں جو ان کے لئے چلنے

میں وہی کام دیتے ہیں۔

چوپایوں کو جب اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ نہ ان میں ذہن و دماغ ہے نہ ہاتھ اور انگلیاں، جو کام میں مدد دیتی ہیں، تو قدرت نے اس مشقت کو بھی ان کو نجات دیدی ہے۔ اور ان کا لباس ان کے جسم کے ساتھ ہی نہ جدا ہونے والا پیدا کیا ہے، نہ اتارنے کی ضرورت، نہ پہننے کی مشقت اور نہ اس کی تبدیل کرنے کی زحمت، برخلاف انسان کے، کہ اس کو قدرت نے سمجھ اور عقل عطا کی ہے، ہاتھ پاؤں اس طرح سے تخلیق کئے ہیں، جن سے یہ تمام کام لیا جا سکے، اس لئے اس کے مشاغل و مصروفیات بھی اسی قسم کے ہیں، پھر اس میں خیر و شر کا ملکہ عطا کیا، بلکہ شر کا میلان خیر کی نسبت زیادہ ہے، اس میں اس قسم کے اسباب بنائے، جن کی مدد سے وہ ہلاکت دیتا ہی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے

انسان میں ملکۂ خیر کے ساتھ ملکۂ شر کو اسی مصلحت سے پیدا کیا گیا، اور صرف ملکۂ شر کو یا ملکۂ خیر کو تنہا نہیں پیدا کیا کہ ملکۂ شر کے خالص ہونے میں اگر اس کی اعانت و امداد کی جاتی تو وہ غرور و تکبر میں پھنسکر اپنے کو تباہ کر ڈالتا، اور زمین پر فساد برپا کرنے میں سب سے آگے ہوتا اور اپنی عقل کی قوت سے جو سعادت و صلاح کے حصول کے لئے دی گئی ہے، وہ شقاوت و بدبختی کے جملہ اسباب فراہم کر لیتا۔

انسان کو خدا نے تمام حیوانات میں اشرف و اکرم بنایا ہے۔ اس پر طرح طرح سے احسانات کئے ہیں، اس کو اختیار دیا گیا ہے، کہ کپڑوں میں سے جس کپڑے کو چاہے پسند کرے اور جس قسم کا کپڑا پسند کرے استعمال کرے اور جس کپڑے کو جب چاہے اتار ڈالے، اور اس طرح وہ اپنے کو بہتر سے بہتر آراستہ و پیراستہ کر سکتا ہے، پھر مزید حسن و تجمل کے لئے، اور احباب کی مجلسوں میں درجہ قرب حاصل کرنے کے لئے قیمتی سے قیمتی اور

نفیس سے نفیس کپڑے اور خوشبو، اور عطریات کا استعمال کرے یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے، کہ اس کی زیبائش و آسائش کے لیے کیسے کیسے سامان پیدا کئے اور انسانوں کو ان چیزوں کے استعمال کی عقل و سمجھ عطا کی، اور پھر اس کو اختیار بھی دیا۔ برخلاف دوسرے بالائے زمین اور حیوانات کے کہ وہ ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

خدا نے ان تمام جانوروں کو موت و ہلاکت سے اپنے کو بچانے کی کیسی عقل دی ہے کہ وہ اپنے کو جنگلوں اور جھاڑیوں میں کس طرح پوشیدہ کئے رہتے ہیں، اور ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا فوراً محفوظ اور پوشیدہ مقام پر جا چھپتے ہیں۔ اور مرتے دم تک اپنے کو چھپائے رکھتے ہیں اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ بڑے بڑے جثہ والے درندے اور چرندے اور ہزاروں قسم کے جنگلی جانور کہاں ہیں۔ تم تلاش کروگے تو ایک بھی بمشکل نظر آئے گا۔ اور ایسا بھی نہیں کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں، اس لئے نظر نہیں پڑتے۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تعداد میں انسانوں سے کہیں زائد ہیں تو اس کا یہ قول مبالغہ نہیں کیونکہ یہ بڑے بڑے لق و دق جنگل درندوں اور جانوروں، بجو، گائے، گدھے، خچر، بکرے، اونٹ، سور، بھیڑیے اور ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑوں حشرات الارض اور قسم قسم کے بے شمار پرندوں سے بھرے پڑے ہیں۔ اور یہ تمام اقسام کے جانور روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اور ان میں سے کسی کی نہ تو ہڈیاں نظر پڑتی ہیں اور نہ ان کے مردہ جثے کہیں پڑے ملتے ہیں۔ بلکہ قدرت نے ان کی طبیعت ایسی بنائی ہے کہ کسی مقام پر بھی ہوں، اگر ان کو اپنی موت کا ذرا بھی شبہ ہو جائے تو وہ پوشیدہ مقامات میں چلے جاتے ہیں۔ اور زندگی کے آخری لمحات وہاں پورے کرتے ہیں۔ اب تم ان جانوروں کی اس عادت طبیعت پر غور کرو کہ وہ اپنے مردہ جثوں کو دفن کرنے کے لئے وہ کیسی تدبیر

کرتے ہیں اللہ قدرت نے ان کو کیسی حکمت بتا دی ہے

ان چوپاؤں کی تیز آنکھوں پر غور کرو، جو اپنی تیز نگاہ سے سامنے سے دور کی چیز کو دیکھ کر اپنے کو دیوار وغیرہ سے ٹکرانے اور گڑھوں میں گر کر ہلاک ہونے سے کس طرح محفوظ کرتے ہیں۔ سامنے جب کوئی ایسی شی نظر آتی ہے جس میں ان کو خطرہ محسوس ہو فوراً اس طرف سے مڑ جاتے ہیں اور اپنے کو بچا لیتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے ان خطرات اور عواقب سے بے خبر ہوتے ہیں جو ان کو پیش آنے والے ہیں اور جو ان ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھے جا سکتے۔ کیا ان میں یہ دور بینی کی قوت خدا نے ان کی صلاح و سلامتی کے لئے نہیں پیدا فرمائی تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔

ان کے منہ کی ساخت پر غور کرو، نیچے کی طرف سے کس طرح کھلا ہوا ہوتا ہے تاکہ گھاس وغیرہ بخوبی چر سکیں۔ اگر انسانوں کی طرح سے ان کا منہ ہوتا تو وہ زمین سے کوئی چیز نہ کھا سکتے تھے۔ پھر کھانے میں منہ کی مدد کے لئے ان کے ہونٹ بھی مخصوص انداز اور خاص صفت سے بنائے ہیں جو چیز قریب ہوتی وہ اس کو اٹھا لیتے ہیں، اور کھانے کی چیز کو لے لیتے ہیں۔ اور جو چیز کھانے کی نہیں ہوتی اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے پانی پینے کے طریقہ پر نظر کرو کہ وہ کس طرح چوس چوس کر سکون سے پیتے ہیں۔ ان کے منہ کے چاروں طرف لگائے بالوں کو کس حکمت سے بنایا ہے۔ پانی پینے میں پانی پر جو تنکے اور کوڑا کرکٹ بہہ کر آتا ہے، منہ کے قریب کے بال اس کو علیحدہ کرتے رہتے ہیں اور مخصوص حرکت سے اس پانی کو صاف و ستھرا کرتے رہتے ہیں گویا اس طرح سے چھنا ہوا صاف پانی پینے میں آتا ہے اور گدلا اور خراب پانی ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔

حیوانات ولا اللہ چوپاؤں کی دم پر نظر کرو، اس کی حکمتوں اور فوائد پر

غور کرو، خدا نے اس کو بجائے پردے کے بنایا ہے جس کے ایک طرف بال ہوتے ہیں۔ گویا وہ دم چوپائے کی شرمگاہ پر پردے کا کام دیتی ہے ان کی شرمگاہ اور زیریں حصہ پر کیونکہ عموماً گندگی اور غلاظت لگی رہتی ہے اور اس گندگی کی وجہ سے مکھیاں اور مچھر جمع رہتے ہیں، اپنی دم کو ہلا کر ان مکھیوں اور مچھروں کو دفع کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی دم ایک لانبی چھڑی یا مورچھل کی طرح ہوتی ہے کہ اس سے وہ مکھیوں اور مچھروں کو ہٹانے اور اڑانے کا کام لیتے ہیں منہ کی طرف مکھیاں اور مچھر آتے ہیں تو اپنے سر کو ہلا کر ان کو دفع کرتے ہیں۔ پھر خدا نے ان چوپالیوں کے جسم میں مخصوص حرکت کی قوت رکھی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایسے حصہ پر مکھیاں بیٹھیں جو حصہ دُم اور سر کی پہنچ اور حرکت سے دور ہو، تو یہ چوپائے اپنے جسم کے اُسی مخصوص حصہ کو بھی حرکت دے لیتے ہیں، جس سے مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ یہ خدا کی بڑی عجیب حکمت ہے، کہ جہاں ہاتھوں کی پہنچ نہیں وہاں اس حکمت سے کام لیتے ہیں۔

ان چوپالیوں میں ایک اور صفت خدا نے رکھی ہے کہ جب ان کے جسم میں تکان زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اپنے دائیں اور بائیں حصہ کو حرکت دے کر کسی قدر تکان کو دور کر لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر ان کا جسم سدھا ہوتا ہے جس پر بوجھ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے بدن سے نہ تو مکھیوں مچھروں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کھجلی کھجا سکتے ہیں، تو ان کی دُم کی حرکت اور جسم کی حرکت میں قدرت نے راحت و منفعت پوشیدہ رکھی ہے اور پھر بہت سرعت سے اپنی دم کو حرکت دے لیتے ہیں تاکہ کھجلی کی تکلیف زیادہ عرصہ ہو کر ان کی مزید اذیت کا باعث نہ بنے۔

ان جانوروں میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ جب پانی یا کیچڑ یا دلدل میں ہوتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو وہ

اپنی دم کو اٹھا لیتے ہیں کہ وہ پانی اور کیچڑ میں ملوث نہ ہو

اور جب کسی ڈھلان سے اترنا ہوتا ہے اور اوپر بوجھ لدھا ہوتا ہے جس کے گرنے کا ان کو خوف ہو تو وہ اپنے سر کو اور چہرہ کو اس طرح سے اوندھا کر لیتے ہیں کہ وہ محفوظ رہے، اور دم سے اس طرح سے سہارا دیئے رہتے ہیں کہ وہ سامان رکا رہتا ہے گرنے نہیں پاتا۔ اور اگر گرتا بھی ہے تو ان کا چہرہ اور سر اس کی ضرب سے مجروح نہیں ہونے پاتا پس یہ ایسی حکمت و مصلحت ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم، اور اس نے ان جانوروں میں اس کا احساس پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہاتھی کی سونڈ کو دیکھو کہ وہ کس طرح سے ہاتھوں کے قائم مقام کام دیتی ہے۔ گھاس اور چارہ کے اٹھانے میں اور منہ تک لیجانے میں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے لئے بڑی دشواری ہو جاتی، اور زمین سے کسی چیز کو نہ اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کی گردن دوسرے جانوروں کی طرح سے حرکت نہیں کر سکتی، اس لئے قدرت نے اس کی سونڈ میں یہ صفت پیدا فرما کر اس پر بڑا احسان فرمایا۔

پھر اس سونڈ کو برتن کے قائم مقام بنا دیا ہے کہ وہ اس میں پانی بھر کر منہ میں لیجاتا ہے، اس سونڈ سے سانس بھی لیتا ہے۔ گویا وہ ایک قسم کا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ بوجھ اٹھا کر اپنی پیٹھ پر رکھتا ہے اور سوار ہونے والے بھی سونڈ کی مدد سے اس پر سوار ہوتے ہیں۔

زرافہ (ایک لانبی گردن والا جانور جو افریقہ کے صحرا میں پایا جاتا ہے اور اونٹ کی طرح ہوتا ہے) کی خلقت پر نظر کرو۔ اس کی بود و باش بلند بلند اور گھنے باغوں میں ہوتی ہے، اس لئے قدرت نے اس کی گردن لانبی بنائی کہ وہ بلند بلند درختوں سے اپنی غذا پھل حاصل کر سکے

لومڑی کو دیکھو، وہ اپنا مکان زمین کے اندر بناتی ہے، اور دو راستے اس میں آنے جانے کے لئے بناتی ہے، اور وہ راستے بہت تنگ بناتی ہے دو راستے اس حکمت سے کہ اگر ایک راستہ سے اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ دوسرے راستہ سے بھاگ جاتی ہے، اور اگر دونوں راستوں سے کوئی اس کو پکڑنا چاہے تو وہ ان راستوں کو اپنے سر سے بند کردیتی ہے اور اس کے نیچے کوئی نہ کوئی سوراخ ایسا رکھتی ہے جس سے ہوکر وہ اپنے کو نجات دلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے پس اس کی اس سمجھ کو دیکھو کہ خدا نے اس کو کیسی سمجھ عطا کی ہے جس سے وہ اپنی حفاظت کا سامان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان جانوروں میں مختلف طبیعتیں اور مختلف حکمتیں اور صفتیں رکھی ہیں۔ جو جانور انسان کے گوشت کھانے کے کام آتے ہیں ان میں قدرت نے عاجزی اور انقیاد و اطاعت کا مادہ رکھا ہے کہ بآسانی انسان کے قابو میں آسکیں۔ اور ان کی خوراک نباتات کو بنایا ہے جن جانوروں کو باربرداری کے لئے بنایا ہے، ان کو طبیعت کا سیدھا سادہ بنایا ہے، غیظ وغضب کا جذبہ برائے نام رکھا ہے اور ان کو ایسی شکل میں بنایا کہ باربرداری کے کام میں اچھی طرح آسکیں۔ اور بعض جانور جن میں غضب و شر کا جذبہ زیادہ ہے، ان میں تنظیم وتعلیم کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھی تاکہ وہ لوگوں کے کام آسکیں، اور شکار اور حفاظت کا کام دے سکیں۔ اور اسی طرح ہاتھی ہے جو نہایت سمجھدار جانور ہے اور اس میں تعلیم وتادیب کی قبولیت کی خاص استعداد ہے، جس سے باربرداری اور میدان جنگ میں خاص کام لیا جاتا ہے۔ وہ جانور جن میں غضب و شرارت کا جذبہ کسی قدر موجود ہے تو ان میں محبت و انس کا جوہر بھی بہ نسبت دوسرے جانوروں کے زیادہ ہے۔ جو انسان کے بہت کام آتے

ہیں۔ جیسے بلی۔ پرندوں میں بھی ایسے پرندے ہیں جن سے انسانی فائدے متعلق ہیں اور پھر ان جانوروں میں محبت و الفت کا جذبہ بھی غیر معمولی پایا جاتا ہے۔ مثلاً کبوتر ہے، جو اپنے مقام کو کبھی نہیں بھولتا اور اس سے خبر رسانی اور پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، ضرورت پڑنے پر یہ جانور بڑے کام کا ہے۔ پھر یہ جانور کثیر النسل بھی ہے، کھانے کے کام میں بھی آتا ہے۔

ایک جانور باز بھی ہے جس میں انس کا مادہ بھی ہے لیکن اس میں اس کے خلاف جذبہ غضب بھی ہے۔ مگر کیوں کہ شکار کے کام میں وہ لایا جاسکتا ہے اس لئے خدا نے اس میں تادیب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے جس سے اس میں فرمانبرداری اور اطاعت کی خو غالب ہوتی ہے، اور پھر وہ حسب ہدایت کام کرتا ہے اور شکار کے کام میں اچھی مدد دیتا ہے۔ اور نہ معلوم کتنی اور کون کون سی حکمتیں اور مصلحتیں قدرت نے جانوروں میں مخفی رکھی ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے

شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، ریشم کا کیڑا اور مکھی وغیرہ کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان

خدا تعالےٰ نے فرمایا۔

وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ ثم الی ربھم یحشرون ○

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے لوح محفوظ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جسکو نہ لکھا ہو پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائینگے

خدا کی چھوٹی سی مخلوق چیونٹی کو دیکھو۔ قدرت نے ان کو اپنی غذا جمع رکھنے کی کیسی حکمت سکھائی اور اس کام میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کسطرح سے تعاون کرتی ہیں۔ اور اپنی اس باہمی کوششوں سے اپنے لئے اس وقت کے لئے جب وہ شدت گرمی اور شدت سردی سے باہر نہ نکل سکیں وہ سب مل کر اتنی غذا جمع کر لیتی ہیں کہ اطمینان و سکون سے اپنے سوراخوں میں بیٹھی کھایا کریں یہ کیسی دوراندیشی ہے جو بہت سے انسانوں کو بھی نہیں سوجھتی۔ جو عاقبت اندیشی میں مشہور ہے۔

جب کوئی چیونٹی کسی چیز کو خود نہیں سنبھال سکتی تو دوسری چیونٹیاں اس بوجھ کو لے جانے میں کسطرح سے اس سے تعاون کرتی ہیں جسطرح کوئی وزن

ایک انسان کی طاقت سے زائد ہو۔ تو دوسرے اس کو اٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔

زمین میں اپنے اپنے رہنے کے مکانات کس تدبیر سے بناتی ہیں زمین کی مٹی کو کس طرح یکے بعد دیگرے باہر لا لاکر ڈالتی ہیں۔ تاکہ رہنے کی جگہ صاف کر لیتی ہیں۔ اور پھر مکان کے تیار ہو جانے کے بعد اپنی خوراک اکٹھا کرتی ہیں اور جو غلہ وہ جمع کرتی ہیں اسکو اپنے دانتوں سے کتر کر رکھتی ہیں مبادا زمین کی نمی سے اس میں کلہ پھوٹ جائے یہ حکمت و دانشمندی اس چھوٹے سے کیڑے میں سوائے اس خدا کے کسی نے نہیں بخشی جو حکیم و قادر ہے۔ اور رحمٰن و رحیم ہے۔

اگر دانے پانی کی نمی سے تر ہو جائیں تو ان کو باہر نکال کر دھوپ اور ہوا میں خشک کرتی ہیں۔

اپنے مکانات نشیبی زمین میں کبھی نہیں بنائیں کہ پانی اس میں جمع ہو کر انکی ہلاکت کا سبب ہوگا بلکہ بلند حصہ زمین پر مکانات تعمیر کرتی ہیں۔

اب تم شہد کی مکھی اور اس میں جو قدرت نے عجیب و غریب حکمت عطا کی ہے اس پر غور کرو۔

ان شہد کی مکھیوں میں ایک سردار ہوتا ہے جسکے حکم و اشارے پر تمام مکھیاں کام کرتی ہیں۔ ان مکھیوں میں اگر کوئی دوسرا رئیس ہونے کا دعوے کرتا ہے تو یہ سب ملکر اسکو مار ڈالتی ہیں تاکہ ان میں افتراق و انتشار نہ پیدا ہو، اور ایک ہی کی متابعت میں وہ سب باہم متحد و متفق رہیں۔

یہ مکھیاں پھولوں سے کسی قسم کی رطوبت چوستی ہیں۔ جو خدا کی قدرت سے ان کے منہ میں شہد میں تبدیل ہوتی ہے اس حکمت و تدبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس شہد میں اپنے بندوں کے

لئے کس طرح مصالح و مفاد کو پیش نظر رکھا ہے۔ یقیناً اس میں امراض کے لئے شفاء ہے جیسا کہ خدا نے خود فرمایا ہے۔ شہد میں غذائیت اور دوسری منفعت بھی ہے جس طرح دودھ میں بے شمار فوائد بنی نوع انسان اور حیوانات کے لئے مضمر ہیں۔

یہ مکھیاں اپنے پاؤں میں موم لاکر چھتہ میں جمع کرتی ہیں کہ جس میں شہد محفوظ رہے۔ شہد کی حفاظت کے لئے موم کے برتن سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی برتن نہیں ہو سکتا۔

اب اس پر غور فکر کرو کہ ان مکھیوں کو یہ حکمت و سبق سوائے خدا کے کون دے سکتا ہے۔ جسکی بنا پر انہوں نے شہد کو موم کے برتن میں ایک خاص مدت تک کے لئے محفوظ رکھا اور پھر بلند درختوں اور پہاڑوں پر اپنا گھر تیار کیا کہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے مکھیاں رس لینے کے لئے دن میں نکلتی ہیں۔ رات کو اپنے گھر میں بسیرا لیتی ہیں اور جب واپس آتی ہیں تو اپنی غذا ساتھ لے کر آتی ہیں۔

پھر ان کے مکان کی ترتیب و ساخت کو دیکھو کس حکمت سے اس میں ہشت پہلو سوراخ بناتی ہیں۔ اور بول و براز کے لئے اپنے گھر میں علیحدہ سوراخ بناتی ہیں۔ تاکہ شہد ان میں ملکر خراب نہ ہو۔ یقیناً ان کا مکان چھتہ اسکی ساخت بڑی حکمت و تدبیر سے ہوتی ہے جس سے خدا کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔

مکڑی کو دیکھو۔ خدا نے اس کے جسم میں ایک ایسی رطوبت مائی پیدا کی ہے جس سے وہ اپنے رہنے کے مکان بناتی ہے اور اس سے اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے شکار پھانسنے کا جال بھی تیار کرتی ہے قدرت نے عجیب و غریب حکمت رکھی ہے کہ اس غذا سے اسکے اندر ایسی رطوبت تیار ہوتی ہے جسکو وہ مکان بنانے اور شکار کے لئے جال تیار کرنے میں

طرف کرتی ہے۔ مکان اسطرح سے بناتی ہے کہ خود اس میں بالکل چھپ جاتی ہے یہ دونوں چیزیں نہایت رقیق تار کی طرح ہوتے ہیں۔ جو اس رطوبت سے بنتے ہیں۔ اور یہی رقیق و کمزور تار شکار کے پاؤں کے چاروں طرف اسطرح سے آگے پیچھے بندش کر دیئے جاتے ہیں کہ شکار جانے نہیں پاتا۔ اور وہ اس میں پھنسکر بالکل بے دست و پا ہو جاتا ہے اس کے تیار کردہ پھیلائے ہوئے جال میں جب کوئی شکار آتا ہے تو بہت پھرتی سے وہ اپنے گھر سے باہر آتی ہے۔ اور اسکو چاروں طرف سے خوب جکڑ دیتی ہے اور پھر اسکو پوری احتیاط سے پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہے بھوکی ہوتی ہے تو اسی وقت اس سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے ورنہ آئندہ کے لئے رکھ لیتی ہے۔ دیکھو خدا نے اس مکڑی کو کیسی سوجھ بوجھ عطا کی ہے اور اس کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں جب اتنی چھوٹی سی مخلوق میں اس نے ایسے اسباب و وسائل پیدا کئے اور ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے تو پھر انسان کو اس نے کیسے کیسے وسائل و حکمتوں سے نوازا ہوگا یقیناً وہ بڑا حکیم و مدبر ہے۔

ریشم کے چھوٹے سے کیڑے کو دیکھو۔ اسکو دیکھکر خدا کی قدرت نظر آتی ہے گویا اسکی زندگی انسانی مصالح و مفاد کی خاطر ہے یہ کیڑا اپنے جسم سے ریشم تیار کرتا ہے اور اسکی صورت یوں ہوتی ہے کہ ایک تخم کے برابر ایک شکل ہوتی ہے اور وہ گویا انڈا ہوتا ہے جو کچھ دن میں گرمی پاکر ایک کیڑے کی شکل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ننھا سا کیڑا توت کے پتہ پر کس طرح رکھ دیا جاتا ہے۔ پس یہ اس پتہ سے اپنی غذا حاصل کرتا رہتا ہے اور اسی طرح سے کچھ دن میں وہ الغرض کا ایک گولہ کتنا شروع ہوجاتا ہے حتکہ ریشم کا ایک گولا تیار ہو جاتا ہے۔ اور کیڑا اس ریشم کے ایک گولے کی نظر ہو جاتا ہے اسکی زندگی بس اتنی ہی ہوتی ہے۔

قدرت نے جب ایسی مفید جنس کو باقی رکھنا چاہا تو اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا فرمائے۔ جب یہ ریشم کا گولا تیار ہو چکتا ہے تو وہاں ایک بہت چھوٹا سا پر دار کیڑا پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے۔ اور ان میں نر و مادہ کی کوئی تمیز معلوم نہیں ہوتی۔ یہ شہد کی مکھی سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے اور یہ پر دار چھوٹے سے کیڑے ایک دوسرے پر تھوڑی دیر سواری کرتے ہیں جس سے ایک حاملہ ہو کر اسی وقت انڈا دیتا ہے جو اس تخم کی طرح ہوتا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے پس یہ پردار کیڑے اڑ جاتے ہیں اور یہ انڈا اسی مذکورہ بالا صورت کی طرح سے ریشم کے گولے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اب تم اس پر غور کرو کہ اس کیڑے کو خاص کر اس پتے سے غذا حاصل کرنے کی سمجھ کس نے دی پھر اپنے جسم کو اسطرح سے ریشم بنانے میں فنا ہونا کس نے سکھایا۔ پھر آخر میں اس میں پروں کو کس نے پیدا کیا۔ اور پھر اس کو اس شکل میں کس نے تبدیل کیا۔ جس سے نسل کے باقی رہنے کا سامان ہوا۔ اگر وہ اپنی اصل شکل میں رہتا تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔ پھر جس ذات نے اس کیڑے میں اتنی سمجھ بوجھ عطا کی۔ اس نے اس ریشم کے ذریعہ سے ایک کثیر دولت کے کمانے کی تعلیم دی۔ اس سے قسم قسم کی اشیاء اور قیمتی کپڑے تیار کرنے کا سبق سکھایا۔ اس عجیب وغریب حکمت اور خدا کی قدرت کو دیکھ کر جو اس ننھے سے کیڑے کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ خدا کی عظیم قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت پوست پیدا ہونے کا یقین اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ بیشک اس کی ذات اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب حکمتوں پر قادر ہے۔

اس مکھی کو دیکھو جسکو ہم نہایت ہی حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور بظاہر اسکو بالکل غیر مفید سمجھتے ہیں۔ یہ جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے

پر اس وقت اس کے جسم پر ہوتے ہیں۔ اور فوراً ہی اڑ کر وہ اپنی غذا
حاصل کرتی ہے۔ اور خطرہ ہونے پر انہیں پروں کے ذریعہ وہ اڑ کر اپنے
کو بچا لیتی ہے، مکھی میں قدرت نے ۶ پاؤں بنائے ہیں چار پر وہ قائم
رہتی ہے اور دو فاضل رہتے ہیں جو ضرورت پر کام لیتی ہے۔ مثلاً اگر کسی ایسی
گاڑھی لیسدار چیز پر بیٹھ جائے جس سے اس کے پر آلودہ ہو کر اڑنے کے
قابل نہ رہیں تو اپنے ان دونوں پاؤں کی مدد سے اپنے پروں کو
صاف کر لیتی ہے۔ اور اسکی آنکھیں دوسرے ان کیڑوں کی طرح جو انسان کے
عیش و آرام کو مکدر کرتے ہیں بغیر پلکوں کی ہوتی ہیں اور سر سے باہر نکلی
ہوتی ہیں۔ یہ مکھی اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑے مچھر، پسو
بھنگے وغیرہ کو خدا نے بنی نوع انسان کے پیچھے اس طرح لگا دیا ہے کہ کسی
وقت بھی آرام وچین نہیں لینے دیتے تاکہ دنیا کی حقارت اور بے ثباتی ان
پر آشکارہ ہو اور دنیا سے چھٹکارہ ملنے کی آرزو ان میں پیدا ہو۔ کیونکہ
یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو نہایت ہی بے حیثیت اور بے طاقت ہیں وہ
باوجود بار بار اڑانے کے بھی انسان کے جسم پر آ بیٹھتے ہیں۔ گویا وہ انسان
کے جسم کو ایک بے حس و حرکت پتھر کی طرح سمجھتے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھے پھر
ادھر ادھر کچھ حرکت کی اور اڑ گئے۔ اور یہ اس لئے کہ شکار اسی چیز کا کیا
جاتا ہے جسکے زندہ ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کا مردہ ہونا معلوم ہو
تو پھر اس کو کوئی شکار نہیں کرتا۔ جس طرح پتھر کو ان کو کوئی بھی نشانہ
نہیں بناتا۔

عقاب کو دیکھو جس وقت وہ کچھوے کو شکار کرتا ہے اور جب اس
میں کوئی جگہ ایسی نہیں پاتا جسکو وہ اپنی غذا بنا سکے تو اسکو اپنے پنجوں میں دبا
کر بہت اونچا لے جاتا ہے۔ اور پھر اس کو پہاڑ پر یا پتھر کی چٹان پر چھوڑ دیتا
ہے جس سے کچھوے کا جسم پاش پاش ہو جاتا ہے اور پھر عقاب آکر اسکو

کھالیتا ہے بتاؤ اس عقاب میں یہ عقل کس نے دی ہے۔

کوّے کو دیکھو۔ وہ ویسے بھی مکروہ ہے اسلئے اسکی طبیعت بھی کچھ اس طرح مخلوق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے کو دور ہی دور رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کو علم غیب ہے کہ ذرا کسی نے اس کو پکڑنے کا قصد کیا اور وہ اڑا۔ پھر اس کو کیسی سمجھ ہے کہ بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے گھونسلے کو نہایت محفوظ اور پوشیدہ مقام پر رکھتا ہے اور بہت کم جُفتی کرتا ہے مبادا اس غفلت میں وہ پکڑا جائے غرض کہ انسان سے بہت خائف اور محتاط رہتا ہے برخلاف اس کے چوپایوں اور دوسرے جانوروں سے اس کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ان کی پیٹھ پر سر پر سینگ پر گردن پر آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور کافی دیر بیٹھا رہتا ہے۔ اونٹ کا خون اور چوپایوں کی لید میں بھی کچھ اپنی غذا ڈھونڈ لیتا ہے۔ جب کوے کا پیٹ بھر جاتا ہے تو باقی بچے ہوئے کسی پوشیدہ مقام پر چھپا کے رکھ دیتا ہے۔ جو دوسرے وقت اس کے کھانے کے کام آتا ہے۔ بتاؤ یہ حکمت اور سمجھ اس میں کس نے پیدا کی۔ یقیناً اس خدا نے قادر و حکیم نے ان جانوروں میں یہ حکمت اور تدبیر پیدا فرمائی۔ اگرچہ عقل سے یہ محروم ہیں۔

چیل ایک مکروہ شکل کا پرندہ ہے اور وہ بھی اپنے کو دور ہی رکھتی ہے خدا نے اس کو اڑنے کی بڑی زبردست طاقت دی ہے۔ وہ نہایت بلندی پر اڑتی رہتی ہے۔ اس میں قوت بینائی بہت تیز ہے کہ اتنی بلندی سے زمین پر اپنی خوراک کو دیکھکر بہت تیزی سے نیچے آتی ہے۔ اور اچانک اس چیز کو کسی بلند مقام پر جاکر - کھاتی ہے۔ اس کے پنجے نہایت تیز اور مڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ اتنی تیزی میں وہ زمین سے چیزوں کو اٹھانے میں مدد دیتے ہیں۔ اور کبھی خطا نہیں کرتے۔

چھپکلی سے مشابہ ایک جانور ہے جسکو گرگٹ کہتے ہیں۔ وہ ایک ہی جگہ پر

بیٹھے رہنے کا عادی ہوتا ہے۔ بہت کم چلتا پھرتا ہے۔ خدا نے اس کی آنکھوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ چاروں طرف حرکت کرتی ہیں اور وہ ایک جگہ پر ہی بیٹھے بیٹھے اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو وہ شکار کر کے کھا جاتا ہے۔ پھر اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس قسم کے رنگ دار درخت پر رہتا ہے اسی رنگ میں خود تبدیل ہو جاتا ہے جس سے بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ اور مکھیاں وغیرہ اس کو نہیں دیکھ پاتیں۔ اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے زبان نکالتا ہے اور بجلی کی طرح سرعت کے ساتھ ان کو چٹ کر جاتا ہے۔ اور پھر درخت کی کسی ٹہنی پر اسطرح جم جاتا ہے گویا درخت کا ایک حصہ ہے۔

اس میں ایک خصوصیت اور بھی ہے کہ جب کوئی اس کو مارنا چاہے تو وہ اس کو ڈرانے کے لیے ایسے ایسے رنگ و روپ بدلتا ہے جن سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

تلون مزاجی میں وہ ضرب المثل ہے اگر کوئی شخص بار بار مختلف رائے اور مختلف خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اسکو کہتے ہیں کہ یہ گرگٹ کیطرح رنگ بدلتا ہے۔

مکھیوں میں خاص قسم کی مکھی ہوتی ہے جو عام مکھیوں سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ جو ان مکھیوں کو کھا جاتی ہے۔ اور ان کو شکار کرنے کے لئے عجیب و غریب حکمت و تدبیر سے کام لیتی ہے۔ جب کوئی مکھی اس کے قریب آکر بیٹھتی ہے تو یہ بالکل بے حس و حرکت ہو جاتی ہے اور جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مکھی اطمینان سے بیٹھی ہے تو یہ نہایت ہوشیاری سے اس سے اتنی قریب پہونچ جاتی ہے کہ ایک جست میں اس کو پکڑ لے اور پھر دفعتًا اس پر جھپٹتی ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جب کچھ دیر بعد مردہ ہو کر بے حس و حرکت ہو جاتی ہے تو اس سے اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ اب اس

مکھی کی یہ ہوشیاری اور اس کی حیلہ سازی کیا اسکی خود پیدا کردہ ہے
یا اس حکیم مطلق نے اسکو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بخشی ہے۔
پھر ننھی سی مخلوق کو دیکھو قدرت نے اس کا جسم بھی کتنا چھوٹا بنایا ہے
اس چھوٹے سے جسم ہونے کے باوجود نہ اس کے ان پروں میں کوئی نقصان
ہے جن سے وہ اڑتا ہے اور نہ ان پاؤں میں کوئی کوتاہی ہے جن پر وہ بیٹھتا
ہے اور نہ بینائی میں کوئی کمی جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے مناسب
مقام کو منتخب کرتا ہے۔ اس مختصر سے جسم میں اس کا وہ ہتھیار بھی ہوتا ہے
جسکو جسم میں چبھو کر خون پیتا ہے۔ اس کے چھوٹے سے بدن میں وہ ساری
مشینری موجود ہے جو اسکی غذا ہضم کرتی ہے۔ اور پھر فضلہ کو باہر نکالتی ہے
کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کھائے پئے زندہ رہے۔ اور کیا یہ ممکن ہے
کہ ان کی خوراک ایک ہی جگہ پر اس کو ہمیشہ دستیاب ہو سکے۔ اور کیا ایسا
ہو سکتا ہے کہ فضلہ بغیر کسی منفذ (سوراخ) کے اس کے جسم سے باہر
آ سکے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس کے اس ننھے سے جسم میں اس قادر وحکیم
نے بنایا ہے۔ اور اس کے مناسب اعضاء بنائے پھر اس کو اپنی غذا
حاصل کرنے کی معرفت و حکمت عطا کی۔ نفع و نقصان میں تمیز کرنے کی صلاحیت
بخشی ہے۔ اس سے خدا کی حکمت و کبریائی کا پتہ معلوم ہوتا ہے اور اس
کی بلیغ قدرت و حکمت کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ یہ مچھر جو بظاہر ایک حقیر اور
نہایت ہی چھوٹا سا جسم رکھتا ہے۔ اگر آسمان و زمین کی تمام مخلوقات فرشتے
وغیرہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ قدرت نے اس کے اجزاء کو کس طرح
سے تقسیم و ترتیب دیا ہے اور کیسے متعدل اسلوب پر اسکو بنایا ہے تو
یہ ساری مخلوقات بجز عجز و انکسار کے کچھ اظہار نہ کر سکیں گے۔ پھر اگر یہ
سوچیں کہ اس مختصر جسم میں ساری قوتیں بھی بخشی ہیں جن سے وہ معلوم کر لیتا
ہے کہ جلد اور گوشت کے مابین خون ہے جو میری غذا ہے اگر یہ علم پہلے سے

نہ ہو تو وہ کبھی جسم پر بیٹھکر خون چوسنے کی کوشش نہ کرتا اور پھر اس کی ہمت و جرأت دیکھو کس طرح سے وہ اڑ کر اپنی مخصوص آواز سے پہلے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر خود بھی ہوشیار رہتا ہے کہ ذرا سا شبہ ہوا اور وہ اڑا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اڑ جانے میں اسکی نجات ہے اور جب وہ اڑ کر جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسکو واپس نہیں لا سکتی۔ جب ایک مچھر جیسی ادنیٰ اور حقیر مخلوق میں خدا نے ایسی ایسی حکمتیں اور تدبیریں پیدا فرمائیں تو پھر اور دوسری ہزاروں لاکھوں بے شمار مخلوقات میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ کی ہونگی۔

مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وھو الذی سخر لکم البحر لتاکلوا منہ لحما طریا

اسی خدا نے تم کو سمندر پر اختیار دیا کہ تم اس سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔

مچھلی کو دیکھو خدا نے سمندر اور نہروں میں کیسی کیسی عجیب وغریب شکل وصورت کی مخلوقات بنائی ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ خدا نے جب ان کا ٹھکانہ ہی پانی میں بنایا تو پھر اس مصلحت سے اس میں پاؤں اور پھیپڑے نہیں پیدا کئے کیونکہ وہ پانی میں غوطہ لگانے کے وقت سانس نہیں لیتے پاؤں کی جگہ ان میں ۔۔۔ بنائے ہیں۔ جو تیزی سے ان کی منشارکے مطابق حرکت کرتے ہیں۔ اور جسطرف وہ جانا چاہیں جا سکیں۔ ان کے جسم کو ایک ایسی جلد سے ڈھانپا ہے جس کے اجزاء بعض بعض میں گھسے ہوئے ہیں۔ اور جو گوشت کیسطرح نرم نہیں ہیں۔ بلکہ سخت زرہ کی طرح ان کی پوری حفاظت کرتی ہے۔ اور جن مچھلیوں میں اس طرح کے فلوس نہیں بنائے ان کے جسم پر ایک چھلکا سا پہنا دیا ہے جسکی جلد مضبوط اور دبیز ہے جو اس کے لئے مکمل محافظ ہے۔ مچھلی میں آنکھ کان ناک یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں جنکی مدد سے وہ اپنی خوراک حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر اپنے کو بچاتی ہے۔ پس دیکھو کہ سمندر کی گہرائی میں رہنے والی مخلوق کو کیسی مناسب اعضاء اور قوت بخشی ہے۔ جو اس کے لئے طلب معاش اور دشمن سے نجات

حاصل کرنے میں پوری طرح ان کی معاون ہیں۔

اور کیونکہ خدا کو معلوم ہے کہ بعض بعض کی غذا ہے اس لئے خدا نے اسکو کثیر الاولاد بنایا ہے اور نر و مادہ کی خصوصیت بھی نہیں رکھی جس طرح بڑی مخلوقات میں مادہ ہی بچہ انڈے دیتی ہے۔ برخلاف مچھلی کے کہ ہر مچھلی انڈے دیتی ہے۔ اور ہر مچھلی انڈوں کا ایک گچھا دیتی ہے جس سے بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مچھلیاں نہروں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بغیر توالد کے لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض مچھلیاں ایسی ہیں جن کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں ان میں توالد و تناسل نر و مادہ کے ملنے سے ہوتی ہے۔

کچھوا اور گھڑیال (مگرمچھ) یا ان سے مشابہت رکھنے والے دوسرے جانور یہ انڈا دیتے ہیں۔ سورج کی گرمی سے انڈا لوٹ جاتا ہے اور اس انڈے سے ایک بچہ نکلتا ہے پانی میں انڈوں کو سینے کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ تو خدا تعالیٰ نے مچھلی کے انڈوں میں جوں ہی مچھلی انڈے دیتی ہیں روح ڈال دیتا ہے۔ اور کامل بچہ اس میں موجود ہوتا ہے وہ اپنی تربیت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ خدا کی بڑی حکمت ہے کیونکہ خشکی کے جانوروں کی طرح سے سمندری جانوروں کو اپنے انڈے سینا ان پر ایک مدت تک بیٹھے رہنا پھر بچوں کو ابھرانا۔ اور تربیت دینا ناممکن ہے اس لئے خدا نے ان تمام باتوں سے مبرا اور بے نیاز رکھا ہے پھر خدا نے بہت کثیر تعداد میں ان کی پیدائش رکھی کیونکہ مچھلیاں آپس میں ایک دوسرے کو کھا جاتی ہیں۔ اور پھر انسان کے لئے بھی یہ بہترین غذا ہے مچھلی کی سرعت حرکت کو دیکھو وہ اپنی دم کتنی پھرتی اور تیزی سے حرکت دیتی ہے اور پانی میں اسکی رفتار کو دیکھو کس اعتدال اور میانہ روی سے کشتی کی طرح سے

پانی میں تیرتی ہیں اپنے پاؤں اور پروں سے کس طرح پانی کو ادھر سے ادھر ہٹاتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ اس کے جسم میں ہڈیاں بالکل اس کے اعضاء جسم کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اندر سے کھوکھلی اور نہایت ہلکی اور باریک ہوتی ہیں کہ تیرنے کے کام کے لئے ایسا ہی مناسب تھا۔ اگر کوئی ہڈی کہیں سے ٹوٹ جاتی ہے تو وہ کس طرح سے گوشت کی مدد سے پھر جڑ جاتی ہے۔ دانت اگرچہ تعداد میں کافی ہوتے ہیں۔ مگر ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ایک ہی جزو معلوم ہوتے ہیں۔ اور غذا کے چبانے میں سب مل کر ایک دوسرے کی اس طرح اعانت کرتے ہیں۔ کہ پھر چبانے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی۔

گھونگے۔ سمندر میں خدا نے کچھ بہت ہی کمزور اور ناتوان جانور بھی بنائے ہیں جو حرکت تک اچھی طرح سے نہیں کر سکتے۔ جیسے گھونگے اور سیپی کا کیڑا مگر خدا نے ان کی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ان کو ایک محفوظ اور مضبوط قلعہ میں بند کر دیا جو پتھر جیسا سخت ہے اور وہی اسکا مکان اور جائے سکونت ہے اور اس کا اندرونی حصہ جو جسم سے ملحق رہتا ہے اس کو نرم بنایا کہ جسم کو ضرب نہ پہونچے۔

گھونگوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو کھلے ہوئے مقامات میں رہتے ہیں۔ جہاں وہ اپنی خود بھی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے خدا نے ان کو پہاڑوں اور پتھروں کی چٹانوں میں محفوظ رکھا ہے اور وہیں۔۔ پہاڑوں سے رسنے والی رطوبت ان کی غذا ہوتی ہے۔

بعض اتنے خوبصورت اور ستارے کی مانند درخشاں ہوتے ہیں وہ اپنے منہ کو اپنے گھر سے باہر نکال لیتے ہیں اور ادھر ادھر کچھ کھاتے پیتے ہیں اور جوں ہی کوئی خطرہ محسوس ہوا دفعتہً اپنا منہ اندر کر لیتے ہیں اور اس سوراخ پر ایسے سخت قسم کی کوئی آڑ لگا کر اس کو بند کر دیتے ہیں کہ باہر کوئی اس کے اندر جا نہیں سکتا۔ اور اسطرح وہ اس میں چاروں طرف سے بند ہو جاتے

ہیں خدا کی قدرت دیکھو کسطرح ان کا گھر بنایا۔ اور ان کو گھر میں محفوظ ہوجانے کی کیسی حکمت سکھائی۔ مختصر یہ کہ خدا نے کسی کو محروم نہیں رکھا سب کو اس کی مناسب اور مفید چیزیں عطا کی ہیں۔ وہ اپنے تمام مخلوقات کی پوری حفاظت کرتا ہے خواہ وہ مخلوقات پہاڑوں میں رہتی ہو یا ٹیلوں پر یا سمندر کی گہرائی میں۔

رنگین مچھلیاں۔ مچھلیاں بھی طرح طرح کی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو سمندر کی گہرائی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جو قریب کے کنارے پر خشکی سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ ان میں قسم قسم کے رنگین نقوش ہوتے ہیں اور یہ رنگا رنگ کے نقش ونگار بھی قدرت ان کے فضلہ غذا سے بتیار کرتی ہے جسطرح گھاس کھانے والے جانوروں میں ان کے فضلہ غذا سے صاف و شفاف میٹھا دودھ تیار ہوتا ہے۔

یہ رنگین مچھلیاں جب کسی ایسی چیز کے اثر کو محفوظ کرتی ہیں جس سے ان کے رنگ میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ فوراً اپنے پیٹ سے خاص قسم کے مادے کو نکال کر اس مقام کو صاف کر دیتی ہیں اور پھر پانی کے اندر جاکر اس میں دوسری تبدیلی کر دیتی ہیں۔ اسی قسم کی ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کو بجز خدائے تعالےٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

پر دار مچھلیاں۔ بعض مچھلیاں پردار ہوتی ہیں اور ادھر ادھر حرکت کرنے میں چمگادڑ کی طرح اڑتی ہیں اور دیکھنے میں خشکی کے پرندے کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ اسطرح وہ اپنے پروں سے اڑنے کا کام لیتی ہیں۔

کچھ مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جو بہت چھوٹی اور کمزور ہوتی ہیں اور نہروں نالوں میں بیشتر ہوتی ہیں۔ ان میں قدرت نے ایک خصوصیت ایسی رکھی ہے جو ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ذرا کسی نے اس کو پکڑنا تو ہاتھ اور جسم کو سُن

کردیتی ہے۔ اس لئے کوئی اسکو پکڑتا نہیں۔

غرضکہ مخلوقات الٰہی کی عجیب وغریب حکمتوں اور لطافتوں کو کوئی لکھنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔ مگر ان کو پورا نہیں کر سکتا یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ حرف بطور مشتے از خروارے ہے گویا خدا کی بے شمار حکمتوں کی طرف ایک اشارہ کیا ہے جو غافل ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردہ کو ہٹاکر اسکی حکمتوں کا نظارہ کریں۔

برگِ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

نباتات کی حکمتوں کا بیان

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

امن خلق السمٰوٰت والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ حدائق ذات بہجۃ ماکان لکم ان تنبتوا شجرھا ء الٰہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون

وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو بنایا تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا اس پانی سے پر رونق باغ اگائے تم سے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا سکو اب بتاؤ کہ وہ ذات بہتر ہے یا کوئی دوسرا معبود ہے جو اس کی عبادت میں شریک ہے یہ مشرکین پھر بھی نہیں مانتے بلکہ خدا کو دوسروں کی برابر ٹھہرا تے ہیں۔

سرو می جنبد بصحن بوستاں
در ہوائے قامت دلجوئے تو

زمین پر نباتات کو دیکھو کیسی سرسبز و شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اس میں انسانوں اور دوسرے حیوانات کے لئے کتنے بے شمار فائدے اور اغراض پوشیدہ ہیں۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان اسطرح کیا ہے کہ بیج اور گٹھلی کو اسکی اصل قرار دیا۔ اور اس کے اندر یہ ساری نباتات اسطرح سے محفوظ رکھدی کہ انسانی عقل حیرت میں ہے۔ اس نباتات میں غلے بھی ہیں اور پھل

پھول بھی اور ترکاریاں بھی جو انسان کے کام آتی ہیں گھاس اور چارہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک کا سامان ہے اس میں جلانے کی اور عمارتوں میں کام آنے والی لکڑی بھی شامل ہے۔ اسی سے وہ لکڑی بھی حاصل ہوتی ہے جو جہاز اور کشتیوں کے بنانے میں کام آتی ہے اور کہاں تک اس کے فائدوں اور بے شمار حکمتوں کو بتایا جائے۔ اس نباتات کا ایک ایک حصہ پھل اور پھول، شاخیں اور پتے حتے کہ اسکی جڑیں تک کام میں لائی جاتی ہیں۔ بے شک خدا نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی اس نباتات سے عصارے، جوشاندے گوند اور طرح طرح کے عرق تیار کئے جاتے ہیں

اگر یہ پھل زمین میں ایک جگہ پر اکھٹے حاصل ہو جایا کریں اور اسطرح درختوں پر شاخوں پر بیلوں پر نہ آتے تو انسان کتنے بے شمار فائدوں سے محروم ہو جاتا ۔ اور زندگی کی کتنی ضروریات کی فراہمی میں رکاوٹ ہوتی۔ نہ اس کو جلانے کے لئے ایندھن میسر آتا، نہ عمارتوں کے لئے لکڑی دستیاب ہوتی۔ نہ جانوروں کے لئے چارہ ملتا، اور نہ دوا دارو وغیرہ وغیرہ ضرورتوں کے لئے دوسری چیزیں حاصل ہوتیں، جو موجودہ شکل میں حاصل ہوتی ہیں۔

اسکی قدرت کو دیکھو کہ ایک دانہ زمین میں ڈالو، سو دانے حاصل کرلو اور اس سے بھی زائد، یہ اس کی برکت ہے، حکمت ہے اپنی ضرورتوں میں کام لو ضرورت سے بچ جائے تو آئندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لئے ذخیرہ کرلو۔ اس کی مثال بالکل ایک بادشاہ کی سی ہے جو کسی مقام کو آباد کرنے کے ارادے سے وہاں کے باشندوں کو کچھ بیج بونے کے لئے دیدے اور کہہ دے کہ ان کو بو اور اس سے جو کاشت ہو اس کو اپنی خوراک و دیگر ضروریات میں صرف کرلیں اسی طرح سے خدا نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا ہے اور زمین اور ملکوں کو

لبا کر ان پر احسان عظیم کیا۔ یہ درخت اور نباتات بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں۔ بیج بنتے ہیں۔ پھر بوئے جاتے ہیں یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور یہی اس کی بقاء و دوام کا ضامن ہے اگر اسطرح نہ ہوتا تو یہ نعمت بس ایک مرتبہ کے بعد تمام ہو جاتی۔ اور جاری نہ رہ سکتی اس میں قدرت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ان دانوں کی پیدائش اور اس کی صورت کو دیکھو کہ کس حسن وخوبی سے ایک قدرتی ظرف میں ترتیب دے دیتے ہیں۔ گویا کہ دانوں سے قرینہ سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے۔ جو اپنی زبان حال سے صناع کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے۔ یہ دانوں سے بھری ہوئی تھیلی اپنے دانوں کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے کہ وہ پختہ ہو کر استعمال کے قابل ہو جائیں۔ ٹھیک اس جھلی (مشیم) بچہ دانی کی طرح جو بچہ کی تکمیل ہونے تک پوری حفاظت کرتی ہے۔

یہ دانے ایک خاص قسم کے چھلکے میں بند ہوتے ہیں۔ جن کے سروں پر نیزوں کی طرح سے تیز اور سخت چھلکے ہوتے ہیں۔ گویا وہ پرندوں سے اپنے اندر کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں بس خدا کی قدرت اور حکمت کو دیکھو کہ اس نے نباتات کے اس تیار ذخیروں کو پرندوں کی دسترس سے کسطرح محفوظ کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ غلہ پرندوں کی غذا ہے تاہم انسان کی ضرورت پہلے درجہ پر ہے۔

نباتات بھی انسان وحیوان کی طرح اپنے لئے غذا کی محتاج ہیں، لیکن قدرت نے نباتات میں انتقال مکانی کی قوت نہیں بخشی جو اپنے لئے روزی تلاش کریں اس لئے قدرت نے اس کی جڑوں کو زمین کی گہرائی میں مرکوز کر دیا ہے۔ تاکہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں اور اس طرح یہ جڑیں زمین سے تری حاصل کر کے شاخوں، ٹہنیوں، پھل پھول

اور پتوں تک پہونچا دیں۔ گویا زمین ان کے لئے ایک پرورش کرنے والی مہربان ماں کی جگہ ہے۔ اور ان کی جڑیں ان کے لئے منہ کے قائم مقام ہیں کہ گویا زمین سے رطوبت چوسکر اپنے سارے جسم کو قوت پہونچاتی ہیں جسطرح ایک بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر قوت حاصل کرتا ہے

تم نے خیموں کو نصب ہوتے دیکھا ہوگا اسکی طنابیں اور رسیاں جو چاروں طرف اسکو سادھے ہوتے رہتی ہیں۔ کہ کسی ایک طرف کو جھکنے نہ پائے۔ اور پورا خیمہ سیدھا اور درست رہے۔ اسی طرح نباتات کا حال ہے کہ اسکی جڑیں زمین میں چاروں طرف اسطرح سے پھیلی ہوئی ہیں کہ اس کو گرنے اور کسی طرف جھکنے سے روکے رہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو بڑے بڑے اونچے درخت کسطرح سے اپنے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ بالخصوص جب طوفانی ہوائیں چلتی ہوں یہ اس خالق کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اسطرح سے انتظام قائم کیا ہے۔ اور پھر اس قدرتی نظام کو دیکھکر انسان اپنے اعمال میں اسکی پیروی کرتا ہے۔ اور اپنے بگڑے ہوئے کاموں کو بنا لیتا ہے۔

سر دمی جنبد لبصحن بوستان
در ہوائے قامت دلجوی تو

کسی درخت کے ایک پتہ کو لو اور اس پر غور کرو اس میں باریک اور موٹی نسیں دکھائی دیں گی۔ کچھ طول میں کچھ عرض میں پھیلی ہوئی اور ان عروق کا کیا جال ایک پتہ میں بچھا ہوا ہے۔ انسان میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اسطرح سے کام انجام دے سکے۔ ایک ہی پتہ کے نقش ونگار میں طویل عرصہ کی ضرورت ہوگی پھر بھی نقل ہوگی جو اصل سے مطابق نہ ہوگی یہ قدرت کا کام ہے اس کے ایک اشارے پر کروڑوں پتوں پر پھولوں پر گل کاریاں نظر آتی ہیں۔ اور نہ کسی قلم کی ضرورت اور نہ کسی دوسرے

آلہ کی ضرورت اور پھر اس کثرت کے ساتھ پہاڑ جنگل میدان کوئی جگہ باقی نہیں جہاں پھول پتوں پر یہ گل کاریاں نہ ہوں اور یہ خالی نقش و نگار محض حسن و خوبصورتی نہیں بالکل پتہ کی پرورش میں بڑا کام انجام دیتے ہیں ان رگوں کے ذریعہ یہ پتے میں رطوبت اور مادہ کو پہونچانے میں مدد دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح کہ ایک انسان اور حیوان کے جسم میں رگوں اور نسوں کا ایک جال بچھا ہوتا ہے اور وہ ہر ہر عضو کو غذا پہونچانے کا کام کرتا ہے۔

پتہ میں جو موٹی نسیں ہوتی ہیں وہ پتہ کو سادھے رہتی ہیں تاکہ وہ اپنے کو قائم رکھ سکے۔ ورنہ نرم اور ہلکا ہونے کے باعث وہ اپنے کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور ہوا کے تیز جھونکے اسکو پاش پاش کردینگے۔

اب گٹھلی اور اسکی حکمت پر غور کرو۔ پھل کے درمیان اسکو محفوظ کیا ہے اگر کسی آفت ارضی اور سماوی سے پیڑ ضائع ہو جائیں تو یہ گٹھلی ان کا قائم مقام ہو اور پھر سے درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے کا سامان مہیا کرے۔ یقیناً یہ اس نظریہ سے نہایت قیمتی اور قابل حفاظت چیز ہے کہ اس کے ذخیروں کو محفوظ کرلیا جائے یہ گٹھلی اگرچہ خود سخت جسم رکھتی ہے مگر نرم پھلوں میں بھی کسی طرح سے چسپاں اور ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر اسطرح نہ ہوتی تو پھر پھلوں کے پختہ ہونے سے قبل ہی اس میں خرابی پیدا ہو کر پھل کو بھی ضائع کر دیتی بعض گٹھلیاں کھانے کے کام میں بھی آتی ہیں ان سے تیل بھی کشید کئے جاتے ہیں۔ اور کھانوں میں اور دیگر اشیاء میں استعمال میں لایا جاتا ہے۔ گٹھلی کے اوپر کس طرح سے ایک ہلکا سا ورق چڑھا ہوتا ہے اور کس حکمت سے وہ اس میں محفوظ ہوتی ہے اور اس میں کیسی کیسی لذت اور فائدے مضمر ہیں۔ یقیناً قدرت کی بڑی صناعی کا پتہ چلتا ہے۔

اس گٹھلی میں جو خاصیتیں اور اثرات قدرت نے ودیعت فرمائے ہیں

جسطرح منی کے ناپاک قطرہ میں انسانی تخلیق کے راز کو پوشیدہ کر دیا۔ یہ سب راز اور حکمتوں کا جاننے والا وہی خدا ہے جس نے انکو بنایا ہے۔

اس گٹھلی پر ایک سخت قسم کا غلاف چڑھا کر قدرت نے کتنی عظیم حکمت کا پتہ دیا کہ اگر کہیں گر جائے۔ تو اس غلاف کی وجہ سے گٹھلی خراب نہیں ہوتی اگر اسکو ذخیرہ کیا جائے تو بھی جلد فاسد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس غلاف کی وجہ سے کچھ دن محفوظ رہتی ہے۔ گویا وہ غلاف ایک صندوق یا بکس ہے جسکے اندر ایک قیمتی جوہر محفوظ ہے۔

ایک گٹھلی کو جب زمین میں رکھیں اور پانی دیں تو اس میں سے نسیں نکلتی ہیں۔ ٹہنی نکلتی ہے اور جوں جوں اس میں بالیدگی ہوتی ہے پیچھے سے نسیں اور جڑیں زمین کے اندر مرکوز ہو جاتی ہیں جس سے یہ درخت مضبوطی سے اپنے تنے پر قایم رہتا ہے اور انہیں جڑوں کے واسطے سے درخت اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ اسطرح سے زمین کے نیچے رطوبت اوپر کی شاخوں، ٹہنیوں، پھلوں، پھولوں، پتوں تک پہونچتی ہے اور نہایت انصاف سے یہ تقسیم ہوتی ہے۔ گویا قدرت اپنی حکمت واندازہ سے جس کو جس قدر پانی اور رطوبت درکار ہوتی ہے اتنا ہی اس کو پہونچاتی ہے، اور پھر ہر ایک کو اس کے مناسب غذا پہونچتی ہے اسی رطوبت سے پھولوں میں رنگ، خوشبو، پھلوں میں ذائقہ، لذت، یہ سب کچھ قدرت کے نظام سے مکمل ہوتا ہے۔

پھلوں کے آنے سے پہلے قدرت پتوں کو پیدا کرتی ہے کہ نازک پھل اپنی حفاظت کے لئے ان پتوں کے محتاج ہیں۔ تاکہ تند ہواؤں کے جھونکوں اور سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت ہو اور پھل ضائع نہ ہو جائے۔ سردی اور گرمی کی شدت اثر سے پھلوں کی حفاظت ان پتوں سے کی جاتی ہے۔ اور پھر سردی گرمی، ہوا، دھوپ یہ سب چیزیں پتوں

سے چھن چھن کر پھلوں تک پہونچتی ہیں۔ اور پھلوں کے پختہ ہونے میں مدد دیتی ہیں۔ پھل کو اپنی پختگی کے لئے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے اور یہی چیزیں پھلوں کو سڑنے گلنے اور خراب ہونے سے روکتی ہیں۔

دیکھو خدا نے درختوں پھلوں اور پھولوں کو کس بہتر طریقے سے مرتب کیا ہے۔ ان کے مختلف رنگ اور گوناگوں شکل و صورت اور طرح طرح کے ذائقہ اور ان کی قسم قسم کی بھینی بھینی خوشبوئیں پھر کوئی بڑا ہے اور کوئی درمیانی کوئی سرخ ہے تو کوئی پیلا کوئی سفید ہے تو کوئی سبز کوئی رنگ میں شدید ہے تو کوئی ہلکا، اور کوئی درمیانی نہ زیادہ تیز اور نہ زیادہ ہلکا اسی تناسب سے ان کے مختلف ذائقے کوئی میٹھا ہے کوئی ترش کوئی سیٹھا ہے تو کوئی تلخ ان کی خوشبو بھی کیسی بھینی بھینی اور اچھی ہوتی ہے اور ہر پھول اور پھل کی خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ان کی تمام تفصیلات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جبکو پڑھکر ایک صاحب عقل و بصیرت کے ایمان میں روشنی اور خدا کی قدرت کا یقین پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کو دیکھکر قلب میں کیسی مسرت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تازگی اور طراوٹ کو دیکھکر روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے ان کے باطن میں جو اثرات و فوائد پوشیدہ ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں ایسی قوتیں ہیں جن سے زندگی کو بڑی غذا اور قوت پہونچتی ہے۔ کھانے میں اسکی لذت و خوشبو سے عجب انبساط مسرت ہوتی ہے۔ ان کی گٹھلی یا بیج محفوظ میں خشک ہونے پر ان سے پھر کاشت حاصل کی جاتی ہے کیسے کیسے فوائد اور ذائقے قدرت نے ان پھلوں میں رکھے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

وشجرۃ تخرج من طور سیناء تنبت بالدھن وصبغ للاٰکلین ٥	(اس پانی سے ہم نے زیتون کا درخت پیدا کیا۔ جو طور سینا (پہاڑ کا نام) میں

بکثرت پایا جاتا ہے جو اُگتا ہے تیل
لئے ہوئے اور کھانے والوں کے
لئے سالن لئے ہوئے

خدا نے پتھر اور پانی کے درمیان سے صاف لذیذ اور نہایت کار آمد زیتون کا تیل پیدا کیا۔ جس طرح اس نے اپنی قدرت سے گوبر اور خون اور گندی چیزوں کے درمیان سفید شیریں اور سفید دودھ پیدا فرمایا۔ اور شہد کی مکھیوں سے خالص شہد، جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں جس میں لذت و فرحت کے علاوہ بہت سے امراض سے شفا بھی ہے۔

زمین کی گہرائی سے جڑوں لتوں اور شاخوں کے ذریعہ درخت کی اونچی اور بلند شاخوں تک پانی کا پہونچنا کیسا حیرت انگیز کرشمۂ قدرت ہے اس طرح غذا کے پہونچانے میں ایک تناسب یہ بھی ملحوظ ہے کہ بیج میں وہی جزو پہونچیں جو اس کے مناسب ہے۔ اور پھل میں وہ جو اس کے مناسب ہو شاخوں، ٹہنیوں میں وہ جو اس کے وجود اور قیام کے مناسب ہے۔ کھجوروں پر نظر کیجئے۔ ابتدا میں وہ نہایت کمزور اور ضعیف حالت میں ہوتی ہے۔ کس عجیب حکمت سے اسکو اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہونے سے محفوظ ہیں۔ ان پر ایک غلاف کا پردہ چڑھا دیا۔ کہ اسکی حفاظت ہو اور جب وہ پختہ اور کامل ہوں تو پھر وہ غلاف تدریجی طور پر شق ہو کر پھل ظاہر ہو جاتے اور اس طرح کہ ہوا اور سورج کی گرمی و سردی کا متحمل ہو سکے۔ یہی نظام قدرت اور عجیب حکمت تمام درختوں اور ان کے پھلوں پھولوں میں کارفرما ہے۔

انار کے پھل پر غور کیجئے کس عجیب حکمت سے اس کے دانوں کے اندر ترتیب دیا ہے۔ دانوں کو علیحدہ علیحدہ کس طرح سے خانوں میں تقسیم کیا ہر پھر ان پر ہلکے ہلکے پردے حفاظت کے لئے ہیں۔ ایک موٹے اور نرم

گودے میں وہ دانے جڑے ہیں نیچے سے موٹا اور اوپر سے باریک اور پھر دانوں کو ایک باریک غلاف میں محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ایک مقام پر مرتب رہ کر پرورش پا سکیں۔ اور کسی ضرب کے پڑنے سے وہ منتشر ہو کر خراب نہ ہوں۔ دیکھو یہ سب کچھ بندوں کے نفع کی خاطر خدا نے انتظامات کئے ہیں اس میں غذا بھی ہے اور دوا بھی اور پھر ذخیرہ کر رکھنے کی صلاحیت و قابلیت بھی تاکہ بے موسم ضرورت پڑنے پر کام آ سکیں۔ جس زمانہ میں درخت پر پھل نہیں آتے گویا اسطرح ان کی حفاظت کا سامان کر دیا انار کی اس شاخ کو دیکھو جس میں انار لگا ہوتا ہے جب تک انار پختہ ہو کر کھانے کے قابل نہیں ہوتا اس وقت تک یہ شاخ انار کو روکے رہتی ہے۔

اس نباتات کو دیکھو جو زمین کی سطح پر پھیلتی ہیں جیسے بیلیں ان کی شاخیں نرم اور کمزور ہوتی ہیں ان کو ہر وقت تری کی ضرورت ہے وہ پھلوں کو اٹھانے کی متحمل نہیں ہوتیں۔ قدرت نے ان کو اسطرح بنایا ہے کہ یہ زمین پر پھیلتی ہیں۔ ورنہ پھلوں کے زمانے میں بڑی مشکل ہوتی اور پھر یہ پھل ایسے موسم میں آتے ہیں جب طبیعت ان کی خواہشمند ہوتی ہے اگر یہ ٹھنڈے پھل سردی کے زمانے میں آتے تو ایک طرف تو طبیعت اس سے متنفر ہوتی اور ایسے وقت اس کے کھانے سے نقصان ہوتا۔

کھجور میں نر و مادہ پیدا کئے اس لئے وہ تاوقتیکہ یہ دونوں موجود نہ ہوں پھل نہیں دیتے یہ خدا کی قدرت ہے کہ انسان و حیوان کی طرح سے اس درخت میں نر و مادہ کو ملحوظ رکھا تاکہ اس سے قدرت مزید آشکارا ہو ان نباتات میں جڑی بوٹیاں بھی شامل ہیں۔ اور وہ کیسے کیسے عظیم منافع و فوائد اپنے اندر پوشیدہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کے خواص و اثرات پر

کرنے سے خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے ظاہر میں وہ جنگل کی گھاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انسانی امراض کے دور کرنے کے لئے بیش بہا دواؤں کا خزانہ ہے۔ اگر کوئی دوا بدن کے تمام فضلات کو نکالنے کے کام آتی ہے۔ تو دوسری صفرا کے دفع کرنے کے لئے۔ تیسری ریاح خارج کرنے کے لئے اور چوتھی طبیعت کے سکون ٹھہرانے کے لئے، کوئی مسہل ہے تو کوئی قابض کوئی قے لانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے تو کوئی تسکین طبیعت کے کام میں آتی ہے۔ دیکھو قدرت نے کیسے کیسے راز پوشیدہ کئے ہیں۔ اور یہ سب انسانی فائدے کے لئے ہے

فلسفی سر حقیقت نتوانست کشود
گشت رازِ دگر آں راز کہ افشا کرد

دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

تسبح له السموات السبع والارض و من فیهن وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم انه کان حلیما غفورا

ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں اس کی پاکی بیان کرتی ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان حال یا قال سے اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی پاکی بیان کرنے کو نہیں سمجھتے وہ بڑا حکیم اور بڑا غفور ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

تکاد السموات یتفطرن من فوقهن والملائکة یسبحون بحمد ربهم و یستغفرون لمن فی الارض

کچھ عجب نہیں کہ آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

ویسبح الرعد بحمده والملائکة من خیفته

رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس کے خوف سے پاکی بیان کرتے ہیں۔

اوپر جو کچھ عجائبات قدرت میں حکمتوں اور کاریگریوں کا مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خالق کائنات کی رفعت وقدرت اور اس کی عظمت وہیبت کس درجہ ارفع واعلیٰ ہے۔ اگر تم اپنی ذات میں غور کرو اس میں اس کی بڑی قدرت وحکمت پاؤ گے۔ پھر اپنے مستقر یعنی زمین پر نظر کر دیکھو کیسی قیمتیں اور حکمتیں نظر آئیں گی بلند پہاڑ اور اونچے ٹیلے وسیع میدان اور بہتے دریا اور بے تاہ سمندر ان دریاؤں، نہروں، سمندر میں جو عجائبات ہیں زمین پر نباتات شجرو حجر پہ غور کرو چوپاؤں جانوروں اور پرندوں کو دیکھو۔ اہل بصیرت کے لئے کیا کچھ درس ونصیحت موجود ہے۔ یہ ساری چیزیں ان کی حکمتیں ان کے فوائد کا احاطہ کرنا ناممکن ہے یہ ایسی وسیع زمین اور اس پر بسنے والی تمام مخلوقات آسمان کی وسعت کے مقابلے میں ایسی ہے گویا ایک چھلّا زمین پر ڈالدیا جائے۔ اس سے آسمان اور اس کے ستاروں کی وسعت اور طول وعرض کا اندازہ کرو۔ آفتاب جو آسمانی سیاروں میں سے ایک روشن اور تابناک سیارہ ہے۔ سیاحین کی جماعت نے جو آسمانی سیاروں کی بابت آسمان پہ سفر کئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ حصہ بڑا ہے اور بعض دوسرے سیارے زمین سے سو سو حصّے زائد ہیں۔ اب تم دیکھو کہ یہ آفتاب ومہتاب اور دوسرے بے شمار سیارے جو آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں اور تمام آسمان ان سے بھرا ہوا نظر آتا ہے ان سیاروں میں سے بعض کی وسعت ہم نے بتا دی اب کم وبیش لاکھوں سیارے آسمان کی وسعت میں موجود ہیں ان سے آسمان کی وسعت اور لمبائی چوڑائی کا اندازہ کرو اور پھر یہ ایسے وسیع سیارے تمہاری آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں سماتے ہیں تو اس سے ان کی دوری اور بعد مسافت کا اندازہ کرو۔ اسی طرح ان کی حرکت کو تم محسوس نہیں کرسکتے اور اسی طرح آسمان کی حرکت ہے جس کو ہم نہیں محسوس کرتے ہیں اور یہاں تک

لاعلمی ہے کہ ہم میں سے اکثر تو اس سے قطعاً غافل اور بے خبر ہیں ان چیزوں کی عظمت اور بڑائی پر تفکر کر کے اب تم خدائے قدوس کی قرآنی قسموں کو سنو اس نے فرمایا۔

والسماء ذات البروج	قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔
والسماء والطارق وما ادراك ما الطارق النجم الثاقب	قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔
فلا اقسم بمواقع النجوم وانه لقسم لو تعلمون عظیم	پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔

اسی طرح تم عالم علوی اور اس کے بسنے والے فرشتے وغیرہ پر تفکر کرو۔ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اسرافیل فرشتے کی بابت ذکر کیا۔ اسرافیل کو آپ دیکھیں گے تو آپکو تعجب ہوگا عرش ان کی پشت پر ہے اور ان کے دونوں پاؤں زمین کی تہ میں ہیں اور اس سے زیادہ عظمت ورفعت خدا کے اس فرمان سے سمجھو اس نے فرمایا۔

وسع کرسیه السموات والارض	اس کی کرسی نے سب آسمان و زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔

اس کی وسعت سے اس مخلوق کی عظمت و وسعت کا اندازہ کرو اور اس ذات کو سمجھو جس نے ایسی ایسی عظیم المرتبہ اور عظیم الشان اور وسیع وار فع

مخلوقات بنائی ہے۔ اور کیسی کیسی حکمتیں اور تدبیریں اور کیا کیا فائدے اور منفعتیں ان کے وجود میں رکھی ہیں۔ پھر ایسا عظیم الشان اسمان اور اس پر ایسے ایسے وسیع وعظیم بے شمار سیّارے اور بسنے والی مخلوق اور یہ آسمان ان سب کو اپنے میں لئے ہوتے ہیں۔ اور بغیر کسی ستون اور ظاہری تبدیلش کے آج تک استحکام اور پائیداری سے قائم ہے پس جو ان اشیاء پر نظر کرے گا اور ملکوت السموات والارض میں غور و فکر سے کام کرے گا۔

اس کے خالق کی عظمت و رفعت اس کے دل میں پیدا ہو گی۔ اور جوں جوں اس کی کائنات و صنعت میں تدبر کرے گا۔ اس کی معرفت زیادہ ہو گی۔ پس لوگوں میں یہ معرفت ولذ متفاوت ہیں اور اسی اعتبار سے انکو نور ہدایت اور نور عقل بخشا گیا ہے۔ پس حقیقی وسیلہ اور اس کی معرفت تک پہونچانے کا ذریعہ اس کی کتاب عزیز کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر ہے۔ اس کی حقیقی معرفت کا یہی دروازہ ہے۔

اب تم سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن اترا اس میں غور و فکر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے انتہائی مقام تک پہونچے خالق کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ امور آخرت کا یقین حاصل ہوا معراج کمال پر اس حد تک رسائی ہوئی کہ کمان کے دونوں چلوں سے بھی زیادہ اپنے رب سے قریب ہو گئے۔

دنیٰ فتدلّٰی ہ فکان قاب قوسین او ادنیٰ ٥

پس ایسے علم و معرفت کی کیا شان ہوگی کہ خدا کی طرف سے جس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کا حکم کیا جائے اور ایسے نور معرفت وہدایت سے نوازا اس سے بڑھکر خالق کا اور کیا احسان

ہو گا کہ ہم تمام انسانوں کو اس کی اتباع و اطاعت کی توفیق بخشی جس راستہ پر چلکر ہم خدا کے دوستوں میں شمار ہوئے۔ سچ ہے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

؎ زمین ز نکتہ فرو ماند راز من باقیست بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

اللھم وفقنا لما تحب و ترضی وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ○

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

الحمد للہ کہ کتاب جواب در بیان روح و دیگر مسائل مشکلہ

الموسوم بہ

حقیقت روح انسانی

ترجمہ

اجوبۃ الغزالیہ فی المسائل الاخرویہ وحل مسائل غامضہ

مصنفہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ معہ حواشی جدیدہ

از جناب فخر پنجاب منشی شاہ دین صاحب دام فیضہ

بہ اضافہ عبارت و فصل اخیر ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۱ھ

سب تعریف اللہ کو ہی کہ عقل[1] کا بخشنے والا اور حواس اور خیال سے جو اشیاء غائب اور لطیف ہیں اُنکے ادراک کا ہمارے لئے راستہ بتانے والا اور اس دل کے وسیلہ سے جو عالمِ ملکوت میں جولان کرتا ہے علوم غامضہ اور مشکلہ کے استنباط کا طریقہ بتانیوالا ہے اور ہم اُس سے عقل اور قلب کے نور کی زیادتی اور نفس امارہ[2] کے الکھیڑنے پر مدد مانگتے ہیں اور یہہ بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مخلصوں اور موحدوں کے گروہ سے کرے اور اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت کی برکت سے امورات دنیاوی کی طرف میلان کرنے سے محفوظ رکھے کہ وہی حافظ

[1] عقل کا لفظ مشترک ہے حقائق امور کے جاننے یعنی صفت علمی کو جس کا محل قلب ہے عقل کہتے ہیں اور لطیفہ ربانی یعنی روح انسانی پر بھی عقل کا اطلاق کرتے ہیں ایسا ہی قلب بھی مشترک لفظ ہے قلب جسمانی کو بھی قلب کہتے ہیں جو ایک گوشت کا ٹکڑا گاؤدم سینے کی بائیں جانب منبع قوت جسمانی یعنی روح حیوانی کا ہے اور لطیفہ ربانی یعنی نفس ناطقہ پر بھی قلب کا اطلاق آتا ہے جسکو قلب جسمانی سے تعلق ہے ۱۲ منتخب شاہ دین سلمہ ربہ ۔

[2] نفس امارہ روح یعنی نفس ناطقہ ہی کو کہتے ہیں لیکن خاص اس حالت میں کہ جب متصف باخلاق

اور مددگار رہی۔ اما بعد مسکین مفتی شاہ دین ابن حضرت شیخ محکم الدین صاحب
چک مغلانوی پرگنہ نکودر ضلع جالندھر عفی اللہ تعالے عنہما وعن اقاربہما و
سائر المسلمین حضرات سالکین طریقت کی خدمت میں عرض پرداز ہے
کہ اتفاقاً ایک رسالہ موسوم بحل مسائل غامضہ مصنفہ حضرت رئیس العلماء
حجۃ الاسلام محمد ابو حامد امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان روح و دیگر
مسائل مشکلہ میں اس ناکارۂ خلائق کے ہاتھ لگا جب وہ دیکھا گیا تو ایسے
مسائل اُس میں نظر آئے کہ کسی عالم نے وہ بیان نہیں فرمائے اور نہ کسی
فاضل کی زیر قلم آئے چونکہ وہ رسالہ عربی زبان میں تھا اور عام لوگوں کا
فہم اُسکے سمجھنے سے قاصر اسلئے بنظر افادۂ عام اس عاجز نے اُسکو اُردو زبان
میں ترجمہ کیا اور اکثر حواشی جدیدہ سے اُسکے مضامین کی توضیح بھی کردی
اور بعد تتبع کتب احادیث کے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھدیا
اور اسکا نام حقیقت روح انسانی رکھا اب اُمید حضرات ناظرین سے یہ ہے کہ جب اس
رسالہ سے فائدہ اُٹھائیں اس مسکین کو دعائے خاتمہ بالخیر سے یاد فرمائیں سب بزرگوں
کی خدمت میں عرض ہے کامل ؎ دعائے خیر سے اس عاجز کو یاد و شاد کریں۔ من اللہ التوفیق وعلیہ التوکل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲

ذمیمہ اور شہوات کے تابع ہوجائے اور جسوقت نفس ملہمہ کو معارضہ شہوات سے اضطراب زائل ہوکر
اور حکم الٰہی کے ماتحت حصول اطمینان ہو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اضطراب اسکا بالکل زائل نہ ہو لیکن
نفس شہواتیہ یعنی نفس امارہ کے مدافع ہو نفس لوامہ بولتے ہیں غرضیکہ روح ہی کو بلحاظ حالات مذکورہ
نفس مطمئنہ اور لوامہ اور امارہ کہا کرتے ہیں ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

بعد تسمیہ و تحمید کے فرمایا ابو حامد محمد امام غزالی ابن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ سائلون نے مجھ سے چند سوال جو اہلوں کے لایق اور نا اہلوں سے بچائے گئے تھے دریافت کئے جب میں نے اُن میں ہدایت کے آثار اور سمجھ کی علامات دیکھیں تو اُنکی التماس کو قبول کیا اور اللہ تعالےٰ سے توفیق مانگی کہ وہ بندوں کا جمع کرنے والا اور نیک طریقہ کا ہدایت کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے پس سائلوں نے سوال کیا کہ کیا معنی ہیں آیت

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ

کے میں نے جواب دیا کہ محل جو روح کے قابل ہو اُس میں تاثیر کرنے کو تسویہ کہتے ہیں وہ محل صفائی اور اعتدال کے ساتھ آدم کے حق میں مٹی اور اُس کی اولاد کے حق میں نطفہ ہے کیونکہ محض خشک چیز آگ کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ مٹی اور پتھر اور نہ محض رطب یعنی تر چیز آگ کو قبول کرے جیسا پانی بلکہ آگ تو مرکب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ ہر مرکب سے جیسا کہ کیچڑ اس میں آگ شعلہ نہیں پکڑتی بلکہ اس کو ترکیب خاص چاہیئے اور وہ خاص ترکیب یہہ ہے کہ کثیف مٹی کو پیدائش کے کئی طوروں میں لاتا ہے یہاں تک کہ وہ مٹی لطیف روئیدگی یعنی انگوری بنجاوے تب اُس میں آگ شعلہ پکڑے ایسا ہی اللہ تعالیٰ مٹی کو ایک کے پیچھے کئی طوروں میں لاتا ہے یہاں تک کہ وہ روئیدگی بنتی ہے پھر اسکو آدمی کھاتا ہے پھر وہ خون بنتا ہے

پھر قوت متغیرہ مرکبہ کہ ہر حیوان میں رکھی گئی ہے اس خون میں سے خالص خون
کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے چھانٹ لیتی ہے تب وہ خالص خون
نطفہ بنجاتا ہے اُسکو عورت کا رحم قبول کرتا ہے اُس میں جب منی عورت کی ملتی ہے
تو اعتدال زیادہ بڑہ جاتا ہے پھر عورت کا رحم یعنی بچہ دان اُسکو اپنی حرارت
سے پکاتا ہے تب اُس میں مناسبت زیادہ ہوجاتی ہے یہاں تک کہ صفائی اور
اعتدال میں باہمی نسبت اجزا کی نہایت کو پہنچتی ہے پھر وہ روح کے قبول کرنے
اور اُس کے تھامنے کے قابل ہوجاتا ہے جیسا کہ روغن پی ہوئی بتی شعلہ کے
قبول کرنے اور اسکے تھامنے کی مستعد ہوتی ہے اور نطفہ اعتدال اور صفائی
کے پورا ہونے کیوقت روح کے تھامنے اور اُس کی تدبیر اور تصرف کا
مستعد ہوتا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ جواد کی طرف سے فیضان روح کا ہوتا ہے
کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر لیاقت بغیر انکار اور بخل کے
فیض بخشنے والا ہے۔ پس تسویہ سے یہہ ہی افعال مراد ہیں کہ اصل نطفہ کو کئی
طوروں میں بدل کر صفائی اور اعتدال کی خاص[†] صفت میں پہنچاتے ہیں۔
پھر اُن سائلوں نے نفخ کے معنی دریافت کئے میں نے **جواب** دیا کہ نفخ سے روح[‡] کے

[†] یہاں خاص صفت سے وہ صفت مراد ہے جس سے نطفہ فیضان روح کے قابل ہوتا ہے ۱۲
[‡] روح کے لفظ کا اطلاق کئی معنوں پر آتا ہے۔ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ۔ روح حیوانی یعنی نفسانی۔ روح نباتی۔ قرآن شریف۔ وحی۔ فرشتہ عظیم الخلقت۔ حضرت عیسیٰ۔ جبرئیل وغیرہ یہاں معنی اول یعنی نفس ناطقہ مراد ہے اور اس رسالہ میں یہی مقصود بالبحث ہے یعنے

نور کا نطفہ کی بتی میں روشن ہونا مراد ہی نفخ کے لئے صورت ہی اور ایک نتیجہ صورت تو یہہ ہی کہ پھونکنے والے کے اندر سے اُس چیز کی طرف جس کو پھونک رہا ہی ہوا کا نکلنا مثلاً تا جو لکڑی آگ کے قابل ہی جل اُٹھے نفخ جل اُٹھنے کا سبب ہے اور یہہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہی اور مسبب یعنی نتیجہ محال نہیں اور کبھی سبب سے مجازاً وہ فعل مراد ہوتا ہی جو سبب سے حاصل ہوتا ہے اگرچہ وہ فعل جس کو دوسری معنی میں استعمال کیا ہے اونکی صورت پر نہو جیسا کہ قولہ تعالیٰ غضب اللہ علیہم اور قولہ تعالیٰ فانتقمنا منہم صورت غضب کی غصہ والے میں ایک قسم کا تغیر ہی جس سے ایذا حاصل ہوتی ہی اسکا نتیجہ مغضوب علیہ کو یعنی اُس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے ایذا دینا یا ہلاک کرنا ہی سو غضب سے نتیجہ غضب مراد ہے اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا ہی یہاں نفخ سے نتیجہ نفخ مراد ہے اگرچہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت پر نہ ہو۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ نطفہ کی بتی میں جو روح کا نور روشن ہوا ہے اس کا سبب کیا ہی میں نے جواب دیا کہ وہ ایک تو فاعل میں صفت ہی اور ایک قابل میں لیکن جو فاعل میں صفت ہے اُس سے خدا کی بخشش مراد ہی جو منبع وجود ہی اس سے ہر قابل کو وجود عطا ہوتا ہی اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں اسکی مثال ایسی ہی جیسا کہ

روح انسانی یعنی نفس ناطقہ ہی کی بحث یہاں مقصود ہے کیونکہ یہی ادراک کنندہ ہی اور اسکی

اصلاح سے قرب خدا اور رب العالمین کا رتبہ حاصل ہوتا ہی ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؛

سورج کی روشنی حجاب کے دور ہونے کے وقت اُن چیزوں پر جو روشنی کے قابل ہیں پڑتی ہے پس جو چیزیں روشنی کے قابل ہیں وہ رنگدار چیزیں ہیں ہوا نہیں ہے کہ جس کا کچھ رنگ ہی نہیں۔ قابل کی صفت سے استوا اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَوَّيْتُهٗ قابل کی صفت کی مثال لوہے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آئینہ کو زنگار ڈھانپ لیتا ہے تو صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ صورت اسکے مقابل ہی ہو جب کہ صیقل گر نے اُسکو صیقل کر دیا تو جیسے اُس میں صفائی حاصل ہوتی ہے ویسی ہی صورت دکھائی دیتی ہے ایسا ہی جب نطفہ میں استوا اور اعتدال حاصل ہو جاتا ہے تو خالق کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے اور خالق میں کچھ تغیر نہیں ہوتا بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کہ آگے کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا آگے نہیں تھا جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس وہیں پڑتا ہے اور صورت والے میں کچھ تغیر نہیں ہوتا اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہہ عکس نہ تھا تو اس کا یہہ سبب نہیں کہ صورت کو آئینہ میں منقش ہونے کی استعداد نہ تھی بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا کہ عکس قبول کرتا۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ فیض کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ فیض سے جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے ہاتھ پر ہوتا ہے ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ پانی کا فیضان تو یہہ ہے کہ پانی کے اجزا برتن سے الگ ہو کر ہاتھ کے ساتھ متصل ہوئے بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے مشابہ ہے

جو دیوار پر پڑتا ہی بعضوں نے اس میں بھی غلطی کھائی ہی جو کہتے ہیں کہ سورج سے
شعاع الگ ہو کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی ہی سو یہہ انکی بھول ہی بلکہ سورج کے
نور سے دیوار پر ایسی شئی پیدا ہوتی ہی کہ وہ نور کے ساتھ نورانیت میں مشابہ
ہوتی ہی اگرچہ اُس سے ضعیف ہی ہو جیسا کہ صورت والیکا عکس جو آئینہ میں
پڑتا ہی اسکے یہہ معنی نہیں ہیں کہ صورت والیکے اجزا اُس سے الگ ہو کر آئینہ
کے ساتھ متصل ہوں بلکہ یہہ معنی ہیں کہ صورت والے کی صورت سے
ایک ایسی صورت جو اُسکے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے اصل
صورت میں نہ تو اتصال ہوتا ہی نہ انفصال محض سببیت ہی ایسا ہی جو چیزیں
وجود کے قابل ہیں بخشش الٰہی اُن میں انوار وجود کے پیدا ہونے کا سبب ہے
جس کو فیض کہتے ہیں **فصل** پھر سائل نے **سوال** کیا کہ آپنے تسویہ اور نفخ کا
تو ذکر کیا اب روح[1] کی حقیقت بھی بیان فرماسے کہ کیا ہی آیا اس کا بدن میں
حلول ہے جیسا کہ پانی کا برتن میں یا عرض کا جوہر میں

---

[1] روح کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مشائخ چنانچہ حضرت جنید بغدادی اور انکے متبعین نے اس میں کلام ہی نہیں کی اور یہہ کہا ہے کہ ہم موجود کے سوا اور زیادہ کچھ تعبیر نہیں کرتے کیونکہ اس میں کلام کرنے کا حکم نہیں اسلئے کہ علیہ السلام صلعم نے اس میں کلام نہیں کی۔ معترض اس میں کہہ سکتا ہی کہ حضرت صلعم کے الروح من امر ربی کے سوا نہ بیان فرمانے سے یہہ نہیں لازم آتا کہ اس میں کلام کرنی منع ہو یا اسکی حقیقت تمام اولیاء کرام پر نہ کھلے یا صاحبان لیاقت اور فہم و فراست پر اسکی حقیقت بیان نہ فرمائی جاسے اور آنحضرت صلعم نے الروح من امر ربی کے سوا اور کچھہ جو بیان نہیں فرمایا

یا یہہ جوہر بذات خود موجود ہی اگر یہہ جوہر ہی تو ذی مکان ہی یا لامکان اگر ذی مکان ہے تو اوسکا مکان قلب ہے یا دماغ یا کوئی اور جگہہ اگر لامکان ہی تو جوہر لامکان کس طرح ہوا مینے جواب دیا کہ یہہ تو سوال روح کے بھید سے ہی جسکا رسول مقبول صلعم کو نااہل سے بیان کرنے کا اذن نہین ہوا اگر تو اہل مین سے ہی تو سُن کہ روح عرض نہین ہے کہ بدن مین حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز مین اور علم کا عالم مین ہوتا ہے بلکہ وہ تو جوہر ہی کیونکہ اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور معقولات کا ادراک کرتی ہے اور عرض مین یہہ صفتین نہین ہوتین اور وہ جسم بھی نہین کیونکہ جسم تو تقسیم کو قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہین ہوتی اگر منقسم ہو تو چاہئیے کہ ایک جزو سے مثلاً زید کا اس کو علم حاصل ہو اور دوسری جزو سے اس کا جہل جس سے لازم آتا ہے کہ روح ایک ہی حالت

اسکی وجہ یہہ ہی کہ مشرکین کو اُسکی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد نہ تھی اسلئے علیہ السلام نے ماہیت روح کی اُنپر بیان نہ فرمائی علاوہ برین روح کا لفظ مشترک تھا جیسا کہ اول حاشیہ فوق مین بیان ہوا اسلئے ہو سکتا ہی کہ اکابر قریش مثل نضر بن حارث نے یہود یون کے کہنے کے موافق روح کا جو سوال کیا اسکی غرض یہہ ہو کہ آنحضرت کو عاجز کرین باین طور کہ جب حضرت علیہ السلام روح کے ایک معنی مثلاً حقیقت روح انسانی بیان فرماتے تو وہ کہتا کہ یہہ تو ہماری مراد نہین پھر دوسری معنی بیان فرماتے پھر بھی کہتا کہ یہہ ہماری مراد نہین اسلئے آنحضرت صلعم کو ایسا جواب مجمل دینے اور قل الروح من امر ربی کا حکم ہوا تا کہ وہ آگے سوال نہ کرنے پائے۔ بعض نے یون لکھا ہی کہ تین سوالون مین سے دو کا جواب دینا یعنی قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کا بیان فرمانا اور ایک کا جواب یعنی حقیقت روح کا بیان نہ کرنا ہی نبی آخر الزمان علیہ الصلواۃ والسلام کے صدق نبوت کی علامت اُنہون نے سمجھی تھی کیونکہ بیان قصہ

میں ایک شی کی عالم بھی ہوئی اور جاہل بھی اور ایک شی کا علم اور جہل ایک شخص یا محال ہی دو شخصوں میں محال نہیں کیونکہ ضدوں کا تناقض محل واحد میں ہی ہوتا ہی سپیدی اور سیاہی آنکھ کی ایک جزو میں تو متناقض ہیں دو جزوں میں متناقض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک چیز غیر منقسم ہی سب عقلاء کے نزدیک جزء لایتجزیٰ ہی یعنی ایک چیز ہی کہ تقسیم قبول نہیں کرتی کیونکہ اسکو جزو بھی کہنا نہ چاہیئے اسلیئے کہ جزو تو کل کی نسبت ہوتا ہی یہاں تو کل ہی نہیں جزو کہاں ہوگا مگر اس اعتبار سے جزو بول سکتے ہیں جس اعتبار سے ایک کو دس کا جزو کہتے ہیں کیونکہ اگر تمام موجودات یا تمام اشیاء جن سے انسان کا قوام ہی اعتبار کی جاویں از انجملہ ایک روح بھی ہوگی جب تم نے یہہ سمجھ لیا کہ روح ایک غیر منقسم شی ہی اب دو حال سے خالی نہیں یا تو

ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے سوا حقیقت روح کی انکی کتابوں میں مذکور نہ تھی اسلئے آنحضرت صلعم نے بھی لعزبن حارث کے جواب میں حقیقت روح کی بیان نہ فرمائی تاہم بہرحال آنحضرت صلعم کو اسکے جواب میں صرف قل الروح من امر ربی کا ارشاد ہوا اس امر کو مستلزم نہیں کہ روح کی حقیقت صاحبان لیاقت پر بیان کرنی ممنوع ہو یا آنحضرت صلعم کو حقیقت اسکی معلوم نہ ہو یا تمام اولیا کرام پر حقیقت اسکی نہ کھلے کہ لا یخفی اور اطبا روح حیوانی کو ہی روح انسانی کہتے ہیں اور فرفوریقوس کا قول ہی کہ روح انسانی بدن میں حلول کئے ہوئے ہی اور بعد حلول کرنے کے اس سے متحد ہوگئی جیسا کہ نمک پانی میں بعد حلول کرنے کے متحد ہو جاتا ہی اور افلوطرخس کا یہہ عقیدہ ہی کہ روح ایک ہوا ہے بدن میں سرایت کئے ہوئے اور اطبا جو کہتے ہیں کہ مدبر بدن کی حرارت عزیزی ہے انکے قول کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہی طالیس مطلی کا یہہ قول ہی کہ روح پانی کا نام ہی کیونکہ وہ منشا نشو و نما کا ہے

ذی مکان ہو گی یا لامکان اسکا ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیونکہ جو چیز ذی مکان
ہوتی ہے تقسیم قبول کرتی ہے اور جزء لایتجزی (یعنی ایسی جز و کہ
ذی مکان تو ہو اور تجزیہ و تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے
باطل ہے اُن دلائل میں سے آسان دلیل یہہ ہے کہ اگر اسکو دو چیزوں کے
درمیان رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے
اسکو مس کرینگی جب اسکی مخالف طرفیں نکلیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک طرف
سے ایک شی کا علم ہو اور دوسری طرف سے اُس شی کا جہل پس ایک ہی
حالت میں ایک شی کی عالم اور جاہل ہوئی اور یہہ باطل ہے اور جزو لایتجزی
کیونکہ باطل نہ ہو اگر ایک شی بسیط اجزاء لایتجزی سے سطح فرض کیجاے
تو اسکی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کے مخالف ہو گی

ابکار الافکار میں ابناء قیس کا یہہ قول ہے کہ روح جسم مرکب عناصر اربعہ سے ہے اور بدن میں
اسکا حلول ہے جس کی دلیل اُسنے یہہ بیان کی ہے کہ ادراک مناسبت کا مقتضی ہے پس روح کا
مو الیہ کو ادراک کرنا ترکیب کو چاہتا ہے اور شفا میں بیان کیا ہے کہ روح مرکب چہہ امور یعنی اربعہ
عناصر اور قوت اور محبت سے ہے بعض کا یہہ قول ہے کہ روح خون کا نام ہے کیونکہ باقی اخلاط
سے خون اشرف ہے اور انسان کی موت کے وقت معدوم ہو جاتا ہے اور بعض کا یہہ عقیدہ
ہے کہ روح عبارت اخلاط اربعہ سے ہے جو مجتمع اور کم و کیف میں معتدل ہیں۔ بعض روح مزاج
کا نام رکھتے ہیں جو کیفیات عناصر سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض روح نفسانی یعنی قوت دماغی
کو روح انسانی کہتے ہیں۔ بعض روح حیوانی یعنی قلب جسمانی کی قوت کا نام روح انسانی کہتے
ہیں بعض روح نباتی یعنی قوت جگر ہی کو روح انسانی سمجھے ہوئے ہیں۔ بعض نے ان تینوں
قوتوں کے مجموعہ کا نام روح انسانی رکھا ہے۔ جمہور متکلمین کا یہہ مذہب ہے کہ روح انسانی جسم

جس کو ہم نہیں دیکھتے کیونکہ ایک شی ایک ہی حالت میں دکھائی دے اور نہ دکھائی دے نہیں ہوتی اور جب سورج اسکی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہوگی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اسکے لئے دو طرفیں نکلیں تو جزو لایتجزی نہ رہی **فصل** پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس جوہر کی کیا حقیقت ہے اور اسکا بدن کے ساتھ کس طرح پر تعلق ہے آیا وہ بدن میں داخل ہے یا خارج متصل ہے یا منفصل میں نے **جواب** دیا کہ روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا کہ پتھر نہ تو عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہئے جب حیات ہی نہیں علم اور جہل بھی نہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ روح کسی جہت میں ہے یا نہیں۔ میں نے **جواب** دیا کہ روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ

لطیف ہے بدن میں سرایت کئے ہوئے جیسا کہ گلاب کا پانی گلاب میں اور اس کی جسمیت بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے قولہ تعالیٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیہ الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی وقولہ تعالیٰ ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون الآیۃ وقولہ تعالیٰ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کہ ان آیات میں نفس کی وفات اور اسکے بند کرنے اور اخراج اور رجوع کی خبر ہے جو اوصاف جسم سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم ہے یا یوں کہیں روح موصوف ہے ان اوصاف سے اور جو متصف ہو ان اوصاف سے وہ جسم ہے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ روح بھی جسم ہے۔ اور قاضی باقلانی اور نظام معتزلی کا یہ عقیدہ ہے کہ روح جسم لطیف بدن میں سرایت کئے ہوئے

متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہہ سب
باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں وہ جسم اور عرض نہیں وہ تو ان عوارض
سے پاک ہے۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کو حقیقت روح کے بتلانے اور اس بھید کے ظاہر کرنے کا کیوں اذن ہوا
میں نے جواب دیا کہ لوگوں کے فہم اسکو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ لوگ دو قسم پر ہیں
ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو
اللہ جل شانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا
تصدیق کریگا اسی لئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے سو جس میں
عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور اللہ جل شانہ کو جسم
ٹھہراتا ہے کیونکہ کسی موجود کو سوا ے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ

ہے تغیر اور تبدل کے قابل نہیں اور وقت قطع ہونے کسی عضو کے جزو روحانی منقطع نہیں
ہوتی بلکہ جزو متصل کیطرف جذب اور منقبض ہو جاتی ہے۔ اور بڑا فرقہ اشاعرہ کا یوں قایل
ہے کہ جسم مرکب ہے اجزاء لایتجزی سے اور روح عبارت جزو ان اجزا لایتجزی سے ہے جنکو اجزا
اصلی کہتے ہیں اور ابن راوندی کا قول ہے کہ روح جزو لایتجزی ہے قلب میں اور بعض متکلمین کا
یہہ قول ہے کہ روح عرض ہے یعنی حیوۃ کا نام ہے جسکے سبب بدن حی ہے اور امام رازی بھی اسیکا
قایل ہے کہ روح عرض ہے عوارض بدن سے اور بعض کا یہہ قول ہے کہ روح خداوند کریم کے اجزا
میں سے ایک جزو ہے۔ اور بعض صوفیہ کا یہہ قول ہے کہ روح کوئی صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری
کی صفت ہے کیونکہ خداوند کریم نے قل الروح من امر ربی فرمایا ہے اور امر کلام اسکی ہے
پس روح کلام الٰہی یعنی احیاء کا نام ہوا۔ بعض کا یہہ قول ہے کہ روح نسیم طیب باعث حیات ہے
جیسا کہ نفس ہوا گرم باعث حرکات و شہوات ہے لیکن ان تمام اقوال کا ضعف و بطلان تقریر کیہ

ہونیکے نہیں ادراک کرتا بعضوں نے اِن عاموں میں سے کچھ ترقی کی جسم کی نفی کی اور عوارض جسمیہ کی نفی نہ کر سکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ سے ہے باری تعالیٰ کے لئے ثابت کیا بعضوں نے اِن میں سے ترقی کی اُنہوں نے خدا تعالیٰ کو لا فی جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ اور معتزلہ ہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ترقی یاب ہوئے روح کے بھید کا بتلانا کیوں جایز نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے غیر میں مشترک ہونیکو محال جانتے ہیں اگر تو اُن سے یہہ ذکر کرے تجھے کافر ٹھہرائیں اور تجھے یہہ کہینگے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے تو تو اپنے نفس کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر اُس نے سوال کیا کہ انہوں نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا۔ میں نے

روح سے مراد یہاں نفس ناطقہ یعنی روح انسانی ہو۔ ارباب فہم و فراست پر مخفی نہیں کیونکر بعض کا روح حیوانی کو جو بقول بعضے جسم اور بقول بعضے جسمانی قوت ہے جسکی اصلاح سے صرف صحت بدن کی حاصل ہوتی ہے۔ روح انسانی کہنا یا بعض کا روح انسانی کا حلول بدن میں پانی میں نمک کیطرح لینا جو خواص جسم سے ہے یا ہوا یا پانی ہی کا نام رکھنا جو ایک جسم غیر مدرک ہے یا ایک جسم مرکب عناصر اربعہ سے لینا یا چہار امور سے مرکب لینا یا خون کا نام جو جسم غیر مدرک ہے روح انسانی رکھنا یا اخلاط اربعہ یا مزاج کا نام رکھنا جو ایک مرکب شی ہے یا روح نفسانی یا نباتی وغیرہ کو جو از قسم اعراض ہیں روح انسانی کہنا یا روح انسانی کو جسم لطیف بدن میں تغیر و تبدل سرایت کئے ہوئے لینا یا جسم مرکب اجزاء لایتجزیٰ سے لینا یا روح انسانی حیوٰۃ یعنی عرض کا نام رکھنا یا قلب میں ایک جزو لایتجزیٰ کا نام رکھنا یا یہہ کہنا کہ روح نسیم طیب ہے روح انسانی کی حقیقت اور ماہیت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی بھلا عجب کہ روح انسانی مدرک ہو اور ادراک

جواب دیا کہ وہ لوگ جیسا کہ دو ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں ویسا ہی دو شئی کا لامکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بسبب فرق نہ ہونے کے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسا ہی اگر لامکان میں دو چیزیں جمع ہو ویں ان میں بھی کچھ فرق نہیں رہیگا اسلئے کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور دو ہم مثلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہہ تو اشکال قوی ہے اسکا جواب کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اس بات میں انہوں نے غلطی کھائی جب کہ انہوں نے یہہ گمان کیا کہ اشیا میں فرق تین امروں کے ساتھ ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں

شان جوہر سے ہے تو عرض کیونکر ہوگی اور جب اسکے مرکب ہونے سے ایک ہی حالت میں اسکا ایک شئی کا عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے تو جسم کیونکر ہوگی یا عوارض جسمیت اسکے لئے کیونکر ثابت ہونگے۔ متکلمین نے جو دلائل روح کی جسمیت پر پیش کئے ہیں یعنے وفات اور امساک اور اخراج اور رجوع۔ میں کہتا ہوں کہ ان اوصاف میں سے کوئی بھی صفت روح کے جسمیت کی مقتضی نہیں کیونکہ وفات روح کے بدن سے رفع التعلق کا نام ہے نہ کہ روح کا معدوم کر دینا اسلئے کہ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا معدوم ہونا ہی باطل ہے جیسا عنقریب با دلیل اسکا بیان آئیگا ایسا ہی امساک سے مراد روح کا تعلق بدن سے نہ ہونے دینا اور ارسال سے مراد بعد امساک کے اسکا تعلق کر دینا اور رجوع الی اللہ سے روح کا تصرف فی البدن سے باز رہنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور اخراج عبارت ہے نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے موقوف کر دینے سے پس قرآن شریف میں روح کے ان اوصاف کے بیان ہونے سے روح کی جسمیت کا ثبوت

دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں - تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ عوارض مختلف ایک محل میں مثلاً رنگ اور ذائقہ اور بو اور برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیونکہ انکے لئے محل بھی ایک ہی اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور فرق علم کا قدرت اور ارادہ سے اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جب کہ اُن میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کے رو سے ہوتا ہے پس جب کہ ایک مکان میں عارض مختلف ماہیت کا ہونا جایز ہوا تو اشیا مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولیٰ جایز ہوا فصل پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہاں تو اول سے بھی ایک اور اشکال بڑھکر ہے اور ایک اور دلیل اسکے محال ہونے پر اظہر ہے وہ اشکال یہہ ہے

کرنا پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ علاوہ بریں ہم یہہ بھی توجیہہ بیان کر سکتے ہیں کہ وفات کے وقت روح حیوانی بدن سے نکالی جاتی ہے جسکے نکلنے سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ نفس ناطقہ کا تصرف بدن میں بواسطہ روح حیوانی کے ہے جو ایک بخار لطیف حرارت قلب جسمانی سے نضج پاکر بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتا ہے اور حیات تمام اعضا کو دیتا ہے۔ اس بخار لطیف یعنی روح حیوانی کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری ہونا ایسا ہے جیسا ایک چراغ مثلاً اطراف گھر میں پھیرا جاوے اور اس سے گھر کے چار طرف روشنی پھیل جاوے گویا یہہ بخار لطیف بمنزلہ چراغ کے ہے اور حیات بمنزلہ روشنی کے اس بخار لطیف کے ذریعہ سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن کے ساتھ تدبیر اور تصرف کا جو تھا وفات کیوقت جاتا رہا اور اسکے اخراج اور ارسال اور امساک سے روح انسانی کے تعلق کا ہونا یا نہ ہونا وجود میں آیا۔ پس مجازاً ان اوصاف کو جو درحقیقت روح حیوانی کے

کہ اس میں روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہہ ہوئی اور روح میں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات
کو ثابت کیا۔ میں نے جواب دیا کہ یہہ کہاں ہو سکتا ہی کیونکہ ہم انسان کو حی اور
عالم اور سمیع اور بصیر اور قادر اور مرید اور متکلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ایسا
ہی ہی حالانکہ اس میں تشبیہہ نہیں ہی کیونکہ یہہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات
میں سے نہیں ہیں اسی طرح حیز اور مکان اور جہت سے پاک ہونا بھی اُس کے
اخص صفات میں سے نہیں ہی بلکہ اللہ تعالیٰ کے اخص صفات میں سے تو صفت
قیومیت کی ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہی اور اُس کے ماسوا سب اُسی کے
سبب موجود ہیں بلکہ اشیاء کے لئے تو بذات خود عدم ہی وجود تو اُن کے
لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہی اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے
عاریتاً نہیں ہی اور یہہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالیٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی

اوصاف ہیں روح انسانی کی صفت ڈالدیا گیا جیسا کہ کسی بادشاہ کا کسی ملک پر تصرف ہو
اور اُس بادشاہ کا نائب و لشکر اُس ملک میں رہتا ہو کوئی غنیم بادشاہ کے نائب و لشکر کو
قتل کردے یا وہاں سے نکالدے تو اس موقعہ پر ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ فلان بادشاہ
مارا گیا یا فلاں ملک سے نکالا گیا یا فلاں ملک اُس سے چھین لیا گیا جس سے ہماری یہہ مراد
ہوتی ہی کہ اُس ملک میں اُسکو تدبیر اور تصرف کا اختیار نہ رہا۔ اور اشاعرہ کے عقیدے اور
ابن راوندی کے قول کا بطلان معروضات سابقہ سے ظاہر ہی ہے کیونکہ روح کوئی جسم مرکب
اجزاء لایتجزی سے یا خود جزء لایتجزی جزو قلب جسمانی کی نہیں بلکہ وہ کسی محل میں سرایت
کرنے یا کسی عضو کے جزو پڑنے یا خود جسم ہونے سے پاک ہی علاوہ بریں جزء لایتجزی کا
بطلان دلایل ہندسیہ سے ثابت ہی اسلئے کہ ۴۷ شکل مقالہ اول اقلیدس سے یہہ بات ثابت ہی
ہے کہ مثلث قایم الزاویہ کے زاویہ قایمہ کے وتر کا مربع اسکے دو ضلعوں کے مربع کے مساوی

پھر مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے معنی تسویہ اور نفخ کے تو ذکر کئے نسبت کی معنی نہ بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من رُوحی کیوں فرمایا اگر نسبت کے یہہ معنی ہیں کہ وجود روح کا خدا سے ہی تو سب چیزوں کا وجود اللہ تعالیٰ ہی سے ہی حالانکہ بشر کی نسبت مٹی کی طرف کی اور فرمایا۔ اِنّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ یعنی میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر فرمایا فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اور اگر اسکے یہہ معنی ہیں کہ روح خدا تعالیٰ کی جزء ہی جس کا بدن پر فیضان کیا جیسا کہ سخی سائل پر مال کا فیضان کرتا ہی پھر کہتا ہے کہ افضت علیہ من مالی یعنی میں نے سائل پر اپنے مال کا فیضان کیا تو اس میں ذات اللہ تعالیٰ کے لئے اجزا ثابت ہوئیں حالانکہ پہلے آپنے اسکو باطل کیا ہی

ہوتا ہی پس جس صورت میں ہم نے ایک مثلث قایم الزاویہ جس کے دو ضلعے مساوی ہوں مثلاً ایک ایک ضلع دس دس جزء کا فرض کریں تو بحکم شکل مذکور وتر اُسکا دو سو کا جذر نکلنا چاہئے اور یہہ تو ظاہر ہی ہی کہ دو سو کا جذر صحیح نہیں نکل سکتا مثلاً اگر چودہ کو وتر کہیں یہہ بھی درست نہیں کیونکہ یہہ تو ایک سو چھیانوے کا جذر ہی اور اگر پندرہ کہیں تو یہہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا مربع دو سو پچیس ہیں پس دو سو کا جذر چودہ جزء مع کسر جزء کے نکلیگا جس سے اس جزء لایتجزی مفروضہ کا تجزیہ اور انقسام ثابت ہوا۔ اگر کوئی یہہ کہے کہ متکلمین نے نفی جزء لایتجزی کے دلایل کی تضعیف اور اثبات جزء لایتجزی کا دلایل قویہ سے کیا ہی تاکہ اثبات ہیولی وصورت سے جو مودی قدم عالم اور نفی حشر اجساد کی طرف ہے نجات ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اثبات جزء لایتجزی کے دلایل بھی چنداں قوی نہیں اسی لئے امام رازی نے اس میں توقف کیا

اور فرمایا ہی کہ افاضہ کے معنی جدا ہونے جز کے نہیں ہیں پس اس کے کیا معنی ہوئے میں نے جواب دیا کہ اگر یہہ بات آفتاب بولے اور کہے اَفَضْتُ عَلَی الْاَرْضِ مِنْ نُوْرِیْ یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنی یہہ ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہی وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہی اگرچہ بہ نسبت اسکے بہت ہی ضعیف ہی اور یہہ تو نے معلوم کر لیا ہی کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہی اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اُس کو قوت ہے۔ اور یہہ مناسبات شئ جسمانی میں نہیں ہوتیں (پس انہی مناسبات کی وجہ سے خدا تعالےٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور مِنْ رُّوْحِیْ فرمایا) پھر مجھ سے سوال کیا کہ قل الروح من امر ربی کے کیا معنی ہوئے اور عالم امر اور عالم

علاوہ بریں اثبات ہیولی و صورت موٗدی قدم عالم و نفی حشر اجساد کی طرف نہیں ہوسکتا اسلئے کہ فلسفی ہیولی کے قدیم بالذات ہونیکے تو قائل ہی نہیں البتہ قدیم بالزمان لیتے ہیں اور ہر حادث زمانی کو مسبوق بالمادہ کہتے ہیں لیکن کوئی دلیل قوی اسپر اُنہوں نے بیان نہیں کی چنانچہ ماہرین فن معقول پر یہہ امر پوشیدہ نہیں پس جب قدم ثابت نہیں تو اُنکا اثبات موٗدی قدم عالم و نفی حشر اجساد کی طرف کیونکر ہو گا اور اگر بالفرض یہی تسلیم کیا جائے کہ ہیولی و صورت کا اثبات موٗدی قدم عالم و نفی حشر اجساد ہی اسلئے جسم کا مرکب ہونا جواہر فردہ یا اجزاء مقداریہ سے لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ کونسی ضرورت ہی کہ روح انسانی کو خواہ مخواہ مرکب اجزاء لا یتجزی سے کہا جائے حالانکہ اس کا مرکب ہونا ظاہر البطلان ہے اور جو کہتا ہے کہ روح خدا تعالےٰ کے اجزا میں سے ایک جزو ہے اُسکے قول کا بطلان ظاہر ہی ہی کیونکہ خدا تعالیٰ مرکب اجزا سے نہیں ہی کہ ایک جزو

ہلم؛ نیام؛ ہلم؛

خلق سے کیا مراد ہے۔ میں نے جواب دیا کہ جس شی کی مساحت اور اندازہ ہو سکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اسکو عالم خلق سے کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنی تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں۔ جیساکہ بولتے ہیں خلق الشئ ای قدرہ یعنی چیز کا اندازہ کیا اور شاعر نے کہا ہے شعر

ولانت تفری ما خلقت و بعض القوم یخلق ثم لایفری •

اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اُس کو امر ربی کہتے ہیں اور اُسکو امر ربانی کہنا انہیں مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جنس سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ اُنکو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس اور خیال اور جہات اور مکان اور حیز سے خارج ہیں اور بسبب نہ ہونے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔ پھر مجھ سے

یعنی روح اُس سے الگ ہو کر بدن انسان سے متعلق ہو گئی ہو تعالی عن ذالک علوا کبیرا اور بعض صوفیہ کے اس عقیدہ کا بطلان بھی کہ روح صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے ارباب عقل پر مخفی نہیں کیونکہ یہ امر تو ممکن بلکہ واقع ہے کہ زید کو ایک چیز کا علم ہوتا ہے اور عمرو کو اُسکا جہل پس اگر روح مدرک صفت ذات باری کی ہوتی تو نقص جہل کا صفت باری تعالیٰ میں لازم آتا وغیر ذالک من المفاسد علاوہ بریں خدا تعالیٰ کا قل الروح من امر ربی بلفظ من ارشاد کرنا صاف اس امر پر دال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنی اُس عالم میں سے ہے جس کا اندازہ اور مقدار نہیں غرضکہ روح انسانی جس کو امور اُخروی اور حقایق عقلی کا ادراک اور جس کی اصلاح سے قرب رب العالمین حاصل ہوتا ہے اور جو مخاطب معاتب ہے جسکو عقل و قلب یعنی لطیفہ ربانی اور نفس ناطقہ و حقیقت انسانی بھی کہتے ہیں جسکا تزکیہ موجب فلاح ہے جیساکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ونفس وما سوٰیها فالهمها فجورها وتقوٰیها

سوال کیا کہ اس سے تو روح کے قدیم ہونے کا وہم پڑتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہے وہ اُنکی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہینگے کہ اُس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزا اور ذی مکان نہیں ہے اور اگر مخلوق بمعنی حادث لیں تو روح مخلوق ہے قدیم نہیں ہے اسکے حدوث کی دلیل طویل ہے اور اسکے مقدمات بہت ہیں۔

حق تو یہہ ہے کہ جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا کہ آئینہ میں صیقل کرنے کیوقت صورت پیدا ہوتی ہے مختصر دلیل یوں ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اوّل موجود ہوتیں یا تو بہت ہوتیں یا ایک بدنوں سے اوّل انکی کثرت اور وحدت تو باطل ہے بدنوں سے اوّل اُنکا وجود بھی باطل ہوا وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا نہ تو وہ روح حیوانی ہے کیونکہ روح حیوانی کو امور اُخروی اور حقایق عقلی کا ادراک حاصل نہیں ورنہ تمام حیوانوں کا واسطے امور اُخروی و حقایق عقلے ہونا لازم آئیگا جو صراحتاً باطل ہے اور نہ وہ قوت نفسانی یا نباتی یا کسی اور عرض کا نام ہے کیونکہ عرض مدرک نہیں ہوتی اور روح انسانی مدرک ہے اور نہ وہ جزو لایتجزی یا کوئی مرکب چیز اجزا سے ہے بلکہ وہ جوہر غیر منقسم بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن و حافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک نہ بدن میں داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل حکماء مشائین اور اشراقین کا یہی عقیدہ ہے اور اہل تحقیق مثلاً ابوزید دبوسی و امام راغب اور امام غزالی وغیرہ اہل سنت و جماعت کا یہی قول ہے اور معمر معتزلی اور ایک فرقہ امامیہ اسیکا قایل ہے اور محققین صوفیہ کرام کا یہی عقیدہ ہے اور کامل افراد صوفیہ کا مشاہدہ بھی اسی کی طرف منتہی ہوتا ہے ۱۲ مفتی شاہ دین سلّمہٗ ربّہٗ ؁

سے متعلق ہونے کے بعد یا تو اُنکی وحدت باقی رہیگی یا کثرت ہو جائیگی
وحدت کا باقی رہنا تو محال ہے کیونکہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شیٔ
کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو صراحتاً معلوم ہے اگر جوہر ادراک کرنے والا
یعنی روح اِن میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہوتا
جیسا کہ زید میں محال ہے اور اسی طرح بعد تعلق کے بہت ہو جانا بھی باطل
ہے کیونکہ جس ایک کا مقدار نہ ہو اُسکا دو اور منقسم ہونا محال ہے اور مقدار والی
شیٔ کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم کہ ایک ہی جسم بسبب اِسکے
کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اُسکے لئے اجزا نکلتے ہیں اور جس چیز کے
لئے اجزا اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کریگی اور بدنوں
سے اوّل ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل
ہونگی یا مختلف ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہے کثرت بھی محال ہوئی ہم مثل
ہونا یوں محال ہے کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اسی لئے ایک
جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکان میں دو جسموں کا پایا جانا محال
ہے کیونکہ دو ہونا تغایر کو چاہتا ہے اور یہاں تغایر ہی نہیں اور دو سیاہیوں
کا دو جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ یہاں تغایر بسبب جسم کے ہو جائے گا
اِسلئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے ساتھ خاص ہوگی دوسری دوسرے
کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا

جانا ممکن ہی کیونکہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کرکے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید اور عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں دوات اور کوے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم مثل ہیں۔ بدنوں سے اوّل اُنکا مختلف ہونا یوں محال ہی کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہی ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سی ہوتا ہی جیسا کہ پانی اور آگ اور سیاہی اور سپیدئی اور علم وجہل کا اختلاف ہی دوسری قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ پانی سرد اور گرم کا اختلاف ہی اب ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے اختلاف ہونا تو محال ہی کیونکہ ارواح[1] بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت اور حقیقت

[1] ارواح بشری کے ایک ہی نوع ہونے کی یہہ وجہہ ہے کہ نفس ناطقہ یعنی جوہر مجرد بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن مختص بنوع انسان ہے کما مراد را انسان تو نوع سافل یعنی تمام انواع سے نیچے کی نوع ہے اور جو چیز نوع سافل کے ساتھ مختص ہو ماہیت جنسی نہیں ہوسکتی ورنہ نوع سافل کے ساتھ امر مختص کا غیر مختص ہونا لازم آئیگا یہی وجہ ہے کہ ناطق کو حیوان ناطق میں انسان کے لئے فصل قریب اور ممیز جمیع اغیار سے لیتے ہیں کیونکہ مراد ناطق سے مبدٔ نطق یعنی نفس ناطقہ ہے جو مختص بانسان ہی بس اسکا جمیع اغیار سے ممیز اور ایک ہی نوع ہونا اظہر من الشمس ہی یہی مذہب ارسطو اور ابوعلی کا ہی بعض حکما اسکے خلاف پر ہیں اور ابوالبرکات اور امام رازی متکلمین میں سے روح کے ماہیت جنسی ہونیکے قائل ہیں اور آنحضرت صلعم کے قول جسکو مسلم نے بروایت ابوہریرہ بیان کیا ہے کہ النّاس معادن کمعادن الفضة والذهب خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا والارواح جنود مجندة

میں متفق ہیں عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہو کیونکہ ایک ماہیت جب
جسموں کے ساتھ متعلق ہوا ور انکی طرف کسی طرح منسوب ہو تب عوارض
کے ساتھ مختلف ہوتی ہو اسلئے کہ جسم کے اجزا میں اختلاف ضروری ہو
اگرچہ آسمان ہی کی نسبت اختلاف قریب اور بعید ہونے کا ہو لیکن جب ایک
ماہیت جسموں کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہو اختلاف اس کا محال ہوگا اس
مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہو لیکن اسقدر بیان اس تحقیق پر آگاہ
کرنے کے لئے ہو۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ روحوں کا حال بدنوں سے
الگ ہونے کے بعد کیا ہوگا حالانکہ انکو جسموں کے ساتھ تعلق نہیں پھر
کیونکر روحوں میں کثرت اور اختلاف ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ روحوں نے
بدنوں کے ساتھ متعلق ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور

فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف کو اپنے مدعا کے لئے
دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا اخیر حدیث میں ارواح کو بصیغہ جمع لانا اور
اسی طرح ابتدا حدیث میں ارواح کو معدن سونے اور چاندی کے ساتھ جو مختلف بالحقیقت
ہیں تشبیہ دینا روح کی ماہیت جنسی ہونے کا مقتضی ہو۔ میں کہتا ہوں ارواح کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بصیغہ جمع لانا روح کی ماہیت جنسی ہونے کو مقتضی نہیں
کیونکہ جمع کے واسطے اختلاف افراد کا تشخیص اور صنف میں کفایت کرتا ہو یہ
ضرور نہیں ہے کہ صیغہ جمع کا اپنے نیچے جنس وفصل سے مرکبہ انواع کو بھی مستلزم ہو جس سے
مطلق روح کا ماہیت جنسی ہونا ثابت ہو ایسا ہی سونے چاندی کی معدن کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے کہ بعید
ظرف زر وسیم اور لوگ ظرف علوم ہیں صرف اس امر میں ہو کہ جیسا زر وسیم کی معدنوں میں مختلف
استعدادیں ہیں مثلاً معدن زر عمدہ استعداد رکھتی ہو ایسی استعداد معدن سیم میں نہیں اسیطرح لوگ مختلف

جہل صفائی اور کدورت خوش خلقی اور بدخلقی اِن مختلف صفتوں کی جہت سے
مختلف ہی باقی رہیں جن سے اُن کی کثرت سمجھی جاتی ہے بدنوں سے تعلق کے
اوّل یہہ بات نہیں تھی کیونکہ اِن کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں
تھا فصل - پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول
+ خَلَقَ اللہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اور ایک روایت میں عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ

استعدادیں رکھتے ہیں بعض علی حسب مراتب معدنوں کے قابل فیضان آلہی کے ہیں اور
بعض نہیں اور حدیث میں زر وسیم کے ساتھ جو ماہیت میں مختلف ہیں تشبیہہ نہیں دی گئی بلکہ
زر وسیم کی معدنوں کے ساتھ دی گئی ہے جو ماہیت میں متحد اور استعدادوں میں مختلف ہیں -
غرضیکہ اس تشبیہہ سے یہہ امر متحقق ہوتا ہے کہ لوگوں میں مختلف استعدادیں ہیں کوئی ان میں
فیضان آلہی کے قابل ہے اور کوئی نہیں اور بعض شریف ہیں بعض نہیں مگر جاہلیت کے زمانہ
میں جو شریف ہوں زمانہ اسلام میں شریف تب ہی گنے جائینگے جب کہ دین میں انکو سمجھہ حاصل
ہو چنانچہ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا کا جملہ اس پر
دال ہے - پس اس تشبیہہ سے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے جو ایک جوہر بسیط بواسطہ روح حیوانی
مدبر بدن اور مدرک امور اُخروی وحقایق عقلی ہے ماہیت جنسی ہونے پر استدلال پکڑنا یا مطلق
لفظ روح کا روح انسانی وغیرہ میں اشتراک لفظی نہ لینا بلکہ اشتراک معنوی جو بالکل درست متصور
نہیں اس تشبیہہ سے ثابت کرکے اُس کی جنسیت کا قایل ہونا محض خیال باطل ہے کما لایخفی اور
الارواح جنود مجندۃ الحدیث سے صاحب لمعات کا اجسام سے پیشتر ارواح کے موجود ہونے
پر استدلال پکڑنا بھی ضعیف ہے کیونکہ الارواح جنود مجندۃ کے ساتھ قبل الاجسام کی تو قید ہی نہیں
ایسا ہی تعارف مقید بقید قبل الاجسام نہیں اور بغیر اِس قید کے بڑھانیکے معنی حدیث کے بن سکتے ہیں
کما لایخفی پس ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ اُس قید کو بڑھا کر ارواح کا قبل اجسام ہونا ثابت کرنا
حالانکہ دلیل تحقیقی اسکے خلاف پر قایم ہے کمال ضعف سے خالی نہیں - ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ +

+ خلق اللہ آدم علی صورتہ الحدیث کو بخاری ومسلم نے بروایت ابوہریرہ بیان کیا ہے
یہاں صورت سے مراد صفت ہے پس معنی حدیث کی یہہ ہوئی کہ پیدا کیا اللہ تعالی نے

کے کیا معنی ہوئے میں نے جواب دیا کہ صورت ایک اسم مشترک ہے کبھی تو شکلوں کی ترتیب اور بعض شکلوں کو بعض سے ملاتے یا اختلاف ترکیب پر بولتے ہیں یہہ قسم تو صورت محسوسہ ہے اور کبھی ترتیب معانی پر بھی بولتے ہیں جو محسوسہ نہیں اور معانی کے لئے بھی ترتیب اور ترکیب اور باہمی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ مسئلہ کی صورت ایسی ہے اور واقعہ کی صورت ایسی اور علم حسابی کی صورت ایسی ہے اور علم عقلی کی صورت ایسی سو اس حدیث نبوی میں صورت سے صورت معنوی مراد ہے اس میں روح کے ان مناسبات مذکورہ کی طرف اشارہ ہے جن کا خدا کی ذات اور صفات اور افعال کیطرف رجوع اور مآل ہے کیونکہ روح کی حقیقت یہہ ہے کہ وہ بذات خود نہ تو عرض ہے نہ جوہر متحیز اور نہ جسم نہ اس کا کسی جہت اور مکان میں حلول ہے اور نہ وہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل نہ وہ عالم کے جسموں اور بدنوں میں داخل ہے نہ خارج سو یہہ سب کی سب ذات الٰہی کی صفات ہیں اور روح کی صفتیں یہہ ہیں کہ حی اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور متکلم ہے اللہ تعالی میں بھی ایسی ہی صفتیں ہیں اور روح کے افعال یہہ ہیں۔ کہ

آدم کو اپنی صفت پر یعنی عالم متکلم بصیر اور اضافت تشریف کی بھی بیان ہو سکتی ہے جیسا کہ بیت اللہ ناقۃ اللہ میں اور صاحب مجمع البحار وغیرہ کا ایک یہہ احتمال بیان کرنا کہ صورۃ سے صورت آدم، علی صورت الرحمن کی روایت کے منافی ہے کما لایخفی لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِ الرَّحْمٰنِ کی روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ

ابتدا فعل انسان میں ارادہ ہوتا ہے جس کا اوّل اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے کہ وہ ایک بخار لطیف ہے دل کے درمیان سرایت کرکے دماغ کو پہنچتا ہے پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں پھر پٹھوں سے اوتار اور رباطات کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں پھر اُس سے اوتار کھینچے جاتے ہیں تو اُس سے انگلیں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے اور قلم سے سیاہی کو تو سیاہی سے کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی ہے جیسا کہ خزانہ خیال میں متصور رہتی کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اوّل خیال میں متصور نہ ہو کاغذ پر اُس کا لکھنا ممکن نہیں اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور اُس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت کے ذریعہ سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو فرشتوں سے حرکت دلائی تو جان لیگا کہ انسان کا تصرف عالم اصغر یعنی بدن میں ایسا ہی جیسا خالق کا تصرف عالم اکبر میں اور معلوم کرلیگا کہ انسان کا دِل باعتبار اس کے تصرف کے بمنزلہ عرش کے ہے اور دماغ بمنزلہ کرسی کے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو بالطبع اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں یعنے جن کی جبلّی عادت خدا کی اطاعت ہے اور امر کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضا انسان کے بمنزلہ آسمانوں کے ہیں اور

اس کی انگلیوں کی طاقت بمنزلہ طبیعت کے ہے جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جمی ہوئی ہے اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہے کہ جمع اور ترکیب و تفریق کے قبول کرنے کے لئے اصل ہیں اور انسان کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہے اب جو کوئی ان مناسبات کی حقیقت پر مطلع ہوگا تو وہ معنی حدیث نبوی خَلَقَ آدَمَ الخ جان لیگا۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ مَنْ عَرَفَ[†] نَفْسَهُ[‡] فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے کیا معنی ہیں میں نے جواب دیا کہ چیزیں مناسب مثالوں کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں اگر یہہ مناسبات مذکورۃ ہوتیں تو انسان اپنے نفس کی معرفت سے اپنے خالق کی معرفت کی طرف ترقی نہ کر سکتا اللہ تعالیٰ نے جو آدمی کو اس عالم اکبر کا مختصر نسخہ بنایا

[†] حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کو ابن تیمیہ نے موضوع لکھا ہے سمعانی نے لکھا ہے کہ یہہ مرفوع معلوم نہیں ہوتی یحیٰی بن معاذ رازی کا قول ہے نووی نے لکھا ہے کہ اسکا ثبوت حضرت سے نہیں اور اسکے معنی تو ثابت ہیں پس بعضوں نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ من عرف نفسہ بالجہل فقد عرف ربہ بالعلم ومن عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء ومن عرف نفسہ بالعجز والضعف فقد عرف ربہ بالقدرۃ والقوۃ اور کہا ہے کہ یہہ معنی مستنبط ہیں قولہ تعالیٰ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ سے اور امام غزالی کے معنی مراد ناظرین رسالہ پر ظاہر ہی ہیں ۱۲ مفتی شاہدین سلمہ ربہ

[‡] نفس کا لفظ لغت عرب میں کئی معنوں میں مشترک ہے چنانچہ چشم اور ذات اور خون اور وجود کو بھی نفس کہتے ہیں جس پر اصابتہ نفس کا اطلاق اور قولہ تعالیٰ حتی تسلموا علیٰ انفسکم و قول فقہاء ما لا نفس لہ سائلۃ معفو و قول قایل نفس الشیٔ فی اللغۃ وجودہ شاہد ہیں رنگ و بافت چرم و عقوبت وغیرہ کو بھی نفس بولتے ہیں ایسا ہی نفس ناطقہ پر جو مدرک اور عالم اور مخاطب اور معاتب ہے نفس کا اطلاق آتا ہے یہاں ظاہر ایہی مراد ہے جیسا کہ امام غزالی صاحب نے بیان کیا ہے نہ کہ چشم و خون وغیرہ ۱۲ ابوالحسن مفتی شاہدین سلمہ ربہ

چنانچہ وہ اپنے اسباب میں بمنزلہ خدا کے متصرف ہو اگر اس کو اس طرح نہ بنانا تو جہاں اور صفات الٰہی مثل تصرف اور ربوبیت اور فعل اور علم اور قدرت وغیرہ کو نہ پہچانتا اب نفس انہیں مناسبات سے اپنے خالق کی معرفت کا یقیناً آئینہ ہو۔ روح کا مسئلہ جو اوّل بیان ہوا اُس کی معرفت سے بھی اس مسئلہ کا خوب انکشاف ہوتا ہو۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ اگر ارواحیں جسموں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں تو ان حدیثوں کے کیا معنی ہونگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِاَلْفَیْ عَامٍ† وَاَنَا اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ خَلْقًا وَآخِرُھُمْ بَعْثًا‡ وَکُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ میں نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی حدیث روح کے ازلی* اور قدیمی ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے پر یہہ دال ہیں البتہ ظاہر میں

† ابونعیم نے ابی ہریرہ سے دلایل میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بیان کیا ہو مگر بایں الفاظ انی کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث ۱۲ مغنی شاہ اسحٰق

‡ کنت نبیا وآدم بین الماء والطین کو عسقلانی نے قوی اور اس پر زیادتی یعنی کنت نبیا فلا آدم ولا ماء ولا طین کو ضعیف لکھا ہو اور زرکشی نے لکھا ہو کہ اس حدیث کا بایں الفاظ کچھ اصل ہی نہیں لیکن ترمذی میں ہو مَتٰی کُنْتَ نَبِیًّا قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ ۱۲ مغنی شاہ اسحٰق

* افلاطون اور بعض صوفیہ روحوں کے ازلی ابدی ہونے کے قایل ہیں لیکن انکا ازلی کہنا باطل ہو اسلئے کہ بدنوں سے اوّل انکا وجود بطور کثرت باطل ہو کیونکہ مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں جالانکہ کثرت تغایر اور اختلاف کو چاہتی ہو اور بطور وحدت بھی باطل ہو کیونکہ بعد وجود ابدان کے تمام انسانوں کی روح ایک ہونی یا ایک حقیقی کا کثیر ہوجانا صراحتاً باطل ہے پس جب بدنوں سے اول انکا وجود باطل ہوا تو ازلی نہ ہوئیں بلکہ حادث ہوئیں یہی مذہب اکثر صوفیہ اور متکلمین

یہہ حدیثیں جسم سے روح کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ظاہر کا امر آسان ہی کیونکہ اُس کی تاویل ہوسکتی ہی اور دلیل قاطع ظاہر کے سبب چھوڑی نہیں جاتی بلکہ ظاہر کی تاویل کیجاتیگی جیسا کہ اللہ تعالی کے حق میں آیات تشبیہی کی تاویل کیجاتی ہی چنانچہ قولہ صلعم خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بالفی عام کی یوں تاویل ہی کہ ارواح سے ارواح ملائکہ مراد ہی اور اجساد سو اجسام عالم جیسا کہ عرش کرسی آسمان ستارے آگ ہوا پانی مٹی اور جبکہ آدمیوں کے جسم سب کے سب زمین کے جسم کی نسبت چھوٹے ہیں اور زمین کا جسم بہ نسبت آفتاب کے بہت چھوٹا ہی اور آفتاب ایسا چھوٹا ہی کہ اس کو اپنے

اور فقہا اور حکمار اشراقین اور مشائین کا ہی کہ ارواح حادث ہیں اور ابدی - ان کے ابدی ہونے کی آسان دلیل یہہ ہی کہ روح انسانی بدن سے رفع تعلق کے بعد معدوم نہیں ہوتی کیونکہ وہ لحوق عدم کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو شئی لحوق عدم کے قابل نہ ہو لحوق عدم اُس پر محال ہی اور لحوق عدم کی قابلیت نہ رکھنے کی یہہ وجہ ہے کہ اگر روح لحوق عدم کے قابل ہو تو بروقت موجود ہونے کے موجود بالفعل معدوم بالقوہ ہوگی پس اس صورت میں مبدأ فعلیتہ وجود اور ہوگا اور مبدا عدم اور نہیں تو کل باقی ممکن الفساد اور کل ممکن الفساد باقی ہوجائیگا جو صراحتاً باطل ہے - پس جب ہر دو مبدأ باہم متغائر نکلے تو روح کی ترکیب لازم آئی اور روح کا مرکب ہونا تو باطل ہی ورنہ اس کا ایک ہی حالت میں ایک ہی شئی کا عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہی کما مر پس اس کا معدوم ہونا بھی باطل ہو کیونکہ بطلان لازم مستلزم ہی بطلان ملزوم کو پس ثابت ہوا کہ ارواح بشری ابدی ہیں اور قول علیہ السلام کا جس کو مصنف تفسیر عزیزی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہی کہ اِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ وَاِنَّکُمْ تَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ بھی اسی کا موید ہی ۱۲ مفتی شاہدین سلمہ ربہ ۱۲

ع ۱- تحقیق تم پیدا کئے گئے ہو واسطے ہمیشگی کے (البتہ تم) انتقال کرتے ہو ایک گھر سے طرف ایک مکان کے ۱۲

آسمان سے کچھ نسبت ہی نہیں ایسا ہی اُس آسمان کو اپنے اوپر کے آسمان
سے اور اُس کو اپنے اوپر کے آسمان سے علیٰ ہذا القیاس کچھ نسبت نہیں ہے
پھر اُن پر کرسی ہے جس میں سب آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور کرسی
بہ نسبت عرش کے چھوٹی ہے اگر اس میں تو سوچیگا تو آدمیوں کے اجسام کو
حقیر جانکر مطلق لفظ اجساد سے جو حدیث میں وارد ہے آدمیوں کے اجسام
نہیں سمجھیگا ایسا ہی حال ارواح بشری کا ارواح ملائکہ کی بہ نسبت ہے اگر
تجھ پر ارواح ملائکہ کی معرفت کا دروازہ کھلے تو دیکھ لے کہ ارواح بشری
مثل ایک چراغ کی ہیں کہ نار عظیم سے فیضیاب ہے اور نار عظیم ارواح ملائکہ
میں سے روح اخیر ہے اور ارواح ملائکہ باترتیب ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے
مرتبہ میں منفرد ہے ایسا کہ ایک مرتبہ میں دو روحیں ملکی جمع نہیں ہوتیں
بخلاف ارواح بشری کے کہ کثرت سے ہیں اور نوع اور مرتبہ میں باہم متحد
ہیں اور ملائکہ† ہر ایک اُن کا نوع الگ الگ ہے اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالےٰ
کی کلام میں ومَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ
الْمُسَبِّحُوْنَ اور رسول مقبول صلعم کی کلام میں الراکع منھم لا یسجد والقائم
لا یرکع وانہ ما من احد الا ولہ مقام معلوم پس اب ارواح اور اجساد مطلقہ

† ملائکہ ہر ایک اُن کا نوع الگ الگ ہے ارواح ملائکہ بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں بخلاف روح انسانی کے کہ بواسطہ روح حیوانی کے مدبر بدن ہوتی ہیں اسکا ارواح ملائکہ سے امتیاز اور علیحدہ نوع ہونا ثابت ہوتا ہے ایسا ہی نباتات اور معدنیات کے

سے جو حدیث نبوی میں ہی ارواح ملایکہ اور اجسام عالم ہی سمجھے جائینگے اور قول صلعم انا اول الانبیاء خلقا واٰخرھم بعثا کی یہہ تاویل ہی کہ یہاں خلق کے معنی تقدیر کے ہیں ایجاد کے نہیں کیونکہ حضرت اپنی والدہ سے پیدا ہونے کے اول موجود اور مخلوق نہ تھے لیکن فوائد اور کمالات تقدیر میں سابق تھے۔ اور وجود میں لاحق یہہ قول کہ اول الفکر اٰخر العمل بولتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں اس کا بیان یوں ہی کہ مہندس یعنی مستری گھر کا اندازہ کرنے والا پہلے اپنے ذہن میں پورے گھر کی تصویر کا خیال باندھتا ہی سو پورا گھر مہندس کے ذہن میں اندازہ کرنے کے روسے تو سب سے پہلے اور وجود میں سب سے آخر ہوتا ہے کیونکہ اول اینٹوں کا لگانا اور دیواروں کی بنا اور اس کی ترکیب یہہ سب ایک کمال کا وسیلہ ہی وہ گھر ہی جس کے واسطے اسباب کا

دیگر حیوانات کی ارواح سے روح انسانی ماہیت میں مغایر ہی کیونکہ انسانی روح یعنی نفس ناطقہ ہی کو ادراک حقایق عقلی کا ہی اور ارواح انسانی ہی کی اصلاح اور غیر اصلاح سے استحقاق ثواب اور عقاب کا ثابت ہی اور اسی کا تعلق بواسطہ روح حیوانی کے ہی کما مر اور یہہ باتیں دیگر ارواح میں پائی نہیں جاتیں اور یہہ امر ظاہر ہی ہی کہ اختلاف لوازم مستلزم اختلاف ملزومات کو ہوتا ہے پس روح انسانی کے لوازم کے اختلاف سے اس کا دیگر اشیاء کی ارواح سے ماہیت میں مغایر ہونا اظہر من الشمس ہی اگر کوئی یہہ کہے کہ نباتات روح نباتی یعنی قوت نباتی کے سوا کوئی روح مدرک نہیں رکھتے ایسا ہی پتھر وغیرہ بالکل ذی روح نہیں پس معدنیات وغیرہ کی کونسی ارواح ہیں جن سے روح انسانی کا بسبب اختلاف لوازم کے مغایر اور مختلف بالماہیۃ ہونیکے ثابت کرنے کی ضرورت پڑی سو اس کا جواب یہہ ہے کہ شریعت میں حد تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ درختوں اور پتھروں وغیرہ نے نبیوں کے ساتھ کلام اور اُن کے حکموں کی فرمانبرداری کی ہی جس سے

بقدم ہو جب کہ تو نے یہہ معلوم کرلیا پس جان لے کہ خلقت کے بنانے سی یہہ مقصود ہی کہ وہ بارگاہ الہی سے قرب حاصل کرے سو یہہ قرب بدون سمجھائے نبیوں کے نہیں ہو سکتا تھا اسلئے ایجاد سی مقصود نبوت ٹھہری نبوت کا اول مقصود نہیں بلکہ نہایت اور کمال مقصود ہی نبوت کا کمال بموجب عادت الٰہی بتدریج ہوتا ہی جیسا کہ گھر کی عمارت بتدریج کمال کو پہنچتی ہی نبوت کی تمہید پہلے حضرت آدم[۴] سے ہوئی پھر بڑھتی رہی یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال کو پہنچ گئی سو نبوت سے غایت اور کمال مقصود تھا اور پہلی تمہیدیں کمال نبوت کے لئے وسیلہ تھیں جیسا کہ بنیاد کا رکھنا اور دیواروں کا بنانا گھر کے کمال کا وسیلہ ہی رسول مقبول صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں یہی راز ہی کیونکہ کمال پر زیادتی بھی ایک طرح کا نقصان ہی مثلاً پنجے کی کمال شکل یہہ ہی کہ ایک ہتھیلی

صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ بھی روح اور شعور رکھتے ہیں چنانچہ آواز کرنا اور رونا ستون حنانہ کا بسبب مفارقت آنحضرت صلعم کے اور بعد شفقت رسول مقبول صلعم کے اُس کا خاموش ہونا ایسا ہی کوہ حرا کا جب کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اُس پر تشریف رکھتے تھے بطور زلزلہ کے ہلنا اور بعد فرمانے آنحضرت صلعم کے کہ ٹھہر اے اسواسطے کہ تیری پشت پر اور کوئی نہیں مگر پیغمبر اور صدیق اور کئی شہید اُسکا ٹھہر جانا اُس کے ذی روح اور ذی شعور ہونے پر صاف دال ہے اور قولہ تعالیٰ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ اور قولہ تعالیٰ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ سے بھی صاف ظاہر ہی کہ ہر شے میں روح ہے اب جب نباتات اور معدنیات وغیرہ میں بھی روح ثابت ہوئی اور ارواح ملکی کا بھی ثبوت شرع میں وارد ہی اور انکی عبادت کا طرز بھی احادیث میں مذکور ہی چنانچہ طبرانی نے بروایت

اُس پر پانچ انگلیاں ہوں اب جیسا کہ چار انگلیوں کا ہونا ناقص ہے ویسا ہی چھ
انگلیوں کا ہونا ناقص ہی کیونکہ چھٹی انگلی جو کفایت پر زاید ہی اگرچہ صورت
میں زیادتی ہی لیکن حقیقت میں نقص ہی حدیث نبوی میں اسی کی طرف اشارہ
ہی جو حضرت فرماتے ہیں قولہ صلعم مَثَلُ النُّبُوَّةِ مَثَلُ دَارٍ مَعْمُوْرَةٍ لَمْ يَبْقَ
فِيْهَا اِلَّا مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَكُنْتُ اَنَا تِلْكَ اللَّبِنَةُ یہی الفاظ ہیں ان
الفاظ کے یہہ معنی ہیں جب کہ تو نے یہہ معلوم کرلیا کہ حضرت کا خاتم النبیین ہونا
ضروری ہی جس کا خلاف متصور نہیں کیونکہ نبوت حضرت ہی سے نہایت اور
کمال کو پہنچی اور شی کی غایت تقدیر میں اوّل اور وجود میں آخر ہوتی ہی پس
رسول مقبول صلعم تقدیر میں اوّل اور وجود خارجی میں آخر ہوئے اور قولہ
كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہی جو

جابر روایت کیا ہی کہ کوئی اُن میں سے رکوع کرنے والا ہی اور کوئی سجدہ کرنے والا اور کوئی کھڑا
ہے اور کوئی بیٹھا اسی طرح بعض ملائکہ سے خدمات متعلقہ کی اکثر احادیث میں تصریح بھی آئی ہی پس
روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا بسبب اختلاف لوازم کے تغایر نوعی ان تمام ارواح سے ثابت
ہوگا کیونکہ درختوں اور پتھروں کے ساتھ جو روحیں متعلق ہیں وہ مانند ارواح ملائکہ کی بلا واسطہ
روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں لیکن دنیا میں تعلق انکا دائمی طور پر نہیں
نفس قدسیہ کی قوت سے اپنے اپنے اجسام سے جب کبھی انکا تعلق ہوجاتا ہے اُسوقت ان
اجسام سے افعال شعور اور ارادہ کے صادر ہوجاتے ہیں ورنہ نہیں اسی سبب سے ان کو غیر
ذی روح بولدیتے ہیں کیونکہ ہمیشہ ان سے افعال شعور صادر نہیں ہوتے ان دار آخرت میں
تعلق ان ارواح کا اپنے اجسام کے ساتھ دائمی طور پر ہوگا اسی سبب سے وہ اجسام گواہی دینگے
چنانچہ شاخیں اور بیل بہشت کے بہشتیوں کی آواز کا جواب اور اُن کی اطاعت کرینگے بجائے

ہم نے ذکر کیا اسلئے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت کے تمام ہونے سے اوّل ہی تقدیر میں ہی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ اُسکی اولاد میں سے عمدہ شخص چھانٹ لے اور بتدریج یہاں تک چھانٹے کہ کمال صفائی کو پہنچکر محمد صلعم کی روح پاک اور مقدس کو قبول کرے اور یہہ حقیقت نہیں سمجھی جاتی جب تک یہہ نہ سمجھا جاوے کہ مثلاً گھر کے لئے دو وجود ہوتے ہیں ایک تو مستری کے ذہن اور دماغ میں اُسکا وجود ہوتا ہے ایسا کہ اُس کو وہ دیکھ ہی رہا ہے اور ایک وجود ذہن سے خارج یعنی ظاہر میں ہوتا ہے اور وجود ذہنی وجود خارجی ظاہری کے لئے سبب ہوتا ہے اور ضرور اوّل ہی ہوتا ہے ایسا ہی جان لے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اشیاء کی تقدیر کرتا ہے پھر اُن اشیاء کو اُس تقدیر کے موافق پیدا کرتا ہے اور تقدیر تو لوح محفوظ میں نقش ہوتی ہے جیسا کہ مہندس یعنی مستری کی تقدیر تختی یا کاغذ پر نقش ہوتی ہے سو گھر صورت کاملہ انتزاعی کے ساتھ کاغذ پر موجود ہوتا ہے وہ گھر کے وجود حقیقی کے لئے سبب ہوتا ہے اب جیسا کہ

روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے کہ دنیا میں بلا قوت نفس قدسیہ اُسکا تعلق دائمی طور پر ہے اور بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن کے ساتھ تعلق ہوتا اُسکی لوازمات میں سے ہے اور اختلاف لوازم صاف دلیل ملزومات کے اختلاف کی ہے غرضکہ ارواح ملائکہ وغیرہ جو بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اجسام میں تیرا ور متصرف پڑتی ہیں وہ الگ انواع ہیں اور روح انسانی یعنی جوہر مدرک مجرد بواسطہ روح حیوانی وغیرہ بر بدن الگ نوع واحد ہے اور ماہیت میں اُنکے مغائر اور صفات میں اُن سے ممتاز ہے ایسا ہی جنات کی ارواح مع خاص اپنے دخانی و ناری اجسام میں تیرہ و متصرف ہیں بسبب اختلاف لوازم کے نفس ناطقہ کا تغائر ثابت ہے اور دیگر حیوانات کی ارواح سے جو امور اُخروی حقایق عقلی کا ادراک نہیں کر سکتیں روح انسانی کا ممتاز ہونا ظاہر ہے ۱۲

مفتی شاہ دین سلمہ ربہٗ

یہہ صورت مستری کی تختی پر پہلے قلم کے وسیلہ سے نقش ہوتی ہی اور قلم مستری
کے علم کے موافق چلتی ہی بلکہ علم ہی اُسکو چلاتا ہی ایسا ہی امور الٰہیہ کی صورتوں
کی تقدیر لوح محفوظ میں پہلے نقش ہوتی ہی اور لوح محفوظ پر قلم سی نقش ہوتا ہی اور قلم
اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق چلتی ہی لوح سے وہ شی موجود مراد ہی جو صورت
کے نقش کو قبول کرے اور قلم سے وہ موجود مراد ہی جس سے لوح پر صورتوں
کا فیضان ہو اب قلم کی تعریف یہہ ہوئی کہ وہ لوح میں معلومات کی صورت
نقش کرے اور لوح کی حقیقت یہہ ٹھہری کہ اُن صورتوں کا نقش قبول کرے
سو قلم اور لوح کی شرط سے یہہ نہیں ہی کہ وہ دونوں لکڑی اور نرکی ہوں بلکہ
جسم ہونا بھی اُن کی شرط میں سے نہیں پس قلم اور لوح کی ماہیت اور حقیقت میں
جسمیت داخل نہیں بلکہ قلم اور لوح کی حقیقت وہی ہی جو ہم نے ذکر کی اور جو
اُسپر زائد ہی وہ صورت ہی حقیقت نہیں۔ اور یہہ بھی بعید نہیں ہی کہ اللہ تعالیٰ کی
لوح اور قلم اُسکے ہاتھ اور انگلیوں کے لایق ہو ہاتھ اور انگلئیں اس کی ذات
اور الوہیت کے موافق ہوں جسمیت کی حقیقت سی پاک ہو بلکہ یہہ تمام روحانی
جواہر ہیں بعض ان میں متعلم ہیں جیسا کہ لوح اور بعض ان میں معلم جیسا کہ قلم جنانچہ
خدا تعالیٰ فرماتا ہی اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ اب جب کہ تو نے وجود کی دونوں
قسمیں معلوم کرلیں جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے پیشتر
باعتبار وجود اول کے نبی تھے نہ باعتبار دوسرے وجود کے جو حقیقی اور

نمبر ۲ — [illegible]

عینی ہی یہہ روح کے معنوں میں آخیر کلام ہی **فصل** حضرت صلعم فرماتے ہیں ع مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ لفظ قیامت سے قیامت مطلقہ مراد نہیں ہی بلکہ قیامت خاصہ مُراد ہی جس کو ہم نے احیاء علوم الدین کی کتاب صبر کے ابتدا میں تفصیلاً بیان کر دیا ہی اور قیامت مطلقہ وہ ہی جو سب پر شامل ہوگی اور وہ خدا تعالی کے نزدیک وقت مقرّرہ ہی جو خلقت پر کسی بھید کی جہت سے مخفی ہی اُس بھید کو خدا تعالی ہی جانتا ہی اگرچہ سب وقت برابر ہیں لیکن بعض وقتوں کے ساتھ وجود کی بعض قسموں کے مختص ہونے کو عقل جائز رکھتی ہی متکلمین کے مذہب کے روسے خدا کے ارادہ پر موقوف ہی جیسا کہ بعض وقتوں میں عالم کا پیدا کرنا خدا کے ارادہ پر موقوف ہی حالانکہ قدرت اور ذات کی نسبت تمام وقت برابر ہیں فلسفیوں کے مذہب کے موجب بھی قیامت مطلقہ کا محال ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فلسفی متفق ہیں کہ حادث چیزوں کے مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور انکے دور مختلفہ ہیں اسیواسطے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں یہہ ضرور نہیں ہی کہ ہر دورے اور گردش کے ساتھ اِسکا پچھلا اور پہلا دورا ہم مثل ہی ہو اور دوروں کا ہم مثل ہونا اُنکے مذہب کے روسے ضعیف ہی بلکہ جائز ہی کہ ایک دورا ایسا پیدا ہو کہ اس کی نظیر نہ اوّل ہوئی ہو نہ اسکے بعد ہو اسی لئے کبھی بعض دوروں میں جانور ایسی عجیب شکلوں کے پیدا ہوتے ہیں کہ کبھی ویسے ہوے ہی نہیں

اور یہہ بھی کچھہ بعید نہیں ہے کہ دورے آسمانی تو باہم مناسب ہوں اور شکلیں جو اُن کی تربیت سے حاصل ہیں مختلف ہوں مثلاً پانی میں جو ہم نے ایک پتھر پھینکا تو اُس پانی میں ایک شکل مستدیر پیدا ہوگی۔ اگر ہم ویسا ہی ایک اور پتھر پہلی حرکت کے منقطع ہونے کے اوّل ہی پھینکیں تو یہہ لازم نہیں آتا کہ پانی کی شکل دوسری حرکت کے بعد اوّل حرکت کی مثل ہی ہو کیونکہ پہلا پتھر تو ٹھہرے ہوئے پانی میں پڑا اور دوسرا پتھر متحرک پانی میں سو جو دوسرے پتھر نے متحرک پانی میں شکل پیدا کی ہے یہہ اُس شکل کے برخلاف ہوگی جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوئی تھی یہاں باوجود مساوات اسباب کے شکلیں مختلف ہوگئیں کیونکہ پہلی کا پچھلی کے ساتھ کچھہ اثر مل گیا اسلئے محال نہیں ہے کہ ایک دور معین ایک ایسی طرح کے وجود اور ابداع کا مقتضی ہو جو پہلی طرح کے مخالف ہو یہہ بھی محال نہیں ہے کہ اُس کا وجود بدیعی ہو جو اس کی نظیر سابق میں نہ گذری ہو اور یہہ بھی محال نہیں ہے کہ اُس کا حکم باقی رہے اور دور پہلا جو منسوخ ہوچکا ہے اُس کی مثل اُس کو لاحق نہ ہو سو اس قسم کا وجود جو ابداع یعنی بلا سبق نظیر سے حاصل ہوا ہے اپنی جنس میں باقی رہے اگرچہ اُسکے احوال خاص بدلتے رہیں سو قیامت کی میعاد یہی شکل ہوئی جو پہلی شکلوں کی رو سے عجیب و غریب ہے اور یہہ ہی تمام روحوں کے جمع ہونے کا سبب کلی ہے جو اُس کا حکم سب روحوں پر عام ہوگا اب قیامت کا آنا ایسے وقت کے ساتھ مخصوص ہوا جس کی پہچان قوی بشری سے نہیں

ہوسکتی اور نہ انبیا سے ہوسکتی ہے کیونکہ انبیا کو بھی کشف بقدر استعداد ہوتا ہے
جب کہ قیامت کے محال ہونے پر کوئی دلیل کلامی اور فلسفی قائم نہیں اور شریعت
میں اس کا صراحتًا ثبوت ہے تو اب اسپر یقین کرنا واجب ہے اور شک کرنا نہیں
چاہیئے **فصل** جو شخص کہتا ہے کہ قوام روح کا بغیر بدن کے نہیں ہوتا وہ اگر
قبر میں جسم کے ساتھ روح† کے تعلق اور پھر روح اور جسم میں مفارقت اور قیامت
میں پھر تعلق ہونے کا انکار کرے تو اس کا انکار باطل ہے کیونکہ روح کا قوام بغیر
بدن کے مشکل نہیں ہے بلکہ بدن کے ساتھ تعلق اسکا مشکل ہے کہ بدن سے کیونکر
متعلق ہوئی حالانکہ روح کا بدن میں حلول نہیں جیسا کہ عوارض کا جوہر میں اسلیے کہ
وہ عرض نہیں ہے بلکہ وہ تو جوہر بذاتِ خود (یعنی بلا قیام بالغیر) موجود ہے اور اپنی
ذات اور صفات سے اپنے خالق اور اُس کی صفات کو پہچانتی ہے اور وہ اس پہچاننے
میں کسی حس کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کو اُس نے پہچانا ہے وہ

---

† روح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے ایک تعلق جنین کی حالت میں یعنی شکم مادر میں بعد چار ماہ کے نطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی حاصل ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو اُس سے متعلق کرتا ہے۔ دوسرا تعلق شکم مادر سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت اُس وقت تعلق روح کے زیادہ آثار ظاہر ہوتے ہیں تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے۔ چوتھا تعلق عالم برزخ میں کیونکہ اس عالم میں اگرچہ مفارقت ہوتی ہے مگر مفارقت کلی نہیں ہوتی کہ بالکل بدن کی طرف اُس کو التفات ہی نہ ہو۔ پانچواں تعلق بروز قیامت کہ کامل وجہ پر ہوگا ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہٗ

محسوس نہیں۔ انسان تعلق بدن کی حالت میں قادر ہی کہ اپنے نفس کو تمام محسوس چیزوں سے غافل کرے یہاں تک کہ آسمان اور زمین سے بھی سو اس حالت میں اپنی ذات اور اسکے حدوث اور خالق کی طرف اُسکے محتاج ہونیکو جانتا ہی حالانکہ کسی محسوس چیز کا اسکو شعور نہیں ہوتا سو بغیر شعور محسوسات کے اُس نے اپنی ذات کو پہچانا۔ چنانچہ ابتدا ر تصوّف میں صوفی کو ہمیشہ اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنا اُس حالت میں پہنچاتا ہی کہ اُسکے ذہن میں تمام ماسوائے اللہ غائب ہو جاتا ہی بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہی اور اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی محسوس اور معقول کا شعور نہیں ہوتا ہی اور اس شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہوتا ہی کیونکہ شعور کے شعور میں بھی خدا سے غفلت لاحق ہوتی ہی پس جو حق کی معرفت کے لئے مجرد ہوا بدن اور قالب کی طرف کیوں محتاج ہوگا اور جسم سے کیوں بذات خود مستغنی ہوگا جو حواس کا مرکب ہی اور محسوسات کو ہی دیکھتا ہی جس نے روح کی حقیقت اور اُس کا بذات خود قوام معلوم کرلیا اُسکو روح کا جسم سی الگ ہونا مشکل معلوم نہیں ہوگا بلکہ روح کا جسم سے اتصال مشکل معلوم ہوگا یہاں تک کہ جان لے کہ اتصال کے یہی معنی ہیں کہ جسم میں تاثیر اور تصرف اور حرکت روح ہی سے ہی جیسا کہ انگلیوں کی حرکت ارادہ کے حرکت دینے سی معلوم کرلیتا ہی حالانکہ اُس کو یقین ہی کہ ارادہ انگلیوں میں نہیں ہی لیکن جسم اس کا مسخر ہی سو اس

تسخیر کا پیدا ہونا اور زائل ہونا اور رجوع کرنا جائز ہی اور عقل اِن میں سے کسی کو محال نہیں جانتی جائز ہی کہ اِس کے رجوع اور زوال کے لئے اسباب ملکی اور فلکی اور نفسی ہوں جن کو قوت بشری احاطہ نہیں کرسکتی سو ایسی وجہ پر شریعت میں روح کا جسم سے الگ ہونا اور پھر عود کرنا جو وارد ہوا ہی اُس کی تصدیق واجب ہی

فصل † میزان پر ایمان واجب ہی کیونکہ جب نفس کا قوام بذاتِ خود اور اُسکا جسم سے مستغنی ہونا ثابت ہوا پس وہ نفس اشیا کے کشف حقایق کی بذات خود استعداد رکھتا ہی اور موت کے بعد اُس کا حجاب کھل جائیگا اور حقایق اشیا اس کو معلوم ہوجائینگی اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی فَکَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ جن چیزوں کا اُس کو کشف ہوگا وہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور بُعد میں اُس کے اعمال کی تاثیریں اور اُن کے آثاروں کی مقادیر ہونگی اگرچہ اُن آثار میں بعض تاثیریں بہ نسبت بعض کے زیادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ قادر ہی کہ ایک ایسا سبب پیدا کر دے کہ جس سے خلقت ایک لحظہ میں

---

† خدا تعالیٰ کو اختیار ہی کہ میزان حقیقی کو بروز قیامت ترازو مشہور کی صورت پر متمثل کر کے اور اعمالناموں کو یا اعمال حسنہ وسیہ کو مجسم کر کے اُس میں وزن کر دکھائے یا میزان حقیقی کو کسی اور شکل حسی یا خیالی پر ظاہر فرمائے جس سے ہر ایک نفس کو اپنے اعمال کی تاثیریں اور اونکے آثاروں کا اندازہ معلوم ہوجاے۔ پس جب شرع میں اس کا ثبوت ہی۔ چنانچہ قولہ تعالیٰ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا اِس پر صراحتاً دال ہی اور عقل کے روسے امکان اِسکا ظاہر ہی اِسلئے تصدیق میزان کی واجب ہی۔ مفتی شاہ دین بسلمہ ربہ؟

قرب اور بُعد میں اپنے عملوں کی تاثیر کے مقدار معلوم کر لے سو میزان کی
تعریف یہہ ٹھہری کہ وہ ایک شی ہے جس سے زیادتی اور نقصان کا فرق معلوم
ہو اور عالم محسوس میں اسکے لئے مثالیں مختلف ہیں ایک تو ان میں سے ظاہر
میں ترازو مشہور ہے جس سے اشیاء ثقیلہ وزن کرتے ہیں اور ایک اسطرلاب*
ہے آسمان کی حرکت اور وقت معلوم کرنے کے لئے اور ایک اُن میں سے مسطر ہے
جس سے خطوں کی مقدار معلوم ہوتی ہے اور ایک اُن میں سے علم عروض ہے حروف
کی حرکتیں معلوم کرنے کے لئے ایک ان میں سے علم موسیقی ہے جس سے آوازن
کی حرکات کے مقدار معلوم ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جو خلقت کے لئے
میزان حقیقی متمثل کرے گا اُس کو اختیار ہے چاہے ان میزانوں میں
سے کسی کی صورت پر متمثل کرے یا اور کسی صورت پر اور میزان کی حقیقت
اور ماہیت ان تمام میزانوں میں موجود ہے وہ حقیقت یہہ ہے کہ جس سے زیادتی
اور نقصان معلوم ہو اور اُس کی صورت شکل کے وقت حس میں اور تمثیل کے
وقت خیال میں موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے خواہ میزان حقیقی کو
شکل حسی پر بناوے یا تمثیل خیالی پر اُس کی قدرت بڑی ہے ان سب پر ایمان
واجب ہے **فصل** حساب کی تصدیق واجب ہے کیونکہ حساب سے مراد مختلف

* اسطرلاب کے ذریعہ سے آفتاب و دیگر ستاروں کا ارتفاع اور صبح و شفق کی ساعات اور طالع وقت اور طالع سال گذشتہ سے طالع سال مستقبل کا معلوم کرنا اور تعدیل النہار وطلوع وغروب وسمت وغیرہ امور کی معرفت حاصل کیجاتی ہے ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

مقداروں کا جمع کرنا اور انکی حد و نہایت معلوم کرنی ہی اور کوئی انسان ایسا نہیں ہی جس کے واسطے مختلف عمل نفع دینے والے اور ضرر دینے والے رحمت خدا سے قریب کرنیوالے اور بعید کرنیوالے نہ ہوں اور اُن کا مجموعہ بعد تفصیل معلوم نہیں ہوتا جب تک اُس کے مختلف افراد کا حصر نہ کیا جاوے جب متفرقات کا جمع اور حصر کیا گیا وہی حساب ہی یہہ تو معلوم ہی ہی کہ اللہ تعالےٰ قادر ہی کہ مختلف اعمال اور اونکے آثار کی حد و نہایت ایک لحظہ میں ظاہر کر دے کیونکہ وہ بہت جلد حساب کرنیوالا ہی

فصل شفاعت پر ایمان واجب ہے†

شفاعت سے ایک نور مراد ہی جو بارگاہ آلہی سے جوہر نبوت پر چمکیگا پھر جوہر نبوت سے اُن جواہر پر چمکیگا جن کی جوہر نبوت کے ساتھ مناسبت مضبوط ہوگی بسبب زیادتی محبت یا بسبب زیادتی اداے سنت یا بسبب کثرت ذکر کے

---

† شرع میں شفاعت کا ثبوت قولہ تعالی یَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا و دیگر آیات و احادیث کثیرہ سے ہوتا ہی جس کی پانچ قسمیں ہیں اول تعجیل حساب کے لئے شفاعت عامہ جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائینگے دوسرے بعض لوگوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کرانا یہہ بھی آنحضرت صلعم کے حق میں وارد ہی تیسرے مومنین سے اس قوم کے لئے جو مستوجب دخول نار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جنکو خدا تعالیٰ چاہے دخول نار سے بچانیکی شفاعت فرمائینگے چوتھے گنہگار مومنوں کے لئے دوزخ سے نکالنیکی شفاعت جو آنحضرت صلعم اور ملائکہ و دیگر مومنین کرینگے جیسا کہ اکثر احادیث مین وارد ہی پانچوین بہشتیوں کی ترقی درجات کیلئے شفاعت ہوگی اور جب کہ کفار کی نسبت بسبب عدم ایمان کے نہ تو بارگاہ آلہی کے ساتھ مضبوط ہی اور نہ جوہر نبوت کے ساتھ پس نور بارگاہ آلہی سے ان پر نہ بلا واسطہ چمکیگا اور نہ بواسطہ جوہر نبوت اسلئے بروز قیامت عذاب سے انکو رہائی نہیں ہوگی اور نہ اونکے حق مین کسیکی شفاعت مقبول ہوگی چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہی فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ) اور فرماتا ہی مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۱۲ مفتی شاہ دین رحمۃ اللہ

جو دروو کے ساتھ ہو اس کی مثال نور آفتاب جیسی ہو کہ جب وہ نور پانی پر پڑے
تو اُس سے دیوار کی ایک خاص جگہ پر عکس پڑتا ہو تمام دیوار پر نہیں پڑتا عکس
پڑنیکے لئے وہ جگہہ خاص اسواسطے ہوئی کہ پانی میں اور اُسس جگہہ میں وضع
کے روسے ایک طرح کی مناسبت ہے وہ مناسبت دیوار کے باقی اجزا میں
نہیں ہو اور دیوار کی جگہ انعکاس کے لئے خاص وہ ہو گی کہ جب اُس جگہ خاص
سے ایک خط اُس پانی کی جگہ تک کھینچا جائے جس جگہ پر نور آفتاب کا واقع ہوا
ہو تو اس سے زمین کی جہت میں ایک ایسا زاویہ پیدا ہو کہ وہ اُس زاویہ کے
مساوی ہو جو پانی میں قرص آفتاب کی طرف خط کھینچنے سے پیدا ہوا ہے
اس طرح پر کہ نہ تو اُس سے بڑا ہو اور نہ اُس سے چھوٹا یہہ بات تو ایک جگہ
خاص میں ہی ہو گی اب جیسا کہ مناسبات وضعی انعکاس نور کے مختص ہونیکو چاہتی
ہیں ایسا ہی مناسبات معنویہ عقلیہ جواہر معنوی میں انعکاس نور کے اختصاص کی
مقتضی ہیں جس شخص پر توحید غالب ہو گی اس کی مناسبت تو بارگاہ الٰہی
کے ساتھ مضبوط ہو گی اُس پر نور بارگاہ الٰہی سے بلا واسطہ چمکیگا اور جس شخص
پر رسول مقبول صلعم کے سنن اور اقتدا اور اُن کے اتباع کی محبت غالب
ہو گی اور ملاحظہ وحدانیت میں اُسکا قدم مضبوط نہیں ہوا اُس شخص کی محبت
تو واسطہ ہی کے ساتھ مضبوط ہوئی سو نور کے حاصل کرنے میں وسیلہ کا
محتاج ہو گا جیسا کہ دیوار آفتاب سے محجوب ہو پانی کے واسطہ کی محتاج ہے

جو آفتاب کے سامنے ہے ایسا ہی دُنیا میں شفاعت ہوتی ہے مثلاً ایک وزیر جو
بادشاہ کے نزدیک معتبر اور اس کی عنایت کے ساتھ مخصوص ہے پس بادشاہ
جو اُس وزیر کے بعض دوستوں کے گناہ معاف کرتا ہے تو یہہ معاف کرنا کچھ
بادشاہ اور وزیر کے دوستوں میں مناسبت کی جہت سے نہیں بلکہ اسلئے
ہے کہ وہ دوست وزیر کے وزیر کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور وزیر بادشاہ
کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے پس بادشاہ کی عنایت اُن پر وزیر کے ذریعہ سے
ہوئی نہ اُن کی جہت سے اگر وزیر کا واسطہ نہوتا تو بادشاہ کی عنایت اُن پر
نہوتی کیونکہ بادشاہ وزیر کے دوستوں اور اُن کے اختصاص کو اسی سبب
سے جانتا ہے کہ وزیر اُن کی تعریف اور اُن کی معافی میں اظہار رغبت کرتا ہے
سو تعریف میں اس کے تلفظ اور اظہار رغبت کو مجازاً شفاعت کہتے ہیں
کیونکہ درحقیقت شفیع تو بادشاہ کے نزدیک اُس کا رتبہ ہے الفاظ تو اظہار
غرض کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو تعریف سے مستغنی ہے اگر بادشاہ اونکا
اختصاص وزیر کے درجہ کے ساتھ جانتا تو شفاعت میں بولنے والے کی
اُس کو کچھ حاجت نہوتی اور معافی شفاعت بلا نطق کے ساتھ ہوتی اللہ تعالیٰ
تو اختصاص کو جانتا ہے اگر نبیوں کو شفاعت میں اُن کے کلمات کے
تلفظ کا جو خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں اِذن بھی دیگا تو اُن کے الفاظ جیسے شفیعوں
ہونگے اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کی حقیقت کو ایسی مثال کے ساتھ جس

اور خیال میں آسکے متمثل کرنا چاہیگا تو وہ تمثیل الفاظ کے ساتھ ہوگی جو شفاعت میں مستعمل ہیں اور احادیث میں جو وارد ہے کہ جو چیزیں رسول مقبول کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ رسول مقبول صلعم پر درود[†] کا بھیجنا یا آنکی قبر مقدس کی زیارت کرنی یا موذن کا جواب دینا یا اذان کے پیچھے حضرت کے لئے دعا مانگنی اور سوا اسکے ان سب چیزوں سے آدمی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت میں نور کا انعکاس بطریق مناسبت ہوگا کیونکہ یہہ سب چیزیں مذکورہ رسول مقبول صلعم کے ساتھ علاقہ محبت اور مناسبت کو مضبوط کرتی ہیں

فصل بلصراط[‡] پر ایمان لانا برحق ہے یہہ جو کہا

---

† فرمایا حضرت صلعم نے مَنْ صَلَّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ احمد بروایت رویفع رض اور فرمایا مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ابن ابی الدنیا بروایت ابن عمر رض بسند ضعیف اور فرمایا آنحضرت صلعم نے مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بخاری بروایت جابر بن عبد اللہ رض ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

‡ بلصراط کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتا ہے قولہ تعالیٰ فَاھْدُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ یعنی پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کے اور کھڑا رکھو انکو ان سے پوچھنا ہے اور اکثر معتزلہ کہ اس خدشے کا جواب کہ جیسا سپر ممکن نہیں اور اگر ممکن ہو تو مومنین کے لئے عذاب ہے یہہ ہے کہ اس پل کا ممکن ہونا اور اس پر گذر جانا کچھ دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ جو واجب تعالے اس بات پر قادر ہے کہ پانی پر چلاتا ہے اور پرندوں کو ہوا میں اڑاتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ایسا پل بنا دے اور آدمی کو اوسپر چلا دے اور مومنین کے لئے اوسپر چلنا سہل کر دے پس جب عقل کے رو سے اسکا امکان ثابت ہوا اور شریعت میں صراحتًا ثبوت ہے اسلئے اس کی تصدیق واجب ہوئی ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ

جاتا ہی کہ پُلصراط باریکی میں بال کی مانند ہی یہہ تو اُس کی وصف میں ظلم ہی بلکہ وہ تو بال سے بھی باریک ہی اس میں اور بال میں کچھہ مناسبت ہی نہیں جیسا کہ باریکی میں خط ہندسی کو جو سایہ اور دہوپ کے مابین ہوتا ہی نہ سایہ میں اُسکا شمار ہی نہ دہوپ مین بال کے ساتھہ کچھہ مناسبت نہیں پُلصراط کی باریکی بھی خط ہندسی کی مثل ہے جسکا کچھہ عرض نہیں کیونکہ وہ صراط مستقیم کی مثال پر ہی جو باریکی میں خط ہندسی کی مثل ہی اور صراط مستقیم اخلاق متضادہ کے وسط حقیقی سی مراد ہی جیسا کہ فضول خرچی اور بخل میں وسط حقیقی سخاوت ہی۔ تہور یعنی افراط قوت غضبی اور جبن یعنی بزدلی میں شجاعت[†] اسراف اور تنگی خرچ میں وسط حقیقی میانہ روی ہی تکبر اور غایت درجہ کی ذلت میں تواضع۔ شہوت اور خمود میں عفت[‡] کیونکہ ان صفتوں کی دو طرفین ہیں ایک زیادتی دوسری کمی وہ دونوں ہی مذموم ہیں افراط اور تفریط کے مابین وسط وہ دونوں طرفوں کی نہایت دوری ہی اور وہ وسط میانہ روی ہی نہ زیادتی کی طرف میں ہی اور نہ نقصان کی طرف میں جیسا کہ خط فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہی نہ سایہ میں سے ہے نہ دھوپ میں سے

[†] شجاعت اعتدال غضب کا نام ہی اس طرح پر کہ انسان اُن کاموں کو اختیار کرے جو شریعت کے رو سے مفید اور نیک ہیں اور غضب کے افراط کا نام تہور ہی وہ یہہ ہے کہ انسان بے موقع جرأت کرے اور غضب کی تفریط یعنی کمی کو جبن کہتے ہیں وہ بجا ڈرنا ہے ۱۲

[‡] عفت اعتدال شہوت کو کہتے ہیں اس طور پر کہ جن چیزوں کا شریعت میں اذن ہے اُن چیزوں پر نفس اُبھرے شہوت کی زیادتی کو فجور کہتے ہیں وہ لذات نامشروعہ اور گناہوں کا اختیار کرنا ہی شہوت کی کمی کو خمود کہتی ہیں اور وہ یہہ ہی کہ لذات مشروعہ اور طیبات مرغوبہ سے نفس کو انقباض ہو

اس مسئلہ کی تحقیق یہہ ہے کہ انسان کا کمال فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہونیمیں ہے
اور فرشتے تو ان اوصاف متضادہ سے بالکل الگ ہیں اور انسان کو ان اوصاف
متضادہ سے بالکل الگ ہونیکی طاقت نہیں اسواسطے وسط کا مکلف ہوا
وہ وسط انفکاک یعنی الگ ہونیکے مشابہ ہے اگرچہ حقیقت میں الگ ہونا
نہیں جیسا کہ نیمگرم پانی نہ گرم ہے نہ سرد اور عود کا رنگ نہ سیاہ ہے نہ سفید
سو بخل اور فضول خرچی انسان کی صفتیں ہیں میانہ روان دونوں صفتونمیں سخی
ہے کہ نہ تو وہ بخیل ہے نہ فضول خرچ اور صراط مستقیم دونوں طرفوں کے مابین خلق متوسط
کا نام ہے جو کسی طرف مائل نہیں وہ بال سے زیادہ باریک ہے اور جو چیز دونوں
طرفوں سے نہایت دوری کو چاہے اُس کو وسط پر ہی ہونا چاہئے مثلاً
ایک لوہے کا حلقہ آگ میں تپایا ہوا ہے ایک چیونٹی اس میں گرے جو بالطبع
حرارت سے بھاگتی ہے اب وہ چیونٹی مرکز پر ہی ٹھہریگی کیونکہ محیط گرم یعنے
حلقہ گرم سے غایت دوری پر وسط مرکز ہی ہے وہ مرکز ایک نقطہ ہے جس کا
کچھہ عرض نہیں پس صراط مستقیم طرفین کا وسط ہوا جس کا کچھہ عرض نہیں اور وہ بال
سے زیادہ باریک ہے اسواسطے اُس پر ٹھہرنا قدرت بشری سے خارج ہے
پس ہر شخص کو آگ پر وارد ہونا بقدر میل ضروری ہوا جیسا کہ اللہ تعالے
فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور اسیواسطے اللہ تعالے نے فرمایا ہے
وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ کیونکہ

دو عورتوں کی محبت میں عدل اور درجہ متوسط پر ایسا ٹھہرنا کہ دونوں عورتوں میں سے کسی کی طرف میلان زیادہ نہ ہو کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ تو نے یہہ بات سمجھ لی تو جان لے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے قیامت میں صراط مستقیم کو خط ہندسی کی طرح جس کا کچھ عرض نہیں مثل کریگا تو ہر انسان سے اُس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہو گا پس جس شخص نے دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت کی اور افراط و تفریط یعنی زیادتی اور کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میں میلان نہ کیا وہ اس پلصراط پر برابر گذر جائیگا اور کسی طرف کو نہ جھکیگا کیونکہ اُس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی سو یہہ اُس کی وصف طبعی بن گئی اور عادت پانچویں طبیعت ہوتی ہے سو پلصراط پر برابر گذر جائیگا اور ثبوت پلصراط قطعی حق ہے جیسا کہ شریعت میں وارد ہوا ہے **فصل** تو نے جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُسکے رسولوں اور دِن آخرت پر ایمان لانیکی دلیل پوچھی سو نہ پہچاننے والے کے لئے تو اس میں کلام طویل ہے اور پہچاننے والے کے لئے مختصر ہے کیونکہ جب تو نے معلوم کر لیا کہ تو حادث[۱] یعنی نو پیدا ہے

[۱] تو حادث اسی طرح کل افراد عالم کے حادث ہیں کیونکہ عالم متغیر ہے اور کل متغیر حادث ہوتا ہے جب حادث یعنی نو پیدا ہوا تو حادث کرنیوالے کا محتاج ہوا اور حادث کرنیوالا خود حادث نہیں ہو گا بلکہ واجب الوجود ہو گا کیونکہ اگر حادث ہو تو وہ بھی کسی پیدا کرنیوالے کا محتاج ہو گا اور وہ دوسرا تیسرے کا یہاں تک کہ یہہ تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور

اور یہہ بھی معلوم کر لیا کہ جو حادث ہی پیدا کرنے والے سے مستغنی نہیں ہوتا اس سے اللہ تعالی پر ایمان لانے کی دلیل تجھ کو حاصل ہو گئی اور یہہ دو معرفتیں بہت قریب الفہم ہیں ایک تو یہہ کہ تو حادث ہی اور دوسرا یہہ کہ حادث خود پیدا نہیں ہوتا اور جب کہ تونے اپنے نفس کو پہچانا کہ تو ایسا جوہر ہی کہ اللہ تعالی کی معرفت اور غیر محسوس چیزوں کی پہچان تیرا خاصہ ہے اور بدن تیری ذات کے لئے قوام نہیں اور بدن کا معدوم اور منہدم ہونا تجھ کو معدوم نہیں کریگا اب تونے یوم آخر یعنی قیامت کو دلیل کے ساتھ معلوم کر لیا کیونکہ کلام مذکورہ سے یہی ثابت ہوا کہ تیرے لئے دو یوم ہیں ایک یوم حاضر ہی جس میں تو جسم کے ساتھ مشغول ہی اور ایک یوم آخر ہی جس میں تو اس جسم سے الگ ہوگا اسلئے کہ جب تیرا قوام جسم کے ساتھ نہیں ہی اور تونے موت کے ساتھ اس جسم کی مفارقت کی سو یوم آخر ہو گیا اور جب معلوم کر لیا کہ تونے جسم کی مفارقت سے محسوس چیزوں کی مفارقت کی اب تو یا خدا تعالی کی

جو شی متسلسل ہوتی ہی اس کا حاصل ہونا محال ہی اگر حاصل ہو تو خلاف مفروض لازم آتا ہی جو باطل ہے کیونکہ اگر بے نہایت حاصل ہو تو وہ معروض للعدد ہوگا اور ہر عدد قابل تضعیف ہی جس سے معروض للعدد کا قابل تضعیف ہونا ظاہر ہے پس جب اس کی تضعیف ہوگی تو اس کا دوچند اس سے زائد ہوگا اور زاید کی زیادتی بعد انتہا کم کے نکلا کرتی ہے جب بے نہایت تسلسل مفروضہ کم ہو تو منتہی ہوا جب منتہی ہوا تو بے نہایت نہ ہوا حالانکہ اسکو بے نہایت لیا تھا پس ضرور ہوا کہ عالم کا پیدا کرنیوالا ممکن الوجود اور حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا وہی خدا تعالی کی ذات ہی جس پر ایمان لانا واجب ہی ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ

معرفت کے ساتھ منعم رہیگا جو تیری ذات کا خاصہ ہو اور بمقتضای طبع اصلی
کے تیری لذتوں کا منتہا ہو بشرطیکہ طبیعت کو شہوات کی طرف میلان نہ ہو
اور یا اللہ تعالیٰ سے جو باعتبار طبع اصلی کے تیری خواہشوں کا منتہا ہے
حجاب کے ساتھ معذب رہیگا جو مابین تیرے اور تیری مراد کے حائل ہوگا
اور تجھے معلوم ہو کہ معرفت کے اسباب ذکر و فکر اور غیر اللہ سے اعراض
کرنا ہو اور جو مرض خدا تعالیٰ کی معرفت سے مانع ہو اُس کا سبب شہوتیں
اور دنیا کی حرص ہے اور یہہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ قادر ہو کہ اپنے عام
بندوں کو کشف کیواسطے سے معرفت نہ دے جیسا کہ اپنے خاص بندوں
کو دی ہو اور یہہ بھی تجھکو معلوم ہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یعنے اپنے
خاص بندوں کو کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اب تجھکو رسولوں[†] کی معرفت

[†] انبیا علیہم السلام کے باب میں فرقہ براہمہ کا خلاف ہو کیونکہ یہہ فرقہ اس بات کا قایل ہو کہ انبیا کے بھیجنے میں عقل کے ہوتے کچھ فایدہ نہیں ہم کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام معلوم نہیں ہوتے جو آخرت میں موجب نجات ہیں اور نہ مستقل طور پر اعمال نیک و بد پر ثواب و عذاب کی تفصیل عقل معلوم کرسکتی ہے اسی طرح کبھی بعض افعال کے نیک ہونے اور کبھی بد ہونے کو عقل بلا واسطہ انبیا کے معلوم نہیں کرسکتی اسلئے ہماری بہبودی دینوی و نجات اُخروی کے حاصل کرنے کے لئے انبیا علیہم السلام کا جن کو خدا تعالےٰ نے بلا واسطہ کسی دیگر انسان کے صرف کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اور تصدیق نبوت کیلئے معجزات عطا فرمائے مفید ہونا اظہر من الشمس ہے جب مفید ہونا ظاہر ہے اور معجزات سے انکی تصدیق ثابت ہو پس نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے ۱۲ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؎

دلیل کے ساتھ حاصل ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ انبیا علیہم السلام کو معرفت
الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ ہوتی ہے جو الفاظ اور عبارتیں اُن کو وحی کے
وسیلہ سے سُنائی جاتی ہیں خواہ سوتے ہو خواہ جاگتے اب اس سے تجھ کو
خدا کی کتاب پر ایمان حاصل ہو گیا۔ اور جب تو نے اس بات کو معلوم
کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال دو قسم پر منقسم ہیں ایک وہ افعال ہیں جنکو بلا واسطہ
کیا اور ایک وہ جن کو واسطے سے کیا اور اس کے وسایط کے مراتب
مختلف ہیں وسایط قریبہ تو مقربین ہیں جن کو ملائکہ[+] کہتے ہیں اور ملائکہ کی معرفت
دلیل کے رو سے نہیں ہو سکتی اور اس میں کلام طویل ہے اور رسولوں کا
صدق جو تو نے دلیل کے ساتھ معلوم کر لیا اُن کی خبر ہی ملائکہ کے صدق
کے لئے کافی ہے اسپر اکتفا کر کیونکہ یہ بھی ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ

[+] فلسفیوں کا عقیدہ ملائکہ کے بارہ میں بالکل باطل اور خلاف شرع ہے کیونکہ اول تو وہ جواہر مجردہ یعنی عقول عشرہ کو دس میں منحصر کرتے ہیں دوسرا اُن کا تعلق ایجاد کا لیتے ہیں باری تعالیٰ سے عقل اول کا صدور بالایجاب لیکر فلک اول اور عقل ثانی کے لئے اُس کو موجد ٹھہراتے ہیں اور عقل ثانی کو فلک ثانی اور عقل ثالث کا موجد کہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس دس عقلیں ثابت کرتے ہیں عقل عاشر کو جس کو عقل فعال بھی کہتے ہیں ماتحت فلک قمر کے لئے موجد لیتے ہیں جس پر بہت سے دلائل ردی انہوں نے بیان کئے ہیں کما لا یخفی اور ابن حزم نے ملائکہ کو ارواح بلا اجسام لیا ہے اور متکلمین نے نورانی اجسام کہا ہے صحیح قول یہی ہے کہ ملائکہ اجسام نورانی ہیں اصل خلقت ان کی بنی آدم کی صورت پر نہیں کیونکہ آدم کی صورت تمام مخلوقات کی صورت سے نرالی اور بہت اچھی صورت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اسپر شاہد ہے آیت کلام اللہ سے رسل ملائکہ کی شکل

ہے یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات فصل

لذتیں محسوسہ جن کا جنت میں ملنے کا وعدہ ہے جیسا کہ حوریں اور کھانے پینے
اور پہننے سونگھنے کی چیزیں سو اُنکی تصدیق واجب ہے کیونکہ یہہ سب ممکن ہیں
اور اِن کے ممکن ہونے کا تین وجہ پر اعتقاد کرنا چاہئے یا تو وہ لذتیں حسّی
ہونگی یا خیالی یا عقلی۔ حسّی لذتیں تو ظاہر ہی ہیں جیسے اس عالم میں ہوسکتی
ہیں ویسے ہی اُس عالم میں کیونکہ اُس عالم میں اِن لذتوں کا ہونا جسم کی
طرف روح کے رد کرنے کے بعد ہوگا اور روح کے رد ہونیکے اِمکان
پر دلیل کا قائم ہونا اِن سب لذاتِ حسّی کے امکان کو ثابت کرتا ہے اور بعض
لذتیں جو عظیم الشان اور نہایت درجہ کی مرغوب الطبع نہیں جیسا کہ وہ

اصلی پروں والی ثابت ہوتی ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ
مثنیٰ وثلث وربٰع اس پر دال ہے ہاں خدا تعالیٰ نے اُن کو شکل بدلنے
اور متشکل بشکل انسان وغیرہ ہونے کی قدرت دی ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حیوانات
کو بخلاف نباتات کے ہیئت اور وضع کے بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے کہ کھڑے ہونیکے
وقت جو وضع ہوتی ہے مثلاً بیٹھنے سے متغیر ہوجاتی ہے اور ملائکہ کی مثل خدا تعالیٰ نے جنات
کو بھی شکل بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے لیکن جن وشیاطین کے اجسام جب کہ اجزاے
ناری وہوائی کا خلاصہ ہیں اور اُن میں شہوت وغضب بھی ہے اسلئے ان میں احتیاج
کھانے پینے اور جماع کی متحقق ہے بخلاف فرشتوں کے کہ وہ گناہوں سے معصوم اور
کھانے پینے وجماع کی حاجت سے پاک ہیں اُن کو روحانیات اور ملائکہ اور ارواح
اور ملکوت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں اور فرشتہ کو فارسی میں سروش اور ہندی
میں دیوتہ بولتے ہیں ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؛

اور ریشمی کپڑے اور کیلہ کے درخت جن کا ثمرہ تہ برتہ ہو اسکی مانع نہیں ہیں کیونکہ
یہہ لذتین اُن لوگوں کے لئے ہونگی جن کو حاجت اور رغبت اِن میں زیادہ ہوگی
اور بہشت میں جس چیز کو جس کا جی چاہے سو ہے اور اِن کو وہ لوگ چاہینگے
جن میں نئی خواہش پیدا ہوگی اور جو لوگ اِن کو نہیں چاہتے اور اِن سے لذت
نہیں پاتے اُن میں نئی خواہش پیدا کیجاویگی کیونکہ لذتین شہوتوں کے موافق
ہوتی ہیں جیسا کہ جماع کی صورت بدون شہوت کے لذت کو نہیں چاہتی
بلکہ نفرت کو چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے خواہشوں کو پیدا کیا اور لذتون
کو اُن کے موافق بنایا خدا کے دیدار کی لذت کی تصدیق وہی کرتے ہیں
جن کو خدا چاہے تمام نہیں کرتے اگرچہ ظاہر مین تمام اقرار کرتے ہیں کیونکہ
جب ان میں معرفت نہیں ہے تو شوق بھی نہیں پس ادراکِ لذت بھی نہیں
لیکن قیامت میں اللہ تعالیٰ اُن کے شوق اور محبت اور معرفت کو بڑھا دیگا
یہاں تک کہ دیدار الٰہی[+] کی لذت اُن کو بڑی معلوم ہوگی اور لذتوں خیالی کا

[+] خدا تعالیٰ باوجودیکہ جسم اور عوارض جسمی یعنی صورت حسی اور مقدار اور جہات و
اطراف سے پاک ہے اسلئے کہ وہ ذات واجب الوجود واحد حقیقی یعنی احد ہے اور
احد وہی ہوتا ہے جو کسی طرح کی قسمت اور بانٹ اس میں نہو سکے یعنی اسکے اجزاء نکل
سکین نہ عقلیہ یعنے جنس و فصل نہ خارجیہ یعنی ہیولی و صورت یا جواہر فردہ یا مقدار
دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دیگا جیسا کہ نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے وُجُوہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ لیکن یہہ نرالی قسم کی رویت
بصری ہوگی اِس دیدار کا امکان عقل کے رو سے بھی ظاہر ہے کیونکہ دیکھنا ایک قسم کا

ت ۱ بہت اُس دن تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھتے ۱۲

بھی ممکن ہونا مخفی نہیں ہی جیسا کہ خواب میں مگر اتنا فرق ہی کہ خواب کی لذت جلدی منقطع ہو جانیکے سبب حقیر ہی اگر ہمیشہ رہتی تو لذات حسی اور خیالی میں کچھ فرق نہ ہوتا کیونکہ انسان کا لذت پانا اُن صورتوں میں ہوتا ہی جو خیال اور حس میں نقش پذیر ہوتی ہیں نہ اُن کے وجود خارجی سے اگر وہ صورتیں خارج میں پائی جاویں اور حس میں نقش پذیر نہ ہوں تو لذت نہیں ہوتی اور اگر وہ صورت جس کا حس میں نقش ہوا ہی باقی رہے اور خارج میں پائی جاوے تو لذت ہمیشہ رہتی ہی اور قوت خیالیہ کو اس عالم میں صورتوں کے اختراع یعنی نو ایجاد کرنے کی قدرت ہی مگر اس کی صورتیں نو ایجاد کی ہوئیں خیال میں ہی ہوتی ہیں حواس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتیں اور نہ قوت باصرہ میں منقش ہوتی ہیں اسلئے اگر بہت عمدہ صورت کا قوت خیالیہ ایجاد کرے اور وہم کرے کہ میرے مشاہدہ اور حضور میں ہی تو اس صورت کی لذت بڑی نہیں ہوتی کیونکہ وہ صورت آنکھوں سے دیکھی نہیں گئی جیسا کہ خواب میں

بقیہ حاشیہ: علم اور کشف ہی مگر انکشاف میں اس سے کامل اور واضح تر ہی پس جب کہ یہہ درست ہی کہ خدا تعالیٰ سے علم متعلق ہے حالانکہ وہ کسی جہت میں نہیں اور جیسا یہہ درست ہو کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہے اور اُن کے مقابل نہیں پس یہہ بھی درست ہوا کہ خلق اسکو دیکھے اور مقابلہ نہو اور جس طرح اُس کا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہی اسیطرح اُس کا دیدار بھی بے کیفیت و صورت مجسم ہونے کے ممکن ہے غرض کہ عقل کے رو سے دیدار الٰہی کا امکان ثابت اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہی اسلئے اس کی تصدیق واجب ہے ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؏

ہوتا ہے اور قوت خیالیہ کو جیسا کہ خیال میں صورت کے نقش کرنیکی قوت ہے ویسا ہی اگر قوت باصرہ میں اُس کے نقش کرنے کی قوت ہوتی تو اِس صورت کی لذت بڑھ جاتی اور وہ صورت خیالیہ بمنزلہ صورت خارجی کے ہوجاتی اور دنیا اور آخرت میں صورت کے منقش ہونے میں تو کچھ فرق نہیں ہوگا مگر اتنا ہی فرق ہوگا کہ آخرت میں قوت باصرہ میں صورت کے نقش ہونے کی کمال قدرت ہوگی سو جس چیز کو دل چاہیگا وہ چیز اُس کے خیال میں حاضر ہوجائیگی پس اُس کا چاہنا تو اوسکے خیال میں آنے کا سبب اور اُسکا خیال میں آنا اُسکے دیکھہ لینے کا سبب ہوگا یعنی قوت باصرہ میں نقش ہوجائیگی اور جس چیز کی اسکو رغبت ہوگی جب اُس کا خیال کریگا وہ چیز اُسی وقت اِس طرح موجود ہوگی کہ اُس کو دیکھیگا رسول مقبول صلعم کے قول میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا ہے †اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ سُوْقًا یُبَاعُ فِیْہِ الصُّوَرُ۔ سُوق یعنی بازار سے یہاں لطف الٰہی کا مراد ہے جو اُس قدرت کا منبع ہے جس سے ارادہ کے موافق صورتوں کا اختراع و ایجاد اور قوت باصرہ میں اُنکا نقش ہوگا اور وہ نقش ارادے تک دوام یعنی جب تک خدا چاہا ہے باقی رہیگا ایسا منتقش ہونا نہیں ہوگا جو بے اختیار دور ہوسکے جیسا کہ دنیا میں بے اختیار خواب میں زوال ہوجاتا ہے اور یہہ قدرت

---

† جنت میں ایک بازار ہے جس میں صورتیں دیجائینگی۔ ترمذی نے بروایت علی یہی مضمون بیان کیا ہے باندک زیادت۔ الفاظ اسکے یہہ ہیں۔ ان فی الجنۃ لسوقا ما فیھا شری ولا بیع الا الصور من الرجال والنساء الحدیث ۱۲ مفتی شاہدین سلمہ ربہٗ

جس کی اوپر تشریح ہوچکی ہے بہت وسیع اور کامل ہے بہ نسبت اُس قدرت کے
جو خارج حس میں ایجاد کرنے پر ہے کیونکہ خارج حس میں جو موجود ہوتا ہے وہ دو
مکانوں میں پایا نہیں جاتا اور جب ایک شے کے سُننے میں مشغول یا ایک شے
کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو غیر سے محجوب ہوجاتا ہے اور یہاں تو بڑی
ہی وسعت ہے کہ جس میں کسی طرح کی تنگی اور کسی طرح کی روک نہیں یہاں تک کہ
اگر اُس نے ایک شے کے دیکھنے کا ارادہ کیا مثلاً ہزار شخص کا ہزار مکان میں
ایک ہی حالت میں دیکھنا چاہا تو وہ اِن سب کو مختلف مکانوں میں موافق ارادہ
کے مشاہدہ کرلیگا اور موجود خارجی کا دیکھنا ایک ہی مکان میں ہوتا ہے اور امر
آخرت کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس میں بہت وسعت اور پوری پوری خواہشیں
ہونگی اور وہ خواہشوں کے بہت موافق ہوگا اور اُسکا صرف حس میں موجود
ہونا اور خارج میں نہ پایا جانا کچھ اسکے مرتبہ کو نہیں گھٹاتا کیونکہ اسکے وجود
سے مقصود لذت ہے اور لذت وجود حسی سے ہوتی ہے جب اسکا وجود حسی ہوگا
تو اُس کی لذت پوری پوری پائی جائیگی اور باقی یعنی خارجی وجود تو فضلہ
ہے جس کی کچھ حاجت نہیں اور اس وجود خارجی کا اسلئے اعتبار ہوتا ہے
کہ وہ مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ایک طریق ہے اور اسکا مقصد کے لئے
ایک طریق ہونا اِس دنیا میں ہی ہے جو بہت تنگ اور قاصر ہے اور عالم
آخرت میں مقصد کے حاصل کرنے کے لئے طریق کی وسعت ہے کچھ بھی طریقہ مقرر

نہیں ہیں اور تیسری وجہ یعنی لذت عقلی کا ممکن ہونا بھی کچھ مخفی نہیں کیونکہ
ضرور ہے کہ یہہ محسوسات لذات عقلی کی مثالیں ہوں جو محسوس نہیں ہیں اسلئے کہ
عقلی چیزیں مختلف قسموں پر منقسم ہوتی ہیں جیساکہ حسی چیزیں پس حسیات انکی
مثالیں ٹھہریں اور حسی چیزوں میں سے ہر ایک اُس لذت عقلی کی مثال بنیگی جسکا
رتبہ اُسکے برابر ہوگا مثلاً کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ سبزی اور پانی جاری
اور خوش شکل نہریں دودھ اور شہد اور شراب کی بھری ہوئیں اور درخت جواہر
اور یاقوت اور موتیوں کے ساتھ مزین اور محل سونے اور چاندی سے بنائے
ہوئے اور دیوا ریں جواہر سے مرصع خادم ایک جیسی اُسکے آگے خدمت کیلئے کھڑے
ہیں اب اگر تعبیر کرنیوالا اسکی تعبیر کریگا تو لذت اور خوشی ہی کے ساتھ کریگا اور ان
سب کو ایک ہی نوع پر قیاس نہیں کریگا بلکہ ہر ایک کو لذت کی علیحدہ علیحدہ قسم
پر محمول کریگا بعضوں سے تو لذت علم اور کشف معلومات اور بعضوں سے لذت
ملک اور حکومت اور بعضوں سے مقہور اور ذلیل ہونا دشمنوں کا اور بعضوں سے
دوستوں کی ملاقات مُراد لیگا اگرچہ اِن سب کا نام لذت اور سرور رکھا ہے
لیکن یہہ تمام مرتبوں اور لذتوں میں مختلف ہیں ہر ایک کا مذاق علیحدہ علیحدہ
ہے لذاتِ عقلی کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے اگرچہ وہ لذتیں عقلی نہ آنکھوں
نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ کسی بشر کے دِل پر انکا خیال گذرا
ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے لئے یہہ تمام لذتیں ہوں اور یہہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اِن میں سے ہر ایک کو بقدر استعداد ملے پس جو شخص تقلید میں مشغول اور صور توں ہی میں مدہوش ہے اور حقایق کا رستہ اُسکو نہیں کُھلا اُسکے لیئے صورتیں ہی مثل کیجائینگی اور عارف لوگ جو عالم صور اور لذاتِ حِسّی کے حقایق دیکھ رہے ہیں اُنکے لئے عقلی سرور اور لذات کے لطائف کھولے جائینگے جو اُنکے مراتب اور خواہشوں کے لایق ہوں کیونکہ بہشت کی تعریف یہی ہے کہ اُس میں جس کا جو دِل چاہے موجود ہے جب کہ خواہشیں مختلف ہوئیں تو عطیات اور لذات کا مختلف ہونا بعید نہیں ہے اور اللہ تعالی کی قدرت وسیع ہے اور قوّت بشری قدرت ربانی کے عجائبات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور رحمت الہی نے نبوّت کے وسیلہ سے خلقت کو اسیقدر سمجھا دیا ہے جسقدر سمجھ سکتی تھی اب جو سمجھا اُسکی تصدیق واجب ہے اور جو امور بخشش الٰہی کے لایق ہیں خواہ سمجھ میں آسکیں یا نہ اُن سب کا اقرار واجب ہے اور اُنکا ادراک نہیں ہوسکتا مگر۔ فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ، یعنی سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جسکا سب پر قبضہ ہے **فصل** اگر تو کہے کہ یہہ لذتیں حِسّی اور خیالی جنکا جنت میں وعدہ ہے حِسّی اور خیالی قوتون کے ساتھ ہی ادراک میں آئینگی اور یہہ تو جسمانی قوتیں ہیں جسم میں ہی پیدا ہوتی ہیں ایسا ہی قبر کا عذاب اور جہنم کا عذاب† جسمانی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک اور سمجھ میں آئیگا

† خارجی اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ عذاب قبر کے منکر ہیں اس خیال سے کہ مُردہ

جب کہ روح جسم سے الگ ہو گی اور جسم کے اجزا تحلیل ہو جائینگے اور قوی حسیہ
اور خیالیہ دور ہو جائینگی پھر کیونکر زکوۃ نہ دینے والے کے لئے گنجا سانپ[†]
متمثل ہو گا اور کافر پر قبر میں ننانویں[‡] سانپ کس طرح مسلط ہونگے جیسا کہ
حدیث شریف میں آیا ہو کیونکہ یہہ دونوں صورتیں خیالی ہونگی یا حسی ہونگی حس اور
خیال دونو موت کے ساتھ ہی باطل ہو گئے پس انکا ثبوت کس طرح ہوا اب جان کہ اس
امر کا منکر وہ ہو جو حشر اجساد کا منکر ہو اور روح کا عود کرنا جسم کی طرف محال
جانتا ہو حالانکہ اسکے محال ہونے پر کوئی تحقیقی دلیل قائم نہیں ہوئی بلکہ بعید
نہیں ہے کہ بعضے جسم اسی لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت[§] کے بعد ان میں

میں جب ادراک نہیں تعذیب و تنعیم اسکی محال ہو لیکن یہہ خیال انکا باطل ہے کیونکہ جب
ارواح کے لئے فنا نہیں چنانچہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلِقتُم لِلاَبَدِ
اسپر دال ہے۔ پس موت سے رفع تعلق کے بعد قبر میں دوبارہ اسکا تعلق من وجہ ہو جانا
موجب ادراک ہو امر ممکن ہے جس سے تعذیب و تنعیم کا امکان ظاہر ہو اور جب دلایل شرعی
بھی صراحتاً اسپر دال ہیں اسلئے اسکی تصدیق واجب ہے انکار محض جہالت ہو ۱۲ مفتی شاہ دین مسلمہ ربہ

† بخاری بروایت ابو ہریرہ باندک زیادت در آخرت ۱۲

‡ ننانویں اژدہا کے کافر پر قبر میں مسلط ہونے کی حدیث دارمی نے بروایت ابی سعید
بیان کی ہو اور ترمذی کی روایت میں ننانویں کی جگہہ ستر کا عدد آیا ہو مفتی شاہ دین مسلمہ ربہ

§ نفس کا تعلق موت کے بعد بعض نئے اجسام کے ساتھ شرع میں ثابت ہو چنانچہ ارواح
شہدا کا سبز پرندہ کے شکم میں ہونا یعنی اس جانور کے شکم سے متعلق ہونا جو جنت کی نہروں میں
چگیگا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ پکڑے گا جیسا کہ آنحضرت صلعم سے مسلم نے بروایت ابن
مسعود بیان کیا ہو اور اس سے تناسخ باطل جسکے ہنود قایل ہیں کہ دنیا میں ایک روح ایک جسم عنصری
سے جو متعلق ہو اور اس روح سے اس جسم عنصری کا نشو و نما ہو بعد رفع ہونے اس تعلق کے

حلول یعنی اِن سے متعلق ہوا اور یہہ بات کچھ محال نہیں نہ تو قبر میں اور نہ قیامت میں اور جو متقدمین نے اِسکے محال ہونے پر دلائل بیان کیے ہیں وہ دلائل تحقیقی نہیں ہیں اور شرع شریف میں تو اِسکا ثبوت ہی پس اِسکی تصدیق واجب ہی اور فلاسفہ کے نزدیک جو اِسکے محال ہونے پر کوئی دلیل قایم نہیں ہوئی اِسکا ثبوت یہہ ہی کہ فلاسفہ کے افضل متاخرین یعنی بوعلی سینا نے اپنی کتاب نجات اور شفا میں جسم کی طرف اعادہ روح کا (نہ) محال ہونا ثابت کیا ہی اور کہا ہی کہ بعید نہیں ہی کہ بعضے اجسام سماوی اسلئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت کے بعد اِن میں حلول کرے اور اُسنے اسی کی ایک حکایت اپنے بڑے سے یوں بیان کی ہی

دوسرے جسم عنصری سے جو پہلے جسم سے مغائر ہوتا ہی متعلق ہو جاتی ہے اور اسکا نشو و نما کرتی ہی لازم نہیں آتا کیونکہ شرع میں ارواح شہدا کا جن جانوروں سے تعلق ثابت ہوا وہ جانور اجسام عنصری سے نہیں ہیں اور نہ اُن جانوروں کو اِن روحوں سے نشو و نما ہوتا ہے بلکہ ارواح شہدا کی صرف اُن سے متعلق ہو کر لذتین حاصل کرتی ہیں بغیر تکلف اور محنت کے جیسا کہ گھوڑے کا سوار حالت سواری مین لذت حاصل کرتا ہی حالانکہ مرکب یعنی گھوڑے کی روح جو اُسکے بدن میں متصرف ہی اور رہی اور سوار کی روح اور باقی رہا ارواح شہدا کے لئے یہہ خصوصیت سو اِس کی وجہ یہہ ہے کہ ارواح شہدا نے جب کہ خدا کی راہ مین جان نثاری کی جو موجب اُنکے بدن کے ہوئی اسلئے یہہ بدن انکو بدلے اُس بدن کے ملا کیونکہ جزا موافق عمل کے ہوا کرتی ہی اور ایسی تلذذ وغیرہ کے حصول کی جہت سے انکو زندہ کہا جاتا ہی جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ۔ کیونکہ مرنا موجب مفارقت بدن اور مانع کسب جدید و ترقے مراتب ارواح و حصول تلذذ کا ہوتا ہی اور انکی ارواح کو ایک جسم سے تعلق ہو کر تلذذ حاصل ہی اسلئے انکو ایک قسم کی حیات ثابت ہوئی اور یہہ حیات مثل دنیاوی حیات کے نہین کیونکہ اجسام متعلقہ سے انکو علاقہ تدبیر و تصرف کا نہین

کہ اِس عدم استحالہ کے قایل بعض اہل علم ہیں جو بیہودہ گو نہیں اِس سے معلوم
ہوا کہ بو علی کو اِس قاعدہ میں شک ہی اور اِسکے محال ہونے پر کوئی دلیل اُسکے
نزدیک قایم نہیں ہوئی اگر یہہ محال ہوتا تو اِسکے قایل کو یوں کہتا کہ وہ بیہودہ گو یا
دروغگو نہیں کیونکہ امر محال کے قایل ہونیسے اور کونسا جھوٹ بڑھکر ہی بعض اوقات قایلین
کہتا ہی کہ بو علی نے اِسکا ذکر بطور تقیہ کے کیا ہی کیونکہ کتاب النفس میں جو اُسنے مسئلہ تناسخ کا
بیان کیا ہی اُسمیں نفس کے تناسخ ابدان کا استحالہ ثابت کیا ہی اور یہہ بعینہ حشر اجساد کے ابطال
کی دلیل ہی سو ہم یوں کہتے ہیں کہ تناسخ کے محال ہونیمیں جو دلیل بیان کی ہی وہ دلیل تحقیقی نہیں ہی کیونکہ
اُسنے تناسخ کے محال ہونے میں یہہ بیان کیا ہی کہ اگر روح کا اعادہ جسم کی طرف ہو

ایسے ہی تناسخ کو جو بلا تدبیر اور تصرف کے ہو بو علی نے محال نہیں گنا اور فارابی سے اِسی کی حکایت کی ہے چنانچہ طوسی نے شرح اشارات میں لکھا ہے ثم انها لا یجوز ان تکون معطلة عن الادراك وكانت مما لا يدرك الا بالات جسمانية فذهب بعضهم الى انها تتعلق باجسام اخر ولا يخلو اما ان لا تصير صورة لها وهذا ما ذكره الشيخ و مال اليه او تصير فتكون نفوسا لها وهذا القول بالتناسخ الذى سيبطله الشيخ اما المذهب الاول فقد اشار اليه فى كتاب المبدء والمعاد وذكر ان بعض اهل العلم من لا يجازف فيما يقول واظنه يريد الفارابى قال قولا وهو ان هؤلاء اذا فارقوا البدن الخ۔ اور جس تناسخ کا بو علی نے استحالہ بیان کیا ہی اس سے جسم اصلی کی طرف نفس مفارقہ کا اعادہ محال ہونا ثابت نہیں ہوتا باقی رہا حکما کا وقت کو عوارض شخصیہ معتبرہ فی الوجود سے لیکر اعادہ معدوم بعینہ کے استحالہ سے حشر اجساد کا استحالہ ثابت کرنا سو بناے فاسد علی الفاسد ہی کما لا یخفی غرضیکہ ارواح کا اپنے ابدان مفارقہ کے ساتھ دوبارہ تعلق ہو جانا محال نہیں بلکہ امر ممکن ہے اور شریعت میں قبر اور قیامت میں دوبارہ تعلق ہونیکا امر اخبا ثبوت ہی ہی اسلئے اِسکی تصدیق واجب ہے اسی طرح دنیا میں اپنے اجسام کے ساتھ بعض ارواح کا دوبارہ تعلق

تو اُسکا اس جسم کیطرف اعادہ ہوگا جو قبول کی استعداد رکھتا ہو اور جو قبول کی استعداد رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کیطرف سے روح کا افاضہ اسکی طرف ہوگیا ہو اسلئے کہ جسم مستعد بذاتہ صورت کے قبول کرنے کا مستحق ہو اور اسکا مستحق ہونا روح کے فیضان کو چاہتا ہو اور نفس مفارقہ بھی اسکے ساتھ متعلق ہوا اب ایک بدن کے لئے دو نفس ہوئے اور یہہ محال ہو اور اس دلیل مذکورہ کو حشر اجساد کے محال ہونے میں بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجسام کی استعدادیں مختلف ہوں ایک جسم میں ایسی استعداد ہو جو نفس مفارقہ کے مناسب ہو جو اوّل موجود تھا یہاں تک کہ وہ جسم اس نفس کے ہی تدبیر کے ساتھ مختص ہو اور

جو جانا امر ممکن ہے چنانچہ بعض مردے بار الٰہی دوبارہ زندہ ہوئے یا حسب مذہب جمہور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے انکی اولاد چیونٹیوں کے اجسام کی شکل نکالکر حضرت آدم علیہ السلام کو دکھائی گئی اور انکو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہا گیا جسکے جواب میں انہوں نے بَلٰی کہا جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا پس ایک تو اسوقت ارواح کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے ہوا پھر دوبارہ جب وہی اجسام بسبیل نطفہ نسلاً بعد نسل اپنے اپنے وقت مقررہ پر ظہور میں آتے گئے ارواح کا ان سے تعلق ہوتا گیا اور یہاں مذہب جمہور کی اسلئے قید لگائی گئی کہ بعض محققین اسکے خلاف پر ہیں چنانچہ زمخشری اور شیخ ابو منصور اور زجاج وغیرہ قول تعالےٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ من بنی آدم من ظهورهم الآیہ کو باب تمثیل سے لیتے ہیں اور معنی اسکے یوں کرتے ہیں کہ اولاد آدم کو اپنے باپوں کی پشت سے پیدا کیا اور انکے واسطے اور اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر قایم کیں اور اونکو عقل جو ہدایت و گمراہی میں تمیز کرنیوالی ہے دی پس گویا کہ انکو اپنے نفسوں پر گواہ بنایا گیا اور انکو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہا گیا اور گویا کہ اونہوں نے اسکے جواب میں بلی انت ربنا کہا اور انکی حجت یہہ ہو کہ من بنی آدم من ظهورهم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے نکہ من ظہر آدم

نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہو کیونکہ مثلاً اگر ایک حالت میں رحموں یعنی
بچہ دانوں میں دو نطفہ قبول نفس کے مستعد ہوں تو واہب الصور یعنی جناب
آلہی سے اُن کی طرف دو نفسوں کا فیضان ہو گا اور اُن دونوں نطفوں میں سے
ہر ایک ایک نفس کے ساتھ خاص ہو گا اور اسکا مختص ہونا اس میں نفس کے حلول
ہونے کی جہت سے نہیں ہر اسلئے کہ نفس کا جسم میں عوارض کی طرح حلول ہی
نہیں ہوتا بلکہ دونوں مستعد جسموں میں سے ایک جسم کا ایک نفس کے ساتھ مختص
ہونا اُس مناسبت کے سبب سے ہی جو اُنکے مابین اوصاف کی جہت سے ہی ایسا ہی
دوسرے جسم کا دوسرے نفس کے ساتھ مختص ہونا پس جب کہ دو نفس متناسبہ
میں یہہ اختصاص ہو سکتا ہی تو نفس مفارقہ میں جو اوّل سے موجود تھا اور نئے
نفس میں کیونکر نہیں ہو سکتا سو جب ایک جسم مستحق کو نفس مفارقہ کے ساتھ زیادہ
مناسبت ہو گی تو وہ جسم واہب الصور یعنی خدا تعالی سے نئے نفس کے فیضان
کا محتاج ہی نہیں ہو گا جب وہ محتاج نہ ہوا تو اُسپر نئے نفس کا فیضان بھی نہیں
ہو گا اِس کلام کے لئے زیادہ تقریر ہے میں اس میں غرض نہیں کرتا کیونکہ مقصود
اِس بات کا بیان کرتا ہی کہ جو شخص حشر اجساد کا انکار کرتا ہی اسکے لئے کوئی دلیل

اور دوسرے یہہ کہ سوال و جواب تو ہم کو یاد ہی نہیں پھر اُسکے حجت ہونے کی
کیا صورت جس کا جواب بعض مفسرین کی کلام سے یہہ نکلتا ہی کہ مخبر صادق کا اِس امر کو
یاد دلانا خود اپنی یاد کے قائم مقام ہے جس سے اس کا حجت ہونا ظاہر ہی لیکن یہہ
جواب تکلف سے خالی نہیں۔ کما لا یخفیٰ ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہٗ ؛

نہیں جب اُسکے لئے کوئی دلیل نہ ہوئی تو موت کے بعد قبر اور قیامت مین ادراکِ حسیہ اور خیالیہ کا ہونا سمجھا گیا۔ اگر کوئی یہہ کہے کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں کہ اسکو نہ کچھہ حس ہوتی ہی نہ حرکت ہم کہتے ہین کہ سکتہ والیکو بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہین اور ہوسکتا ہی کہ ادراک ایسی چھوٹی جزو کے ساتھہ قایم ہو کہ وہ جزو غیر متجزی ہونے کے قریب ہو اور میت کے دیکھنے والا اسکو نہ دیکھے پس اُس میت مین حرکت کے دیکھے جانیکا کچھہ اعتبار نہین **فصل** † حدیث شریف مین جو آیا ہی کہ ظالم کی نیکئیں مظلوم کے دفتر مین منتقل ہونگی اور مظلوم کی برائیں ظالم کے دفتر میں سو بعض اوقات جو شخص جوہر نبوت کے اسرار احادیث کو نہیں سمجھتا وہ اسکو محال جانتا ہی اور کہتا ہی کہ نیکیاں اور برائیاں اعمال اور حرکات ہیں اور اعمال و حرکات تو گذر چکے اور دور ہو گئے پھر معدوم کا انتقال کیونکر ہوگا بلکہ اگر اعمال اور حرکات باقی بھی رہیں تو وہ عوارض ہیں پھر عوارض کا انتقال کیسے ہوگا ہم کہتے ہیں کہ ظلم کے سبب نیکیوں اور بدیوں کا منتقل ہونا ظلم کرنیکے وقت دنیا میں ہی ہوتا ہی لیکن اسکا انکشاف قیامت کو ہوگا پس اپنی طاعت کو دوسرے کے دفتر میں اور دوسرے کی بدیوں کو اپنے دفتر مین دیکھیگا

---

† بخاری نے بروایت ابوہریرہ قریب قریب اسکے ایک حدیث بیان کی ہی اسمیں دفتر کا ذکر نہین مضمون حدیث بخاری کا یہہ ہی کہ اگر ظالم کے اعمال صالح ہونگے بقدر ظلم کے اُسکے عمل لیکر مظلوم کو دئے جائینگے اور اگر عمل صالح نہ ہوے مظلوم کے گناہ اُس سے اُٹھا کر ظالم پر رکھے جائینگے ایں مین اعمال صالح یا گناہ ہونگے دئے جانیے لگے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آخرت میں اس طرح کے ہونے کی خبر دی حالانکہ دُنیا میں بھی تو ایسا ہی ہے کچھ اسکا آخرت میں تجدد نہیں ہوگا لیکن سب خلقت کو اسکا انکشاف قیامت میں ہی ہوگا اور جس چیز کو انسان نہیں جانتا وہ چیز اُسکے لئے موجود نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز واقع میں موجود ہو جب اُسکو جان لیتا ہے تو اُسوقت اُسکے لئے موجود ہوجاتی ہے پس گویا ابھی اُسکے حق میں موجود ہوئی اور اس حالت میں اُسکے نئے ہونیکا اعتقاد کرتا ہے چنانچہ تجدد وجود کا وہم کرتا ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ معدوم کس طرح انتقال کریگا اس تقریر سے اُسکا قول ساقط ہوگیا اور یہہ بھی جواب ہے کہ طاعت کے منتقل ہونے سے اُسکے ثواب کا انتقال مراد ہے نہ خود طاعت کا منتقل ہونا لیکن جبکہ طاعت سے مقصود ثواب ہوتا ہے اسکے مقصود کے نقل کرنے کو نقل طاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور یہہ بات مجاز اور استعارہ میں شایع ہے اگر یہہ کہا جاوے کہ طاعت کا ثواب یا تو عرض ہوگا یا جوہر اگر عرض ہے تو اُسکے انتقال میں اشکال باقی ہے اگر جوہر ہے تو وہ جوہر کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ثواب طاعت سے اثر طاعت مراد ہے کہ دل کو نورانی کرتا ہے اور گناہ سے اُسکی تاثیر مراد ہے کہ دل کو سخت اور سیاہ کرتی ہے انوار طاعت سے تو بندہ قبول معرفت اور مشاہدہ* حضرت ربوبیت کا مستعد ہوتا ہے اور سخت اور سیاہ

* مشاہدہ کا درجہ بعد طے کرنے منازل سلوک کے حاصل ہوتا ہے جن میں اول منزل [illegible]

دِلی میں مشاہدہ جمال آلہی سے دوری اور حجاب کا مستعد ہوتا ہی سو طاعات دل کے نور اور صفائی کے وسیلے سے لذت مشاہدہ کو پیدا کرتی ہیں اور گناہ دل کی ظلمت اور سختی کی جہت سے حجاب کو پیدا کرتے ہیں اب نیکیوں اور بدیوں کے اثروں میں تعاقب اور تضاد ٹھہرا اسی لئے اللہ تعالی فرماتا ہی اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ اور رسول مقبول صلعم فرماتے ہیں اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا اور تکلیفیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان الرجل یثاب علے کل شئ حتی الشوکۃ تصیب رجله اور رسول مقبول صلعم نے یہہ بھی فرمایا ہی کفارات لاهلها یعنی تکلیفیں موجب کفارہ ہیں تکلیف زدوں کے لئے سو ظالم ظلم کے سبب خواہش نفسانی کا اتباع کرتا ہی اُس سے اس کا دل سخت اور سیاہ ہوجاتا ہے اور طاعت کی جہت سے جو اُس کے دِل میں اثر نور کا تھا دور ہوجاتا ہی پس گویا کہ اُس کی طاعت ہی چھینی گئی اور مظلوم تکلیف پاتا ہی اور خواہش نفسانی اُس کی دور ہوجاتی ہی

دو سری تزکیہ وتصفیہ نفس صفات ذمیمہ کے دور کرنے اور صفات حمیدہ کے حاصل کرنے سے اور دوام ذکر لسانی وقلبی وروحی وسری یعنی ناسوتی وملکوتی وجبروتی ولاہوتی ان منازل کے طی کرنے کے بعد سالک کو مشاہدہ حضرت ربوبیت کا ہوتا ہی اللھم ارزقنا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان یعنی اخلاص کے بیان میں جو فرمایا ہی کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ چنانچہ بخاری ومسلم نے روایت کیا ہی اسمیں حالت اول کو صوفی مشاہدہ کہتے ہیں دوسری حالت کو حضور قلبی سے نامزد کرتے ہیں ۱۲ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

اس سبب سے اُس کا دِل† روشن ہوجاتا ہے اور سیاہی اور سختی دل کی جو اسکو نفسانی خواہشوں کے اتباع سے حاصل تھی دور ہوجاتی ہے اب گویا کہ نور ظالم کے دِل سے مظلوم کے دل کی طرف منتقل ہوا اور سیاہی نے مظلوم کے دل سے ظالم کے دِل کی طرف انتقال کیا نیکیوں اور بدیوں کے انتقال سے یہی مراد ہے اگر کہا جاوے کہ یہہ تو انتقال حقیقی نہیں بلکہ اِس کا حاصل یہہ ٹھہرا کہ ظالم کے دل سے نور باطل ہوگیا اور مظلوم کے دل میں اور نیا نور پیدا ہوا اور مظلوم کے دِل سے تاریکی دور ہوگئی اور ظالم کے دل میں ایک نئی تاریکی پیدا ہوگئی یہہ انتقال حقیقی نہیں ہم کہتے ہیں کہ لفظ نقل کبھی اس قسم پر بھی بطور مجاز اور استعارہ کے بولا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے اِنْتَقَلَ الظِّلُّ مِنْ مَوْضِعٍ اِلٰی مَوْضِعٍ یعنی سایہ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف انتقال کیا اور یہہ بھی بولا جاتا ہے اِنْتَقَلَ نُوْرُ الشَّمْسِ وَالسِّرَاجِ مِنَ الْاَرْضِ اِلَی الْحَائِطِ وَمِنَ الْحَائِطِ اِلَی الْاَرْضِ یعنی آفتاب اور چراغ کی روشنی زمین سے دیوار

† یہاں دل سے مراد لطیفہ قلب یعنی روح ہے نہ کہ مضغہ صنوبری کیونکہ نیکی یا گناہ کے کرنے سے قلب لحمی روشن یا سیاہ نہیں ہوتا بلکہ لطیفہ قلب ہوتا ہے اور عرف اہل شرع میں حقیقتاً قلب اسی کو کہتے ہیں اسکا تعلق قلب جسمانی سے جسکو باعتبار لغت کے قلب کہا جاتا ہے ایسا ہے جیسا کہ قوت بینائی کا تعلق چشم ظاہری سے جن لوگوں کو علم شریعت یعنی علم تکلیفات شرعیہ علم طریقت یعنی معرفت معاملات قلوب علم حقیقت یعنے دریافت مکاشفات ارواح حاصل ہے وہ قلب حقیقی کی حقیقت اور نیکی اور گناہ سے اسکے مصفا اور مکدر ہونے کو خوب پہچانتے ہیں ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ ؁

کی طرف اور دیوار سے زمین کی طرف منتقل ہوئی اور (مثلاً) جب حرارت موسم
گرما میں زمین پر غالب ہوتی ہے تو طبعی یون بولتا ہے اِنْهَزَمَتِ الْبُرُوْدَةُ
اِلٰی بَاطِنِهَا اور انہزام انتقال ہی کو کہتے ہیں اور جیسا کہ بولتے ہیں نقلت ولایت القضد
وَالْخِلَافَةِ مِنْ فَلَانٍ یعنی قضا اور خلافت کی ولایت فلانے سے فلانے
کی طرف منتقل ہوئی ان سب قسمون کو نقل ہی کہتے ہیں - پس نقل حقیقی تو
یہہ ہے کہ جو چیز محل ثانی میں حاصل ہوئی ہو بعینہ وہی چیز ہو جو محل اول سے
نکلی ہے اگر وہ چیز اس کے ہم مثل ہو اور بعینہ وہ نہ ہو تو اس قسم کو مجازاً نقل
کہتے ہین نقل طاعت سے بھی اس قسم کی نقل مراد ہی اور نقل طاعت میں
اتنی ہی بات ہی کہ طاعت سے کنایۃً ثواب مُراد ہی جیسا کہ سبب سے کنایۃً
مسبب مُراد ہوتا ہی اور ایک وصف کا ایک محل میں ثابت ہونا اور اس وصف
کے ہم مثل کا دوسرے محل میں باطل ہونے کا نام نقل رکھا گیا یہہ سب بول
چال میں مشہور ہی اگر اس میں شرع وارد نہ ہوتی تو بھی اسکے معنی دلیل کے ساتھ
معلوم ہیں جب کہ شرع میں بھی اس کا ثبوت ہو گیا پھر کیونکر نہ ثابت ہو **فصل**
خواب میں حق سبحانہ تعالیٰ کے دیدار کا تو نے سوال کیا جس میں لوگ مختلف
ہو رہے ہیں پس جان لے کہ جب اس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو
کچھہ خلاف اس میں متصور نہین ہوتا حق تو یہہ ہے کہ ہم بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
خواب میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ رسول صلعم کا خواب میں دیدار

ب عدم انتقال

ہوتا ہے اب خواب† میں رسول صلعم کے دیدار کے کیا معنی سمجھے جائیں شاید جس عالم کی طبیعت عام لوگوں کی طبیعت سے قریب ہے وہ یہہ سمجھے کہ جس شخص نے رسول مقبول صلعم کو خواب میں دیکھا اُسنے حضرت کا جسم مبارک ہی دیکھا جو مدینہ منورہ کے روضۂ مقدس میں رکھا گیا ہے کہ قبر کو شق کر کے حضرت ایک مکان کی طرف تشریف لائے سو ایسے عالم سے بڑھکر جاہل کونسا ہوگا کیونکہ کبھی خواب میں ایک شی ایک رات میں ایک ہی حالت میں ہزار جگہ دیکھی جاتی ہےعہ پھر کب ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں ہزار جگہ میں مختلف صورتوں کے ساتھ یعنی بوڑھا اور جوان اور دراز قد اور کوتاہ قد تندرست اور بیمار ہو اور ان تمام صورتوں میں دیکھا جاوے جس شخص کی حماقت اس حد تک پہنچ گئی وہ تو عقل سے خارج ہے اور مخاطب ہونیکے لائق نہیں اب شاید وہ یہہ کہے کہ

عہ آئینے اگر دس ہوں تو ایک آدمی ایک ہی حالت میں ایک ہی دم دس جگہ نظر آسکتا ہی ۱۲

† خواب میں آنحضرت صلعم کے دیدار کی کیفیت اور حدیث من رانی فی منام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی کے معنی میں بعض علما کا اختلاف نووی وغیرہ نے کہا ہے کہ بعض فقد رانی کے یہہ معنی لیتے ہیں کہ رویا صحیح یعنی خواب اسکی صحیح ہے اضغاث احلام یعنی خوابہا شوریدہ تسویلات شیطانی سے نہیں بعضوں نے یہہ کہا ہے کہ فقد رانی یعنی فقد ادرکنی اور ادراک کے لئے قرب مسافت اور جسکو دیکھا جاوے اسکا زیر زمین یا بالای زمین ہونا شرط نہیں بلکہ موجود ہونا شرط ہے اور جسم آنحضرت صلعم کا تو موجود ہی ہے پس اسی کی رویت خواب میں ہوتی ہے اور بعضوں نے کہا ہے صورت مخصوصہ پر اگر ہوئی تو رویا حقیقتہ ہے ورنہ رویا تاویل اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار خواہ صورت مخصوصہ پر ہو یا غیر مخصوصہ پر آنحضرت صلعم کی رویت حقیقتہ ہی ہے کیونکہ وہ صورت آنحضرت صلعم کی روح مقدس کی مثال ہے صحیح قول یہی ہے کما لایخفی ۱۲ منتی شاہ دین سلمہ

جو شخص حضرت صلعم کو خواب میں دیکھتا ہی وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہی جسم مبارک کو نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہیگا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہی اگر مثال جسم کی کہے جو گوشت اور ہڈی اور خون ہی ہم کہتے ہیں جسم تو بذات خود محسوس ہی اسکے تمثیل کی کیا حاجت پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اُسنے تو نبی علیہ السلام کو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا جو نبی علیہ السلام کی حرکت دینے کے ساتھ متحرک تھا کیونکہ نبی روح سے مُراد ہی نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے پس کیونکر جسم کی مثال دیکھنے سے رسول مقبول صلعم کے دیکھنے والا ہوگا بلکہ حق یوں ہی ہی کہ وہ رسول مقبول صلعم کی روح مقدس کی مثال ہی جو محل نبوت ہی اور جو اُسنے شکل دیکھی ہی وہ حقیقت میں روح کی مثال ہی وہ حضرت نبی علیہ السلام کی روح اور اسکا جوہر ہی جسم نہیں ہے اگر کہا جاوے کہ حضرت علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہوئے جو حضرت صلعم فرماتے ہیں ؏ مَنْ رَآنِی فِی مَنَامٍ فَقَدْ رَآنِی تو اس کا جواب یہہ ہی کہ حضرت صلعم کی اس حدیث سے یہی مُراد ہی کہ جو اُسنے دیکھا وہ مثال ہی کہ معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہو گئی پس اب جیسا کہ جوہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت کی جو بعد مفارقت حضرت کے باقی ہی رنگ اور شکل اور صورت سے پاک ہی لیکن مثال مطابق[+] کے واسطہ سے اُمت کو

+ مثال مطابق کے کہنے سے مثال کاذب (یعنی غیر مطابق) سے احتراز ہو گیا کیونکہ مثال کاذب نفس الامر میں نبی علیہ السلام کی مثال نہیں پس اس مثال کے دیکھنے پر جزا مذکور مرتب نہیں ہوتی ۱۲ منہ

واسطہ اپنے اور بندہ کے درمیان خیر کے فیضان اور ایصال حق کے لئے پیدا کرے سو یہہ واسطہ پیدا کرنا تو موجود ہی ہے اسکے امکان کا کس طرح انکار ہو اگر کہا جاوے کہ اس مجازی اطلاق کا رسول مقبول کے حق میں تو اذن† ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں تو وہی اطلاقات جائز ہیں جن کا اذن ہو ہم کہتے ہیں کہ اسکے اطلاق کا بھی اذن وارد ہو گیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ[ع] یہہ قول حضرت کا اُن اخبار میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات صورت میں وارد ہیں کقولہ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اور اسی طرح اس سے صورت ذات کی مراد نہیں ہے کیونکہ ذات کے لئے تو صورت ہی نہیں مگر باعتبار اس تجلی کے جو مثال کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحیہ کلبی کی صورت اور دیگر صورتوں میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ رسول مقبول نے حضرت جبرئیل کو کئی دفعہ دیکھا حالانکہ صورت حقیقی میں‡ دو دفعہ ہی دیکھا ہے اور جبرئیل کا* وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس اعتبار سے نہیں ہے کہ

† اس اذن پر وہی حدیث دلیل ہے جو اوپر گذری یعنی قول علیہ السلام مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ

‡ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلعم نے صورت حقیقی میں دو دفعہ دیکھا ایک دفعہ کوہ حرا پر دوسری دفعہ معراج کی رات میں چنانچہ بخاری و مسلم نے بروایت عائشہ صدیقہ بیان کیا ہے ۱۲ منتی شاہ دین سلمہ

* حضرت جبرئیل علیہ السلام کے وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہو کر آنے کی حدیث بخاری و مسلم نے بیان کی ہے بروایت اسامہ بن زید؛

ع ۱ میں نے اپنے رب کو بہت اچھی صورت میں دیکھا ۱۲ دارمی بروایت عبدالرحمن بن عائش بزیادت در آخر ۱۲

کی حاجت نہیں کیونکہ عقل ایسی شی ہے کہ کوئی اور شی حقیقت میں اسکے ہم مثل نہیں
ہے اور ہم کو جائز ہی کہ عقل کی مثال آفتاب بیان کریں اسواسطے کہ عقل اور آفتاب میں
ایک امر کی مناسبت ہی وہ یہہ ہی کہ نور آفتاب سے محسوسات† کا انکشاف ہوجاتا ہی
جیسا کہ نور عقل‡ سے معقولات کا سواسی قدر مناسبت مثال کے لئے کافی ہی بلکہ سلطان
کی مثال شمس ہی اور وزیر کی مثال قمر سلطان اپنی صورت و معنی میں آفتاب کے
مماثل نہیں اور نہ وزیر چاند کے ہم مثل ہی مگر یہہ بات ہی کہ سلطان کو سب پر غلبہ ہوتا
ہی اور سب کو اُس کا اثر پہنچتا ہی اسی قدر میں آفتاب کو اُس سے مناسبت ہی اور چاند
اثر نور کے فیضان کے لئے آفتاب اور زمین کے درمیان واسطہ ہی جیسا کہ نور عدل
کے فیضان کے لئے وزیر بادشاہ اور رعیت کے درمیان واسطہ ہوتا ہی یہہ مثال
ہوئی نہ کہ مثل اللہ تعالی نے فرمایا ہی۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ
كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ
يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ اب خدا تعالی کے نور

† محسوسات کے انکشاف کو علم حسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اکثر شہود کا اطلاق بھی اسی پر آتا ہی
اسی لئے حواس کو مشاعر کہا جاتا ہی ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

‡ عقل بمعنت علمی کو بھی کہتے ہیں کما مر اور ایک قوت کو بھی کہتے ہیں جو قلب حقیقی انسان میں
نور کے ہے جسکے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور غیر مناجات فکر ... کے سمجھنے کی
استعداد ہوتی ہے اسکی مثال نور آفتاب کے ساتھ بیان کیجاتی ہی کیونکہ نور عقل معقولات کے ادراک
کا ذریعہ ہے جیسا کہ نور آفتاب محسوسات کے انکشاف کا وسیلہ ہے ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

اور شبہہ اور طاق اور رخت اور روغن میں کونسی مماثلت یہہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا الی آخرہ اس آیت میں قرآن شریف کی تمثیل بیان کی توصیف قدیم ہے جس کی کوئی مثل نہیں پھر پانی اس کی کیوں مثل ہو گیا اور اکثر خوابیں حضرت علیہ السلام کو دکھائی گئیں جیسا کہ دودھ اور حبل یعنی رسی کو دیکھا اور فرمایا کہ دودھ اسلام ہے اور حبل قرآن شریف اور بہت مثالیں ہیں جن کا کچھ شمار نہیں اب دودھ اور اسلام میں کچھ مماثلت نہیں اور نہ حبل اور قرآن شریف میں لیکن اُنکے درمیان مناسبت ہے اور وہ یہہ ہے کہ حبل یعنی رسی کے ساتھ تو نجات دنیاوی کے لئے چنگل مارا جاتا ہے اور قرآن شریف کے ساتھ نجات آخرت کے لئے اور دودھ غذا ہے جس سے ظاہری زندگانی ہے اور اسلام وہ غذا ہے جس سے حیات باطنی ہے یہہ تمام مثالیں ہیں مثلین نہیں بلکہ ان چیزوں کے لئے تو کوئی مثل ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی مثل نہیں لیکن اُسکے لئے مثالیں ہیں جو بسبب مناسبات عقلیہ کے اللہ تعالیٰ کی صفات سے خبر دیتی ہیں کیونکہ جس وقت ہم مرید کو سمجھائینگے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو کس طرح پیدا کرتا ہے اور کس طرح انکو جانتا ہے اور کس طرح انکی تدبیر کرتا ہے اور کس طرح کلام کرتا ہے اور کسطرح کلام بذاتہ قایم ہوتی ہے ان سب کی مثال انسان کے ساتھ ہی بیان کرینگے

اگر انسان اپنے نفس میں ان صفتون کو نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی ان
کی مثال اُس کی سمجھہ میں نہ آتی مثال اللہ تعالیٰ کے حق میں حق ہے اور مثل باطل
اگر کہا جاوے کہ اس تحقیق سے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں ثابت نہیں ہوتا
بلکہ رسول مقبول صلعم کا بھی خواب میں نہ دیکھا جانا ثابت ہوا کیونکہ جو دیکھا گیا
ہے وہ تو مثال ہے اُس کا عین نہیں پس رسول صلعم کے قول مَنْ رَاٰنِی فِی الْمَنَامِ
فَقَدْ رَاٰنِیْ میں ایک طرح کا مجاز ہوا معنی اسکے یہہ ٹھہرے کہ جس نے میری مثال
کو دیکھا گویا اُسنے مجھہ کو دیکھا اور جو اُسنے مثال سے سُنا گویا اُسنے مجھہ سے سُنا
ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے رَاَیْتُ اللّٰہُ فِی الْمَنَامِ اُس کی یہی مراد ہوتی ہے
اور یہہ مراد نہیں ہوتی کہ اُسنے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جب کہ اس بات
پر اتفاق ہوا کہ اللہ تعالی کی ذات اور نبی علیہ السلام کی ذات نہیں دیکھی جاتی
اور ان مثالون کا دیکھا جانا جایز ہے جن کو سوا نیو الاخد اتعالی کی ذات اور
نبی علیہ السلام کی ذات اعتقاد کرتا ہے اب اسکا انکار کیونکر ہوسکے باوجودیکہ
خوابون میں اس کا وجود ہے جس شخص نے اس مثال کو خود نہ دیکھا ہوگا اُسکو
اُن لوگون سے خبر متواتر ہی پہنچی ہوگی جنہون نے ان مثالون کو دیکھا ہے
اور مثال معتقدہ کبھی تو سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی اور سچی مثال کو تو
اللہ تعالےٰ نے دیکھنے والے اور نبی علیہ السلام کے مابین بعض امور کے
معلوم کرنے کے لئے واسطہ بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسا ہی

اُس روح کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے اور وہ مثال ایک شکل ہوتی ہے جو اُسکے لئے رنگت اور صورت ہوتی ہے اگرچہ جوہر نبوت یعنی روح شکل اور صورت اور رنگت سے منزہ ہے۔ اب ایسا ہی ذات باری تعالیٰ شکل‡ اور صورت سے پاک ہے لیکن بندہ کو جو اُس کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو مثال محسوسہ کیواسطے سے ہوتی ہے وہ مثال محسوسہ خواہ قسم نور سے ہو یا اسکے سوا کوئی اور قسم صور توں جمیلہ میں سے ہو جو اُس جمال حقیقی معقول کی مثال بن سکتی ہو جس کی کچھہ صورت اور رنگت نہیں ہے سو یہہ مثال صادق معرفت کے لئے واسطہ ہو۔ اب جب دیکھنے والا کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اُسکے یہہ معنی نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور روح اور جسم کو دیکھا بلکہ اُسکے یہہ معنی ہیں کہ میں نے اُسکی مثال دیکھی اگر کہا جاوے کہ نبی علیہ السلام کے لئے تو مثال ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی مثل نہیں ہم کہتے ہیں کہ یہہ تو مثل اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی بات ہے مثل تو وہ ہے کہ تمام صفتوں میں مساوی ہو اور مثال میں تمام صفات میں مساوات

‡ ذات باری کی شکل وصورت سے پاک ہے کیونکہ شکل وصورت خواص اجسام سے ہے جو بواسطہ کمیات وکیفیات و احاطہ حدود ونہایات کے حاصل ہوتی ہے اور باری تعالیٰ تو جسمیت سے مبرا ہے اسلئے کہ جسم مرکب ہوتا ہے اجزا سے اور ہر مرکب وجود میں محتاج ہوتا ہے اپنے اجزا کیطرف اور خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے اور احتیاج منافی وجوب کے ہے جب جسمیت سے پاک ہوا تو خواص جسمیت یعنی شکل وصورت سے بھی پاک ہوا لیس خواب میں دیدار باری تعالیٰ کا کسی صورت میں ہونا جیسا کہ نور وغیرہ صور جمیلہ میں اسکو تجلی مثالی پر حمل کیا جائیگا کیونکہ تجلی حقیقی پر اس کا محمول کرنا محال ضروری ہے ۱۲ مفتی شاہدین سلمہ ربہ

جبرئیل کی ذات وحیہ کلبی کی ذات کے ساتھ منقلب ہو گئی بلکہ اس اعتبار سے ہو
کہ رسول مقبول علیہ السلام کو وہ صورت ایک مثال ظاہر ہوئی جو جبرئیل کی طرف
سے پیغام الٰہی کو ادا کرتی تھی ایسا ہی قولہ تعالیٰ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (یعنے
پھر بن آیا جبرئیل [1] مریم کے آگے آدمی پورا) پس جب یہہ تمثل ہونا جبرئیل کی
ذات میں استحالہ اور انقلاب نہ ہوا بلکہ جبرئیل اپنی صفت اور حقیقت پر ہی رہے
اگرچہ نبی علیہ السلام کو وحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوئے ایسا ہی یہہ اللہ تعالےٰ
کے حق میں محال نہیں خواہ بیداری میں ہو خواہ خواب میں اب اطلاق صورت
کا جائز ہونا خبر کی جہت سے ثابت ہوا اور سلف سے بھی بارتعالیٰ پر صورت
کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اس میں بہت سے اخبار اور آثار منقول ہیں اگر اخبار و
آثار سلف سے اسکا بولنا ثابت نہ ہوتا تب بھی ہم کہتے کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ کے
حق میں صادق ہو اور سننے والے کے نزدیک خطا کا وہم نہ ڈالے بلا تحریم اور
منع اُس کا بارتعالیٰ پر بولنا جائز ہے اور دیدار الٰہی کے لفظ سے بھی بسبب کثرت

[1] حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت بی بی مریم کے پاس آدمی کی شکل میں آنا اسوجہ سے تھا کہ حضرت بی بی مریم کو کلام کے سننے میں اُن سے اُنست ہو مریم کے معنی لغت عبرانی میں خادم کے ہیں چونکہ آپ کی والدہ نے آنکو بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر کیا تھا اسلئے انکا نام مریم ہوا۔ جبرئیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں کیونکہ جبر بمعنی بندہ بے اختیار اور ایل بمعنی اللہ ہے چنانچہ تفسیر ابن جریر و ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباسؓ و عکرمہؓ و علقمہؓ سے مروی ہے حضرت جبرئیل کو روح القدس بھی کہتے ہیں چنانچہ ایک حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

استعمال زبانون کے نزدیک دیدار ذات کا وہم نہیں پڑتا اگر ایسا شخص فرض کیا جاوے جو اسکے نزدیک اس قول سے حق کے برخلاف وہم پڑے تو اسکے ساتھہ یہہ قول بولنا لایق ہی نہیں ہے بلکہ اُسکے لئے اسکے معنی کی تفسیر کیجائیگی جیسا کہ ہم کو جائز نہین ہو کہ بولیں کہ ہم اللہ تعالی کو دوست رکھتے ہیں اور اُس کا ملنا چاہتے ہیں کیونکہ ان اطلاقات سے کئی لوگون کو خیالات فاسدہ سمجہہ مین آتے ہیں اور اکثر لوگ اِن اطلاقات سے وہی معنی سمجھتے ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں اور انکو کچہہ خیال فاسد نہین ہوتا سو ان اطلاقات مین مخاطب کے حال کی رعایت کیجائیگی جہاں مبہم نہ ہو وہاں بغیر کشف اور تفسیر کے بولنا جائز ہی اور جہان مبہم ہو وہاں تفصیل اور کشف ضروری ہی فی الجملہ اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالی کی ذات نہین دیکھی جاتی اور جو دیکھی جاتی ہے اوس کی مثال ہے اور اس بات مین اختلاف ٹھہرا کہ بولنا لفظ دیدار کا اللہ تعالے کی ذات پر جائز ہی یا نہیں۔ اب جو شخص گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالی کے حق میں مثال کا ہونا محال ہی سو یہہ گمان اُسکا خطا ہے بلکہ ہم اللہ تعالی اور اسکی صفات کے لئے مثال بیان کرتے ہیں اور اُس کی ذات کو مثل سے پاک اور منزہ جانتے ہیں نہ کہ مثال سے **فصل** جبکہ روح کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو ثواب و عذاب قبر بھی جان سکتا ہے ۔ روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو قوت وہمیہ بھی بدن سے چلی جاتی ہے اور بدن کے ہیئات میں سے کوئی چیز روح کے ساتھہ نہیں رہتی اور یہہ تجھکو معلوم ہو چکا ہی

کہ قوام روح کا بغیر بدن کے بھی ممکن ہے ہر شخص کو اپنے مرنے اور دنیا سے
جانیکا علم رہتا ہے اور یہہ جانتا ہے کہ خود ہے مرا اور اپنا ہی بدن دفن ہوا
جسطرح کہ زندگی میں جانتا تھا۔ قبر میں وہ اپنے اعمال نیک و بد کی جزا پاویگا
ہر ایک کے لئے اعمال کے لحاظ سے قبر یا تو باغ ہے یا گڑھا بمصداق حدیث نبی
کریم صلعم کے۔ ت القبر اما روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر
النیران اگر وہ نیک بخت ہے تو فراغ بالی و نیک حالت یعنے ایسے باغوں
جنکے نیچے سے نہریں بہتیں ہوں اور ایسے سرسبز چمنوں میں جسمیں غلمان و حوریں
ہیں اور پاکیزہ پانیکی پیالے وغیرہ موجود ہیں جسطرح وہ اعتقاد رکھتا تھا اپنے
کو پاتا ہے۔ یہی ثواب قبر ہے۔ اور اگر نہیں تو ان تکالیف میں جو عذاب
کے طور سے اوسکو پہونچتی رہتی ہیں جنکی خبر مخبر صادق نے دی ہے رہتا ہے
اسیکو عذاب قبر کہتے ہیں۔ قبر فی الحقیقت اسی حالت و صورت کا نام ہے
اوسیں ثواب ہے یا عذاب۔ اور پھر زندہ ہونا قیامت میں جسکو دوسری پیدایش
سے تعبیر کرتے ہیں۔ نفس کا اس صورت سے نکل پڑنا ہے جیسا کہ بچہ بچہ دان
سے نکل پڑتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ت۲ قل یحییها الذی انشاءها اول مرة
وهو بكل خلق عليم وقولہ تعالیٰ۔ ت۳ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ
نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ اس پیدایش کی روشن دلیل و مثال ہے۔
وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تذکرہ

امام حجۃ الاسلام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰ھ ہجری میں
بمقام طوس پیدا ہوئے وطن شریف آپکا غزالہ ہے طوس کے دیہات میں سے تحصیل علوم آپ نے
ابو حامد اسفرائنی اور ابو محمد جوینی سے کی ابتداء میں آپ طوس میں رہے پھر بغرض تحصیل علوم بمقام
نیشا پور امام الحرمین ابو المعالی کے پاس تشریف لے گئے اصول و فروع مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
کے آپ ماہر تھے آپ کی تصنیفات کا مجموعہ چار سو جلدیں ہیں احیاء العلوم آپ نے ایکہزار مجلس ولن
میں تالیف کی حل مسایل غامضہ کی تصنیف بعد احیاء العلوم کے ثابت ہوتی ہے تفسیر یاقوت التاویل
آپ کی چالیس جلدوں میں ہے کیمیای سعادت اور بسیط اور وسیط اور وجیز اور خلاصہ اور مستصفی
اور تہافۃ الفلاسفہ اور محک النظر اور معیار العلم اور مقاصد اور مضنون بہ علی غیر اہلہ اور جواہر القرآن
اور المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں کتاب
منخول جب آپ تصنیف کرکے اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے فرمایا
تم نے مجھ کو زندہ ہی دفن کر دیا یعنی تمہاری تصنیفات کے سامنے میری تصنیفات کی قدر
جاتی رہی جب نظام الملک امیر بغداد کی طرف سے مدرسہ نظامیہ واقعہ بغداد کا منصب درس و تدریس
آپ کے تفویض ہوا وہاں عرصہ تک آپ نے درس دیا آپ کا درس ایسا مقبول عام ہوا کہ جب مدرسہ
سے مکان کو آتے تو پانسو فقیہ و شیخ بائیں پیش آپکے گرد ہوتے پھر آپ نے زہد اختیار
لیا اور درس وغیرہ کو ترک کرکے قصد حج استوار کیا حج بیت اللہ سے کامیاب ہو کر ملک شام میں مراجعت
فرمائی ایک مدت تک وہاں ریاضتیں کیں بعدازاں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے مصر میں گئے
کچھ مدت اسکندریہ میں رہے پھر جانب شام مراجعت کی کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف طوس میں تشریف لے آئے
اور آخر عمر تک اسی جگہ مقام فرمایا ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ بنا کر اپنی اوقات کو تعلیم و دیگر امور خیر میں تقسیم کیا یہاں
تک کہ دو شنبہ کے روز چودھویں جمادی الثانی ۵۰۵ھ ہجری میں پچپن برس کی عمر میں گرای علیین ہوئے ادخلہ اللہ فی الجنۃ

تمت بالخیر

میزانِ عمل

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

[illegible]

ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز بی اے ایڈیٹر اخبار مدینہ بجنور
سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

میزانِ عمل

۲۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سعادت کی تلاش و جستجو میں ہر زمانہ کے لوگ سرگرداں رہے ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور عمل کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اِن کی حقیقت اور اندازہ معلوم کرنے کے لئے علمائے سلف و خلف نے اپنی تمامتر توجہ صرف کر دی ہے۔ اِس لئے ضروری ہُوا کہ ہم علم اور عمل میں تمیز کرنے اور پہچان کے لئے ایک معیار مقرر کریں اور کھرے اور کھوٹے کی شناخت کے لئے ایک کسوٹی معین کریں۔ چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کامل غور و خوض سے کام لیکر بتا دیں کہ سعادت کے حصول میں سہل انگاری اور تکاسل سے کام لینا حماقت ہے۔ اور اس کے لئے علم اور عمل کا اجتماع لازمی ہے اس سے بہرہ اندوز ہونے کا طریق معیّن کریں اور بتائیں کہ عمل سعید کیا ہے اور اس کا رستہ کیا ہے۔ ان تمام امور کی توضیح کے لئے ہم دلائل و براہین پیش کرینگے محض تقلیدی رنگ مدّنظر نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ اس طرح تحریر طویل ہو جائیگی لیکن کیا کریں کہ اِس کے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ ہم کوشش کرینگے کہ علم کے اصول و قوانین کی حدود سے سرمو تجاوز نہ کریں، واللہ المستعان، ؎

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُنکے دامن کیلئے

غزالی

۷۸۶

فصل

سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے

سعادت اخروی سے ہماری مراد ہے ۔ وہ بقا جو غیر فانی ہے ! وہ شراب نشاط جس میں درد و غم نہ ہو ! وہ مسرت جس کو غم کی تلخی منغص نہ کرے ، اور ایسی عزت ابدی جو ذلت سے آشنا نہ ہو ! وہ بے فکری و استغنا جس میں احتیاج کو کبھی دخل نہ ہو ! اور وہ کمال جسے زوال نہ ہو ، ساتھ ہی ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جا سکتی ہے ، اور ہر وہ شے جس کیلئے دل تڑپ سکتا ہے ، حاصل اور موجود ہو ، اں اور یہ چیزیں ابدالآباد کے لئے ہوں اور زمانے کی تیز تلواران کا رشتہ منقطع نہ کر سکے ! فرض کرو کہ تمام دنیا اناج سے اٹی پڑی ہے پھر ایک پرندہ ہے ، جو ہزار سال کے بعد ایک دانہ اس میں سے چگ لیتا ہے ، تو یقین سمجھو کہ ایک روز وہ اناج ختم ہو جائیگا لیکن سعادت اخروی کا وہ گنج بے پایاں ہے جو کبھی نپٹ نہیں سکتا !

اس قسم کی نعمت عظمی کی ترغیب و تحریص دلانے کی ہم کوئی ضرورت نہیں جبکہ ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ تمام عقلمند اور تجربہ کار لوگ اس سے بدرجہا کمتر اور ادنے چیزوں کے حصول کے لئے ہزاروں قسم کی مصائب اور تکالیف خوشی سے برداشت کر لیتے ۔ اور دنیا کی لذتیں تیاگ دیتے ہیں ۔ رنج و مصائب ہزار بیشمار ہوں آخر ختم ہو جاتی ہیں ۔ اور دنیا کی لذتیں لاکھ بے حساب ہوں ۔ آخر گذر جاتی ہیں ۔ ہمارے نزدیک تو عقلمند وہی شخص ہے جسے آئندہ کی یقینی اور بہتر نعمت کے لئے موجودہ اور ادنے شے کو چھوڑنا آسان ہو چنانچہ جو لوگ صنعت اور تجارتی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس زرین اصول پر خوب کار بند ہیں علم و فن کی تلاش میں لوگ ۔ غریب الوطن ۔ فقر و فاقہ ۔ ذلت ۔ اور برتر از وہم و قیاس مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں ، اور اُن کے

قلب اور سکون خاطر کی ذمہ دار صرف یہ بات ہوتی ہے۔ کہ زمانہ مستقبل میں وہ گوہر گرانمایہ اُن کے ہاتھ لگ جائیگا جو زمانہ حال کی تمام تکالیف و شدائد کا بہترین عوضانہ اور موجودہ رنج و ملال کا بہترین اجر ہوگا، دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو زر و مال کا طالب ہو۔ اور اُسے کہا جائے کہ تمہیں ایک ماہ کے بعد اکسیر اعظم دیدی جائیگی بشرطیکہ تم گھر سے سونا خرچ کر دو! اور ایک ماہ تک انتظار کرو تو وہ اس پر عمل نہ کرے، اگر کوئی شخص اس قسم کی آئندہ نعمتوں کی امید میں تھوڑی سی بھوک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اُسے کوئی شخص عقلمند تصور نہیں کر سکتا، اور شائد اس قسم کے آدمی کا وجود بھی عنقا کا حکم رکھتا ہے حالانکہ دنیا فانی ہے۔ موت گھات میں ہے، اور سونا آخرت میں کام نہیں دیتا۔ اور ممکن ہے کہ وہ مہینے کے اندر یا بعد جان جان آفرین کے سپرد کرے۔ غور کرو کہ یہ شخص اکسیر کی طمع میں بے دریغ مال و زر خرچ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور ہر طرح کی مصیبت اٹھانے کے لئے آمادہ۔ پھر عقلمند لوگ اس عمر ناپائیدار میں جس کی حد سو سال ہے، اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی لذتوں کی حد بندی کرنے میں کیسے کوتاہی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس عمل کا عوض عیش سرمدی اور آرام جاوداں کی صورت میں ملنے والا ہے ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن،

اور یہ جو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ لوگ سعادت کی شاہراہ پر گامزن ہونے سے گریز کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ انہیں قیامت پر پورا یقین ہی نہیں، ورنہ عقل ناقص کا بھی تقاضا ہے کہ سعادت کے حصول کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے، چہ جائیکہ وہ لوگ اس کا انکار کریں جو عقل کامل سے بہرہ مند ہیں ۔

فصل

قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

ہماری رائے ہے کہ قیامت کے متعلق ایمان میں کوتاہی کرنا بھی بیوقوفی پر دال ہے کیونکہ اگر غفلت وخود فراموشی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پرواہی بھی نہ ہو۔ آخرت کے باب میں لوگوں کے چار گروہ ہیں :۔

اوّل ۔ وہ لوگ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر ونشر اور جنت و دوزخ بعینہٖ اُسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے، اور ان میں سب سے زیادہ رطب اللسان اور فصیح قرآن ہے۔ ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح پر ہونگی جیسے دنیا میں مباشرت، کھانا پینا۔ سونگھنا، چھونا۔ پہننا اور دیکھنا ہے ۔ اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر ستزاد اور قسم قسم کی لذات و سرور ہونگے، لیکن ان لذتوں کی کیفیت اور صنف حیطۂ بیان سے باہر ہے ۔ یہ وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کان نے سنی نہیں ۔ اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور سما سکتا ہے ۔ یہ غیر منقطع ہے اور ابدالآباد تک رہیگی ۔ یہ علم وعمل کی بدولت ہی حاصل کی جاسکتی ہے ۔ اس گروہ میں تمام مسلمان اور یہود ونصاریٰ کا اکثر حصہ داخل ہے +

دوسرا فرقہ جس میں مسلمان فلاسفہ کا وہ طبقہ جو الہیین کہلاتا ہے داخل ہے ۔ کہتا ہے وہ ایک اس قسم کی لذت ہے ۔ جو انسانی قلب کے تصوّر میں نہیں آسکتی : اس کا نام لذت عقلی ہے ۔ اور حسیات یا تو خارجی طور پر اُن کی موجودگی کے وہ منکر ہیں ، ہاں جیسے نیند میں ہوتا ہے ۔ خیالی طور پر ان کا وجود ہوسکتا ہے ، لیکن نیند کے حالات بیداری کیساتھ زائل ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ ہمیشہ رہینگے ۔ ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں ۔ جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں ، اور جن کے دل اس جانب بہت مائل ہیں ۔ وہ ان کو لذات عقلیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے ، بہرحال اگر آخرت کی کیفیت صرف اسی قدر ہو تو بھی اس کی طلب میں کوتاہی مناسب نہیں ، وجہ یہ ہے کہ لذت بھی

وہی چیز دیتی ہے جس کے ذوق سے انسان کا دل چھونے، کھانے یا دیکھنے کے ذریعہ متاثر ہو چکا ہو +

خارجی امور حصول اثر کا موجب ہیں، لذت ایک داخلی اثر ہے جو خارجی اشیا کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے، جب بغیر خارجی امور کے وجود کے تاثرات حاصل ہو سکتے ہیں جیسے حالت نوم میں۔ تو ان کی موجودگی میں اثرات کے حصول کے متعلق تو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی +

تیسرا طبقہ۔ یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت حسیہ کے انکار کی طرف گئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ موت بدن اور روح میں جدائی ڈال دیتی ہے، اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے، جب ایک دفعہ روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی چنانچہ صرف آلام و لذات باقی رہتی ہیں۔ یہ حسی نہیں بلکہ حسی سے بزرگتر ہیں، انسان اس عالم میں بھی لذات عقلیہ کی جانب مائل ہے، اور اس سے زیادہ آلام عقلیہ سے نفور۔ یہی وجہ ہے کہ حصول معاش میں ذلت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے، سزا کے وقت علیحدگی کو دوست رکھتا ہے۔ مباشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے وقت اسے پردہ داری محبوب ہے، اور گذشتہ رنج و آلام اور مصائب کی یاد اسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ کہ شطرنج کھیلنے والے دو ایک روز تک شطرنج کے شوق میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ کھیل کی لذت عقلی کھانے کی لذت حسی پر غالب آجاتی ہے۔ لذت عقلی کے غلبہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے جم غفیر پر پل پڑتا ہے، اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس حرکت کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت و جوانمردی کی تعریف کرینگے، اور یہی خیال اسے زندگی کو خیرباد کہدینے پر ابھارتا ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حسیات ان لذات کے مقابلہ میں جو دار آخرت میں ہونگی کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ ممکن ہے ان کی نسبت ان کے ساتھ وہی ہو جو نفیس و لذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے، اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے، بلکہ اس سے بھی دور تر کی کوئی نسبت ہو ان کا گمان ہے۔ کہ جب عوام کے فہم سے یہ باتیں بلند تر ہیں۔ تو مثال کے طور

پر اُن کے سامنے انہی لذات کا بیان کیا جاتا ہے۔ جن سے وہ آشنا ہیں؛ جیسے ایک لڑکا ہو اور اُسے فضل و قضا اور وزارت کے عہدے پر فائز کرنے کے لئے تعلیم دیجائے تو چونکہ وہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی حقیقت سے ناآشنا ہے اور اُن کی کیفیت نہیں جانتا۔ اس لئے اُسے ان چیزوں کی ترغیب دی جاتی ہے جن کی لذت سے وہ واقف ہے۔ مثلاً گیند جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہے یا چڑیا جسے وہ اڑاتا ہے؛ حالانکہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہاں گیند اور چڑیا سے کھیلنا اور کہاں حکومت و وزارت کی لذت، لیکن چونکہ اس کا فہم اعلیٰ شئے کے ادراک سے قاصر رہتا ہے اس لئے اُس کے سامنے ادنیٰ بات کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ اور وہ اپنی استعداد کے مطابق بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے۔ اگر لذات آخرت کو صرف اسی کے مطابق بھی مان لیا جائے تو طلب و جستجو میں کوتاہی مناسب نہیں۔ بلکہ جد و جہد کو دوگنا کرنا چاہیئے۔ صوفیاء اور الہیین اس طرف گئے ہیں۔ اوّل سے آخر تک یہاں تک کہ مشائخ صوفیاً نے تصریح کر دی ہے اور مزید تشریح کی گنجائش نہیں رکھی، اور وہ کہ اُٹھے ہیں کہ جو شخص طلب جنت کے لئے یا خوف دوزخ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ لئیم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف قصد کرنے والوں کا مقصود ان چیزوں سے بہت بالا تر ہے + جو شخص مشائخ سے ملیگا۔ اُن کے عقائد کے بارے میں اُن سے گفتگو کریگا اور ان کی مصنفات کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اُسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ ان کا یہ اعتقاد اُن کے احوال کے عین مطابق ہے +

فرقہ چہارم۔ عوام اور جہلاء مطلق کا گروہ ہے؛ جو اپنے نام کے ہجے بھی نہیں جانتے ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے! اور طاعت و معصیت کی کوئی جزا و سزا نہیں، انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ جس طرح ولادت سے قبل تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ مذہب کسی جماعت کا نہیں، نہ ہی کسی مشہور صاحب نظر سے منسوب ہے۔ البتہ یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے؛ جن پر خواہشات نفسانی کا دیو غالب اور اُن کا شیطان اُن پر مستولی ہو چکا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنے پر نادر نہیں۔ ان کی خود پسندی اور خود رائی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ متابعت خواہشات میں اپنے

عجز کا اعتراف کریں۔ چنانچہ اپنے قصورِ فہم کے باعث وہ عذر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی بات واجب اور حق ہے۔ اپنی بات کی پَچ رکھنے کے لئے وہ اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، اور باطل کی پیروی میں محو ہو جاتے ہیں۔ اتباع ہوائے نفسانی بیوقوفوں کو سب سے زیادہ باطل عقیدوں کی تصدیق میں عجلت کراتی ہے۔ بعض بدبخت اس عقیدۂ باطل کو بعض مشہور دقیقہ رس علما مثلاً ارسطو۔ فلاطون یا کسی اور فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں! یہ ایک فریب ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ سامع سے کہتے ہیں "میاں تمہاری معرفت ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے، انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی ٹوہ میں صرف کر دیا ہے"۔ غریب اور سادہ لوح سامع اس تلبیس کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اُن کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ ظالموں سے کوئی حوالہ طلب نہیں کرتا جس سے معلوم ہو کہ واقعی ان لوگوں کا یہ مذہب تھا؛ حالانکہ اگر اسے کوئی ایسی اطلاع دی جائے جس سے اس کا چند ٹکوں کا نقصان ہوتا ہو، تو وہ اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک کوئی دلیل و برہان پیش نہ کی جائے۔ اگر کوئی شخص اُسے کہے کہ تمہارے باپ نے فلاں شخص سے دس روپے دینے کا اقرار کیا تھا۔ اب اس کے ترکہ میں سے ادا کرو؛ اس کے پاس ایک دستاویز بھی ہے جس پر گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ تو وہ فوراً پکار اُٹھے گا حجت لاؤ۔ وہ زندہ گواہ کہاں ہے جو اس کی شہادت دے۔ اور دستاویز اور نقل خطوط کا کیا اعتبار ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص چند ٹکوں کے باب میں اس قدر محتاط تھا مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہ ہے کہ مذہب کی بابت حوالے کی تصدیق کے وقت دو گواہ بھی طلب نہیں کرتا۔ جو اس امر کی شہادت دیں کہ ہاں ہم نے یہ بات سُنی ہے! اور بغیر کسی تحریر۔ یا اس کی تصانیف دیکھنے کے اگرچہ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہو آمنا و صدقنا پکار اٹھتا ہے۔ حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اپنے کانوں سے بھی سُن لے پھر بھی اُسے تسلیم کرنے میں توقف کرے۔ جب تک اس کے بارے میں کوئی دلیل و برہان نہ مل جائے۔ اگر صرف دیکھا دیکھی پیروی کرنا مقصود ہے تو انبیا اولیا علما کی تقلید بلکہ جمہور انام کی پیروی اس ایک شخص کی تقلید سے اولیٰ ہے۔ جو خطا سے معصوم نہیں +

ان تمام معتقدات کو سُن لینے کے بعد اگر تم متلاشی حق ہو تو اس گمراہ فرقے کے عقائد

کے بارے میں تمہاری حالت چار باتوں سے خالی نہیں۔ اوّل یہ کہ تم قطعاً اس کے بطلان کے معترف ہو، دوم یہ کہ تم اس کے بطلان کے متعلق ظن رکھتے ہو، سوم یہ کہ اُس کی صحت کے بارے میں تمہیں ظن غالب ہو۔ یا امکان بعید کے طور پر اس کے بطلان کو درست سمجھو۔ اور چہارم یہ کہ اُس کی قطعی صحت کے متعلق تمہارا یقین ہو، بہرحال تمہاری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تم علم و عمل میں مشغول ہو جاؤ۔ اور لذائذ دنیوی سے اعراض کرو۔ ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری عقل سلیم اور طبیعت نیک ہو۔ تم پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں تمہاری عقل کا مقتضا یہی ہے۔ کہ تم علم و عمل کی طلب میں کمرِ ہمت چست باندھ کر سرگرم عمل ہو جس طرح دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ طلب نفع کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری مہیا کی جائے۔ یا طلب ریاست کے لئے اوّل شباب میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کوئی اور عزت و جاہ کے منصب کے حصول کے لئے اُس کے مطابق کوشش کی جائے۔ حالانکہ ان تمام امور کے نتائج ظنی ہیں، اور قطعی نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حریص آدمی کے دل میں یہ بات سما جائے کہ کیمیا کا وجود عنقا نہیں، اور اُسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی مشقت کے بعد وہ اس سے ہم آغوش ہو جائیگا، پھر اس کے بعد تمام عمر خواہ وہ ایک ماہ سے بھی کم ہو، یا زیادہ اُس سے متمتع ہوتا رہیگا اور عیش سے بسر اوقات کریگا۔ تو اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ مصیبت و مشقت کا مہینہ خوش خوش بسر کر دے اور اس تکلیف کو حقیر سمجھے۔ اگر اُسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں۔ تو بھی کامیابی کا خیال اس کے لئے صد وجہ تسلی ہوتا ہے۔

اگر تم تیسری حالت میں ہو اور اُس کی صحت کا ظن غالب ہو، انبیا اولیا اور جمہور علما کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو۔ تو بھی تمہاری عقل یہی کہیگی کہ طریق امن و سلامتی پر گامزن ہونا اور خطرناک صورت حالات سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے، اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور محرمان راز میں سے ہو سکو، مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا ظن غالب ہو، کہ اس کے سرانجام دینے سے بادشاہ سلامت خوش ہو کر تمہیں خلعت و دینار عطا فرمائینگے ساتھ ہی ظن غالب کے خلاف ایک احتمال بھی ہو اس امر کا

کہ کسی وقت ممکن ہے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے وہ غضبناک ہو کر تمہیں عذاب شاہی میں مبتلا کرے۔ تمہاری ذلت و رسوائی کا موجب ہو۔ اور تمہیں تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈالدے۔ تو تمہاری صائب رائے یہی مشورہ دیگی تم اس خطرے میں کودنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اگر تم اس خدمت کے سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر تمہارا ساتھ نہ دیگا۔ اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو تمہاری زندگی بھر تمہارا پیچھا چھوڑنے کا نہیں، اس لئے کامیابی کا ثمرہ ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہو سکتا +

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک طشت رکھا ہو اور چند لوگ یا ایک شخص کہے کہ یہ زہر آلود ہے۔ حالانکہ اس کا حال نبیوں کا سا بھی نہ ہو۔ جو معجزات کے ذریعہ سے اپنے قول کی تائید کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ پھر تم اس کے کذب کے متعلق ظن غالب بھی رکھتے ہو، جس طرح تم تیسری صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے کذب کا ظن غالب رکھتے ہو، تو تم اُسے سچا ہی سمجھنے کی کوشش کرو گے! اور سمجھو گے کہ کھانا کھا لینے میں لذت ہے اور زبان کا چٹخارا لیکن اگر وہ زہر آلود ہوا۔ تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ اس لحاظ سے بھی عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم دانشمند ہو تو خطرے سے اجتناب ہی کرو۔ چنانچہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آکر جھگڑنا شروع کیا اور امر آخرت میں شک و شبہ کا اظہار کیا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا میاں بحث و مجادلے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں اگر تو صورت حالات وہی ہوئی۔ جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائینگے۔ لیکن اگر بات وہی نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم تو مارے جاؤ گے! اور ہم نجات پا جائینگے" حضرت علی رضی اللہ کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا صریح ستم ظریفی ہوگی۔ کہ امیر المؤمنین کو امر آخرت میں کوئی شک و شبہ تھا! نہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی تنبیہ ہے۔ مخاطب کی حد جہل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر ہے اسی طرز استدلال کو ہم نے استعمال کیا ہے، تاکہ جو لوگ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور باطل پرستی کی پیروی، تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنا آسان ہو جائے +

یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی۔ کہ کوئی عظیم الشان مصیبت اگرچہ معلوم نہ ہوا احتمال کے رو سے اُسے یقینی مستحقر پر ترجیح دینی چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا حقیر یا اہم ہونا

اضافی ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ تم عمر کے انجام اور آسودہ حال لوگوں کے حصہ دنیا پر غور کرو اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے دوام کے بارے میں جو تین فرقوں کا اعتقاد ہے اُسے قبول کرو۔ اور بدیہی طور پر جان لو، کہ دنیا کے عیش و آرام میں سے جو کچھ تم حصول آخرت کے بدلے میں چھوڑتے ہو نہایت حقیر ہے +

اور اگر تم چوتھی صورت میں ہو یعنی تم چوتھے گروہ کے معتقدات کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو ہم تمہاری انتہائی جہالت و قصور فہم کو مدنظر رکھ کر دو طریق پر تم سے خطاب کرینگے۔ اوّل یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی حقیقی اور ضروری دلیل نہیں جس کو غلط ثابت نہ کیا جاسکے حتی کہ کہا جاسکے تمہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت میسر ہوئی ہے جس کو انبیاء، اولیا، حکماء اور جملہ عاقل لوگ معلوم کرنے سے قاصر رہے ہے۔ جب اس قدر بزرگ باوجود اپنی کثرت تعداد۔ وسعت معلومات۔ بلندی نظر اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اُس کے متعلق غلطی میں پڑگئے، تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس معاملہ میں صحیح مسلک پر گام زن ہو اور غلطی سے محفوظ، تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کر لو لیکن اگر تم کہتے ہو کہ ممکن ہے ان لوگوں سے بھی غلطی ہوگئی ہو۔ اور مجھ سے بھی غلطی ہوگئی ہو، تو تم تیسری حالت میں ہوجاؤ گے! پھر اگر تمہارا سینہ اسقدر وسیع نہیں کہ اس بات کو بھی قبول کرسکو، اور کہو کہ میں نے تمام دنیا کے اعتقاد کا باطل ہونا پہچان لیا ہے اور یہ محال ہے کہ روح موت کے بعد پھر از روئے جوہر باقی ہو، یا پھر لوٹ کر آئے۔ اور اس بات کا تمہیں ایسا ہی یقین ہو، جیسے تم معلوم کرچکے ہو کہ ایک سے دو زیادہ ہوتے ہیں، اور سیاہی اور سفیدی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی، تو یہ بھی تمہاری بدمزاجی اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے۔ اور اس قسم کا دشمن عقل و خرد ایسے مرض میں گرفتار ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔ آہ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالے نے فرمایا ہے اولئك كالانعام بل هم اضل یہ لوگ چار پائے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر +

دوم۔ یہ لوگ سعادت اخروی کا انکار تو کرتے ہیں۔ لیکن دنیوی سعادت کے منکر نہیں ہیں، اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے؟ عزت و حرمت، بلند اقبالی و حکومت۔ قدرت و اختیار، رنج و ملال اور غم و آلام سے سلامت رہنا، اور ہمیشہ راحت

واکرام سے زندگی بسر کرنا۔ تو یہ امور بھی علم وعمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آ سکتے۔ علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اُسے کوئی شخص معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی باطل جیسے دنیا کی حکومت اور سیادت سے کوئی افسر معزول و موقوف ہو سکتا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علما کو علم اور ان انکشافات علمیہ میں جو وہ اکثر مشکل مسائل کے حل کرنے میں خصوصاً جب وہ مسائل زمین و آسمان کے ملکوت اور الٰہیات سے متعلق ہوں۔ وجدانی کیفیت اور لطف و سرور حاصل ہوتا ہے جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنہیں مشکلات حل کرنے کا کبھی موقعہ میسر نہیں ہوا پھر یہ ایسی لذت ہے جس کی انتہا نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ٹوک ہے۔ کیونکہ جوں جوں دلدادگان علم کی کثرت ہوتی جاتی ہے توں توں معلومات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ بلکہ جب عالم حطام دنیا اور اس کی ریاست کا طالب ہو۔ تو کثرت شرکا سے وہ علم سے زیادہ اُنس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا ہی تو ہے۔ جو مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے۔ اور علم تو کثرت طلاب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ پھر باوجودیکہ دنیا کا ملتوی لذات ہے۔ اس شخص کے لئے جو اس سے مانوس ہے تو وہ زیادہ دائمی ہو جاتی ہے۔ جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ اور اس کے فرشتے ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ عالم خالصتہً علم کا ہو رہے اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ رؤسا اور والیان ملک ہمیشہ معزول ہو جانے کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں، اور ان کو بھی اشتیاق ہوتا ہے۔ کہ ان کی عزت علما کی سی ہو۔

عمل سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو درست راستہ پر لگایا جائے۔ رہوار غضب کو ضبط غیض کی لگام دی جائے، اور نفسانی صفات کو توڑا جائے تاکہ نفس عقل کے تابع ہو جائے۔ اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہو۔ اور اپنی حاجات کے بر لانے میں جو تدابیر بھی اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں۔ ع

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل

پس جو شخص اپنی شہوات کو مغلوب کرے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے۔ بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد و زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ میری سلطنت تمہاری حکومت سے

عظیم تر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ جس کے تم بندے ہو وہ میرا غلام ہے۔ مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے۔ اور زاہد کی خواہشات نفسانی مقہور و مغلوب ہو چکی ہیں۔ خواہشات نفسانی کا بندہ جو اُن پر غالب نہیں آسکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے۔ دائمی رنج و غم میں مبتلا اور متواتر مصیبت میں گھرا رہتا ہے۔ اگر ایک روز اپنی مراد دلی سے شاد کام ہو لیتا ہے تو کئی روز مایوسی و نامرادی سے ہمکنار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی آرزوئے دل کو پورا کرنے کے لئے اُسے ہزاروں قسم کے خطرات۔ سَو طرح کے مصائب اور لاکھوں مشقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، اور روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی اسباب رنج و الم کی حد بندی ہے۔ اور اُن کو مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت و مجاہدے کو کام میں لایا جائے۔ اور یہی عمل کے معنی ہیں! تو جب عالم باعمل کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے۔ جو سعادت کو صرف دنیا میں ہی محدود سمجھتا ہے۔ (دنیا کسی کی ہو کے نہیں رہتی! اور اُس کی لذتیں اُس کی مصیبتوں سے زیادہ بھی ہیں) اتباع شہوات میں غرق رہنے والا اور معقولات میں نظر و فکر کرنے سے اعراض کرنے والا شخص بالاتفاق دنیا میں شقی اور بدبخت ہے، اور تینوں فرقوں کے نزدیک وہ آخرت میں بھی بے نصیب ہے، ہاں بیوقوفوں کی ایک قلیل جماعت جن کی ہستی کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی عقلمندوں میں اُن کو گنا جا سکتا ہے مستثنیٰ ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم و عمل میں کوشش و سعی کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ جاہل ہے اگر تم پوچھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اس میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں، تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے، یہی غفلت اُن کی زندگی پر مستولی ہے۔ لوگ اس وقت تک اس خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوتے جب تک خواہشات متواتر اور پے در پے آکر اُن کو فریب دیئے رکھتی ہیں۔ ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے ایک پاکیزہ سیرت واعظ کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ موجودہ زمانے میں اس قسم کے لوگ عنقا ہو چکے

ہیں۔ اور اگر شاذ و نادر طور پر کوئی ہو بھی تو یہ لوگ اس کی جانب ملتفت نہیں ہوتے اور اگر التفات کریں اور کچھ احساس اور حسن عزم زمانہ مستقبل میں طاعت میں یکسو ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہو تو ہوا و ہوس اُن پر ہجوم کر کے آتی ہے! اور تنبیہ و اعتبار کی جو روح ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے۔ غفلت و خود فراموشی کا پردہ لوٹ آتا ہے۔ اور عقلمند انسان پھر اپنی نامطبوع حرکات کا مرتکب ہونے لگتا ہے جن سے اُسے منع کیا گیا تھا، اور وہ اُسی مہلک اور خطرناک رستہ پر گامزن رہتا ہے حتیٰ کہ ہادم لذات اس کی روح و جسم میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ یہ تمام ہوا پرستیاں یہ جملہ شہوات کی پیرویاں اور یہ سب بدعملیاں اسے موت کی دستبرد سے بچا نہیں سکتیں، اس وقت حسرت و نامرادی کے سوا اور کوئی چارہ کار اُسے نظر نہیں آتا۔ اللہ ہمیں اس غفلت و بدمستی سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ یہی تمام شقاوت و بدبختی کی جڑ بنیاد اور اصل الاصول ہے +

فصل

شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل

اگر تم کہو کہ یہ تو ہم پر واضح ہو گیا کہ شاہراہ سعادت پر قدم زنی عقلمندی کی دلیل ہے اور اس میں سستی اور تساہل سے کام لینا جہالت کا ثبوت، لیکن جو شخص اس راستہ سے واقف ہی نہیں وہ کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ اور ہم کس طرح معلوم کریں کہ علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے تاکہ ہم اس پر توجہ صرف کریں۔ تو اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں اوّل بجملاً پر انا رستہ ہی مناسب ہے۔ یعنی تم اس رستہ پر ملتفت ہو جاؤ۔ جس پر اوّل تین فرقے متفق الرائے ہیں۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ فوز و نجات صرف علم و عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس امر میں متفق اللسان ہیں کہ علم عمل سے اشرف ہے عمل گویا علم کا تتمہ ہے عمل علم کو اپنے پر دل پر لیکر مائل پرداز ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے اس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالے نے فرمایا الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ کلمات طیب اسی کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح

ان کو بلند کرتا ہے! پاکیزہ کلمات بحث و نظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو یہی صعود ہے۔ اور یہی موقع پر پہنچتا ہے۔ عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے! در لیکر چلتا ہے! علم کی علو مرتبت کے بارے میں یہ ایک تنبیہ ہے +

فرقۂ اول جمہور پر مشتمل ہے اور مفہوم اول یعنی ظاہر شرع پر متمسک ہے۔ اس کا مذہب اور مسلک علم و عمل کے ذریعۂ نجات ہونے کے متعلق بالکل صاف اور عیاں ہے اور اس کا مکمل بیان احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ صوفیا اور فلاسفہ بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر بالجملہ ایمان لا چکے ہیں، اگرچہ اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف الرائے ہیں، اس امر میں متفق الخیال ہیں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں مضمر ہے۔ باوجود اس کے ان لوگوں کا علم و عمل کی تفصیل کا انتظار کرنا اور باوجود اس اتفاق رائے کے توقف کرنا سراسر حماقت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطبا کی کتابیں اور ان کے اقوال باوجود اصناف طب کے اختلاف کے اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے مفردات مفید ہیں۔ تو اگر مریض اس میں توقف کرتا ہے تو اس کی عقل میں فتور ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں تو اُسے نہایت مبادرت سے کام لینا چاہئے تھا۔ ہاں بعض اوقات مریض کو مرض کے ازالہ کے بعد اس امر کا موقعہ ملجاتا ہے کہ اس بات کے متعلق تحقیقات کرے تقلید جمہور کے لئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور مفردات کے مرض کے ازالہ کے لئے مناسب ہونے کی وجہ کا راز معلوم کرنے کے لئے چنانچہ اُسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے اور جب غور و فکر سے مستقل طور پر کام لیتا ہے تو اتباع و تقلید کے عمیق گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت ہونے کی فلک پیما چوٹی پر پہنچ جاتا ہے۔ غرض صوفیا اور ان کے علاوہ تین فرقوں کا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اس مقام کو بصیرت اور تحقیق کے ذریعہ حاصل کرلے اس کی صورت یہی ہے کہ تم موت کی حقیقت کو پہچان لو۔ اور اس بات سے خوب واقف ہو جاؤ کہ موت آلہ کو ناقابل استعمال کر دیتی ہے۔ اسے معدوم نہیں کرتی۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ (اول) ہر ایک چیز کی سعادت۔ اس کی لذت اور راحت اطمینان اس چیز کا کمال خاص حاصل کرلینے میں مضمر ہے۔ (دوم) انسان کے لئے کمال خاص یہ ہے کہ وہ ان عقلیات کی حقیقت کا ادراک کرلے جن پر اس کی ہستی کا دار و مدار ہے۔ ان سے وہ توہمات اور محسوسات خارج کر دینے چاہئیں جن میں اس کے ساتھ حیوان بھی مشترک ہیں۔

(سوم) روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے تشنہ کام ہے! در فطری طور پر اس کے لئے مستعد، شہوات بدنیہ، اور دوسرے عوارض میں اس کا مشغول و مصروف ہو جانا اسے اس کمال کے حاصل کرنے سے مانع ہے جب انسان ان پر غالب آ جائے شہوات کو توڑ دے ان کو بے دست و پا کر دے۔ عقل کو اس کی غلامی سے رہا کر دے۔ اور اس کی حلقہ بگوشی سے آزاد، اس وقت انسان ملکوت السموات والارض کو مطالعہ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کرتا ہے۔ بلکہ اپنے نفس اور اس کے متعلق عجائبات کو نظر عمیق ملاحظہ کرتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پا لیتا ہے۔ دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت اندوز ہوتا ہے کیونکہ سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اس کمال کو پالے جو اس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد۔ لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں۔ اس لذت سے ذوق آشنا نہیں ہو سکتے، اس کی مثال یوں ہے۔ کہ ایک شخص ہو جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیذ ترین کھانا رکھیئے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہ ہو گا۔ لیکن اگر یک لخت اس کی حس ذائقہ عود کر آئے تو وہ فوراً کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا! اس لحاظ سے موت کی مثال حس ذائقہ کے عود کر آنے کی سی ہے۔ چنانچہ میں نے بعض سرآمد حلقۂ تصوف کو سنا کہ فرماتے تھے سالک الی اللہ جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ اس کے گوشۂ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکے! اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ علائق دنیوی سے یکسر علیحدگی اختیار کی جائے۔ اور امور الٰہیہ میں فکر و نظر پر پوری ہمت صرف کی جائے حتیٰ کہ الہامات الٰہی کے روشن راز ہائے سربستہ کا انکشاف کرنے لگے! ور نہ جیسی ممکن ہے کہ روح کو ان تمام کدورتوں سے صاف کر لیا جائے، اس مقام بلند پر پہنچنے کا ہی دوسرا نام سعادت ہے۔ اور عمل اس کے لئے ممد و معاون؛ پس یہی وہ گروہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معرفت کو مناسبت حاصل ہے چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا۔ جو کچھ انہوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان مجاہدۂ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، جیسے کہ اللہ نے فرمایا **الذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا** جو لوگ ہماری راہ

میں کوشش کرینگے ہم انکو اپنے رستہ دکھا دینگے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کرو۔ بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف تم پر نفی و اثبات کے ذریعہ سے ہوگا۔ تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم علم و عمل سے شروع کرو جس پر تینوں فرقوں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ تمہاری غرض سوال سے بحث و جدال نہیں بلکہ جستجو ئے کامرانی ہے۔ اُس مریض کی مانند جب تمام اصناف کے طبیب اس کے مرض کے بارے میں متفق الرائے ہو جائیں تو بغیر جھگڑا کرنے کے شفا کی طلب میں مصروف ہو جاتا ہے ✣

فصل

تزکیۂ نفس کا اجمالی بیان

اگر تم کہو کہ یہ تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ علم و عمل میں مشغول ہونا واجب ہے لیکن علوم بے شمار ہیں، اور یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ نوع اور مقدار کے لحاظ سے کثیر اور مختلف ہیں مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ مفردات بیماری کو نافع ہیں، جب تک مفردات کی نوع اُن کی مقدار، ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یا متفرق طور پر استعمال کرنے کا طریق، وغیرہ وغیرہ جو امور ضروری طور پر تفصیل کے محتاج ہیں معلوم نہ ہوں۔ لہذا نہایت ضروری ہے۔ کہ قسم اور کمیت بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے۔ ان سوالات کا مجمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں پر منقسم ہیں، اوّل وہ لوگ جو تقلید پر قانع ہیں۔ وہ بحث و نظر کی مشقت گوارا کرنے سے مستغنی ہیں، بلکہ وہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی موجب سعادت و طمانیت سمجھتے ہیں۔ دوم وہ لوگ جو تقلید کا ممنون ہونا پسند نہیں کرتے وہ مریض کی طرح طبیب کے فرمودہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کو اس امر کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اطبا کا رتبہ حاصل کریں یہ منزل بہت دُور کی ہے۔ اس کے لئے نوح کی عمر چاہئے۔ اس منزل کو پا لینے کی سعادت صدیوں میں کسی ایک کو ملتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر طور پر۔ لیکن ہم چاہتے ہیں۔ کہ

اپنی تصانیف و تالیفات میں آج بھی اسی طرح روشن و درخشاں ہے۔ اور تاقیامت روشن رہے گا۔ داراشکوہ صاحب سفینۃ الاولیاء نے امام غزالی کی قبر بغداد میں بتائی ہے۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الثبات عند الممات" میں امام غزالی کی وفات سے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ۱۴ رجمادی الثانی ۵۰۵ھ (مطابق ۱۸ دسمبر ۱۱۱۱ء) کو دوشنبہ کی صبح کو حسب معمول اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی، اور کفن منگوایا، آنکھوں سے لگایا، اور کہا کہ آقا کا حکم سر آنکھوں پر، اور لیٹ گئے اور ایسے لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھے ؎

رفت آں طاؤسِ عرشی سوئے عرش
چوں رسید از ہاتفانش بوئے عرش

مترجم
محمد علی لطفی
۱۹۵۶ء

ان ملائکہ سے جو انسان کے نفوس پر موکل بنائے گئے ہیں تاکہ اس پر علوم کی بارش کریں۔ کیونکہ علوم اللہ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کئے جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا کسی انسان سے اللہ صرف وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا رسول بھیجکر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں۔ پہلا بدن کی جانب۔ اور چاہیئے کہ یہ تعلق غالب اور مستولی ہو نہ اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدنیہ سے منفعل ہونے والا دوسرا تعلق شریف وعالی جانب سے، چاہیئے کہ یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے دایم القبول ہو اور ہمیشہ تاثرات حاصل کرتا رہے کیونکہ یہیں سے نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے۔ یہ قوت نظریۂ عالمہ ہی ہے جس کا کام یہ ہے۔ کہ کلی اور ان عوارض سے پاک معانی کا جو انہیں جزئی اور محسوس بنا دیتی ہیں القا کریں۔ معانی کلی کا ذکر ہم اپنی کتاب معیار العلم میں کر چکے ہیں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ تین مراتب پر منقسم ہے اول اس نسبت کی مانند جو بچے کو کتابت سے ہے کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید ہے یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے۔ مرتبہ ثانیہ یہ کہ اس میں تمام معقولات جو ابتدائی اور ضروری ہیں۔ حاصل کئے جائیں۔ جیسے ایک لڑکا ہو جو صاحب تمیز ہے اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہے۔ اس نے دوات قلم اور حروف مرکب کے علاوہ مفرد کی پہچان حاصل کر لی ہے، حالانکہ اُسے پنگوڑے میں یہ بات حاصل نہ تھی؛ اس میں کتابت کی قوت مطلقہ تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام معقولات کسبیہ عملی طور پر حاصل کی جائیں۔ اور یہ چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں۔ چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کرلے تو ان پر متمکن ہو جائے۔ اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر کاتب وصناع کا سا ہے۔ جو کتابت سے غافل ہے۔ کہ وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اُسے انتہائی کمال حاصل ہے۔ یہ انسانی درجہ کی انتہا ہے لیکن اس رتبہ میں وتحصی مدارج ہیں جو کثرت وقلت معلومات اور شرافت وخست معلومات اور

تمہیں تقلید اور پیروی کی ذلت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے طریقے بتادیں۔ اگر توفیق الٰہی تمہاری امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا داعیہ تمہارے دل میں پیدا ہو جائے تو تم مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ یاد رکھو تم اپنی آرزو کو نہیں پا سکتے جب تک اپنے نفس۔ اُس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت کما حقہٗ حاصل نہ کر لو کیونکہ جو شخص زید سے واقف نہیں وہ اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کر سکتا ہے۔ مجاہدہ معالجہ نفس ہے جس سے اُس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کر لیتا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاکیزہ بنایا۔ اور وہ خائب و خاسر ہوا جس نے اُسے دبائے رکھا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اُس کی میل کے دور کرنے کا تصور کیسے کر سکتا ہے چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کے معاملے کو تخصیص اور اکرام کے طور پر عظمت عطا فرمائی۔ اور اُس کو اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا انی خالق بشراً من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں سے ادراک حاصل کرتا ہے اور نفس عقل اور بصیرت سے۔ نہ حواس سے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے جسد کو مٹی سے نسبت دی۔ اور اُس کی روح کو اپنی ذات سے۔ خداوند کی زبان میں روح وہی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے اور یہ اس لئے کہ ارباب بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ نفس انسانی امور الٰہیہ میں سے ہے۔ اور پست درجہ اجسام ارضی سے ارفع اور زبردست تر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی تم سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا تھا "اے بنی آدم اپنے نفس کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان لو گے" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسہٖ اعرفکم بربہٖ تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے۔ وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے۔ اور ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے

مرادف ہے۔ اسی لئے فرمایا سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم اور وَفی انفسکم افلا تبصرون۔ یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو بہائم کو بھی نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ انسان کو، مختصر یہ کہ جو شخص اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا۔ وہ دوسری خارجی اشیا سے بدرجہ اولٰے بے خبر ہوگا، اللہ عزوجل کی بندوں پر خاص الخاص رحمت اور عنایت ہے۔ کہ اس نے انسان کے وجود میں باوجود اس قدر صغیر الجثہ ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور اوصاف و خصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا حریف ہو رہا ہے۔ گویا تصنیف عالم کی یہ ایک جیبی تقطیع ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ انسان اس میں غور و فکر کرکے اللہ عزوجل کے علم کی طرف مواصلت حاصل کرے +

نفس کے متعلق جملہ حالات کا میں استقصا تو کروں لیکن اندیشہ ہے کہ گفتگو بہت طویل ہو جائیگی، لیکن اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم مجمل طور پر ضرور کچھ بیان کریں جس سے تمہیں تفصیلی حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو تو کان دھر کر سنو کہ نفس حیوانی کے دو قوتیں ہوتی ہیں، اول قوت محرکہ دوم قوت مدرکہ محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں، باعثہ اور مباشرہ محرکہ مباشرہ محرکت وہ قوت ہے جو اعصاب اور عضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ عضلات کو سکیڑے، اور نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے۔ مبدا کی جانب کھینچے۔ یا یہ کہ اُن کو ڈھیل دے اور نرم چھوڑ دے۔ تاکہ اعصاب اور نسیں مبدا کے مقابل جانب کو ہو جائیں۔ یہ قوت باعثہ محرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے +

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت منعکس ہوتی ہے۔ جو مرغوب الطبع ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب و تنفر کے جذبات پیدا کرتی ہے، اس کا نام باعثہ ہے اور وہ قوت مباشرہ حرکت کو جنبش پر مائل کرتی ہے۔ اس قوت باعثہ کے دو شعبے ہیں، ایک کو شہوانیہ کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو غضبیہ، شہوانیہ انسان کو ان اشیا کی جانب طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے جس کو وہ اپنے لئے ضروری اور منفعت بخش سمجھتا ہے۔ اور غضبیہ، انسان کو ان چیزوں کے دفع کرنے اور اُن پر غلبہ حاصل کرنے کی تحریص دلاتی ہے جن کو وہ اپنی ہستی کے لئے ضرر رساں اور نقصان دہ سمجھتا ہے +

اب رہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ ظاہرہ

حواس خمسہ پر مشتمل ہے ۔ ہم اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ غور و خوض نہیں کرینگے ۔ اگرچہ اس کے حقائق کی معرفت کے بارے میں بھی بہت طویل گفتگو چاہئے لیکن ہماری غرض اجمالی بیان ہے ۔ اس لئے ہم اُسے چھوڑ دیتے ہیں ۔ باطنہ پانچ ہیں اول خیالیہ، یہی وہ آئینہ ہے ۔ جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں چنانچہ صورت مرئی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہے ۔ تو وہ قوت جس کے پردے پر وہ چھپ جاتی ہے اس کو قوت خیالیہ کہتے ہیں ۔ اور جب جملہ حواس خمسہ کے مدرکات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ حس مشترک کہلاتی ہے ؂

دوسری کا نام حافظہ ہے ۔ اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کسی چیز کی صورت کو تمسک کرنے والی قوت اور ہے، اور اس کو قبول کرنے والی طاقت اور موم اپنی یبوست کے باعث نقش کو تمسک کرتا ہے ۔ اور رطوبت کے ذریعہ قبول ۔ اور پانی قبول کرتا ہے تمسک نہیں کرتا، قوت متقبلہ اور ان قوی یعنی حواس خمسہ کے مدرکات کو قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ رکھنے والی قوتوں کا مسکن مقدم دماغ کے جوف اول میں ہے، اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں مختل ہو جاتی ہیں، یہ باتیں علم طب میں مفصل مذکور ہیں ؂

سوم وہمیہ ہے ۔ اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے ۔ یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جو غیر محسوس ہوں، جس طرح وہ قوت جو بکری کو سمجھاتی ہے کہ بھیڑیئے سے بھاگنا اور بچے کی طرف جانا چاہئے ؂

چوتھی ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے ۔ جو محسوس نہیں کئے جا سکتے، جیسے قوت دوم صورتوں کو حفظ کرتی ہے ۔ وہ حافظہ صوری ہے اور یہ حافظہ معانی اس کا نام ذاکرہ ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے ۔ اب جوف دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا، اور یہ قوت مفکرہ کا مسکن ہے ۔ جو خزانہ صور اور خزانہ معانی کے درمیان مرتب ہوتی ہے ۔ اس کا کام یہ ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے ۔ اور بعض کو منتشر کر دے ۔ عام طور پر اس کا ذکر قوائے مدرکہ میں کیا جاتا ہے ۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو قوائے متحرکہ میں شمار کیا جائے، کیونکہ اس کا ادراک حرکت کی نوع سے ہے یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا

نہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل و ترکیب پر حاوی ہے۔ مذکورہ بالا قوا ی حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ صرف قوت مفکرہ مستثنیٰ ہے! اس کی بجائے حیوانات میں ایک قوت قریب قریب اس کے ہوتی ہے۔ اُس کو متخیلہ کہتے ہیں۔ مگر وہ انسان کی قوت مفکرہ کے برابر طاقتور اور قوی نہیں ہوتی۔

اب رہا نفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کے لحاظ سے اس کی قوتوں کی دو قسمیں ہیں۔ قوت عالمہ اور قوت عاملہ، ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے لیکن اسم مشترک کے طور پر۔ کیونکہ عاملہ کو عقل صرف اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ عالمہ کی خادمہ ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے۔ قوت عالمۂ نظریہ جس کا ہم ابھی ذکر کرینگے کے اقتضا کے مطابق وہ افعال معینۂ جو جزئی ہیں اور فکر و رویت کے ساتھ مختص ہیں۔ ان کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا یہ مبدا ہے، چاہئے کہ قوائے بدنیہ اس قوت عملیہ کے سوائے سب مقہور و مغلوب اور تابع فرمان ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے اثر پذیر نہ ہو اور دوسری تمام قوتیں اس قوت کے فرمان و اشارہ کے مطابق سکون و حرکت اختیار کریں۔ کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدنیہ میں خواہشات کی اطاعت و انقیاد کی ہیئتیں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں بد اخلاقیوں سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر یہ قوت دوسری قوتوں پر تسلط ہو جائے اور غلبہ پالے تو اس استیلا و غلبہ کو اخلاق فاضلہ و حسنہ کہتے ہیں، اور اس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اس قوت کے استیلا کی صورت کے معنی یہ ہیں، کہ دوسری تمام اس کی مطیع و منقاد ہوں۔ اور یہی مراد ہے اخلاق حمیدہ سے، غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ حواس خمسہ اس کا ادراک کر سکیں۔ البتہ عقل اس کو معلوم کر سکتی ہے۔ یا اس کے آثار و افعال سے اس کے متعلق دلائل دیکھتی ہے۔ نفس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اوّل نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے۔ اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار سے خدا نے اُسے ایک قوت دے رکھی ہے جس سے ان پہلوؤں اور نفس کے درمیان علاقہ کا نظم قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عملیہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر و سیاست کا **قوت عالمہ نظریہ** جس کا مذکور اب ہوگا ایک ایسی قوت ہے جو اوپر کے پہلو کا اندازہ رکھتی ہے۔ تاکہ اس سے اثر پذیر ہو۔ اور استفادہ کرے۔

ان کی تحصیل کے طریق کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ یہ صرف الہام الٰہی، تعلیم اور اکتساب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یا تو سریع الحصول ہے یا بطی الحصول۔ اس علم میں علما۔ حکما اولیا اور انبیاء کی منازل متباین ہیں اور اس علم کے تفاوت کے حساب سے ان کے مناصب بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ اس میں ترقی کرنے کے مدارج غیر محدود ہیں" اور حصر کے قابل نہیں سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے۔ جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر اکتساب اور تکلیف اٹھانے کے بلکہ کشف کے ذریعہ سے نہایت قلیل وقت میں! ور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان اس کے وصال سے شاد کام ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ کا قرب اُسے حاصل ہو جاتا ہے، مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے ادب کا فرمان ہے۔ کہ اس مقام کے بارے میں گفتگو کی باگ تھام لی جائے کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ وہ قرب سے گذر کر ذات احدی کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ بعض پکار اُٹھے سبحانی ما اعظم شانی دوسروں نے انالحق کا نعرہ مارا بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصاریٰ نے لاہوت وناہوت کے اتحاد سے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں واللہ خداوند جل وعلا کی ذات بلند ان بدبخت لوگوں کے قول سے بہت ارفع واعلیٰ ہے۔

الغرض خدا کی طرف پہنچنے کے منازل بے حد وشمار ہیں۔ سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے اس سے واقف ہو جاتا ہے! ور اسی طرح گذشتہ تمام منازل کو جن کو وہ قطع کر چکا ہے پوری طرح پہچان لیتا ہے لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اِلّا بطور اجمال کے اور ایمان بالغیب کے۔ چنانچہ حقیقت نبوت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا جس طرح جنین بچے کے حال سے آشنا نہیں اور بچہ صاحب تمیز لڑکے کی کیفیت اور اُن ضروری معلومات سے جو اس پر کھل چکے ہیں، ناواقف ہوتا ہے۔ پھر صاحب تمیز لڑکا صاحب عقل کے حال اور ان علوم نظریہ سے جو اس نے حاصل کئے ہیں بے خبر ہوتا ہے۔ اسی طرح صاحب عقل وشعور لوگ ان حالات سے نابلد محض ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے کمال لطف وفراوانی رحمت سے ان پر نوازش کئے ہیں بقولہ تعالےٰ وما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا۔ اللہ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ یہ

اکرام و عنایات محض جود الٰہی سے مبذول ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کا اجارہ نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے تزکیۂ نفس کے ذریعہ استعداد حاصل کرنا ضروری ہے، اور جس طرح ایک رنگدار صورت کا اس میں کوئی تصور نہیں اگر زنگ آلود ہے میں اس کا عکس نہیں پڑتا۔ اس کا باعث تو لوہے کا کھردرا پن اور درشتی ہے۔ جب اس کو صیقل کر لینے سے اس کی کھردراہٹ اور درشتی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تمہیں یقین رکھنا چاہئے کہ پردہ تمہاری طرف سے ہے رحمت الٰہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔ ع

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اس لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا۔ جانب الٰہی کے غایت جود اور نوازش فرمائی کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بے حد زوردار الفاظ میں ترغیب و تشویق کے لئے فرمایا۔ ینزل اللہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخیر فیقول ھل من داع فاستجیب لہ ھل من مسترحم فارحمہ

ہر شب کے آخر میں خدا اس آسماں پر آن کر
دیتا ہے رحمت کی صلا مجھ سے طلب کوئی کرے
دونگا میں اس کو برملا
مضطر ہو یا بیتاب ہو بیمار ہو لاچار ہو
ہے طالب رحمت کوئی؟ مانگے کہ میں دونگا اُسے
سنتا ہوں میں سب کی دعا

اور فرمایا من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا و من اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ جو شخص ایک بالشت میری جانب آتا ہے میں اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہوں۔ اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں اس کی سمت دَوڑ کر جاتا ہوں تمہیں لازم ہے کہ تم ان امور کی جستجو کیلئے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرو کیونکہ یہ باتیں حصر و احصا سے خارج ہیں [۱]

---

[۱] احادیث میں یہ بھی ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ (حدیث قدسی) میرا بندہ میرا تقرب نوافل کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کو نہ گھیر لیتے تو وہ ملکوت السموات والارض کو دیکھ لیتے ؛

فصل

قوائے نفس کا آپس میں ارتباط

یاد رکھو کہ یہ قویٰ مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ بعض اپنی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ اور بعض دوسروں کے لئے، بعض خادم ہیں اور بعض مخدوم۔ رئیس مطلق وہ ہیں۔ جو اپنی ذات کیلئے خاص ہیں، دوسری ان کے لئے مقصود ہو چکی ہیں، یہ آخری رتبہ ہے، اور اس میں اولیاء اور انبیأ کے مراتب مختلف اور متفاوت ہیں کیونکہ انسان ان امور کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو اس کی فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں۔ جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں، اور نفس انسانی سے مخصوص ہیں، ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک و سہیم ہیں۔ انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے بہیمیت اور ملکیت کے بین بین ہے۔ اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں، بحیثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیدا کرنے کے وہ نباتات اور حس و حرکت کے اعتبار سے حیوان اور صورت اور قد و قامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیوار پر منقوش ہو، یہی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قوت عقل و ادراک حقائق اشیا پیدا کئے گئے۔

تو جو شخص اپنی قوتوں کو علم و عمل کے شاہراہ سے ہمکنار ہونے کے لئے استعمال کریگا، وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا، حق یہ ہے کہ وہ ان سے جا ملیگا۔ اور عام یہ کہ وہ بلحاظ نام کے فرشتہ اور ربانی کہلائیگا۔ جیسے قرآن میں ہے ان هذا الا ملك كريم یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے۔ جو شخص بدنی لذات سے متمتع ہونے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے چار پائے جو چارہ کھاتے ہیں۔ جب وہ بہائم کے افق پر آگرتا ہے تو وہ بیل کی مانند پیٹو۔ خنزیر کی طرح بدکار۔ کتے کی شل ذلیل۔ اونٹ کی طرح کینہ ور۔ چیتے کی مانند متکبر اور لومڑی کی طرح مکار ہو جاتا ہے۔ یا راندہ درگاہ شیطان کی طرح اس میں تمام بدخصلتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا قویٰ میں نظر و فکر کرینگے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مقتضیات عقل اس سے بہت بلند و ارفع ہیں، اور وہ حیران ہو کر دیکھیگا کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان

اور میں احکام الٰہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں ہے۔
عقل رئیس مخدوم ہے۔ اس کا وزیر اس کی خدمت بجالاتا ہے۔ اور وہ سب چیزوں سے زیادہ اس کے قریب ہے۔ اُسے عقل عملیہ کہتے ہیں جس کا نام ہم نے مراسم عقل کے مطابق قوت عاملہ رکھا ہے کیونکہ عقل عملی تدبیر بدن کے لئے ہے۔ بدن آلہ نفس ہے۔ اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطہ سے ان ابتدائی علوم کو جن سے حقائق اشیا استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں شکار کرتا ہے۔ پھر عقل عملیہ کو ہے جس کی چاکری وہم بجالاتا ہے وہم کی خادم دو قوتیں ہیں۔ ایک قوت اس کے بعد ہے اور ایک قوت اس کے قبل ہے۔ بعد والی قوت وہم کے ادراکات کی محافظ ہے۔ .... اور قبل والی قوت سے وہ تمام حیوانی قوتیں مراد ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کرینگے۔ ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مفکرہ ہے اس کے دو مختلف المأخذ خادم ہیں۔ قوت رغبیہ شوقیہ اس کے لئے برانگیختہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے۔ اس کے برانگیختہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ قوت حافظہ صور جو حس مشترک میں ہوتی ہے۔ اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب و تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے۔ یہ دونوں قوتیں دو طائفوں کی رئیس ہیں۔ اول صورتوں کو محفوظ رکھنے والی۔ اس کی امداد کے لئے مشترک مامور ہے۔ جو صورتوں کو اٹھاکر اس کے سامنے پیش کرتی ہے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے میں جگہ دے لے۔ دوسری قوت نزوعیہ اس کی خدمت کے لئے شہوت اور غضب مامور ہیں۔ پھر شہوت و غضب کی خادم وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے۔ یہاں پر قوائے حیوانیہ ختم ہو جاتے ہیں۔ قوائے حیوانیہ کی صرف نباتی قوتیں ہیں۔ نباتی قوتیں تین ہیں۔ مولدہ مربیہ اور غاذیہ۔ ان کی افسر مولدہ ہے۔ اس کی لونڈی مربیہ اور مربیہ کی لونڈی غاذیہ ہے۔ پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں۔ یعنی جاذبہ۔ ماسکہ ہاضمہ اور دافعہ۔ جاذبہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے۔ پھر ماسکہ ہے۔ ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے۔ جو ماسکہ لے چکی ہے دافعہ ان کے بعد آتی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے۔ دافعہ ایک ایسی خادمہ ہے۔ جو سب کی نوکر ہے لیکن اس کی نوکر کوئی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے

جیسے میونسپل کمیٹیوں میں بھنگی ہوتے ہیں۔ ان کے بعد حرارت۔ برودت۔ رطوبت اور یبوست آتی ہیں۔ جو ہاضمہ، جاذبہ، ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں۔ اور یہ حسبموں میں قوتوں کے زیریں ترین مدارج ہیں۔ قوائے مذکورہ بالا کی آسان اور سہل الفہم مثال یوں ہے۔ کہ قوت مفکرہ کا مسکن وسط دماغ میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں قیام فرماتا ہے۔ قوت خیالیہ کا مقام مقدم دماغ ہے۔ جیسے صاحب بریدہ کہ اس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہیں۔ قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اس کے خادم کی سی ہے۔ قوت ناطقہ اس کا ترجمان ہے۔ قوت عاملہ اس کا کاتب ہے۔ حواس خمسہ اس کی خفیہ پولیس ہیں۔ لیجہ نامہ نگاروں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ افسروں کو وقتاً فوقتاً ان کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کی خبریں مہیا کرتا ہے۔ بصارت عالم الوان کی موکل ہے۔ کان آواز کا، اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عمل کے موکل ہیں۔ یہ لوگ ان تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ صاحب بریدہ ان خبروں میں سے غیر ضروری کو چھانٹ کے الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ کو صاف و مصفا کر کے ملک معظم کے حضور میں پیش کرتا ہے، بادشاہ سلامت ان کو پرکھتا ہے ان کا نفع نقصان معلوم کرتا ہے اور انہیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے۔ تاکہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کر دے۔ پھر جس طرح وہ اعمال جس پر بادشاہ بذات خود اور براہ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں۔ جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں۔ اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مثلاً دیت۔ اعتبار قیاس فراست اور نامعلوم باتوں کا استنباط ان خصائل سے اشرف ہیں مثلاً اصابت رائے، عزت پذیری قیاس فراست اور استنباط، ان چیزوں سے افضل ہیں۔ جو نفس کے خدام استعمال کرتے ہیں کیونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت مفکرہ کے واسطے سے بادشاہ ہے۔ یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے۔ جو کعب احبار سے مروی ہے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد کیا انسان کی دونوں آنکھیں اوڑھنا بچھونا ہیں، دونوں کان سواری ہیں، اس کی زبان اس کا ترجمان ہے، دونوں ہاتھ فوج ہیں، اس کے دونوں پاؤں ایلچی ہیں۔ اور دل بادشاہ ہے جب دل اچھا

تو تمام لشکر اچھا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا میں نے اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ یہ نفس کے احوال کا مجمل بیان ہے جسے ہم نے مختصر کر کے تمہارے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس کے عجائبات میں سے یہ چند باتیں ہیں اگر تم تشریح اعضا پر نظر کرو، اور عروق، اعصاب، نسوں، ہڈیوں، شریانوں، اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرو، پھر ان اعضا کو دیکھو جو بطور آلہ کے نفس انسانی کے لئے طعام کو اول ہضم، پھر اُسے دُور کرنے کی خاطر تیار کئے گئے ہیں، ان آلات پر غور کرو جو نسل انسانی کے بقا کے لئے بنائے گئے ہیں۔ تم ان عجائبات پر مطلع ہو جاؤ گے۔ جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں، تشریح اجسام سے فارغ ہو کر جب ان اجسام کے قوی کی تفصیل پر نظر کرو گے اور علوم طبعی کے حقائق کی معرفت کا استقصا کرو گے۔ تو تمہارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہیگی۔ پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو خدا کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے رُوگردانی کرتا ہے کہ وفی الارض ایات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور تمہارے نفسوں میں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ؟ ہاں بلکہ ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تبارک وتعالے واحد ہے۔ جو شخص خدا پر اجمالاً ایمان نہیں لاتا۔ وہ عقلمندوں کے گروہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا[1]، اور وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کلمات سے اُسے خطاب کیا جائے۔ بلکہ ہمارا روئے سخن تو اُس شخص کی طرف ہے۔ جو اجمالی رنگ میں خدا کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر ہم اسے اللہ تعالے کی قدرتوں میں بحث ونظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ تاکہ اس طریقے سے اس کا ایمان اور یقین ترقی پائے اور خدا کی عظمت وجلال اس کی نظروں میں زیادہ ہو۔ پس جس شے کا ادراک حواس خمسہ نہیں کر سکتے اُسے اُس کے نشانات کے ذریعہ عقل رؤیت کر لیتی ہے۔ چنانچہ اس کی معرفت کے استقصا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کو وسیع کیا جائے۔ بلکہ ہم ایک ایسی مثال پیش کرینگے۔ جو تمام لوگوں کے افہام کے قریب ہو۔ طبقۂ علماء میں جس قدر فقیہ ہو گذرے ہیں۔ سب ان مذکورہ بالا امور میں اعتقاد رکھتے

---

[1] یہ قول اسی قول کے مطابق ہے۔ جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص خدا کے بارے میں ان پڑھ ہونے کا عذر کرتا ہے وہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ خدا کی قدرتیں تو آنکھوں کے سامنے ہیں +

تھے مثلاً۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ۔ جو اس قدر بلند پایہ بزرگ تھے کہ ہمارا سر اُن کی تعظیم کے لئے بے اختیار جھکا پڑتا ہے ۔

اور اس امر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ پھر اس میں مصنف کی صنعت کے عجائبات اور اس کی دانائی کی ندرت طرازیوں سے روشناس ہو! ور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے۔ جو اس کتاب کے مطالعہ سے پیشتر تھی۔ بلکہ جوں جوں وہ قابل مصنف کے کلام، اشعار یا طرز بیان و اسلوب نگارش کے اوصاف و کمالات سے مطلع ہوتا جائیگا۔ توں توں اس کے دل میں اس کی عقیدت تعظیم اور توقیر زیادہ ہوتی جائیگی، پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ زید اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ زید صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے۔ اب یہ عقیدہ اس شخص کے عقیدہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کے شعروں کو پڑھتا ہے اور ان میں شاعری کے عجائبات پاتا ہے۔ وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم و فضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر روشن ہو جاتی ہیں۔ تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ زید کی عظمت قدر اور بلندی رتبہ کے متعلق نہایت مضبوط اور راسخ اعتقاد پیدا ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے دوسرے شخص کا اعتقاد ان امور کے متعلق نہایت مجمل ضعیف اور بے بصیرت و تحقیق ہوگا۔ اور یہی فرق ہے عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ کی صنعت کے عجائبات ہیں، خدا کی تصنیف ہے یہ صحیفۂ الٰہی ہے، یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ابداع و اختراع کی کارفرمائیاں بھرپور ہیں۔ نفس انسانی کائنات کا ایک جزو ہے اور اپنے کل کی طرح عجائب و غرائب شئون اور مملو ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور و فکر کرتا رہے اس سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان پختہ ہو جائیگا۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے "انفس" "آفاق" اور "ملکوت السمٰوات والارض" میں نظر و فکر کرنے کی مجید ترغیب دی ہے[1] ۔

---

[1] اسی کے بارے میں ہے کہ جب آیت ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب نازل ہوئی تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ویل لمن لاکھا بین لحییہ ولم یتفکر فیھا اس شخص پر افسوس ہے جس نے کائنات کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے پایا پھر اس میں تفکر نہ کیا ۔

فصل

عمل کی علم سے نسبت۔ ان کا ثمرہ سعادت ہے، اہل تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہل نظر مؤید ہیں

عمل کی تاثیر یہ ہے کہ وہ نامناسب باتوں کو دور کر دیتا ہے اور علم میں کوشش کرنا منبغی امور کے حصول کی سعی ہے اور نامناسب امور کا ازالہ شرط ہے۔ منبغی امور کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے مشروط ہی بذات خود مقصود ہے اور یہ شرط سے اشرف ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بیوی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو استقرار حمل کو مانع ہے۔ اب اس شخص کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دو کام کرنا ہونگے۔ اول اس مرض کو دور کرنا جو نطفے کو رحم میں قرار پکڑنے سے روکتا ہے، اور دوم مرض کے ازالہ کے بعد نطفہ کو رحم میں ڈالنا۔ اس لحاظ سے امر اول شرط ہے امر دوم کے لئے، اور امر دوم ہی غایت مطلوب ہے +

فرض کرو کہ ایک مکان بادشاہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس کی شان و شوکت اور زیب و زینت بھی بادشاہ کے نزول اجلال کے حسب شان تھی، پھر اس میں خنزیروں اور بندروں نے جبراً جگہ بنائی۔ اب اس کی دوبارہ خوبصورتی اور تکمیل دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول ان جانوروں کو نکالنا۔ جو خواہ مخواہ اس پر قابض ہو گئے ہیں اور دوم مستحق کو اس میں تشریف فرما کرنا! یا فرض کرو کہ ایک زنگ آلود آئینہ ہے جس کی صفائی اور جلا کو زنگ نے چھپا دیا ہے۔ اور ہماری صورتیں اس میں منعکس نہیں ہو سکتیں! اس لئے آئینے کا کمال یہ ہے کہ قبول صورت کے لئے مستعد ہو جائے اور جیسی شکل اس کے مقابل کی جائے ویسا ہی عکس دیدے۔ اس کے حصول کے لئے دو باتیں ہیں۔ پہلی بات جلا اور صیقل ہے یعنی اس میل کو دور کیا جائے۔ جو اس پر نہ ہونی چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آئینے کو ہم اس کے چہرے کے سامنے لائیں جس کا عکس اس میں لینا مقصود ہے۔ اسی طرح نفس انسانی اس بات کے لئے مستعد ہے کہ جب حق کی طرف ہر شے میں اُسے محاذی کیا جائے۔ تو وہ آئینہ کی مانند ہو جائے اور ان کا عکس لیلے اور ایک لحاظ سے وہی ہو جائے۔ اگرچہ دوسرے لحاظ سے وہ اس کا غیر ہو

جیسے صورت اور آئینے کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں نفس انسانی کا اس درجہ کو پہنچ جانا اس کا کمال ہے۔ یہی وہ خاصہ ہے جو نچلے درجہ کے حیوانات سے جدا ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ استعداد قوت اور فعل تمام لحاظات سے انسان کے سوا تمام جانداروں سے سلب کر لی گئی ہے۔ جس طرح لکڑی اور مٹی سے صورتوں کا عکس دینے کی قابلیت مسلوب ہو چکی ہے اور ان کا آئینہ نہیں بن سکتا۔ فرشتوں میں یہ استعداد ہمیشہ کے لئے ابدی طور پر پائی جاتی ہے۔ اُن سے کبھی جدا نہیں ہوتی جس طرح صاف پانی میں یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ چنانچہ صاف پانی میں خصوصاً صورتوں کا عکس پڑ جاتا ہے۔ انسان میں یہ استعداد بالقوت ہے باعتبار فعل نہیں۔ چنانچہ اگر وہ مجاہدۂ نفس سے کام لے تو ملائکہ سے ملحق ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان خواہشات کی پیروی میں ایسے اعمال پر ہمیشگی اختیار کرے جن سے روح پر زنگ کے تودے جمع ہو جاتے ہیں۔ تو انجام کار اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ تاریکی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور کلی طور پر اس کی استعداد باطل اور برباد ہو جاتی ہے۔ اس کا نام بہائم کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے اور اپنی سعادت و کمال سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و یاس نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ حالت لاعلاج ہے +

عمل کے معنی ہیں شہوات کو توڑنا اور وہ اس طرح کہ نفس کو ان کی جانب جھکنے سے پھیر کر خدا کی بارگاہ معلیٰ کی جانب اس کا منہ کر دیا جائے۔ تاکہ نفس تمام وہ ہیئات خبیثہ اور علائق ردیہ دُور کر دئے جائیں جنہوں نے اُسے جانب سافلہ سے جکڑ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں، تو نفس حقائق الہیہ کے نظارے میں مشغول ہو جائے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امور شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے جس طرح اولیا و انبیا اور صدیقین پر ہُوا کرتی ہے +

یہ ایک شکار ہے جس قدر اس میں زیادہ کوشش کی جائیگی۔ اسی قدر نتائج عمدہ برآمد ہونگے چنانچہ شکار کے ساز و سامان زیادہ کرنے سے شکار بھی زیادہ ملتا ہے۔ یہی حال تجارت اور سوئے کا ہے اور یہی کیفیت فقہ نفس کے غزالی کو دوم میں لانے کی ہے۔ ذکاوت فطری کی زیادتی سے تھوڑا اجتہاد بھی مجتہدین کی حد سے گذر جاتا ہے یہی حال ان علائق سے نفس کو پاک کر لینے کا ہے کہ فطرت اول کے اعتبار سے طہارت نفس بھی بہت مختلف ہوتی ہے۔ پھر کوشش کا اختلاف بھی ہے اور یہاں سے استعداد

تفاوت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا حصر ناممکن ہے۔ یہی حال سعادت آخرت کا ہے +

پس اللہ عزوجل کی اس رحمت کا فیضان غایت مطلوب ہے۔ اور یہی عین سعادت ہے۔ جو نفس کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نفس کے علائق کا ازالہ کر دیا جائے۔ اور صفات رویہ کو محو کر دیا جائے۔ جو اتباع شہوات کے باعث نفس کو چمٹ گئے ہیں +

چنانچہ عمل کے معنی یہی ہیں کہ ناجائز امور کا مجاہدہ نفس کے ذریعہ ازالہ کیا جائے جب اس کو اتباع شہوات سے نسبت دی جائے تو ان کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب ماینبغی امور کی تحصیل کیطرف اس کو نسبت دی جائے۔ تو ان کا رتبہ اس سے شرط و مشروط کا سا ہوتا ہے۔ اور خادم و مخدوم کا۔ اس کو اپنے غیر سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس کو اپنی ذات سے ہے۔ اس کے باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی۔ جب ارشاد کیا الایمان بضع و سبعون بابا ادناھا اماطۃ الاذی من الطریق ایمان کی ستر سے کچھ اوپر قسمیں ہیں، ان میں سب سے چھوٹی رستہ سے اذیت دور کرنا ہے، اور عبادات کے ذریعہ مجاہدہ کرنے کی زیادہ تر غرض یہی راہ سے موذیات دُور کرنا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس حدیث سے مراد اینٹ پتھر اور ہڈی کو رستہ سے ہٹا دینا ہے۔ اور اکثر لوگوں کے فہم کے قریب یہی بات ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں، کہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں لوگوں کے افہام مراتب کے حساب سے متفاوت ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی نوعاھا ثم اداھا کما سمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ و رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ اللہ کی رحمت ہے اس شخص پر جو میرا قول سنے اور اُسے ضبط کرے پھر اُسے جس طرح سُنا تھا ادا کرے کیونکہ بسا اوقات حامل فقہ غیر فقیہ ہوتا ہے اور بسا اوقات دانائی کا حامل ایسے شخص کی طرف فقہ کی بات لے جاتا ہے۔ جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہے +

پس اگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں بے سمجھ آدمی سے سمجھ دار آدمی کے لئے زیادہ معانی نہ ہوتے تو اس نصیحت پر زور کیوں دیتے۔ پھر کاش مجھے کوئی شخص بتاتا جب کثرت کو میں دیکھوں۔ تو کیا حق فقیہ کی جانب پایا جائیگا۔ یا فقہ کیطرف

یا ان سب کے غیر کی طرف، اس میں شک نہیں کہ یہ بات شاذ و نادر ہے! ور غالب اس کے خلاف ہے۔ جو بات فہم جمہور کے سامنے ہو وہ ممکن ہے حق سے دُور ہو۔ اور نقیہ اور انقہ اشخاص کی سمجھ میں جو بات آئے وہی درست ہو، خصوصاً ایسا لفظ جس کی تصریح بالتخصیص نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ لفظ "اذیت" عام ہے اور لفظ "طریق" بھی عام ہے۔ اگر شارع علیہ السلام کو ظاہر معانی مقصود ہوتے تو شیشہ اور ڈھیلے کے لفظ کا ذکر کرتے۔ اور اس کی مثالیں بیان کرکے تنبیہ کر دیتے۔ یہ ظاہر بھی عموم کے نیچے مندرج ہے، اس سے مقصود بھی اصلاح نفس۔ تہذیب اخلاق اور نفس سے غفلت کی خرابی، قساوت اور قلت شفقت دُور کرنا ہے۔ ہم اس کے طریق کا بیان جلد ہی سوئے اخلاق و حسن اخلاق کے باب میں کرینگے +

اب تم جان گئے ہوگے کہ سعادت و کمال نفس یہ ہے کہ امور الٰہیہ کے حقائق کے نقش اس پر ثبت ہو جائیں۔ اور وہ ان سے اتحاد پیدا کرلے۔ یہانتک کہ اس کی اپنی ہستی فنا ہو جائے اور تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری کا مضمون پیدا ہو جائے! ور یہ مرتبہ صرف ان ہیئات ردیہ جو شہوت و غضب کی مقتضی ہیں۔ نفس کو پاک کر لینے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بات مجاہدہ و عمل ہی کر سکتے ہیں۔ عمل طہارت کے لئے ہے اور طہارت شرط ہے اس کمال کی۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین کی بنیاد نظافت پر قائم ہے +

فصل

صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنیکا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے

یاد رہے کہ عمل کا پہلو تو متفق علیہ ہے! ور یہ صفات ردیہ کو محو کرنے اور خلاق سیہ سے نفس کو پاک کرنے کے لئے مقصود ہے۔ لیکن علم کی جانب مختلف فیہ ہے۔ صوفیا کے طریقے علماء اہل علم میں سے اصحاب نظر کے طریقوں سے متبائین ہیں کیونکہ اہل تصوف تحصیل علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے! ور نہ ہی حقائق امور سے

متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ صفات مذمومہ محو اور تمام علائق کو قطع کرنے اور تمام ہمت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جدوجہد سے ابتدا کی جائے! ورجس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو اس پر خدا کی رحمت کی بارش کا سیلاب امنڈ آتا ہے، ملکوت کے اسرار اس پر منکشف اور حقائق کے خزانے اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس مقام میں مجرد تصفیۂ باطن بخلوص نیت مع ارادۂ صادق و تشنگیٔ تام۔ اور فتوحات الٰہی کا انتظار کامل لازم ہے کیونکہ اولیا اور انبیا پر جو امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال ممکن کو پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی و بیزاری اور کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا کیونکہ من کان للہ کان اللہ لہٗ جو سائیں کا ہو رہے سائیں اُس کا ہو۔

چنانچہ ایک زمانہ میں جب مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کا شوق صادق پیدا ہوا۔ تو میں نے صوفیائے کرام میں سے ایک پیر کامل سے تلاوت قرآن کی مواظبت اور ہمیشگی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق اور روابط منقطع کر لو۔ اس طرح کہ تمہارا دل نہ اہل و عیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر راغب ہو۔ نہ وطن کی محبت باقی رہے۔ نہ علم و حکومت کا شوق ہو بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم و وجود تمہارے لئے برابر ہو جائے۔ پھر تم دنیا سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تم صرف فریضۂ عبادت ادا کرو۔ اور مراتب سلوک طے کرو، اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہمہ تن اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبانی طور پر ذکر الٰہی میں مواظبت کرو۔ ہر وقت "اللہ اللہ" کا وظیفہ سوچ سمجھ کر اور حضور قلب کے ساتھ ورد زبان رہے۔ یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ ہلاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرت تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے اختیار جاری رہے۔ پھر تم اس حالت پر بدستور قائم رہو۔ یہاں تک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکت زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول و منہمک رہیں۔ پھر اس حالت کی اس قدر مشق بہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں۔ اور تمہارے دل

میں الفاظ کے حروف اور ان کی شکل و صورت کا نشان بھی نہ رہے۔ بلکہ تمہارے دل میں ان کے صرف معنی ہی علی الدوام ولزوم باقی رہ جائیں۔ یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد صرف پے در پے آنے والے وساوس کو رد کرنے اور دور کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

اس مقام سے گذرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے ظہور کا انتظار باقی رہ جائیگا۔ جو اولیاء پر ظاہر ہوا کرتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں، ان کی برق خاطف کی سی مثال ہے۔ جو قائم نہیں رہتے پھر لوٹتے ہیں۔ دیر سے آتے ہیں۔ اگر لوٹ کر دوبارہ آئیں، تو قائم بھی رہتے ہیں۔ بلاشبہ ہوش و حواس کھو دیا کرتے ہیں، اگر قائم و ثابت رہیں تو دیر تک رہتے ہیں لیکن طول نہیں پکڑتے۔ ان کی کیفیت صرف ان سے واسطہ اور سابقہ پڑنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ ان کی کوئی ایک قسم اور شاخ نہیں اولیاء اللہ کی پیدائش اور اخلاق کے تفاوت کے باعث اس مقام میں ان کی بے حد و حساب منازل ہیں۔ یہی صوفیا کا اسلوب کار ہے۔ انہوں نے اس معاملے کو تمہاری طرف سے تطہیر محض تصفیہ۔ اور جلد کیطرف پھیر دیا ہے پھر فقط استعداد و انتظار کیطرف، ارباب نظر و فکر نے بھی اس رستہ کے وجود کا اور اس کے مقصد پر پہنچانے کا انکار نہیں کیا، اور یہ انبیاء و اولیاء کے احوال کا بزرگترین حصہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس رستہ کو بہت مشکل اور دشوار قرار دیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ اس ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچنا بہت ہی مستبعد ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کے ساتھ اس حد تک محو علائق ممتنع کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگر کسی حالت میں یہ بات حاصل بھی ہو جاتی تو اس کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بعید ہے اور ادنیٰ وسوسہ اور خطرہ تشویشناک ہوتا ہے اس مجاہدہ کے دوران میں ہی مزاج خراب، عقل مختل اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور مالیخولیا تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب نفس نے علوم حقیقیہ براہینیہ کے ذریعہ ریاضت نہ کی تو بعض ایسے خیالات پیدا ہوتے، جن کو نفس نے خیال کیا کہ یہ حقیقتیں ہیں جو اس پر نازل ہو رہی ہیں کتنے ہی صوفی دس دس سال خلاصی پانے تک ایک ہی خیال میں گھرے رہتے ہیں لیکن اگر وہ پہلے علوم کے ذریعہ یقین حاصل کر لیتے۔ تو بدیہی طور پر رہائی پا جاتے۔ اس لئے معیار علم کی معرفت اور علوم منفصلہ کے دلائل حاصل کرنے

کے ساتھ تحصیل علوم میں مشغول ہونا ہی اولیٰ ہے کیونکہ یہ امر منزل مقصود تک دلیل راہ بنکر وثوق کے ساتھ پہنچا دیتا ہے جس طرح فقہ نفس کی تحصیل کے لئے اجتہاد پختہ کار بناتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجتہاد کے فقیہ نفس تھے لیکن اگر کوئی مرید چاہے کہ ان کے رتبہ کو مجرد ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر لے تو اس کی توقع کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ بحث و نظر کے طور پر نفس کے متعلق علوم حقیقی کو جہاں تک ہو سکے حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اوّل ان باتوں کی تحصیل کرے جو پہلے ہو کر حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ ان امور الٰہیہ کے انکشاف کا انتظار کرے جو غور کرنے والے علما پر منکشف نہیں ہوتے کیونکہ منکشف امور سے غیر منکشف کی تعداد زیادہ ہے۔ دونوں گروہوں میں یہ اختلاف دبتا بن ہے۔ ہمیں ایک مثال سوجھی ہے جو امید ہے ان کند سمجھ والوں کو جو حقائق عقلیہ کے ادراک کے لئے محسوسات کی مثالوں کے محتاج ہیں بات سمجھانے میں مفید ثابت ہوگی۔ اور مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے درمیان فرق بتانے کا باعث بنیگی۔ کہتے ہیں کہ اہل چین و اہل روم نے ایک بادشاہ کے حضور میں اپنا کمال صناعت و نقش دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا، بادشاہ کی رائے اس امر پر ٹھہری کہ دونوں کو ایک کمرہ دیدیا جائے جس کی ایک جانب کو اہل چین نقش و نگار سے آراستہ کریں اور دوسری جانب کو اہل روم، لیکن دونوں کے مابین ایک پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ ایک دوسرے کی کاریگری سے مطلع نہ ہونے پائیں۔ اور جب فارغ ہوں تو پردہ اٹھا دیا جائے اور دونوں کی کاریگری اور کمال کی پرکھ کر لی جائے۔ چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ رومی نقاشوں نے رنگا رنگ کے بیل بوٹے اور قسما قسم کے نقش و نگار سے اپنی جانب کو آراستہ کرنا شروع کیا۔ پردے کے دوسری طرف چینی باکمالوں نے کسی قسم کا رنگ استعمال نہ کیا۔ بلکہ اپنی جانب کو صیقل اور جلا کرنے لگے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر متعجب ہوتے تھے کہ یہ کیسے بیوقوف ہیں کہ رنگ استعمال نہیں کرتے، جب رومی اپنا کام ختم کر چکے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں، ان سے پوچھا گیا کیسے؟ حالانکہ نہ تمہارے پاس رنگ و روغن تھا، نہ تم نے نقش و نگار بنائے ہیں۔ وہ بولے تمہیں اس سے کیا غرض ہے۔ تم پردہ اٹھاؤ اور اپنے دعویٰ کی تصدیق ہمارا فرض ہے۔ لوگوں نے پردہ اٹھایا اور حیران ہو کر دیکھا کہ چینیوں کی جانب بھی رومیوں کے سے نقش و نگار سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی جانب صفائی اور جلا کی کثرت سے آئینہ کی مانند ہو رہی

تھی اور اس میں تمام وہ بیل بوٹے جو دوسری جانب تھے منعکس ہو کر اس کی رونق کو دوبالا کر رہے تھے۔ لہٰذا تم یوں سمجھو کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں علوم الٰہی کے نقوش منعکس ہوتے ہیں۔ اس مقام کے حصول کے دو طریقے تمہارے سامنے ہیں۔ (اوّل) اہل روم کی طرح بذاتہٖ نقش و نگار حاصل کرنا (دوم) خارجی نقش و نگار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کرنا اور خارجی نگارستان لوح محفوظ اور نفوس ملائکہ ہیں۔ کیونکہ وہ علوم حقیقیہ کے نقوش سے بالفعل اور دوامی طور پر آراستہ پیراستہ ہیں۔ جس طرح تمہارا دماغ اگر تم حافظ قرآن ہو تو قرآن کے الفاظ اس میں تمام کے تمام نقش ہوتے ہیں۔ اور یہی حال تمہارے دوسرے جملہ علوم کا ہے' ان کے نقوش نہ محسوس ہو سکتے ہیں اور نہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ عقلی طور پر ان کے نشانات دماغ میں ثبت ہوتے ہیں۔ جو شخص ان کا انکار کرتا ہے اس کی عقل میں قصور ہے کہ وہ محسوسات سے اوپر کسی اور چیز کا ادراک ہی نہیں کر سکتا +

فصل

ان دو طریقوں میں سے اولیٰ کونسا ہے

اگر تم کہو کہ یہ دونوں طریقے تو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جن کا تم نے بیان کیا ہے۔ اب ان میں تمہارے نزدیک اولیٰ کونسا ہے۔ تو یاد رکھو کہ اس قسم کے امور میں فیصلہ کی نوعیت کا انحصار اس اجتہاد کے مطابق ہوتا ہے جس کا تقاضا مجتہد کا حال اور مقام کرتا ہے جس میں وہ ہو۔ اور حق بات جو مجھ پر روشن ہوئی ہے۔ اور پورا علم تو اس بارے میں اللہ ہی کو ہے۔ یہ ہے کہ اس معاملے میں مطلق نفی یا اثبات کا حکم صادر کر دینا غلطی ہے۔ بلکہ اضافی طور پر اشخاص و حالات کے مطابق فیصلے میں اختلاف ہوگا۔ جو شخص سالک بننے کی رغبت رکھتا ہے۔ اس کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کے لئے سب سے بہتر یہی ہے کہ صوفیا کے طریقہ پر قناعت کرے' یعنی قطع علائق اور عبادت پر مواظبت اختیار کرے۔ کیونکہ علوم کسبیہ کی جستجو کرنا تاکہ نفس میں ایک قائم و ثابت ملکہ پیدا ہو جائے۔ بہت مشکل ہے اور یہ صرف عنفوان عمر میں آسان ہوتا ہے۔ صغیر سنی میں علم سیکھنا پتھر کی لکیر کا حکم رکھتا ہے۔ بڑھاپے

میں ریاضت ایک مصیبت سے کم نہیں کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ جو شخص پیرانہ سالی میں علم حاصل کرنا چاہے وہ کیا کرے جواب دیا کمبل کے نہلاؤ شاید اس کی رنگت سفید ہو جائے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں - اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لئے ضروری ہے - کیونکہ اکثر لوگ عنفوان شباب میں ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوتے - اگر کوئی شخص اس امر میں تنبہ و اعتبار حاصل کرے تو یہ اس کی فطری سعادتمندی اور ذکاوت کی دلیل ہے ۔

پھر اگر اُسے معلوم ہو کہ دقیق حقائق عقلیہ کو سمجھنے کی استعداد اس میں نہیں - تو بھی اُسے واجب ہے کہ عمل میں مشغول ہو - کیونکہ نظری علوم میں اس کا اشتغال مفید نہ ہوگا - اگر ازکی فطرت اور علوم کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والا ہو لیکن اس کے شہر یا اس کے زمانے میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو علوم نظریہ کا ماہر اور سابقین کی تقلید سے بے نیاز ہو کر ترقی کرانے والا ہو، تو اس حالت میں بھی اس کے لئے عمل ہی اولیٰ ہے - کیونکہ اس بات کا حاصل کرنا معلم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ قوت بشریہ کے لحاظ سے شخص واحد کے لئے ناممکن ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے - سوائے چند کے اور وہ بھی ایک عرصۂ دراز کی محنت کے بعد، اور اسی لئے مثلاً اگر علم طب مرتب اور اس کا قانون تیار نہ ہو چکا ہوتا اور از منہ متطاولہ میں وہ ایک باقاعدہ صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا تو بہترین دل و دماغ کے لوگوں کو بھی ایک بیماری کا علاج معلوم کرنے کے لئے ایک عمر طویل کی ضرورت ہوتی چہ جائیکہ سب بیماروں کے مداوا کا طریقہ معلوم کرنے کیلئے اور عام طور پر دنیا اس قسم کے عالم متبحر کے وجود سے خالی ہے ۔

پس صرف قلیل میں سے پھر قلیل جماعت رہ گئی اور یہ وہ لوگ ہیں جو ذکی ہوں - وہ ابتدائی عمر میں ہی اس بات کے لئے بیداری حاصل کر لیں فہم علوم کی استعداد نہیں ملجاتی - اور علوم کے مستقل عالم ہو جائیں، نہ صرف نام کے لحاظ سے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے اصلی طور پر نہ رسمی طور پر جیسا کہ اکثر علما کی حالت ہے تو یہ لوگ یا تو اعیان مذاہب کے مقلد ہوتے ہیں یا اعیان مذاہب کے طرز استدلال کے پیرو - تو جو شخص ان کی تقلید کرتا ہے اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا - یا وہ جوان ہے جس نے طلب علم میں نشو و نما پائی - اور وہ فی نفسہ ذکی ہے اور اس نے علوم کے انواع کے ساتھ رہ کر بیداری حاصل کی ہو اس نوع کے شخص کیلئے دونوں طریقے کھلے ہیں - اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے طریق تعلیم پر گامزن

ہو۔ چنانچہ وہ ان تمام علوم برہانیہ کی تحصیل کرے جس کا ادراک قوت بشری جد وجہد اور تعلیم کے ذریعہ کر سکتی ہے۔ پھر جب وہ حتی الامکان تحصیل علوم کر چکے یہانتک کہ ان علوم کی قسم میں سے کوئی علم باقی نہ رہے جسے اس نے نہ پڑھا ہو۔ تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر خالصاً اللہ تعالے کے لئے ہو جائے۔ اور رحمت الٰہی کا منتظر رہے۔ کچھ عجب نہیں کہ جو باتیں اس راہ کے بہت مسافروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہی ہیں۔ اللہ تعالے اس کے لئے ان کا نقاب وا کر دے یہ ہماری رائے ہے۔ اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اس رائے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مخلوق کے لئے درست طریقہ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں +

عمل کا ایک حصہ علم عملی ہے یعنی وہ علم جس سے عمل کی کیفیت معلوم ہو۔ علم عملی عمل سے اشرف نہیں، بلکہ اس سے ادنےٰ ہے کیونکہ عمل تو مقصود اور علم سے معلوم افضل ہے جس کے لئے علم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ کا علم اس کی صفات کا۔ اس کے فرشتوں کا۔ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور نفس اور اس کی صفات کا علم، اور زمین اور آسمانوں وغیرہ کے ملکوت کا علم۔ یہ علوم نظری ہیں اور عملی نہیں۔ اگرچہ ممکن ہے۔ کہ اتفاقی طور پر ان سے عمل میں کچھ انتفاع ہو جائے۔ چونکہ اکثر مخلوقات کے لئے عمل میں ہی بہتری ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت شرح و بسط سے اور تفصیل و تامیل کے طور پر ان کا احاطہ کیا ہے، یہانتک کہ لوگوں کو استنجا کا طریق اور اس کی کیفیت تک سکھا دی، اور جب علوم نظریہ کے سکھانے کا وقت آیا تو اجمال سے کام لیا اور تفصیل نہ کی، اور اللہ تعالےٰ کے صفات کے باب میں صرف اس قدر فرمایا لیس کمثلہ شیءٌ اس کی مثل کوئی شے نہیں، وھو السمیع البصیر اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔ ہاں اجمالی علم کے بعد اس کی عظمت اور بزرگی، اور اس کا عمل پر مقدم ہونا بیان کیا۔ اس قدر کہ حیطۂ بیان سے باہر ہے جیسے فرمایا تفکر ساعۃ خیرٌ من عبادۃ سنۃ (حدیث) ایک گھڑی کا غور و فکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو حاصل ہے وغیرہ وغیرہ جو اس بارے میں وارد ہے۔ پھر یہ علم جو عمل پر مقدم ہے دو باتوں سے خالی نہیں، یا تو علم کیفیت عمل کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔ مثلاً فقہ اور علم عبادات یا اس کے علاوہ ہے

اور یہ بات کہ اول ہی مراد ہے دو طریق سے غلط ہے۔ (اول) یہ کہ عابد پر عالم کو فضیلت حاصل ہے اور عابد وہ ہے جس کو عبادت کا علم حاصل ہو۔ ورنہ وہ فاسق ہے۔ (دوم) یہ کہ عمل کا علم ہونا عمل سے افضل نہیں کیونکہ علم عملی مقصود بالذات شے نہیں۔ بلکہ وہ مقصود ہے عمل کے لئے۔ اور جس چیز کے لئے دوسری چیزیں مقصود ہوں۔ لازمی بات ہے کہ وہ ان سے افضل و اشرف ہو۔

فصل

جنت ماوی تک پہنچنے کیلئے کونسے علم و عمل کی ضرورت ہے،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی اصناف بے شمار ہیں اور اعمال اور ان کی انواع (و اقسام مختلف) اور بھی اقسام و انواع کے اور سب تو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کونسی صنف اور قسم نفع بخش اور سود مند ہے تاکہ ہم اس میں مصروف و مشغول ہوں۔ تو ہم کہیں گے کہ علم کی دو قسمیں ہیں عملی اور نظری علوم نظری کثیر التعداد ہیں' ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ اعصار و بلاد اور اقوام کے لحاظ سے مختلف ہو۔ اسے وہ کمال حاصل ہونے میں نہیں ملتا جو نفوس میں ابد الدہر باقی رہے۔ حالانکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے۔ تاکہ وہ اپنے کمال سے ابدی سعادت مند ہو۔ اور بہا اور جمال حاصل کر کے مسرور ہو۔ اس بیان سے علم لغات۔ اور علم موجبات الفاظ۔ خارج ہو گئے۔ جیسے علم لغت۔ نحو۔ اعراب۔ شعر، تحریر، شرح الفاظ اور ان کی تفصیل، اگر ان میں سے کسی کی ضرورت آ پڑے تو اس کی ذات کے لئے طلب نہ کرے۔ بلکہ اس لئے کہ علم مقصود بالذات کے لئے وہ ذریعہ کا کام دے۔

اب ہم علم مقصود کا بیان کرتے ہیں، پس اگر ہم حج کے امور کی تعریف کریں تو ہم پر لازم نہیں کہ موزہ اور طہارت کا ذکر بھی کریں۔ اگرچہ حج کرنے کے لئے ان کی ضرورت آ پڑتی ہے ہم تو ان علوم کو ممیز کرینگے جن کی معلومات ابد الاباد تک قائم رہتی ہیں۔ نہ زائل ہوتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں۔ اس قسم کے علوم اختلاف اعصار و امم کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے۔ ان میں داخل ہیں اللہ اور اس کی صفات کا علم۔ اس کے ملائکہ کتابوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمانوں کے

ملکوت کا علم، اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا رابطہ وتعلق ہے نہ ان کی ذات کے اعتبار سے۔ مقصود اقصیٰ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے۔ اور ملائکۂ الٰہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں۔ اسی طرح معرفت نبوت ہے، کیونکہ نبی خلقت اور ملائکہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح علوم نظریہ ہیں سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ ان سب کی انتہا اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس میں گفتگو کے بیشمار پہلو ہیں۔ چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی تفصیل بھی بے شمار ہے +

دقسم ثانی) یعنی علم عملی۔ اور وہ تین علوم پر مشتمل ہے۔ علم نفس مع اس کی صفات اور اخلاق کے اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے اور اس کتاب کی سب سے بڑی غرض یہی ہے۔ علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل وعیال اور فرزند وزن اور نوکر چاکر کے ساتھ معیشت کی کیفیت کیا ہو۔ کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اس طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضا وجوارح تمہارے قوی اور حواس تمہارے نوکر ہیں۔ جس طرح شہوت وغضب اور دوسرے جذبات خبیثہ کو تمہارے قوائے بدنیہ کے ماتحت لانا ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی تمہارا فرمانبردار بنانا ضروری ہے +

سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے ملک اور گرد ولواح کے لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے اکثر علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوائے ان امور کے جو عبادات سے متعلق ہے۔ منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں آداب تعبنا ہیں۔ اور ان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ نکاح، بیع اور خراج کے قوانین واحکام کی معرفت حاصل ہو جائے۔ ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست بدن، اور ان صفات میں عدل و میزان کی رعایت رکھنا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو دوسر کی رعیت مثلاً اہل وعیال وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے پھر اہل شہر تک۔ تم میں سے ہر ایک شخص راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جوابدہ۔ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ سے نکلتا ہے۔ سورج سے روشنی درخت سے سایہ

کیا تم درخت کے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سایہ کے سیدھا ہونے کی توقع کر سکتے ہو؟ جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کر سکتا ہے، یہ ہے اختصار علوم عملیہ کا؛ ہم ابھی مخصوص ترین علم کا ان علوم سیاسی میں سے اجمالی تذکرہ پیش کرینگے۔ کہ یہ مقصود بیان ہے، وہ قویٰ جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں۔ قوت فکر، قوت شہوت، قوت غضب۔ جب کبھی قوت فکر مہذب اور کماینبغی اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کو حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا ارشاد خداوندی وعدہ دیتا ہے۔ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ معتقدات میں حق و باطل میں فرق کرنا، گفتگو میں صدق و کذب معلوم کرنا۔ اور افعال کے حسن و قبح میں تمیز کرنا اُس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ ان امور میں سے کوئی بات اس کے لئے مشتبہ اور ملتبس نہیں رہتی۔ حالانکہ اکثر لوگ ان امور میں التباس و اشتباہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس قوت کی اصلاح اور تہذیب میں جس کو ہم نے معیار علم کا نام دیا ہے مدد دیتی ہے، دوسری قوت شہوت ہے۔ اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے جو نفس کو فواحش سے روکتا رہتا ہے۔ اور ایثار و فدویت کے تحسین جذبہ اور مساوات کی جانب اُسے لیجاتا ہے تیسری حمیت غضبیہ ہے۔ اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے جس سے مراد ہے غیظ و غضب کو دبا لینا اور انتقام پسندی کو روک لینا۔ اور شجاعت پیدا ہوتی ہے جس سے مراد ہے حرص اور خوف کا دُور ہو جانا جنکی قرآن میں مذمت آئی ہے۔ اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکریہ کی مطیع و منقاد ہو جاتی ہیں، تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اعتدال کی طفیل ہی آسمان و زمین قائم ہیں اس سے مراد ہے مکارم شریعت کا جمع ہونا، طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا جیسے کہ حضور علیہ السلام والتسلیم نے فرمایا اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم اخلاقاً و الطفھم باھلہ۔ مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو پسندیدہ ترین اخلاق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے۔ نیز فرمایا احبکم الی احاسنکم اخلاقاً الموطئون اکنافاً الذین یألفون و یولفون ہمیں تم میں وہ لوگ محبوب ترین ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔

حسن خلق کے متعلق شریعت نے جس قدر تعریف کی ہے وہ بیان سے باہر ہے اس کا مفہوم ان تینوں قوتوں کی اصلاح کرتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے اُسے اس آیت میں جمع کر دیا ہے انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہٗ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر کسی قسم کا شک نہ کیا، اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور پھر کسی قسم کے شک کی نفی کیساتھ علم یقینی اور علم حقیقی پر دلالت کی ہے جن کا حصول بغیر قوت فکریہ کی اصلاح کے ایک خیال خام ہے اور جہاد بالمال سے عفت اور جود مراد لئے ہیں۔ یہ دونو اوصاف اصلاح شہوت کے لئے ضرورت کے مطابق خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

جہاد بالنفس سے مراد لی ہے شجاعت و حلم سے۔ یہ دونوں مقرر ہیں اصلاح حمیت کے لئے اور اُسے دین اور عقل کے تابع کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اُسے ابھاریں تو یہ جوش میں آئے اور جہاں اُسے فرو ہونے کا حکم دیں یہ فرو ہو جائے۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالٰے نے اس آیت میں خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ان ھو تعفو عن من ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک وتحسن لمن اساءک اس آیت کے معنی ہیں کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اُسے معاف کر دو جو تمہیں نقصان پہنچائے اُسے فائدہ پہنچاؤ۔ جو تعلق منقطع کرے اس سے تعلق پیدا کرو، اور جو تم سے بُرائی کرے اُس سے احسان کرو، ظالم کے ظلم کو معاف کرنا انتہائے حلم و شجاعت ہے اور نقصان پہنچانے والے پر نوازش کرنا انتہائی سخاوت اور تعلقات توڑنے والے سے علاقہ پیدا کرنا انتہائے احسان و شرافت ہے۔

فصل

قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے شہر اور مملکت میں ہوتا ہے۔ اس کی قوتیں اور اعضاء جوارح جو۔ بدن کے خدمت گذار ہیں۔ بمنزلہ کارگیروں اور عاملوں کے ہیں۔ قوت عقلیہ مفکرہ اس کا مشیر صائب الرائے اور وزیر باتدبیر ہے۔ اور شہوت اس کا بدخصلت غلام ہے۔ جو غلہ اور کھانے پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے چلتا ہے۔ غیرت و حمیت اس کا صاحب شرط یعنی کوتوال ہے۔ غلہ و جنس و طعام لے کر چلنے والا غلام مکار فریبی بدخصلت پر تلبیس ہے۔ جو ناصح مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس کی پند و نصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابی پوشیدہ ہے۔ اس کی عادت ہے کہ ہر وقت وزیر کی تدابیر کے خلاف جھگڑا کرتا رہے، یہاں تک کہ ایک ساعت بھی اس نزاع و جدال کو ترک نہیں کرتا۔ تو جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظام سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اس بدخصلت کے مشورہ سے اعراض کرتا ہے۔ بلکہ اس کے مشورہ دینے سے ہی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست طریق عمل ہے، اپنے کوتوال کو تادیب کرتا ہے اور اسے وزیر کے تابع فرمان بناتا ہے پھر کوتوال کو اس غلام بدطینت اس کے مددگاروں اور پیروؤں پر مسلط کر دیتا ہے، حتی کہ غلام مذکور، محکوم و مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست نہج پر ہونے لگتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ عدل و مساوات کا قیام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب نفس عقل سے اعانت طلب کرتا ہے۔ اور حمیت غضبیہ کو مؤدب کر لیتا ہے، اسے شہوت پر مسلط کر کے اور عقل سے ایک دوسری کے خلاف امداد لیتا ہے کبھی غیظ و غضب کی مملکت کی سرحد کو شہوت کے ذریعہ تدبیر سے کم کرتا ہے۔ کبھی غضب اور حمیت کو شہوت پر مسلط کر کے اسے مغلوب و مقہور کرتا ہے۔ اور اس کی مقتضیات کی تقبیح کے ذریعہ ان کے قوی کو معتدل کرتا ہے، اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے۔ اور جو شخص اس درجۂ اعتدال

سے تجاوز کر جائے۔ اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ
اللہ علی علم پھر فرمایا واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك تیرا سب سے بڑا دشمن تمہارا دل ہے
جو تیرے سینے میں ہے۔ اور حق تعالےٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی
خواہشات کو مغلوب کرلے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان
الجنۃ ھی الماوی جو شخص خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات
کی پیروی سے روک لیا تو اسی کا ٹھکانا جنت ہے۔ کسر شہوات کے وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے
سمجھ رکھے ہیں یعنی غضب اور شہوت کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور ان کو کلی طور پر مٹا دیا جائے۔
اصل یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھنا، اور مؤدب بنانا چاہئے کیونکہ عقل حمیت غضبیہ کی امداد
کے بغیر تادیب پر قادر نہیں کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتائے اور بس
کیونکہ وہ اشرف قوی ہے! اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کیا
گیا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت صرف ایک طبیب کی سی ہے جو مفید نسخہ بتلا دے، تو اگر حمیت غضبیہ
رجو شہوت کو اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور زجر و توبیخ سے اُسے عقل کا نوکر
بناتی ہے) کی امداد عقل کو حاصل نہ ہو تو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ دے۔ اسی لئے اس شخص کی
عقل کی فضیلت نمایاں نہیں ہوتی جو بے حمیت ہو۔ لیکن لازمی ہے کہ اُسے اپنا مؤدب بنا دیا
جائے کہ عقل کے مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے۔ یہی حال شہوت کا ہے کہ جماع سے اس کو
بالکل روکے رکھنا تکلیف و مصیبت زا اور سلسلۂ تناسل کو منقطع کرنے والا ہے۔ حالانکہ
تناسل کے ذریعہ ہی نوع انسانی کی بقا ہے۔ اُسے کھانے پینے سے روکنا بھی مضرت رساں
اور دشوار ہے کیونکہ اس سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، البتہ اس قدر ہو سکتا ہے کہ طعام
کی مضرت کو فنا کر دیا جائے، یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذت یابی اور لطف اندوزی
نہ ہو بلکہ جسمانی قوت کا برقرار رکھنا ہو تاکہ علم و عمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے +

انسان کھانا اس طرح کھائے جس طرح اپنے گھوڑے کو گھاس کھلاتا ہے۔ تاکہ وہ جہاد
میں اچھا کام دے۔ انسان کا مقصود فقط کام لینا ہے۔ پھر اس کے دل میں اس بات کی آرزو ہو
کاش میں کھانے سے مستغنی ہو جاؤں۔ اور علم و عمل کی قوت بھی باقی رہے +

ایک اور مثال۔ انسان چونکہ بلحاظ خلقت معنوی لحاظ سے ایک جہان کبیر ہے اور جسم

کے لحاظ سے صغیر اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقل بادشاہ ہے۔ جو انتظام مملکت کرتا ہے۔ اس کے حواس ظاہری و باطنی ہیں جو قوائے مدرکہ۔ اس کا لشکر ہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاؤ جوارح اس کی رعیت ہیں نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کا دوسرا نام شہوت و غضب ہے۔ بمنزلہ دشمن کے ہے۔ جو اس سے ملک کے بارے میں جنگ کر کے اس کی رعیت کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہوا۔ اس میں انسان کا نفس مقیم ہے جو پہرہ کے اندر محفوظ بیٹھا ہے اگر وہ اپنے دشمن سے لڑ کے اسے قید کر لے اور واجبی طور پر اُسے مغلوب کر لے تو جب وہ حضور رب العزت میں حاضر ہوگا تو اس کی عزت کی جائیگی چنانچہ فرمایا۔ فضل اللہ المجاهدین باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة وكلا وعد الله الحسنى اللہ نے ان لوگوں کو جو مالی اور جانی جہاد کرتے ہیں قاعدین پر بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے۔ اور ہر ایک کو خدا نے نیک وعدہ دے رکھا ہے۔ اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ گیا۔ اور اس کی رعایا مغلوب ہوگئی تو وہ قابل مواخذہ و ملامت ہوگا۔ اور اس کو لقائے الٰہی کے وقت سزا دی جائیگی۔ روز محشر اُسے کہیگا جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے۔ یا راعی السوء اکلت اللحم وشربت اللبن ولم تحفظ الضالة ولم تجبر الكسير اليوم انتقم منك ببلاء نالائق حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ پیا اور برائی کو نہ روکا۔ ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا تو آج اپنی سزا بھگت۔ یہی وہ جہاد ہے جس کا ذکر زبان سے کرنا مفرح ہے۔ اور روح کی غذا اور اسکی حقیقت معلوم کر لینا اصل میں روح کا معراج ہے۔ اس کی پہچان وہی شخص کر سکتا ہے جو ترک شہوات کے ذریعہ آمادہ جستجو ہو اسی لئے صحابہؓ نے فرمایا تھا رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔ انہوں نے کافروں سے تیغ آزمائی کو جہاد اصغر سے موسوم کیا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کونسا جہاد افضل ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا جہادك هواك۔ تیری جنگ تیری خواہش سے ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پہلوان کو پچھاڑ لینا تو کچھ مشکل بات نہیں۔ دشوار یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کے دیو کو پچھاڑ لے۔

ایک اور مثال عقل کی مثال سوار شکاری کی سی ہے جو شکار کھیلنے کو نکلے۔ اُس کی شہوت بمنزلہ گھوڑے کے ہے۔ اس کا غصہ اس کا کتا ہے۔ تو جب سوار ماہر فن ہو گھوڑا

قابو میں ہو۔ کتا سدھایا ہوا، سکھایا ہوا، اور اطاعت گذار ہو تو جستجوئے شکار کامیاب ثابت ہوگی، اور جب سوار بذات خود انجان ہو، اس کا گھوڑا سرکش ہو اور اُس کا کتا ناسمجھ ہو تو چونکہ نہ ہی اس کا گھوڑا اس کے حکم کے تابع ہو کر گام فرسا ہوگا نہ اس کا مطیع ہو کر اشارے پکار کے پیچھے بھاگیگا۔ اس لئے شکاری کو شکار حاصل کرنا تو بجائے خود سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑیگا۔

فصل

مجاہدۂ ہوی میں نفس کے مراتب۔ ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے؟

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں:۔

(اوّل) یہ کہ خواہشات فتح پا کر اُس پر قابض ہو جائیں۔ اور وہ ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو۔ عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے، اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عزّ و جل کا ارشاد ہے۔ افرأیت من اتخذ الٰھہٗ ھواہ۔ کیونکہ الٰہ کے معنی معبود ہی کے ہیں اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی اتباع کی جائے۔ تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوگی۔ وہی ہوا و ہوس کو اپنا خدا بنا چکا ہوگا!

(دوم) یہ کہ لڑائی ان کے مابین الحرب بیننا و بینکم سجال کے مصداق ہو کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آجائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں یہ شخص مجاہدین میں شمار ہوگا۔ اگر اسی حالت میں ھادم اللذات اس کی روح اور جسم میں مفارقت دائمی کر دے تو وہ شہید ہوگا کیونکہ وہ فرمانِ نبویؐ کے امتثال میں مشغول تھا۔ جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعدائکم اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمائی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پچھاڑ کر اُن پر قابو حاصل کر لے اور کسی وقت وہ اس پر غالب نہ آسکیں۔ یہی ملک کبیر ہے یہی نعیم حاضر اور یہی حریت کامل ہے۔ یہی

غلاظت سے پاک ہونا ہے۔ اور اسی کے متعلق سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
ما من احد الا ولہ شیطان ولی شیطان وان اللہ قد اعاننی علی شیطانی حتی ملکتہ، ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہوتا ہے۔ اور میرا بھی ایک شیطان ہے۔ لیکن میں نے اللہ کی اعانت سے اُسے مطیع و منقاد کر لیا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا جس رستہ سے عمرؓ گذرتا ہے اس رستہ کو شیطان چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں ایک لغزش کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس قسم کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ راندۂ درگاہ شیطان ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع کرتے ہیں لیکن ان خواہشات کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق ہیں۔ اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کر رہے ہیں۔

چنانچہ تم نے ایک گروہ کو دیکھا ہوگا جو وعظ و نصیحت، درس و تدریس اور قضاؤ خطابت اور قسم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہونگے، حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر رہے ہونگے اور وہ گمان کرتے ہونگے کہ ہمارے اعمال کا باعث دین ہے اور طلب ثواب ہماری محرک ہے۔ اور شریعت ہمیں ان امور پر امور کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ حماقت و غرور کی انتہا ہے۔ اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کوئی واعظ شیریں بیان اور مقبول خلق اگر خالصاً للہ نہ کہ مقبولیت عام کے لئے، وعظ کہتا ہوگا۔ اور اس کا منشا لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا ہوگا، تو اس کا نشان یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مکان پر ہوگا تو بلحاظ بیان بہتر بلحاظ علم وسیع تر، اور بلحاظ لہجہ پاکیزہ تر وعظ کہیگا۔ اور وہ خدا کا شکر کریگا کہ اللہ نے اس فرض کی ادائیگی کی دوسرے لوگوں کی بجائے جو اس سے زیادہ مستحق تھے اُسے توفیق بخشی، جس طرح کسی مرتد اور کافر کے قتل و جہاد کے لئے کسی شخص کو متعین کیا جاتا ہے۔ تو وہ کافر پر برق سوزاں بنکر گرتا ہے۔ اور اُسے دم بھر میں راکھ کر دیتا ہے۔ وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان بڑا بننے سے گریز کرتا ہے۔ اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے مجھے مار ڈالو میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر تم کہو کہ شیطان تو ہر وقت بٹ مار کی صورت میں ہمیں قسم قسم کے دجل و فریب کا ہدف

مبتلا رہتا ہے۔ اور ہم کسی حالت میں اس سے امن و مطمئن نہیں ہو سکتے۔ جیسا ان لوگوں کا بیان ہو چکا ہے تو ہم کس طرح مشورۂ عقل اور خواہشات کی رائے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ تو خوب یاد رکھو کہ یہ وادی بہت دشوار گذار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی اس سے بسلامت گذر ہو سکتا ہے۔ اور اس میں بہترین رفیق نعیاد علم ہے کیونکہ اس سے حق کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور مکر و فریب کے پردے دُور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اندازہ جس کے ذریعہ سے تم تحیر اور تذبذب کے متعلق حق و باطل میں تمیز کر لو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے۔ اگرچہ موجودہ حالات کے لحاظ سے اس میں تکلیف اور صعوبت ہی ہو۔ اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی اور ترک تکلیف کا مشورہ دیتی ہیں۔ تو جب کبھی کوئی معاملہ تمہیں درپیش ہو اور تم کو اس کے عیب و صواب کا علم نہ ہو تو تم تکلیف دہ امر کو لازم کر لو اور اُسے چھوڑ دو جس کی تمہیں رغبت ہو۔ اخلاق پسندیدہ کا بیشتر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے۔ چنانچہ دربار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشھوات جنت ناپسند امور کے اندر گھری ہوئی ہے۔ اور دوزخ مرغوب اشیا میں مستور ہے۔ حق تعالے کا ارشاد ہے۔ وعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں سے خیر کثیر پیدا کر دے۔ نیز فرمایا عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم کیا عجب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے تم ایک بات کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے باعث نحوست و شرارت ہو تو جب کبھی تم کو ایسی بات کا خیال ہو جو موجودہ لحاظ سے آرام طلبی آسان اختیاری تکلیف سے بچنے راحت کو ترجیح دینے کی دعوت دے تو اُسے چھوڑ دو۔ کیونکہ محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے +

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور استخارہ کے ذریعے محنت کرو یہاں تک کہ سینہ کھل جائے اور مشورہ کی صحت معلوم ہو جائے۔ عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف نہایت لغو عذر پیش کرتی ہیں، اور عقل حقیقی اور وزنی دلائل سے رہنمائی کرتی ہے۔ بصورت محبوب کا عاشق اور تلخ طعام کا کھانے والا

اپنی عادت کے باعث مجبور ہوتا ہے کہ ان میں شغف رکھے! ور عذر حیلے لنگ کے ذریعہ دل کی تسلی کا متلاشی ہو لیکن عقل صاف کہدیتی ہے کہ یہ عذر اور بہانے تکلیف اور تصنع سے پر ہیں الغرض اس حقیقت کا ادراک نور الٰہی کی روشنی اور تائید آسمانی کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے حیرت کے عالم میں اللہ ہی کی جانب رجوع کرنا چاہئے +

چنانچہ بعض علما کا قول ہے کہ جب عقل کا میلان بحالات موجودہ تکلیف دہ امر اور عاقبت کا نفع بخش شے کی طرف ہو، اور خواہشات کا رجحان اس کے بالکل متضاد حال کے لذت بخش اور مستقبل کی مصیبت ناک بات کی جانب ہو اور دونوں میں تنازع برپا ہو جائے اور دونوں فیصلے کے لئے قوت مدبرۂ مفکرہ کے پاس جائیں۔ تو خدا کا نور عقل کی امداد کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے۔ ادھر سے وساوس شیطانی اور ان کے اولیائے کار بھی خواہشات کی اعانت کے لئے دوڑتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں ایک معرکۂ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوت مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدائی نور سے غافل ہو کر انجام کی منفعت سے اندھی ہو جاتی ہے، اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور اگر قوت مدبرہ اللہ اور اولیاء اللہ کے لشکر میں سے ہو تو نور خداوندی سے راہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کو چنگل مارتی ہے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے اللّٰہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمٰت اللہ تعالےٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان دار ہیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔ اور کافروں کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں +

عقل کو اللہ تعالےٰ نے شجر طیبہ سے تشبیہ دی ہے، اور خواہشات کو شجر خبیثہ سے چنانچہ فرمایا الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ الخ تو جب ان دو لشکروں میں صف آرائی ہو کر میدان کارزار گرم ہو جاتا ہے ایک طرف خدا کے دشمنوں کی صف ہے اور دوسری طرف اولیاء اللہ کی، تو اس وقت خدا کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے سوا کوئی

چارہ کار باقی نہیں رہتا، جیسے کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم۔ ان الذین تقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون جب شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالنے لگے تو اللہ کی پناہ میں آجاؤ اللہ سمیع وعلیم ہے متقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب شیطانوں کا گروہ اُن پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور خدا انہیں فوراً بصیرت عطا فرمادیتا ہے۔ شاید تم پوچھو کہ کیا ہوا و ہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد ہوی سے خواہشات کا وہ حصہ ہے جو مذموم ہے۔ پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں۔ پسندیدہ خواہشات خداوند تعالے کا فعل ہیں۔ اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ نفس میں ایک تحریک پیدا ہو اس بات کی کہ ان چیزوں کو حاصل کرلے جن سے اُس کے بدن کی بہبودی وابستہ ہے جسمانی بقا کے لحاظ سے یا جسم کے کسی خاص حصے کی بقا کے اعتبار سے یا دونوں کی بہبودی کے قرینے سے، ناپسندیدہ اور مذموم وہ خواہشات ہیں جو نفس امارہ کا فعل ہیں یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنیہ کی باعث ہیں۔ اور جب ان کو غلبہ حاصل ہوجاتا ہے تو ان کو ہوا و ہوس کا نام دیا جاتا ہے۔ قوت مفکرہ کو وہ اپنے تابع فرمان اور خدمتگذار کرلیتی ہیں۔ تاکہ اس کا تمام تر وقت اُن کے احکام کی متابعت میں گذرے، قوت مفکرہ شہوت وعقل کے درمیان متردد رہتی ہے۔ عقل اس کے اوپر اس کی خدمت کرتی ہے اور شہوت اس کے نیچے۔ تو جب کبھی قوت مفکرہ عقل کی طرف رُخ کرتی ہے۔ تو بلند مرتبہ اور معزز ہوجاتی ہے اور محاسن اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل السافلین میں جا گرتی ہے، اور بدیاں اس سے رُونما ہوتی ہیں +

———— ۰۰۰ ————

فصل

اخلاق بدل سکتے ہیں

بعض گمراہ اور باطل پرست لوگ گمان کرتے ہیں، اخلاق خلقت کے مطابق ہوتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے اس باطل عقیدے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی آڑلی ہے فَرَغَ اللّٰہ من الخَلْق (کہ خداوند تعالیٰ خلقت سے فارغ ہو چکا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کرنا خدا کی پیدائش کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے۔ ان لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے چشم پوشی کرلی ہے۔ کہ حسنوا اخلاقکم، اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ۔ اگر یہ بات ناممکن ہوتی تو اس کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور اگر یہ امر ممنوع ثابت ہو جاتے تو ترغیب و ترہیب اور مواعظ و وصایا کے تمام دفاتر ردی کی ٹوکری میں ڈال دئے جاتے ہیں، کیونکہ افعال اخلاق کے نتائج ہیں جب نیچے کو گرنا ثقل طبعی کا نتیجہ ہے تو چاہئے کہ یہ لوگ اوپر کی طرف کبھی توجہ نہ کیا کریں۔ بلکہ ہمیشہ نیچے ہی کی جانب جایا کریں۔ بلکہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ استیلائے عقل کے ہوتے ساتے انسان کو مہذب نہیں بنایا جا سکتا ہے اور بہائم کی عادات نہیں بدلی جا سکتیں جبکہ درندوں کی وحشت کو دور کر کے مانوس کر لیا جاتا ہے۔ کتے سدھانے سے شکار کھانا بند ہو جاتے ہیں۔ اور گھوڑے سرکشی سے باز آ کر اشارے کے مطابق نقل و حرکت کرنے لگ جاتے ہیں، اور یہ تمام باتیں تغیر خلقت ہی تو ہیں +

اس باب میں قول شافی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس پر ہمارا بس نہیں چلتا۔ مثلاً آسمان۔ ستارے۔ بلکہ ہمارے جسموں کے اعضاء اور ان کے اجزاء۔ یہ چیزیں جیسی ہیں ویسی ہی رہینگی +

دوسرے وہ جن کو پیدا ہونے کے بعد تربیت میسر آ جائے تو بعد میں قبول کمال کی قوت دی گئی ہے۔ اس کی تربیت اختیار سے متعلق ہے۔ مثلاً کھجور کی گٹھلی نہ کھجور ہے۔ نہ سیب لیکن اس میں اس بات کی قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کھجور بن جاتے لیکن اس میں

اس بات کی قابلیت نہیں کہ سیب کا درخت ہو جائے +

البتہ جب انسان کی تربیت کا اس سے تعلق پڑتا ہے تو وہ کھجور بن جاسکتی ہے۔ اگر ہم کلی طور پر غضب و شہوت کو اپنی جان سے اسی دنیا میں دُور کرنا چاہیں تو ہم ناکام رہینگے۔ لیکن اگر ہم ان کو مغلوب کرنا اور اُن کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے مہذب بنانا چاہیں تو ہم ایسا کرسکیں گے۔ اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے! در یہ چیز ہماری سعادت مندی اور نجات کی شرط قرار پاچکی ہے۔ ان جبلتیں مختلف ہیں بعض سریع القبول اور بعض بطی القبول ہیں۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں۔ ان میں سے ایک باعتبار تقدم وجود کے ہے۔ کیونکہ قوت شہوت، قوت غضب اور قوت تفکر انسان میں موجود ہیں۔ سب سے زیادہ مشکل سے تغیر ہونے والی اور سب سے زیادہ سرکش انسان کے لئے قوت شہوت ہے کیونکہ وہ سب قوتوں سے مقدم ہے۔ بلحاظ وجود کے اور سب سے شدید باعتبار گرفت اور چنگل کے، چنانچہ یہ اس کے ساتھ آغاز کار ہی سے پائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا وجود اس حیوان میں بھی ہے جو انسان کی جنس سے ہے۔ اس کے بعد قوت حمیت کی باری ہے اور بعد میں قوت غضب ہوتی ہے۔ قوت فکر یہ سب سے آخر میں پائی جاتی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اخلاق اس کے بموجب اور اس کے حکم کے ماتحت کثرت عمل کے ساتھ پختہ کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کے اس بارے میں چار مراتب ہیں۔

(اوّل) وہ انسان غافل جو حق و باطل اور حسن و قبیح میں تمیز نہیں کرسکتا۔ وہ اعتقاد سے خالی رہتا ہے اور نہ ہی اتباع لذات سے اس کی خواہشات قوی اور شدید ہوتی ہیں یہ درجۂ مرض سب سے زیادہ قابل علاج ہے، اس کو صرف ایک مرشد کی ضرورت ہے جو اُسے تعلیم دے اور ایک ولولۂ عمل کی حاجت جو مرشد کے احکام کی اطاعت پر اُسے ابھارتی رہے۔ چنانچہ اس کے اخلاق قلیل ترین وقت میں اچھے ہو جاتے ہیں۔

(دوم) وہ بدعملی کی مضرات سے تو واقف ہو لیکن عمل صالح کی جانب لوٹنے پر قادر نہ ہو۔ بلکہ اعمال بد کی دلفریبی میں گرفتار ہو۔ شہوات کا مطیع و منقاد ہو کر اور اصابت رائے سے روگردانی کر کے بدکاریوں کا ارتکاب کرے۔ تو اس کا معاملہ اول الذکر سے دشوار تر ہے۔ کیونکہ اس کی بیماری بھی دُگنی ہے۔ اُس کو دو کام کرنے چاہئیں (۱) جو باتیں بدعملی کی طرف کثرت سے مائل کرتی ہیں، اور طبیعت میں راسخ ہو چکی ہیں اُن کا

قلع قمع کرنا (ثانیاً) طبیعت کے برخلاف کرنا اس نوع کا شخص مجموعی حیثیت سے قبول ریاضت کے مقام میں ہے۔ بشرطیکہ جد وجہد کامل اس کی امداد کرے +

(سوم) اُس کا اعتقاد ہو کہ بداخلاقی واجب اور مستحسن ہے۔ بدکاری ہی درست اور پسندیدہ ہے۔ اور پھر اس پر وہ کاربند بھی ہو۔ یہ مرض قریباً لاعلاج ہے۔ اس کی اصلاح شاذونادر ہی ہوتی ہے، کیونکہ اس پر گمراہی تو بر تو متسلط ہو چکی ہے +

(چہارم) وہ شخص جس کی نشوونما ہی عقائد فاسدہ پر ہوئی ہو۔ اس کی تربیت اُنہی پر کاربند ہونے میں ہوئی ہو۔ وہ اپنی بزرگی اور فضیلت کثرت شر اور ہلاکت آفرینی ہی میں سمجھے۔ ان میں اُسے خوشی حاصل ہو اور اس کا گمان ہو کہ یہ باتیں اس کی قدر ومنزلت کو بلند کرتی ہیں۔ تو یہ مرتبہ دشوار ترین ہے۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بھیڑیئے کو مہذب بنا کر مؤدب بنانا اور حبشی کو نہلا کر سفید کرنا ایک عذاب ہے +

ان مراتب چہارگانہ میں سے اوّل کو جاہل کہیں گے، دوسرے کو جاہل اور گمراہ۔ تیسرے کو جاہل۔ گمراہ اور فاسق، اور چوتھے کو جاہل گمراہ، فاسق اور شریر النفس +

فصل

اخلاق کی تبدیلی اور ہوی کے علاج کا مختصر طریق عمل

یاد رکھو کہ مجاہدہ نفس اور اعمال صالح کی ریاضت سے تکمیل نفس اور تزکیہ وتصفیہ سے تہذیب اخلاق مقصود ہے نفس اور ان قوی کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے جس کے بیان سے الفاظ کی تنگدامانی قاصر ہے۔ صرف تخیل میں اس کی صورت متشکل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تعلق محسوسات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ معقولات میں سے ہے اور اس کا بیان ہمارے مدنظر نہیں لیکن روح اور جسم دونوں اس سے متاثر ہیں کیونکہ اگر روح صاحب کمال اور پاکیزہ ہو تو جسم سے بھی مستحسن افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہی حال روح کا ہے۔ کہ اگر جسم کے آثار اچھے ہوں تو ان سے روح میں اچھی ہیئتیں پیدا ہونگی، اور پسندیدہ اخلاق صادر ہونگے +

چنانچہ تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ جو افعال پاکباز اور کامل نفوس سے صادر ہوتے ہیں ان کو پے در پے کیا جائے، یہانتک کہ جب کچھ عرصہ کے تکرار سے ان کی عادت ہو جائیگی۔ تو اُن سے نفس میں ایک پختہ ہیئت واقع ہوگی، جو ان افعال کی مقتضی ہوگی اس کا تقاضا یہانتک بڑھیگا کہ یہ باتیں عادت کے باعث طبیعت ثانیہ بن جائینگی پھر جو باتیں پہلے انسان کی طبیعت پر بے حد گراں تھیں اب اس کو بالکل آسان اور سہل معلوم ہونگی +

اسی طرح مثلاً جو شخص چاہے کہ مجھ میں سخاوت کا خُلق پیدا ہو جائے۔ تو اس کو چاہیئے سخاوت کرنے والے شخص کے افعال کی بتکلف پیروی کرے۔ یعنی مال و زر خرچ کرے۔ اور اس کام کی مواظبت کرتا رہے۔ یہانتک کہ یہ بات اس پر آسان ہو جائے اور وہ خود صاحب جود و سخا بن جائے +

اسی طرح اگر کسی شخص پر تکبر اور پندار کا عفریت سوار ہے اور وہ متواضع اور خلیق ہونا چاہتا ہے۔ تو اُسے چاہیئے کہ متواضع اور خلیق لوگوں کے عادات و اطوار پر ہمیشگی کرے۔ اور اس بات کو ہر وقت پیش نظر رکھے +

عجیب بات یہ ہے کہ جسم اور روح کے درمیان ایک چکر سا قائم ہے بدن جب ایک کام بتکلف کرتا ہے تو اس سے روح میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب روح میں وہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ لوٹ کر بدن کی طرف پھر جاتی ہے اس سے وہ فعل جو جسم نے کیا تھا اور بتکلف کیا تھا اس کی طبیعت میں راسخ ہو کر عادت ثانیہ بنجاتا ہے۔ اس کا معاملہ تمام فنوں اور صنعتوں کا سا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خوشنویسی کا وصف حاصل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی باکمال کاتب کی نقل کرے۔ یعنی خوبصورت الفاظ محنت سے اس کی مانند لکھے۔ پھر حسن خط میں اس قدر مشق بہم پہنچائے کہ خوشنویسی کا ملکہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور اس فن کی مہارت اس کی ذات کا ایک وصف بن جائے۔ چنانچہ جو بات ابتدا میں تصنع سے کر سکتا تھا اب بالطبع اور خود بخود کرے گا۔ بات تو ایک ہی ہے ابتدا میں بھی اس کا خط وہی حسن و خوبی رکھتا تھا۔ اور اب بھی ویسا ہی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے آورد تھی اب آمد ہے۔ اور یہ تمام کارستانی ایک واسطہ سے تاثر نفس کی ہے +

اسی طرح جس شخص کو فقاہت کا شوق ہو۔ تو اُسے اس کے سوائے چارہ کار نہیں کہ فقہ میں ممارست کرے، اُسے حفظ کرے، اور بار بار پڑھے۔ ابتدا میں اُسے طبیعت پر زور دینا پڑیگا، یہانتک کہ علم فقہ اس کے نفس پر منعطف ہو جائیگا۔ اور وہ فقیہ نفس ہو جائیگا یعنی اس کی طبیعت میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جو تخریج مسائل کے لئے خود بخود مستعد ہو گی۔ اور جو چیز ابتدا میں اُسے مشکل معلوم ہوتی تھی اب طبعی طور پر اس کے لئے آسان ہو جائیگی، یہی حال تمام صفات نفس کا ہے +

جس طرح رتبہ فقاہت کا طالب نہ تو ایک رات کی بیکاری سے اس مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی ایک رات کی زیادتی سے اس تک پہنچ جاتا ہے! اسی طرح کمال نفس کا طالب نہ ایک دن کی عبادت سے اُسے حاصل کر لیتا ہے اور نہ ایک دن کا نقصان اُسے محروم کر دیتا ہے! لیکن ایک دن تعطل دوسرے روز کی بیکاری کو دعوت دیتا ہے۔ پھر یہ سہل انگاری آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ انسان کی طبیعت کسلمندی سے مانوس ہو جاتی ہے! ور تحصیل فقہ کا شوق کم ہو جاتا ہے چنانچہ فضیلت فقہ غائب ہو جاتی ہے +

یہی حال جملہ صغیرہ گناہوں کا ہے۔ ایک گناہ دوسرے کو بلانے کا کام کرتا ہے جس طرح رات کے تکرار کا اثر نفس کے تفقہ میں محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ قد کے بڑھنے اور بدن کے نشو و نما پانے کی طرح یہ تھوڑا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح ایک ایک طاعت و عبادت کے عمل کا اثر نفس اور اس کے کمال میں محسوس نہیں ہوتا لیکن مناسب یہ ہے کہ انسان اُسے حقیر نہ سمجھے۔ کیونکہ اس کا اثر مجموعی حیثیت سے ہی ظاہر ہو گا ؎

قطرہ قطرہ بہم شود دریا
دانہ دانہ بہم شود خرمن

پھر کوئی طاعت نہیں جس کا ایک اثر نہ ہو۔ اگرچہ کتنا ہی مخفی ہو۔ اور یہی حال ہر ایک معصیت کا ہے +

کتنے ہی خود سر فقیہ ہیں جو ایک دن اور رات کی تعطیل کو معمولی خیال کرتے ہیں اور اسی طرح پیا پے بے کار رہتے ہیں۔ اور کمال علم کے حصول سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ کہ انجام کار حرمان سعادت سے

اُسے روشناس ہونا پڑتا ہے۔ادبہت سے صاحب توفیق فقیہ ہیں۔ جو ایک دن رات کی قعطیل کو بھی معمولی نہیں سمجھتے اور پیاپے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور شاید کمال نفس سے ایک روز ہمکنار ہو جاتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتے کہ انجام کار درجات سعادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ تھوڑی شے زیادہ شے کو بلا لاتی ہے۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایمان دل میں ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے۔جوں جوں ایمان زیادہ ہوتا ہے یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے۔یہانتک کہ جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل سفید براق ہو جاتا ہے۔اور نفاق بھی دل میں ایک سیاہ نکتے سے شروع ہوتا ہے۔جوں جوں نفاق ترقی کرتا جاتا ہے دل کی سیاہی بھی المضاعف ہوتی جاتی ہے، یہانتک کہ جب انسان کا نفاق کامل ہو جاتا ہے۔تو دل بھی تمام تر سیاہ ہو جاتا ہے +

فصل

وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت تزکیۂ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جملہ فضائل کے اکتساب سے ہی ہو سکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل بالتفصیل معلوم کئے جائیں جملہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جودت ذہن و تمیز، اور (دوم) حسن خلق،

جودت ذہن سے اول طریق سعادت و شقاوت میں تمیز حاصل ہوتی ہے، تاکہ اس پر گام فرسا ہوا جائے، +

دوم براہین قاطعہ کے ذریعہ سے جو یقین کے لئے مفید ہوں۔ اشیا کی حقانیت معلوم کرنا، نہ تقلیدات ضعیفہ اور نہ کمزور اور بودے خیالات کے ذریعہ سے، اور حسن خلق اس لئے ہے تاکہ تمام عادات سیئہ کو جن کی تفصیل شریعت بتا چکی ہے اس کی امداد سے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر مبغوض بنا دیا جائے جس قدر شریعت

نے انہیں قرار دیا ہے، اور ان سے اسی طرح اجتناب کیا جائے جس طرح گندگی سے انسان اجتناب کرتا ہے، نیز اس لئے تاکہ عادات حسنہ عود کر آئیں۔ اور انسان کی طبیعت ان کی مشتاق ہو کر ان سے محبت کرنے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے +

اور جب کبھی عبادت گذاری اور ترک محظورات دل پر گراں گزریں تو یہ نقصان کی دلیل ہے، اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی۔ ہاں اس پر ہمت سے ہمیشگی کرنا نیکی کی غایت ہے لیکن اسی نسبت سے جو اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت کو ہے +

جو شخص غیر مہذب ہے اسی کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالے نے فرمایا وانها لکبیرة الا علی الخاشعین۔ نماز سوائے خشوع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی رضامندی کے لئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر۔ ورنہ مکروہات پر صبر کرنے میں ہی بہت نیکی ہے، پھر سعادت کے حصول کے لئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں، بلکہ چاہیئے کہ تمام عمر میں علی الدوام اس پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی، اسی قدر بزرگی زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی، اسی لئے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا، "تمام عمر اللہ کی اطاعت کرنا" حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم موت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے +

جب عمر کی درازی سے عبادتیں زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا، نفس زیادہ زکی اور اطہر ہوگا۔ اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے علائق بدن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ وافر ہوگی +

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس نیند سے بیدار ہو جس نے اسے اپنے نفس کے حال سے اور اس کے جمال سے جن سے وہ منور ہوتا ہے، اور ان ذلت آمیز خیالات و حالات سے جو اس کی فضیحت و رسوائی کا باعث ہیں، غافل کر رکھا تھا۔ یہ تنبہ اور بیداری، آ۔۔۔

ومشاغل کے دُور پھینک دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگ اصل میں سوتے ہوتے ہیں جب مر جاتے ہیں تو جاگ اُٹھتے ہیں، یہی بات مجموعۂ فضائل اور ان کی غایت ہے۔ کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں، بغیر سوچنے کے یا دیکھنے کے یا تکلیف اور رنج وتعب کے، اُسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے۔ گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے، جس طرح مشاق صناع اور خوشنویس کاتب سے نقش ونگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے۔

انتہائے بدعملی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور وفکر اور بن دیکھے خود بخود بداخلاقیاں سرزد ہوں۔ یاد رکھو کہ یہ تمام فضائل فن نظری اور فن عملی میں محصور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دو طریق پر حاصل ہوتا ہے:۔

(اوّل) تعلیم بشری اور تکلیف اختیاری، اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق اور مواظبت ومہارت کی حاجت ہے۔ تیسرا یہ کہ بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کرتے جائیں جس طرح لوگ نشوونما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کے لئے ادنیٰ مشق بھی کافی ہے۔ اور یہ بات ذکاوت وبلادت پر منحصر ہے۔

(دوم) فضل خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان مادر زاد طور پر بغیر معلم کے عالم وفاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے۔ یہی حال تمام انبیاء کا ہے۔ ان کو حقائق اشیاء کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی اس بات کے اہل ہیں ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر یہ وہ عطیۂ الٰہی ہے جس کا اکتساب جد وجہد کے ذریعہ ناممکن ہے۔ جو شخص اس سے محروم ہو اُسے چاہئے کہ فریق ثانی میں سے ہونے کی کوشش کرے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کا رتبہ ان لوگوں کے مراتب سے کمتر ہوگا، سرمہ لگانے سے آنکھوں میں وہ رعنائی نہیں پیدا ہو سکتی جو قدرتی سیاہ آنکھوں میں موجود ہوتی ہے۔

اس بات کو مستبعد بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل

ہوں جو اکتساب اور کوشش کے ذریعہ ملتے ہیں۔ جس طرح اخلاق میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات ایک لڑکا صادق القول سخی اور جری ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ باتیں تادیب و تربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر ملجاتی ہے۔ کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہانتک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہو تو اُسے انتہائے بزرگی حاصل ہے۔ اور جو تینوں طور پر رذیل ہو، تو وہ غایت رذالت کے گڑھے میں ہے۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا رتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے +

فصل

تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ

تمہارے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ نفس کا علاج رذائل کو اس سے دُور کرنے اور فضائل کے اکتساب سے ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال علم طب کی سی ہے جس میں بدن کے مرض کی روک تھام اور تندرستی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے +

جس طرح مزاج کی اصلیت میں اعتدال غالب ہے اور بیماری جو حالت اعتدال کو لیتی ہے۔ اغذیہ وغیرہ کے عارضوں سے ہی حملہ کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اُسے یہودی۔ نصرانی۔ اور مجوسی بنالیتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ تعلیم اور بڑوں کی دیکھا دیکھی بُری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس طرح بدن ابتدا میں غیر مکمل پیدا ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ غذا کے ذریعہ سے نشو و نما اور تربیت پاکر کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی ناقص پیدا ہوتا ہے۔ اور تزکیہ، تہذیب اخلاق اور علم کی غذا لینے سے ہی کامل ہوتا ہے۔ مثلاً بدن اگر تندرست ہو تو طبیب کا کام یہ ہے کہ قانون حفظ صحت پر عمل کرائے اور اگر مریض ہے تو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ اُسے تندرست کرے۔ یہی حال نفس انسانی کا ہے، اگر وہ پاکیزہ و طاہر اور مہذب ہے۔ تو مناسب ہے کہ اس کے ان اوصاف کو

قائم و محفوظ رکھا جائے اور مزید قوت اور صفائی باطنی سے اُسے بہرہ اندوز کرایا جائے۔
اور اگر عدیم الکمال ہے اور صفائی اُسے حاصل نہیں تو چاہئے کہ پہلے اس میں یہ باتیں پیدا کی جائیں جس طرح حالت اعتدال کو بدلکر مرض پیدا کرنے کی علت کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔ اگر سردی سے ہو تو گرم دوائیں دی جاتی ہیں اور اگر گرمی سے ہو تو سرد دوائیں، اسی طرح نفسانی امراض کے اسباب و بواعث کا علاج بھی ان کی ضد سے کیا جاتا ہے جیساکہ اوپر گذر چکا ہے کہ جہالت کا علاج بہ تکلف تعلیم سے بخل کا بہ تکلف سخاوت سے، غرور کا بہ تکلف انکسار سے اور پر خوری کا غذاؤں سے بہ تکلف ہاتھ کھینچنے سے کرنا چاہئے! اور جس طرح ہر ایک ٹھنڈی دوا گرمی سے پیدا ہونے والے مرض کو کافی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک وزن خاص میں نہ دی جائے۔ کیونکہ اس دوائی کی تیزی کمزوری، دوام و عدم اور اس کی قلت و کثرت بھی مختلف ہوتی ہے اس کے لئے ایک پیمانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی نفع بخش مقدار کا اندازہ معلوم کیا جائے۔ کیونکہ اگر اندازے کے مطابق دوائی نہ دی جائے تو مرض بڑھ جائیگا۔ اسی طرح امراض اخلاق کے علاج کے لئے جو دوا دی جاتی ہے اس کے لئے ایک اندازے کی بھی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح دوا کا اندازہ بیماری کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب تک طبیب یہ معلوم نہیں کر لیتا کہ مرض کی علت حرارت ہے یا برودت اور اگر اس کی علت حرارت ہے۔ تو اس کا درجہ قوی ہے یا ضعیف۔ اس وقت تک مرض کے علاج کو ہاتھ نہیں لگاتا! اور جب ان تمام امور سے واقف ہو جاتا ہے۔ تو حالات بدن۔ حالات موسم اور مریض کے پیشہ کی جانب توجہ کرتا ہے! اور انجام کار سب حالات و واقعات کو مدنظر رکھ کر علاج میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ متورع کو جو مریدوں کے نفوس کی بیماریاں دُور کرتا ہے۔ چاہئے کہ اپنے مریدوں پر خاص قسم کی ریاضت شاقہ اور تکالیف کا ہجوم نہ کرے جن سے ان کے اخلاق و عادات مانوس نہ ہوں، تو جب اُسے معلوم ہو جائے کہ فلاں برائی مرید پر سوار ہے اس کی مقدار کو جان لے، اس کا حال اور مدت اُسے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم کرلے کہ فلاں بات علاج میں مفید ہوگی۔ تو علاج کا طریقہ معین کرے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض پیر اپنے بعض مریدوں کو شہر میں جاکر محنت و مشقت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ مرید میں کسی قسم کا تکبر اور حکومت کی بُو پائی جاتی ہے۔ اس لئے پیر

ان امراض کا علاج ایسے طریق سے کرتا ہے۔ جو اس کے ان عادات کے نقیض دیکھتا ہے یہانتک کہ اس کے تکبر کو اس کے ذریعہ سے چوُر چوُر کر دیتا ہے بعض مرید وں کو پانی بھرنے اور استنجے کے ڈھیلے گننے کا ارشاد ہوتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ مرید کا نفس غوت کی جانب مائل نظر آتا ہے اور حد اعتدال سے زیادہ نفاست پسندی اس کی طبیعت میں پائی جاتی ہے۔ بعض کو روزے رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور افطاری کے لئے برائے نام کھانے کی مقدار دی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ مرید جوان۔ قوی الشہوت پیٹو ہوتا ہے۔ دغیرہ وغیرہ تہذیب نفس کے طریقے برتے جاتے ہیں +

بعض لوگوں کے متعلق روایت ہے جو قوت غضب کو دُور کر کے قوت حلم پیدا کرنے کے لئے کم حیثیت آدمیوں کو اجرت دیتے تھے اور اس بات پر مقرر کرتے تھے۔ کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان پر خوب گالیوں کی بوچھاڑ کریں چنانچہ حلم اور بردباری کے اوصاف ان میں پیدا ہو گئے۔ یہانتک کہ ان کی قوت برداشت ضرب المثل ہو گئی۔

کچھ اور لوگ تھے۔ جو اپنے میں وصف شجاعت پیدا کرنے کے لئے جاڑے میں دریا میں تیرتے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے۔ اور خود پرُخوری کی بد عادت دُور کرنے کے لئے نان جویں پر گذارہ کرتے تھے +

ہندوستان کے سادھو عبادت میں سہل انگاری اور سستی کے مرض کا علاج تمام رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ حُب مال کی بیماری کا علاج یوں کرتے ہیں۔ کہ تمام مال و اسباب فروخت کر کے اس کے دام اُٹھا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں +

الغرض تہذیب اخلاق کے طریقوں کا یہ مختصر اور اجمالی بیان ہے اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے +

مدعا یہ ہے کہ شائق لوگ اپنے اخلاق کے بارے میں تزکیہ نفس کریں پس اگر تمہارا نفس پہلے ہی مہذب ہے تو اس کی حفاظت کرو۔ تاکہ بگڑنے نہ پائے اور اگر وہ بگڑنے کی جانب مائل ہے۔ تو اُسے پھیر کر حد اعتدال پر لے آؤ۔ اس کے طریقہ کی تفصیل ابھی آئیگی۔ اعتدال حاصل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط کی حالت دُور کر دیجائے

کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان سے نفس کو بالکل پاک کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس و محبت کے طور پر نفس ان کی جانب کبھی متلفت نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اُسے رنج محسوس ہو۔ ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کئے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اُسے کوئی تکلیف نظر نہ آئے۔ چنانچہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو۔ اور نہ ہی ٹھنڈا۔ تو ہم اُسے معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آب فاتر جو ٹھہرنے کو چھوڑ دیا ہو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد۔ تو یہی حال ان صفات کا ہے +

تمہارا کام یہ ہے کہ تم غور کرو کہ حسن خلق کے باب میں تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں۔ وہ کیسے ہیں۔ پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو۔ تو سمجھ لو کہ حسن خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے۔ اور اگر وہ فعل قبیح ہے تو جان لو خلق قبیح ہے۔ مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اسے دبا رکھنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بخل ہے پس تمہیں چاہئے کہ تم اپنی طبیعت کو اس کے برخلاف عمل کی طرف پھیر لے جاؤ۔ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کی تفصیل شریعت کر چکی ہے۔ اور آداب بنی ؐ کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں۔ وہ ان کو جامع ہیں۔ ہم ان کی جانب جلد ہی اجمالی اشارہ کرینگے۔ ہماری مراد اعتدال سے یہ ہے کہ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو۔ تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے، اسی کو تبذیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ محمود و معتدل حالت وہ ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ اور جو کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم پر شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو۔ خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا۔ اور شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو۔ یہی صورت معاملہ ہے تمام صفات میں، ان میں ایک کی مثال ہی کافی ہے

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا مأخذ مقدار صفات و اخلاق ہے، تو تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی، کہ ان کے باب میں اختلاف اشخاص کے ساتھ رتبہ بھی مختلف ہو گا۔ نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہو گا +

چنانچہ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت و سبب کے پیچھے پڑیگا۔ اور اس کا علاج اس کے طریقہ کے مطابق کریگا۔ لیکن چونکہ اکثر لوگ اس لائق نہیں اور شریعت کے لئے مشکل ہے کہ ایسی تفصیل پیش کرے جو سب لوگوں کے لئے سب زمانوں میں کافی و وافی ہو۔ اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کو بیان کر دینا کافی سمجھا جن کی حدیں طاعات و ترک معاصی کو گھیر رہی ہیں۔ پھر ان مباحات کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ جو امور حیلہ کے ساتھ لذت پانے کے لئے مقصود ہیں۔ مثلاً فرمایا حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس سے اہل بصیرت نے جان لیا کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت محذور اور اس کا رستہ کیا ہے اور تفصیل سے واقف ہو کر ان لوگوں کو اس رستہ پر گامزن کیا جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوئے کہ انہوں نے اس چیز کی تفصیل بیان کی جن کو انبیا نے اجمالاً بیان کیا تھا۔ اور جس کو صرف بطور تمہید کہا تھا انہوں نے اس کی تشریح کی، اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء علما نبیوں کے وارث ہیں۔

فصل

اُمہاتِ فضائل

یوں تو فضائل بے شمار ہیں، لیکن چار چیزیں تمام شعبوں اور قسموں پر حاوی ہیں، یعنی حکمت۔ شجاعت۔ عفت اور عدالت۔ حکمت سے قوت عقلیہ کی فضیلت مراد ہے شجاعت سے قوت غضبیہ کی۔ عفت سے قوت شہوانیہ کی۔ اور عدالت سے مراد ہے ان تمام قویٰ کا ترتیب مناسب میں واقع ہونا۔ اس کے ذریعہ سے تمام امور کامل ہوتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زمین و آسمان عدل پر قائم ہیں۔ ہم ان بنیادی امور میں سے ایک ایک کی تشریح کرینگے۔ میزان کے بیان کی ان کے ماتحت جملہ انواع کی تشریح کرینگے۔

حکمت کے ہم وہی معنی لیتے ہیں جنکی عظمت اللہ تعالےٰ نے اس قول سے

بیان فرمائی ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ اور جس کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحکمۃ ضالۃ المؤمن۔ حالی ؂

کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو

حکمت قوت عقلیہ کی طرف منسوب ہے۔ تم پہلے جان چکے ہو کہ نفس کی دو قوتیں ہیں۔ اوّل۔ جو اوپر سے آتی ہے اسی سے ضروری۔ نظری اور کلی حقائق علوم ملأ اعلےٰ کی طرف سے القا ہوتے ہیں۔ یہ یقینی علوم ہیں سچے ہیں۔ ازلی اور ابدی لحاظ سے، اختلاف اعصار و امم ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جیسے اللہ تعالےٰ۔ اس کی صفات اس کے ملائکہ، اُس کی کتابوں اور رسولوں کا علم، اور عالم میں خدا کی مخلوق کی تمام اصناف کا علم۔

قوت ثانیہ وہ ہے جو نیچے کی جانب متوجہ رہتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر اور سیاست کی جانب، اسی کے ذریعہ سے نیک اعمال کا ادراک ہوتا ہے۔ اس کو عقل عمل کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے نفس کے قوی اہل شہر اور اہل خانہ کی قوتیں قابو میں رکھی جاتی ہیں۔ اس کا نام ایک لحاظ سے حکمت مجازی طور پر ہے۔ کیونکہ اس کی معلومات گرگٹ کی مانند بدلتی رہتی ہیں اور ایک جگہ قرار نہیں پکڑتیں۔ چنانچہ اس کی معلومات میں سے ایک یہ ہے "مال خرچ کرنا اچھا کام ہے" حالانکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے حق میں یہ بات برائی بھی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اول الذکر کے لئے حکمت کا نام زیادہ درست ہے اور موخر الذکر اوّل کا کمال ہے اور تتمہ۔ یہ حکمت خلقیہ ہے اور وہ حکمت عملیہ و نظریہ، حکمت خلقیہ سے ہماری مراد ہے نفس عاقلہ کی وہ حالت اور فضیلت جس سے قوت غضبیہ و شہوانیہ قابو میں لائی جاتی ہیں۔ اور مناسب اندازے کے ساتھ انقباض و انبساط میں مقدار مقرر کی جاتی ہے اس سے مراد قوت فیصلہ ہے یہ ایک فضیلت ہے جس کو دو خرابیاں احاطہ کئے ہوئے ہیں، اوّل مکاری دوم سادہ لوحی۔ یہ دونوں کنارے ہیں افراط و تفریط کے، مکاری افراط کی انتہائی صورت ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انسان مکر و حیلہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے جب قوت غضبیہ اور شہوانیہ مطلوب کی طرف حد سے زیادہ تحریک کرتی ہیں، اور سادہ لوحی انتہائی تفریط اور حد اعتدال سے کم ہونے کا نام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں نفس قوائے غضبیہ

وشہوانیہ کے مشورہ کو حد سے کم قبول کرتا ہے اس کی وجہ فہم کی کمزوری اور قوت فیصلہ کی کمی ہے +

شجاعت قوت غضبیہ کے لئے فضیلت ہے۔ بوجہ اس کے قوی ہونے کے ، حمیت کے ساتھ یہ عقل کی مطیع و منقاد ہے اور بڑھنے اور گھٹنے میں شریعت کے احکام کی پابند۔ قوت غضبیہ کی دو برائیوں کے درمیان جو اُسے گھیرے ہوئے ہیں ۔ یہ ایک متوسط درجہ ہے دونوں برائیاں تہور اور بزدلی ہیں ۔تہور اعتدال سے بڑھی ہوئی کیفیت کا نام ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں انسان ایسے خطرناک امور میں کود پڑتا ہے جن سے بچنا قرین دانشمندی تھا ، بزدلی اعتدال سے گھٹتی ہوئی حالت ہے۔ اس میں حرکت غضبیہ کی حد سے زیادہ کمی کے باعث انسان ان امور کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے جن کا سامنا کرنا عقل و خرد کے مطابق تھا۔ جب یہ تمام اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں ، تو اُن سے افعال صادر ہوتے ہیں یعنی خلق شجاعت سے دلیرانہ اقدام دنیا در ہوتا ہے ۔جہاں چاہئے اور جیسا چاہئے ۔یہی طرز عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور اللہ تعالے کے ارشاد اشداء علی الکفار رحماء بینھم سے بھی یہی ہے یعنی کفار پر سخت گراں اور آپس میں نہایت مہربان ہر حالت میں نہ تو سختی درست ہے نہ نرمی ہی ، بلکہ مناسب طرز عمل وہ ہے جو عقل و شریعت کے معیار پر پورا اترے ۔ تو جس کو یہ حد اعتدال حاصل ہو جائے اسے چاہئے کہ اپنے افعال سے اسے ہمیشہ محفوظ رکھے ۔ اور جسے یہ بات میسر نہ ہو تو چاہئے کہ وہ غور کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت کی شجاعت یعنی بزدلی کی جانب مائل ہے تو بہادروں کے افعال کی پیروی بہ تکلف کرے اور اس پر ہمیشہ عمل کرے یہانتک کہ یہ بات اس کا طبعی خلق اور عادت بن جائے اور شجاعت مند لوگوں کے کارنامے اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں۔ اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے متجاوز حالت کی یعنی تہور کی طرف مائل ہے تو یہی مناسب ہے کہ اپنے تئیں ان امور کے نتائج سے ڈرا لے اور ان کے خطرات کی عظمت سے دل کو مرعوب کرے ۔ان باتوں پر اسے ابتدا میں بہ تکلف عمل کرنا پڑیگا ۔یہانتک کہ اس کی طبیعت حد اعتدال یا اس کے قریب کے کسی مقام کیطرف ہٹ آئیگی ۔کیونکہ حد اعتدال کی حقیقت پر قائم رہنا نہایت مشکل بات ہے اور چونکہ یہ بات عسیر الحصول ہے اس لئے فرمایا وان منکم الا واردھا تم میں سے ہر ایک

اس میں وارد ہوگا۔

کسی بزرگ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا "حضور آپ کے اس فرمان سے کیا مطلب ہے کہ مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا"۔ ارشاد ہوا اللہ تعالےٰ کے اس فرمان نے کہ فاستقم کما امرت یعنی صراط مستقیم پہ استمرار اور افراط و تفریط سے بچکر توسط اختیار کرنا نہایت سخت مرحلہ ہے۔ یہ بات بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز تر ہے۔ جیسے کہ پلصراط کے باب میں بیان کیا گیا جس شخص نے دنیا کے راستے پر استقامت اختیار کر لی۔ وہ آخرت میں بھی مستقیم رہیگا کیونکہ انسان اسی بات پر مرتا ہے جس پر اُس نے زندگی بسر کی اور اُس کا حشر اُس بات پر ہوگا جس پر وہ مرا۔ اسی لئے نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں آیت اھدنا الصراط المستقیم داخل ہے۔ طالب پر استقامت سب باتوں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے اگر ایک خلق میں بھی اس کا مکلف قرار دیا جائے تو مصیبت طویل ہو جائے حالانکہ ہمیں تمام اخلاق میں باوجود ان کے بے حد و حساب ہونے کے اس بات کا مکلف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوگا خطرات سے عہدہ برائی توفیق الہٰی اور رحمت خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الناس کلھم موتی الا العلمون والعالمون کلھم موتی الا العاملون والعاملون کلھم موتی الا المخلصون والمخلصون علی خطر عظیم لوگ سب مردے ہیں سوائے عالموں کے۔ اور عالم سب مردے ہیں سوائے عاملوں کے اور عامل سب مردے ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلصین بڑے بڑے خطروں میں ہیں۔ تو ہم خداوند تبارک و تعالےٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ الہٰی اپنی توفیق سے ہماری مدد فرما۔ تاکہ ہم اس دنیا میں خطرات سے بچکر سلامت نکل جائیں اور غفلت و خود فراموشی کے دام میں گرفتار نہ ہوں۔

عفت۔ تو یہ قوت شہوانیہ کی بہترین صورت ہے اس سے مراد قوت شہوانیہ کو نرم اور ہموار کر کے قوت عقلیہ کے تابع کر دینا ہے۔ یہانتک کہ اس کی حرکت و سکون اس کے اشارے کے مطابق ہو جائے۔ اس کے دونوں جانب دو خرابیاں ہیں، شہوت پرستی اور نامردی، شہوت پرستی سے مراد ہے لذات نفسانی میں افراط اس حد تک

کہ قوت عقلیہ اسے ناپسند کرے اور اُس سے منع کرے۔ نامردی سے مراد ہے شہوت کی آگ کا بالکل بجھ جانا۔ اور اس میں اس قدر جوش بھی نہ رہنا جس کی موجودگی کا عقل تقاضا کرتی ہے۔ یہ دونوں باتیں بُری ہیں عفت ان دونوں کا درمیانی اور پسندیدہ نکتہ ہے۔
انسان کو چاہیئے کہ اپنی شہوت کی نگہبانی کرے۔ اس پر اکثر افراط غالب ہوتی ہے خصوصاً شرمگاہ اور پیٹ کی مقتضیات پر اور مال و ریاست اور حب ثنا پر۔ یاد رکھو ان باتوں میں افراط و تفریط دونوں نقصان رساں ہیں۔

انسان کا کمال اعتدال میں ہے اور اعتدال کا معیار عقل و شرع ہے مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کے اخلاق کی غایت مطلوبہ کا علم ہو جائے مثلاً اس بات کی تفہیت ہو جائے کہ خواہش طعام اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غذا لینے کی تحریک کرے جو حرارت غریزی میں خلل آنے کا سدباب کرتی ہے حتیٰ کہ بدن زندہ رہتا ہے اور حواس سالم تاکہ حصول علوم اور حقائق اشیاء کے ادراک کی طاقت پیدا ہو۔ ...... یہ حالت طبقہ علیا سے مشابہ ہے کیونکہ اس میں اس کے خواص پائے جاتے ہیں یعنی رتبہ ملائکہ، یہی کمال سعادت ہے جو شخص ان باتوں کی معرفت حاصل کرلے۔ اس کی غرض تناول طعام سے عبادت گذاری کا تقوی ہوتی ہے۔ نہ کہ اس سے حظ نفس، وہ کم خوری کی عادت کر لیتا ہے۔ لامحالہ مائل پرواز ہوتا ہے اور اس کی حرص تیز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جانتا ہے کہ خواہش مباشرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جماع کی تحریک کرے جس سے نوع انسانی کی بقا کی حفاظت کا رشتہ وابستہ ہے اور تاکہ نکاح کی طلب پیدا ہو اولاد پیدا کرنے اور بدکاری سے بچنے کی غرض کے لئے نہ محض لہو و لعب اور حظ نفس حاصل کرنے کے لیئے اور اگر لہو و لعب اور تمتع میں مشغول ہوا تو اس کا باعث محبت اور الفت ہوگی، جو حسن صحبت اور دوام نکاح کی تحریک کرتی ہے۔ وہ صرف اسی قدر شادیاں کریگا جس قدر اس کے حقوق کی ادائیگی میں مزاحم نہ ہوں۔
جو شخص ان باتوں سے واقف ہو جائے اس کے لئے کم شادیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے یہاں آدمی اپنی ذات کا شارع علیہ السلام کی ذات بابرکات پر خیال نہ کرے۔ کیونکہ بیویوں کی کثرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی آپ کو طلب دنیا پر مجبور کر سکتی تھی۔
جو شخص کثرت سے شادیاں کرتا ہے کہتا ہے کہ بیویوں کی کثرت حضور کے لئے مفر

تھی مجھے بھی ضرر نہ کرے گی۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خیال کرتا ہے کہ نجاست کا جو ڈھیر ایک بحر ناپیدا کنار کو متغیر نہیں کر سکتا اس سے سمندر میں سے ایک لوٹا بھر پانی بھی متغیر نہ ہوگا اور جو لذیذ اور مرغن غذائیں ایک قوی الجثہ جوان اور بھر پور شخص کو نقصان نہیں پہنچا تیں وہ ایک شیر خوار اور کمزور بچے کو بھی ضرر نہ کریں گی۔ بہت سے عقل کے دشمن بڑائی کی لیتے ہوئے اپنی ذات کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قیاس کرتے ہیں۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بری طرح برباد ہوتے ہیں کہ نشان بھی نہیں ملتا نعوذ باللہ۔

خدا ہمیں کور باطنی سے محفوظ رکھے کیونکہ ظاہری اندھا ہونے سے بدتر ہے۔ ظاہری آنکھ کا اندھا تو اپنے عجز اور بے بسی کا اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے رستہ پر ہو لیتا ہے لیکن یہ باطن کے اندھے اس قدر فریب نفس میں گرفتار ہوتے ہیں کہ کسی صاحب نظر کی انگلی تھامنا ذلت سمجھتے ہیں، پھر نہ ان کا نور تکمیل پاتا ہے نہ وہ سیدھے راستہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ ان کے حال کی خرابی یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالے کو پرواہ نہیں رہتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوئے۔

میں نے بعض طبقہ عوام کے بے وقوفوں کو دیکھا کہ تصوف کے بارے میں اپنی رائے سے اٹکل پچو لگا رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ یہ خواہشات اور شہوتیں پیدا ہی نہ کی جاتیں اگر ان کی پیروی مذموم اور مہلک ہوتی۔ افسوس انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں شہوتوں کی پیدائش یعنی شرمگاہ اور شکم کی خواہشات کی خلقت میں دو زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں:۔

(اول) انسان کے وجود کی بقا بذریعہ غذا کے اور نوع انسانی کی بذریعہ جماع کے کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات میں ضروری ہیں سنت الہی کے مطابق مشیت الہی کے ساتھ جاری ہیں جو نہ تبدیل ہو سکتی ہے نہ رد کی جا سکتی ہے۔

(دوم) لوگوں کو سعادت اخرویہ کے حصول کی ترغیب دینا کیونکہ جب تک ان کو ان لذات و آلام کے ذریعے سے تکلیف و آرام کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک نہ وہ جنت کی رغبت کریں گے نہ دوزخ سے خوف کھائیں گے۔

اگر انہیں کسی ایسی چیز کا وعدہ دیا جائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گذرا۔ تو ان کے نفوس پر اس کا خاک بھی اثر نہ ہوگا۔ غصہ کا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔

عدل۔ حکمت اور شجاعت اور عفت کی اس منتظم حالت کا نام ہے جس میں وہ مناسب طور پر ایک ترتیب واجب کے ساتھ مختار و منقاد ہوں، اصل میں یہ فضائل اخلاق کا جزو نہیں۔ بلکہ یہ عبارت ہے جملہ فضائل سے۔ اس کی صورت یوں ہے کہ جب بادشاہ۔ اس کے لشکر اور اُسکی رعیت کے درمیان ایک عمدہ ترتیب قائم ہو۔ بادشاہ صاحب بصیرت اور صاحب جبروت ہو اُس کا لشکر طاقتور اور اطاعت شعار ہو، اور رعیت مطیع و منقاد ہو، تو کہا جائیگا کہ ملک میں عدل قائم ہے، لیکن اگر بعض میں ضروری صفات موجود ہوں اور بعض میں نہ ہوں تو عدل کی موجودگی سے انکار کیا جائیگا۔ مملکت بدن میں بھی ان صفات کے مابین عدل اسی طور سے ہوتا ہے۔

نفس کے اخلاق میں عدل سے لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ معاملات و سیاسیات میں توازن قائم ہو، عدل کے معنی ہیں ترتیب مستحب خواہ اخلاق میں خواہ معاملات میں یا ان اجزاء میں جن سے شہر و ملک کا قوام ہے۔

معاملات میں عدل غبن و تغابن کا درمیانی نکتہ ہے یعنی انسان وہ چیز لے لے جو لینے کے قابل ہے اور وہ چیز دیدے جو دینے کے لائق ہے۔ غبن یہ ہے کہ ناجائز طور پر کوئی چیز لے لی جائے، اور تغابن یہ ہے کہ کسی معاملے میں وہ شے دیدی جائے جس کا نہ اجر ہے نہ احسان سیاسیات میں عدل یہ ہے کہ شہر کے مختلف اجزاء اس طرح مرتب کئے جائیں کہ شہر بلحاظ آپس کے تعلقات کے اور باعتبار اپنے اجزاء کے تناسب کے اور بحساب اپنے ارکان کے تعاون کے حسب منشا طور پر ہو جائے یعنی اس کی اجتماعی حیثیت شخص واحد کی سی ہو، ہر ایک چیز اپنے مناسب مقام پر رکھی جائے۔ اس کے باشندوں میں بلحاظ طبقہ کے تقسیم کر دی جائے، کون شخص کون خدمت سرانجام دیگا۔ کون خادم ہے اور کون مخدوم کس کس طریق سے خادم خدمت کریگا۔ اور کس کس عنوان سے مخدوم خدمت لیگا جیسا کہ ہم قوائے نفسانیہ کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

عدل کے لئے افراط و تفریط کوئی شے نہیں۔ اس کا مقابل خلق ایک ظلم ہے۔ کیونکہ ترتیب اور عدم ترتیب میں کوئی درمیانی نکتہ نہیں۔ اس قسم کی ترتیب اور عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ یہاں تک کہ تمام کائنات شخص واحد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قوی اور اجزا سب ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

اور اب جبکہ ہم یہ تمام امہات فضائل بیان کر چکے ہیں۔ تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

ہر ایک فضیلت اور رذیلت، بزرگی اور خرابی کے ماتحت جس قدر فضائل و رذائل کے اقسام و انواع ہیں۔ اُن کی تفصیل درج کریں۔

اس بارے میں قوت عقلیہ سے ابتدا ہوگی، پھر قوت غضبیہ اور آخر میں قوت شہوانیہ کی باری آئیگی۔ تاکہ اُن کا بیان مکمل ہوجائے۔

فصل

فضیلت حکمت اور اسکی افراط و تفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی

حکمت کے ماتحت حسن تدبیر، جودت ذہن، نقایۃ الرائے اور صواب ظن کا اندراج ہوگا۔

حسن تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تم عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل، سیاست مدینہ، دفاع دشمن اور دفع شر کے معاملات ہیں تم سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرو۔ جو افضل اور اصلح ہو۔ غرض یہ کہ ہر ایک اہم اور مہتم بالشان امر میں تمہیں یہ بات حاصل ہو، لیکن اگر معاملہ حقیر اور آسان ہو، تو اُس کے متعلق جو غور و فکر ہوگا اُسے حسن تدبیر نہ کہینگے۔ اُسے محض اندازہ کہدینا کافی ہوگا۔

جودت ذہن یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہوجائیں اور ان میں بحث و نزاع درپیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو۔

نقایۃ رائے کا مفہوم ہے پیش آمدہ امور کے بارے میں جو اسباب ذی باعث دلپسند نتائج برآمد کرنے والے ہوں ان پر تیز دستی سے پہنچ کر قائم ہوجانا۔

صواب ظن یہ ہے کہ بغیر دلائل کی اٹکل پچو لگانے کے مشاہدات پر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے۔

مکاری کے ماتحت حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کے باعث کسی کام کے سرانجام دینے میں ایسے طرز کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا ہو۔ لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان میں نفع خاصہ ہو، اب اگر نفع خسیس ہو تو اُسے فریب کاری کہینگے، حد سے زیادہ

تیز فہمی اور فریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے +

سادہ لوحی کے ماتحت ناتجربہ کاری ۔ حماقت ، جنون کے نام آئینگے +

ناتجربہ کاری، سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالجملہ قلت تجربہ کا نام ہے اگر ایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آزمودہ کار ہے ورنہ ناآزمودہ کار مجمل طور پر ناتجربہ کار شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو +

حماقت یہ ہے کہ انسان منزل مقصود پر پہنچنے کے درست راستہ کے تعین میں ہی غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے ۔ حماقت اگر پیدائشی ہو تو اُسے حماقت طبعی کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں[۱] اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے اس لئے جب وہ مرض دُور ہو جائے تو حماقت بھی دُور ہو جاتی ہے +

جنون۔ یہ فساد تخیل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان ناقابل قبول شے کو قابل قبول شے پر ترجیح دیتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کا قرعہ انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے جنون کی خرابی اس کی غرض ہے اور حماقت کی خرابی عمل کرنا ۔ کیونکہ احمق کی غرض و غایت بھی عاقل کی سی ہوتی ہے ۔ اس لئے ابتدا میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ۔ لیکن جب اپنے مقصود کی تحصیل کے لئے وہ روانہ ہوتا ہے تو اس کی بیوقوفی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے ۔ جنون چونکہ فساد غرض ہے ۔ اسی لئے شروع ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے +

فصل

فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا

شجاعت کے عنوان کے ماتحت ۔ جود و کرم ، دلیری ، خود داری ، برداشت ، بردباری ثابت قدمی ، شہامت ۔ قدر دانی اور وقار آتے ہیں +

جود و کرم کنجوسی اور اسراف کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القدر اور

[۱] مطلب یہ کہ علاج بہت مشکل ہے ورنہ انسان میں ہر ایک کمال کی استعداد ہے +

علیم النفع امور میں خوشی سے خرچ کرنا۔ اس کو آزادہ روی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں

دلیری یہ جسارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو۔ اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے۔

خودداری۔ یہ تکبر اور ہیچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے، اس وصف کے ذریعہ انسان اسباب پر قادر ہو جاتا ہے۔ کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنائے۔ اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علما کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے۔ اور فرومایہ لوگوں کے اکرام و اعزاز میں مسرت نہ پائے۔ ادنیٰ امور میں اسے کوئی لطف نہ ملے، اور نہ ہی اتفاقات حسنہ اور خوش نصیبی کے طور پر جو سناد و منفعت حاصل ہو۔ اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو۔

برداشت، یہ جسارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے اس سے مراد ہے۔ تکلیف دہ اور ایذارسان امور سے نہ گھبرا جانا۔

حلم ظلم و سفاکی اور بے غیرتی کے درمیان درمیان ہوتا ہے۔ اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے۔

ثابت قدمی کے معنی دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا ہیٹانہ ہونا ہے۔

شہامت سے مراد ہے حسن و خوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی عمل میں حریص ہونا۔

قدر دانی بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا۔

وقار، یہ تکبر اور انکسار کے بین بین ہوتا ہے۔

وصف شجاعت کے جو کنارے ہیں یعنی تہور و دوم جبن و نامردی۔ ان کے تحت میں چھچھورا پن اور خست، جسارت اور بزدلی، اکڑ فوں اور ہیچ میرزی، بے صبری اور تیز مزاجی سرد مزاجی تکبر اور کمینہ پن، عجب و مہانت، کا اندراج ہوگا۔ ان میں سے جو باتیں حد اعتدال سے زیادتی کی طرف مائل ہیں، تہور کا حصہ ہیں، اور جو حد اعتدال سے کمی کی طرف راجع ہیں جبن کے ماتحت ہیں۔

چھچھورا پن یعنی ناواجب طور پر جیسے ضیافت وغیرہ میں خرچ کرنا اور اس سے مقصود محض

لاف زنی رکھنا۔

خست یعنی دنائت طبع۔ ضرورت کے مقام پر خرچ نہ کرنا۔ اور ادنیٰ باتوں میں فخر کرنا۔

جسارت بے سود موت کی تلاش کرتے پھرنا۔ موقع بے موقع جان پر کھیل جانے کو تیار رہنا۔

بزدلی۔ جہاں ہلاکت کا خوف نہ کرنا چاہئے وہاں موت کے خوف سے کپکپی پیدا ہو جانا۔

اکڑ فوں۔ بغیر استحقاق کے بڑی بڑی باتوں کا اپنے تئیں اہل سمجھنا۔

ہیچ میرزی۔ اپنے درجہ سے خود کو کم سمجھنا۔

ہیچ میرزی۔ اپنے تئیں مستحق باتوں کا بھی حقدار نہ سمجھنا۔

جسارت۔ ہلاکت کی بے فائدہ باتوں میں تلاش کرتے پھرنا۔ ضرورت بے ضرورت مرنے پر تیار رہنا۔

بے صبری۔ ایذا رسان امور اور رنج و آلام کے نام سے دم فنا ہونا۔

تیز مزاجی۔ فوراً غضبناک ہو کر بھڑک اٹھنا۔

بے غیرتی۔ کسی بات پر غصے نہ ہونا خواہ کیسی ہی ذلت ہو جائے۔

تکبر۔ اپنے تئیں مقدور سے زیادہ بلند مرتبہ سمجھنا۔

خست۔ اپنے تئیں حد سے زیادہ ذلیل سمجھنا۔ اگر مناسب حد تک ہو تو اسے منکسر مزاجی کہتے ہیں۔

نخوت۔ تکبر سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچاننا اور ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں۔

لوگ تکبر اور بخل کو کمینہ پن اور فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب برے وصف ہیں۔

خست اور فضول خرچی اگرچہ برے اوصاف ہیں لیکن یہ تواضع اور سخاوت سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لئے پسند کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی حقیقت میں یہ اخلاق رذیلہ میں داخل ہیں اور اعتدال سے دور، اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طوبیٰ لمن تواضع من

غیر منقصتہ وذل نفسہ من غیر مسکنۃ اُس شخص کے لئے خوش خبری ہے جو مناسب انکسار کرے۔ اور اپنے تئیں حقیر سمجھے لیکن مسکنت کا اظہار نہ کرے +

فصل

عفت اور اس کے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج

فضائل عفت میں حیا۔ شرمیلا پن۔ مسامحت۔ صبر وسخا۔ حسن تقدیر۔ انبساط۔ نرم خوئی انتظام۔ خوبصورتی۔ قناعت۔ استغنا۔ ورع۔ طلاقت۔ مساعدت۔ رشک اور ظرافت شامل ہیں +

حیا۔ شوخی اور زنانہ پن کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کی تعریف یوں ہے۔ کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کی عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فرومایہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بُری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے۔ اور یہ تحفظ نفس ہے مذموم باتوں سے۔ غرض یہ ہے کہ حیا کا استعمال بُری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جس چیز کو ایک شخص بُرا سمجھتا ہے اس سے اس کی طبیعت گھبرا سی جاتی ہے۔ یہ موخر الذکر صورت لڑکوں اور عورتوں کے لئے زیبا ہے اور عقلمندوں کے لئے مذموم ہے۔ شرم کی پہلی صورت سب سے اچھی ہے اور حدیث کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ جب فرمایا ان اللہ یستحیی من ذی شیبۃ فی الاسلام ان یعذبہ کہ خدا مسلمان بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے۔ یعنی اُس کو عذاب دینا ترک کر دیتا ہے +

شرمیلا پن۔ یعنی فرط حیا سے دل کا گھبرا جانا، مردوں کے سوائے لڑکیوں اور عورتوں میں اُس کا ہونا پسندیدہ امر ہے۔ انسان اس سے شرماتا ہے جس کو دل میں اپنے سے بزرگ و برتر سمجھتا ہے۔ انسانوں سے شرمانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص لوگوں سے خود کو کمتر سمجھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے نہیں شرماتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کے جلالت

مرتبہ کو نہیں پہچانتا اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استحیوا من اللہ حق الحیاء اللہ سے اس کے حق کے مطابق شرم کرو، اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ اولم یعلم بان اللہ یری کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے، کیونکہ اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ تو اگر وہ دیندار اور خدا کی عظمت کو پہچاننے والا ہے تو ضرور شرم کھا جائیگا جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا ایمان لمن لاحیاء لہ کہ جس شخص میں حیا نہیں اس میں ایمان بھی نہیں۔ کیونکہ حیا انسان کے لئے عقل کا پہلا تقاضا ہے۔ اور ایمان عقل کا آخری مرتبہ پھر جو شخص پہلا زینہ بھی طے نہیں کرتا وہ آخری زینہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔

مسامحت بعض حقوق کو خوشدلی سے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یہ مناقشت یعنی حساب میں باریکی کرنے اور اہمال یعنی ترک کامل کے بین بین ہوتی ہے۔

صبر نفس انسانی کا ہوا و ہوس سے مقابلہ کرنا اور لذات قبیحہ سے دُور رہنا۔

سخاوت۔ فضول خرچی اور انتہائی کنجوسی کا وسطی مقام۔ یعنی خرچ کرنے میں آسانی اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب۔

حسن تقدیر۔ اخراجات میں بخل اور تبذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال اختیار کرنا۔

نرم خوئی۔ اشتیاق مشتہیات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ۔

انتظام۔ نفس کی وہ حالت جس میں اُسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا اندازہ معلوم ہو جائے۔

خوبصورتی۔ جائز اور واجب زینت کا شوق جس میں رعونت کو دخل نہ ہو۔

قناعت۔ معاش کی حسن تدبیر جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو۔

استغنا۔ جو چیزیں لذات جمیلہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہو جانا

ورع۔ ریاکاری اور رسوائی کے بین بین یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین کرنا تکمیل نفس اور قرب الٰہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریا کو دخل ہوتا ہے نہ اعلان کو۔

طلاقت۔ با مذاق خوش مزاجی جس میں فحش اور افترا کو دخل نہ ہو۔ جو مذہب لہو کی افراط و تفریط کے درمیان وسطی مقام ہے۔

ظرافت۔ ترش روئی اور مسخرا پن کے بین بین ہوتی ہے۔ یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے۔ اور خوش طبعی کا موقعہ محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے۔ اور ہر ایک شخص سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے۔ جب ایک آدمی کا دل چاہے کہ میں ہنسی مذاق کے ذریعہ دل خوش کروں، تو اُسے دس باتوں میں سے ایک کا خیال رکھنا ضروری ہے اُسے مہذب اور پاکیزہ مزاح سے جو مسخرگی اور بے ہودگی کی حد تک نہ پہنچے۔ اور صرف اتنی مقدار میں جس سے پریشانی طبع دُور ہو جائے۔ کام لینا چاہیئے۔ لغو گوئی اور تمسخر سے کامل احتراز کرنا چاہیئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی خوش طبعیوں کا مذکور کتابوں میں درج ہے جس سے اُس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہمیں اس موضوع کو طول دینے کی ضرورت نہیں +

مسامحت۔ سرکشی اور چاپلوسی کے درمیان کا وسطی نکتہ یعنی قابل عمل امور میں انکار اور مخالفت چھوڑ کر لوگوں کے آرام کے لئے اپنا فائدہ ترک اور ان کا کام کر دینا +

رشک۔ حسد اور شماتت کے مابین، یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی پر اندوہگین ہونا +

عفت کی افراط و تفریط کے ماتحت حسب ذیل امور درج ہونگے۔ بے حیائی۔ زنانہ پن فضول خرچی۔ کنجوسی۔ ریاکاری۔ ذلت پسندی۔ ترش روئی۔ بے ہودگی۔ چھچھوراپن۔ بدمزاجی تملق۔ حسد اور شماتت +

بے حیائی۔ علانیہ بُرے کاموں کی پیروی کرنا۔ بے عزتی اور مذمت کا خوف کیئے بغیر +

زنانہ پن۔ انسانی طبیعت کی وہ حالت جس میں انسان فرط حیا سے قولاً اور عملاً کھل نہ سکے +

فضول خرچی۔ عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرنا نہ بات کا دھیان اور دولت برباد کئے جانا +

کنجوسی۔ جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے۔ وہاں ہاتھ کھینچ لینا۔ اس کے تین اسباب ہیں۔ بخل۔ شح اور لئامت، ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے +

بخیل تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے "اس خوف سے کہ تنگدست اور مفلس ہو جاؤنگا، تو کھاؤنگا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں

بخل کا سبب خیال کی بزدلی ہے +

شح وہ ہوتا ہے جس میں تنگدستی کو بے وجہ خوف اور دشمنوں کے ڈر کے ساتھ اسے دوسروں کی حالت کی بہتری ناپسند ہو۔ تاکہ محتاج لوگ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں۔ اور اس طرح اس کو مرتبہ اور رفعت حاصل ہو۔ اس کا باعث جہالت ہے +

لئیم۔ اس میں مذکورہ بالا سب بد اخلاقیاں جمع ہوتی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہوتی ہے کہ وہ حقیر باتوں میں شرم نہیں کرتا، اس کا سبب خباثت نفس کی ایک قسم ہے۔ اس کی مثال چور اور دیوث کی سی ہے +

ریاکاری۔ نیک اعمال میں لوگوں کی مشابہت اس لئے کرنا کہ لوگ سنیں اور تعریف کریں اور عزت کریں +

ذلت پسندی۔ نیک اعمال کے ذریعہ روح کو زینت دینے سے اعراض کرنا اور بداعمالی کا ارتکاب +

ترش روئی۔ متانت کی حد افراط +

بے ہودگی۔ حد سے زیادہ مسخرگی +

چھچھوراپن۔ انیس اور دوست کی ملاقات پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا +

اندوہ گینی۔ مجلس میں بیٹھ کر اندوہگین سا رہنا +

بدمزاجی۔ لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا +

تملق۔ لوگوں سے اس درجہ عاجزی اور خوشامد سے پیش آنا کہ گویا استخفاف اور ذلت کی پرواہ ہی نہیں ہے +

حسد۔ مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی دیکھ کر پیچ و تاب کھانا۔ اور ان کے زوال عز و جاہ کا آرزومند ہونا +

شماتت۔ نالائق لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچتے دیکھ کر خوش ہونا اور ملامت کرنا +

عفت کا اعتدال ان تمام اخلاق فاضلہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کے بالکل مقابل کی حالت جملہ اخلاق رذیلہ کے مجموعہ کا نام ہے +

ان اخلاق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف کے متعلق احادیث و اخبار میں تحریک آمیز احکام نہ صادر ہو چکے ہوں۔ اور اخلاق رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں

جس سے متعلق تنبیہ اور زجر و توبیخ کے لئے اخبار و احادیث میں بیان موجود نہ ہو۔ اس لئے ہم اس بارے میں گفتگو کرکے تحریر کو طول دینا نہیں چاہتے۔ جو شخص ان کا طالب ہو اُسے عادات و آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حالات صحابہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیئے +

اس تذکرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ انسان ان تینوں قوتوں کے سبب سے ان خلاق کے قریب ہوتا ہے! ورانّ میں سے ہر ایک کی دو جانبیں ہیں۔ اور اس کے درمیان ایک مقام اوسط ہے۔ اب انسان اس بات پر مامور ہے کہ وہ ان سب میں افراط و تفریط کے دونوں کناروں کے درمیان توسط اور استقامت اختیار کرے۔ یہانتک کہ جب اُسے یہ سب باتیں حاصل ہو جائینگی تو اس کا کمال مرتبۂ تکمیل کو پہنچ جائیگا اور یہ کمال اُسے خداوند جل وعلیٰ کا قرب بلحاظ رتبہ عطا فرمائیگا۔ لیکن مکانی قرب جیسے ملائکہ مقربین کو میسر ہے اُسے نہیں ملیگا۔ بہائے اعظم اور کمال اتم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے +

موجودات میں سے ہر ایک شے کمال ممکن کی مشتاق ہے اور یہی غایت مطلوبہ ہے تو اگر اُسے پالیا تو وہ اپنے سے اوپر کے عالم میں جا پہنچا اور اگر ناکام و محروم رہا تو اس غار عمیق میں جا پڑا۔ جو اُس کے نیچے ہے۔ اسی طرح انسان جب اس کمال کو حاصل کر لیتا ہے تو افق ملائکہ پر اللہ کے قرب کے مقام سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور یہی اُس کی سعادت ہے یا جب وہ شہوت وغضب کے اخلاق رذیلہ کو قبول کر لیتا ہے جو اُس کے اور بہائم کے درمیان مشترک ہیں۔ تو وہ بہائم کے درجہ میں انحطاط پذیر ہو کر دائمی طور پر ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے! ور یہی اس کی شقاوت ہے +

اس کی مثال رہوار سُبک رفتار کی سی ہے کہ اُس کا کمال تیز رفتاری ہے! اگر اس سے یہ بن نہ آئے تو اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے! پھر لوگ اُس پر بوجھ لادتے اور گھاس چارہ ڈھوتے ہیں انسان کے لئے کمال کے مراتب ان اخلاق اور غیر محصور علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی لئے آخرت میں لوگوں کے درجات بھی مختلف اور متفاوت ہونگے جس طرح دنیا میں پیدائش اخلاق بثروت، آسائش اور دوسرے تمام حالات کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب الگ الگ ہوتے ہیں +

فصل

وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان سے روکتے ہیں

دنیوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔ اوّل۔ ترغیب و ترہیب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے ٭

دوم تحسین اور شاباش کی امید اور مذمت و ملامت کا خوف ٭

سوم طلب فضیلت و کمال نفس کا شوق ٭

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا تقتضا ہے اور عوام کا رتبہ اس سے متعلق ہے ٭

دوم کا حیا اور مبادیات عقل تقاضا کرتی ہیں۔ یہ نوع سلاطین و ملوک، اکابر دنیا، اور عقلا میں سے اکثر کو شتمل ہے۔ ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے ٭

سوم۔ کمال عقل کا تقتضا ہے اور اولیا، حکما، اور محقق عقلا کا فعل ہے۔ اسی تفاوت مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے۔ کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اُسے ممنوعات سے روکتی ہے! اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اُسے بدعملیوں سے باز رکھتا ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے عیوب کو چھپا لیتا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر بجلی چاہیئے جو اس پر گرے اور جلا کر راکھ کر دے، تاکہ زمین اور اہل زمین اُس کے وجود سے نجات پا جائیں ٭

یہ تفاوت اور اختلاف انسان کے بچپن سے بڑھاپے تک اس کے اُس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ بچپن میں نہ تو زجر و توبیخ ہی ممکن ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برانگیختہ کرنا بلکہ اگر لذیذ کھانے پینے کی چیز سامنے لا دی جائے، یا دو چار تھپڑ رسید کئے جائیں تو البتہ اُس کا احساس چمک اٹھتا ہے جب تمیز حاصل کر کے سن بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو زجر ممکن ہے اور مدح و ذم کے وسیلہ سے تحریک بھی۔ اس کو زجر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی مذمت کی جائے جو جھڑکی کے تختۂ مشق بنتے ہیں۔ اور اس کی برائیاں بیان کی جائیں، اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت یہ ہے کہ با ادب لوگوں کی کثرت سے تعریف و توصیف

اور بے ادب کی اکثر مذمت بیان کی جائے۔ اس سے اُس کے دل پر کافی اثر پڑیگا۔ اور اُس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ اکثر لوگ ان دو مراتب سے آگے بڑھکر تیسرے درجہ تک نہیں پہنچتے ان کی ترقی اور تنزل انہی محرکات اور متصرفات کی رہین منت رہتی ہے ۔

تیسری قسم نہایت معزز ہے۔ اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے۔ ان میں بھی اسی طرح لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں سوائے تاخیر و تقدیم کے۔ بہرحال نیکی۔ جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقلمند کی مطلوب و مقصود ہے اس کی طلب کے محرک امور گنتی میں نہیں سما سکتے۔ البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور ترک معصیت کرتے ہیں۔ ان کے تین مرتبے ہیں:۔

اوّل جو لوگ خدا کے بتلائے ہوئے ثواب کی رغبت رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے یا خدا کے عتاب موعود سے خوف کھاتے ہیں جس میں دوزخ شامل ہے۔ یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں ۔

دوم۔ خدا کی خوشنودی اور شاباش کی امید اور اس کی ناراضی اور مذمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح و ذم یہ صالحین کا مرتبہ ہے۔ اس میں مرتبۂ اوّل سے کم لوگ شامل ہیں ۔

قسم سوم۔ یہ بہت بلند رتبہ ہے۔ یعنی جو شخص صرف قرب الٰہی کا آرزومند ہے اس کی رضا کا طالب ابتغاء وجہہ پر عامل اور زمرۂ مقربین الٰہی یعنی ملائکہ مقربین سے ملحق ہونے کا متمنی ہے ۔

یہ درجہ صدیقوں اور انبیا کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو۔ جو اللہ کی عبادت صبح و شام کرتے ہیں۔ اور صرف اُسی کی رضامندی کے طالب ہیں۔ ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم خدا تعالیٰ سے جنت کے طلبگار نہ ہو!! ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں۔ کہ جو شخص خدا کی عبادت کسی عوض کے لئے کرتا ہے وہ لئیم ہے۔ چونکہ عقل ضعیف ہے اس لئے اس قول کے معانی کی کنہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور اکثر عقلیں کمزور ہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ پیدا فرمائے اور وعدہ اور وعید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت

دلائی، اور نہایت شرح و بسط سے اُن کا بیان کیا لیکن مذکورہ الاعمال کا صرف اشارۃً ہی ذکر کیا ہے مثلاً فرمایا یبرید ون وجهہ اور واعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آیا۔ جانب الٰہی سے پھرنے والی دو چیزیں ہیں قصور اور تقصیر + اور تقصیر مرض مانع اور قوت نفس اور اہل و عیال وغیرہ کی طلب میں ضروری شغل سے بد حالی در گذر اور غیر مذموم ہے۔ اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ انسان اس میں ذروہ کمال سے محروم رہتا ہے۔ اس کا علاج صرف خدا کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے ان رکاوٹوں کو دور فرما دے +

تقصیر کی دو قسمیں ہیں۔ جہالت اور شہوت غالب، ان میں سے جہالت یہ ہے کہ خیر اخروی اور اس کی شرف و بزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو۔ نیز اُن کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز و سامان کو حقیر سمجھنے کا داعیہ نہ پیدا ہو۔ اس کے دو مراتب ہیں:

(اوّل) یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنما کی ملاقات نہ ہونا ہے! اس کا علاج سہل ہے، اس کے لئے چاہئے کہ ہر ایک مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو۔ جو مخلوقات کو غفلت و خود فراموشی سے بیدار کرتے رہیں، اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب ان کا رُخ پھیرتے رہیں، لیکن انہیں دنیا کے اکثر واعظوں کا سا اسلوب کار اختیار نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح تو لوگ معاصی پر دلیر ہو جاتے ہیں، اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے +

(دوم) یہ کہ لوگوں کے اعتقاد میں یہ بات داخل ہو جائے کہ سعادت یہی دنیوی لذات، اور موجودہ عیش و اقبال ہے۔ اور امر آخرت کی کوئی اصل نہیں۔ یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کو کافی ہے! اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے۔ اس کے عمل خواہ کچھ ہی ہوں، یا یہ گمان کہ خدا کے عفو پر ہی تکیہ نجات کا باعث ہوگا۔ اور اللہ کریم و رحیم ہے۔ اُسے گنہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کریگا۔ اسی قسم کی بہت سی حماقتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو حسن عمل سے محروم رکھا ہے۔ اور انہیں ارتکاب معاصی پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے۔ تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کی کوئی اصل نہیں وہ صریح اور کفر محض ہے۔ اور گمراہی

خالص جب جب اور جس جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا اس میں سے انسانیت
پرواز کر گئی اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا۔ اور جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ مجرد ایمان ہی اسے بس
کرتا ہے۔ تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک
سے روپوشی ہے، من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ۔ اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے
کہ اعتقاد و عمل قول کے مطابق ہو۔ تاکہ انسان منافق نہ ہو۔ اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے
کہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا نہ بنائے، تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے
انہیں اپنا معبود بنا لیا! اور اس فعل نے اس کے قول لا الہ الا اللہ کو غلط قرار دیا۔ اور وہ
اخلاص کے منافی ہوا۔ اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف لا الہ الا
اللہ کہہ دینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کئے، اس کی مثال اس شخص
کی سی ہے جس شخص کا گمان ہو کہ کھانا صرف کہہ دینے سے کہ اس میں گڑ ڈالا گیا ہے میٹھا ہو جائیگا
خواہ اس میں گڑ نہ بھی ڈالا گیا ہو۔ یا بچہ پیدا ہو جائیگا صرف کہہ دینے سے کہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر
ہوا۔ حالانکہ ہم بستر نہ ہوا ہو۔ اور صرف کہہ دینے سے کہ میں نے اناج بویا۔ حالانکہ اس نے
بویا نہ ہو۔ فصل پیدا ہو جائیگی، جس طرح یہ تمام مقاصد اسباب کا تہیہ کئے بغیر حاصل نہیں
ہوتے۔ خوب یاد رکھو کہ امر آخرت بھی اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت و امر دنیا ایک ہی
ہے۔ صرف زبانی لحاظ سے اس کو آخرت پکارا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئیگی ماں
کے پیٹ سے نکل کر فضائے عالم میں آنے کا وقت شکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے
اعتبار سے آخرت ہے۔ سن بلوغ کو پہنچکر تمیز کی عمر کو پہنچنا ہے۔ اس سے قبل کی زندگی
کے لحاظ سے آخرت ہے اور سن بلوغ سے گذر کر رتبہ عقلا میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس سے
قبل کے زمانے کی نسبت آخرت ہے۔ مخلوقات کے اندر اسی قسم کا ہیر پھیر ہے +

موت بہت سی حدود فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک اور قسم
اور ایک اور عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی ایک نئی صورت۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا القبر حفرۃ من حفر النار او روضۃ من ریاض الجنۃ۔
آغوش لحد یا تو آگ کا ایک گڑھا ہے یا ریاض جنت میں سے ایک چمنستان، یا بالفاظ دیگر
موت صرف تبدیل منزل ہے جس طرح ایک بھوکا پیاسا شخص جو رحمت و نعمت الہی کے
بھروسے پر توکل کر کے بیٹھ رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانا کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا

لازمی طور پر ہلاک ہو جائیگا . . . .

. . . اور جو شخص . . . مال کی جستجو میں خدا کا بھروسہ کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے اور جد و جہد اور سعی و کوشش نہیں کرتا ۔ مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا ۔ اور نامراد رہتا ہے . . . .

. . . . اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلبگار ہیں ۔ پھر کوشش بلیغ سے کام لیتے ہیں ۔ اور وہ مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی مشکور اور جن کی جد و جہد کامرانی سے ہم آغوش ہوتی ہے ۔ اسی لئے خداوند جل و علا نے اس حقیقت کو عالم آشکارا کیا اور فرمایا د ان لیس للانسان الا ماسعیٰ انسان صرف وہی کچھ پا سکتا ہے جس کے لئے کوشش کرے ۔

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بھائے اکمل اللہ ہی کے لئے ہے اور سعادت اخروی کا راز قرب الٰہی میں مضمر ہے ۔ اور یہ قرب مکانی نہیں ۔ یہ حسب امکان اکتساب کمال کا ہی دوسرا نام ہے ! ور کمال نفس حسن اخلاق کے ساتھ علم و عمل اور حقائق امور سے واقفیت حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے ۔ تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کریگا ۔ وہ قرب الٰہی سے کیسے فائز المرام ہوگا ۔

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی علم کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں مگر وہ بیکار بادشاہ کے احسان و کرم پر توکل کر کے گھر پر بیٹھ رہتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرنے میں راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹتا اور صرف فضل الٰہی پر اعتماد کرتا ہے کہ ایک رات سوئیگا اور اور جب صبح جاگیگا تو اہل دنیا سے افضل و برتر ہو جائیگا کیونکہ خدا تعالےٰ کا فضل وسیع تر ہے ! ور اس کی قدرت بہت زبردست ہے ۔ تو کہا جائے گا ۔ کہ اس شخص کا یہ فعل سراسر باطل اور حماقت پر مبنی ہے ۔ اور خالی خولی دعویٰ ہے ، یہی حال اس شخص کا ہے ۔ جو خیال کرتا ہے ۔ کہ سعادت اخروی بے کار بیٹھ رہنے اور فضول وقت ضائع کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے ۔

فصل

خیرات وسعادات کی قسمیں

اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بے حساب ہیں، لیکن وہ تمام پانچ انواع میں منقسم ہیں:۔

(اول) سعادت اخروی یعنی بقائے غیر فانی، وہ مسرت وسرور جس میں غم نہیں اور علم جس میں جہالت نہیں۔ غنا جس میں فقر وتنگدستی نہیں۔ اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اللہ کی امداد واعانت درکار ہے۔ یہ نوع ثانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے +

(نوع ثانی) فضائل نفسی وروحی ہیں کا ہم مفصل ذکر عقل کے امور چہارگانہ میں کر چکے ہیں یعنی عقل کا کمال علم ہے! عفت کا کمال ورع وتقوی ہے، شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے۔ اور عدالت کا کمال انصاف ہے۔ یہی تحقیقی طور پر دین کے اصول ہیں +

یہ فضائل، نوع ثالث سے کامل ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی وجسمی سے! اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں! صحت، قوت، خوبروئی، اور طول عمر، ان کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے نوع چہارم انسان کے ماحول کے فضائل ہیں! ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں۔ مال ومنال، اہل وعیال۔ عزت اور شرافت خاندانی، ان چہارگانہ اقسام وانواع میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح متمتع ہونے کے لئے ایک پانچویں نوع بھی لازمی ہے یعنی فضائل توفیقی، یہ بھی چار ہیں! ہدایت الٰہی۔ ارشاد خداوندی۔ تائید ربی۔ اور تسدید الٰہی +

سعادت اخروی کو چھوڑ کر یہ سولہ سعادتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کے اکتساب کیلئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں، فضائل نفسی کے اکتساب کی صورت اوپر گذر چکی ہے +

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں یعنی اخروی، نفسی، بدنی، خارجی اور توفیقی، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے۔ مثلاً فضائل نفسی کے بغیر نعیم آخرت کا حصول ناممکن ہے! اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے ہمکنار ہونا

خواب خیال سے زائد نہیں یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال و دولت وغیرہ نہ حاصل ہوں تو فضائل خارجہ کی جانب کا نزول ہونے میں مزاحمت و موانع متذراہ ہو جاتے ہیں، اگر تم کہو کہ فضائل خارجہ کے حصول کے لئے مال اہل وعیال عزت اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے۔ تو خوب یاد رکھو کہ ان امور کی مثال دست و بازو اور ہتھیار کی سی ہے جن سے مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

مثلاً مال و دولت کو لیجئے، تنگدست اور محتاج کا طلب کمال میں نکلنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں ھل من مبارز کا نعرہ مارتا ہے۔ یا جیسے باز جو پروں کے بغیر شکار کا قصد کرتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ صالح آدمی کے لئے مال صالح ایک نعمت ہے، پھر فرمایا تقویٰ کے لئے سب سے اچھا مددگار مال ہے۔ کیونکہ جو شخص فقیر و تہیدست ہے اس کا تمام وقت قوت لباس مسکن اور دوسری ضروریات معیشت کی تلاش میں بسر ہوگا۔ اُسے علم جو افضل فضائل ہے کے حصول کے لئے تگ و دو کرنے کا موقع و فرصت ہی نہ ملیگا۔ پھر وہ فضائل حج۔ صدقہ، زکات اور دوسری نیکیاں حاصل کرنے سے محروم رہیگا۔ اور نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے۔ صالح بیوی خاوند کی کھیتی ہے، اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ۔ فرمایا آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے نعم العون علی الدین المرأۃ الصالحۃ۔ صالح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور اولاد کے متعلق فرمایا اذا مات الرجل انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔ آدمی جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، بجز تین کے، صدقۂ جاریہ، علم نافع، اور اولاد صالح جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے جب کسی شخص کے اہل وعیال اور اس کے خویش و اقربا زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس کے لئے کانوں۔ آنکھوں، اور دست و بازو کا کام دیتے ہیں۔ ان کے سبب سے اس کے دنیوی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ منفرد اور تنہا ہوتا تو اس کو یہ وسعت و فراغت حاصل نہ ہوتی جب دنیا کے ضروری اشغال میں تخفیف واقع ہو جاتی ہے۔ تو دل کو بھی عبادت و علم کے لئے فراغ بال مل جاتا ہے! اور اس طرح اُسے دین کے بارے میں قابل قدر اعانت میسر ہو جاتی ہے

عزت و قوت سے انسان لوگوں کی آزار دہی کی مدافعت کرتا ہے مسلمان اُن سے بُرٹ نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جان و مال کے بیری دشمنوں کا وجود اُس کے لئے لازمی ہے۔ اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہونگی جو اس کے وقت کو ضائع اور اُس کے دل کو مشوش کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہونگی۔ اسی لئے کسی کا مقولہ ہے کہ "دین اور سلطنت توام یعنی لازم و ملزوم ہیں اور دین قلعہ ہے اور حکومت اس کی پاسبان"۔

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے وہ منہدم، اور جس چیز کا پاسبان نہیں وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بارگاہ ایزدی کا فرمان ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض۔ اگر اللہ تعالےٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کراتا تو زمین فتنہ و فساد سے بھر جاتی۔

غرض یہ ہے کہ اذیت کی مدافعت عبادت کے لئے فراغ قلب کے واسطے ناگزیر ہے یہ بات عزت و غلبہ و قوت کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہے جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے امور کی مدافعت بھی بذات خود نیکی ہے۔

اب رہی خاندانی وجاہت و شرافت، تو آبائی عزت، ناقابل وقعت شے ہے۔ کہتے ہیں انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے اور لوگ اپنے نیک اعمال کے بیٹے ہیں، مجھے اپنی عمر کی قسم ہے جب خاندانی شرافت بغیر شرافت ذاتی، کا مقابلہ ذاتی شرافت بغیر خاندانی شرافت کے سے کیا جاتا ہے۔ تو خاندانی شرافت حقیر اور کم وقعت ہو جاتی ہے تاہم جب ذاتی شرافت بھی حاصل ہو تو شرافت نسبی کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ امامت میں بھی حسب و نسب کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے۔ حدیث میں ہے الائمۃ من القریش۔ امام قرشی النسل ہوا کریں، اور کیوں نہ ہو اخلاق مزاجوں اور طبیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول سے فروع کی جانب چلتے ہیں۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تخیروا لنطفکم اور ایاکم وخضراء الدمن یعنی خوبصورت بد اصل عورت سے بچو۔

شرافت بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ ابنائے دنیا اور امراؤ رؤسا سے نسبی تعلق ہو۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک۔ پاک باز اور علم و عبادت اور عقل سے

منزہن بزرگوں سے انتساب ہو +

اگر تم پوچھو کہ فضائل جسمی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہینگے کہ صحت و قوت اور طول عمر کی بے شک حاجت ہے بعض لوگ خوبروئی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضائل جسمی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ و سلامت ہو تا کہ فضائل کے حصول میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی ہی ضرورت ہے۔ تاہم یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو ہر ایک شخص جانتا ہے اور اخروی اعتبار سے دو طریق پر (اوّل) بدصورتی مذموم ہے اور طبعیتیں اُس سے نفرت کرتی ہیں حُسن ایک طاقت ہے جس سے کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوبصورتی بھی ایک کامیاب ذریعہ اور جزو ہے جیسے مال۔ اور جو شے دنیوی حاجتوں کے پورا کرنے میں معین و مددگار ہے وہ آخرت میں بھی ممد و معاون ہے کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیوی اسباب کے ذریعہ ہی پہنچا جاتا ہے +

(دوم) حُسن عام طور پر خوبیٔ روح پر دلالت کرتا ہے کیونکہ روح کی روشنی کی نورانیت جب کامل ہو جاتی ہے تو اُس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اُس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے اصحاب فراست قیافہ سے اخلاق باطنی کے لئے استدلال کیا کرتے ہیں، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں، اسی لئے ان میں غصہ اور شرارت کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت عنوان ہے دل کے خیالات کا، اور زمین کے اندر اگر بُری شے ہے تو یقین جانو کہ اس کی سطح پر اس سے بدتر ہوگی +

ایک دفعہ ماموں رشید ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک کورو شخص اُس کے سامنے حاضر ہوا۔ ماموں نے اُس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا، اُس نے اس کا نام کاٹ دیا اور کہا یہ روح کی بادی جب ظاہر پر پرتو فگن ہو جائے تو یہ باعث زولت ہے لیکن یہاں نہ اُس کا ظاہر ہے نہ باطن، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبوا الحاجۃ عند حسان الوجوہ۔ خوبرو لوگوں سے ضرورت طلب کرو۔ پھر فرمایا اذا بعثتم رسولا فاطلبوا حسن الوجہ وحسن الاسم۔ جب تم کہیں ایلچی بھیجنے لگو تو اُس شخص کا انتخاب کرو۔ جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو +

فقہا کا قول ہے کہ جب تمام نمازی درجات و مراتب کے لحاظ سے مساوی ہوں تو

امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم جالوت علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے +

خوبروئی سے ہماری مراد وہ جمال و حسن نہیں جو محرک شہوت ہے۔ کیونکہ یہ تو نسائیت ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند و بالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو، اعضا متناسب ہوں، چہرہ ایسا بھلا اور سہاؤنا ہو کہ نگاہ پر بار نہ ہو +

اب تم پوچھتے ہو کہ فضائل توفیقی یعنی ہدایت الٰہی ارشاد خداوندی، تسدید الٰہی اور تائید ربی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ۔ توفیق وہ نعمت ہے جس سے انسان کسی حال میں مستغنی نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی حکم و تقدیر الٰہی سے موافقت یہ خیر و شر میں استعمال ہوتی ہے لیکن خیر و سعادت میں ہی متعارف ہو گئی ہے۔ توفیق کی احتیاج بین و ظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نوجوانوں کو خدا کی امداد حاصل نہ ہو، تو اکثر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے +

ھدایت الٰہی کے بغیر طلب فضائل کی طرف ایک قدم چلنا بھی دشوار ہے کیونکہ یہ نیکیوں کا مبدا ہے اور خیر کا منبع۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اعطی کل شی خلقہ ثم ھدی ہر ایک چیز کو پیدا فرمایا پھر اسے ہدایت دی، اور فرمایا ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا ولکن اللہ یزکی من یشاء اگر تم پر اللہ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی پاکباز نہ ہوتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے! در حدیث میں ہے ما من احد یدخل الجنۃ الا برحمۃ اللہ کوئی فرد بشر جنت میں داخل نہ ہو گا۔ مگر اللہ کی رحمت سے، یا بالفاظ دیگر اس کی ہدایت کے ساتھ۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں، میں بھی +

ہدایت کے تین درجے ہیں، (اول) خیر و شر کے رستہ کی پہچان جس کا اشارہ آیت وھدینہ النجدین میں ہے یعنی ہم نے اسے دونوں رستے سوجھا دئے اللہ نے اپنے کمال فضل و کرم سے اپنے تمام بندوں کو صراط مستقیم کی معرفت عطا فرمائی۔ بعض کو عقل کے ذریعہ اور بعض کو زبان نبوت و رسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا، واما ثمود

فھدیناھم فاستحبوا العمی علی الھدی۔ ثمود کو ہم نے درست رستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر بے راہ روی کو ترجیح دی۔

(دوم) جو بندے کو کھینچ کر اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے چلتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی وآتاھم تقواھم جو لوگ درست راستہ پر گامزن ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے۔ اور اس سے وہ رستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل کی شمع نہیں کر سکتی۔ میری دلیل کی بنیاد خدا کے اس قول پر ہے قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ کہدے کہ ہدایت اللہ ہی کی اصلی ہدایت ہے۔ اپنی ذات سے نسبت کر کے خدا نے اُسے ہدایت مطلق کا نام دیا۔ قرآن میں ایک جگہ اُسے زندگی سے بھی تعبیر کیا۔ اور فرمایا، اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہٗ نوراً یمشی بہ فی الناس کیا جو شخص مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا۔ اور اُس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھولدیا تو وہ اپنے اللہ کے نور پر ہے۔

رشد الٰہی سے ہماری مراد ہے عنایت الٰہی جو انسان کو اُسکے مقاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اُسے قوت دیتی اور اس کے فساد طبیعت کو پراگندہ اور منتشر کرتی ہے۔ اور یہ باطن سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین بیشک ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے۔

تسدید الٰہی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل مقصود کی جانب ڈالدے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے۔ رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرتا ہے۔ اور تسدید اعانت و نصرت ہے تحریک کے ساتھ۔

تائید ربی داخلی طور پر بصیرت کے ذریعہ سے معاملے کی تقویت اور خارجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے۔ خداوند تعالیٰ کے قول اذ ایدتک بروح القدس

جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی، یہی مراد ہے۔

اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیض الٰہی ہے جس سے انسان خیر میں گرمجوشی اور شر سے اجتناب کی تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ انسان کے اندر غیر محسوس طور پر ایک روک سی بن جاتی ہے۔ اس کی تائید خدا کے اس قول سے ہوتی ہے ولقد همت به وهم بها لولا ان رأى برهان ربه عزیز کی بیوی نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا۔ اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ان باتوں کے حصول کے لئے اسی وقت اللہ کی مدد، صاف و تیز فہم، ہوشیار و شنوا گوش، صاحب بصیرت اور بیدار دل، تابع معلم، فراخ و کشادہ مال و دولت، جو ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ اور اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک دے اہل و عیال، اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے بچائے، اور دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رکھے، کی ضرورت ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

فصل

سعادتوں کی غایت اور ان کے مراتب

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور کو سعادت کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے وہ یا تو اس مجاز میں یا غلط طور پر کیا گیا ہے۔ جیسے سعادت دنیوی، جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ بلحاظ مصداق کے یہ نام سعادت اخروی پر ہی سب سے زیادہ صادق آتا ہے، اور اس میں ہر وہ بات داخل ہے جو سعادت اخروی کی منزل تک پہنچاتی ہے یا اس مقصد میں امداد دیتی ہے۔ کیونکہ خیر و سعادت سے ہمکنار کرنے والی شے بذات خود خیر و سعادت ہے۔ نافع اور معاون اسباب کی تشریح چار قسمیں کرتی ہیں:-

(اول) جو ہر حال میں سودمند ہیں، اور وہ فضائل نفسی ہیں، ان میں سے بعض ایک وقت نفع بخش ہیں، دوسرے وقت نہیں، اور نفع زیادہ ہے۔ جیسے تھوڑا مال اور بعض کا ضرر خلقت

کے حق میں زیادہ ہے، ان میں علوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں، چونکہ ان میں التباس زیادہ ہے، اس لئے عقلمند کو لازم ہے کہ ان امور کے حقائق کی معرفت اچھی طرح حاصل کرلے، تاکہ مضر کو نفع بخش پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ شاہد مقصود سے ہمکنار ہونے میں زیادہ دیر لگیگی، بہت سے آدمی آماس کو فربہی پر محمول کر لیتے ہیں، اور کتنی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً ڈس لیتا ہے، درحقیقی علم وہی ہے جو ان امور کا انکشاف کرے +

(تقسیم ثانی) نیکیوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے (۱) موثرہ لذات (۲) موثرہ غیر لذات (۳) ایک وقت موثرہ لذات (۴) اور دوسرے وقت غیر موثرہ، تو چاہئے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے۔ موثرہ لذات سعادت اخروی ہے، اور اس سے آگے اور کوئی حد نہیں، موثرہ غیر لذات مال و دولت ہے جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ۔ پھر اگر حاجتیں اور ضروریات ان سے پوری نہ ہوں تو وہ تمام زر و جواہر سنگریزے اور ٹھیکریاں ہیں +

ایک وقت موثرہ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرہ کی مثال صحت جسمانی ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان پیدل چلنے سے جس میں پاؤں کی سلامتی ناگزیر ہے مستغنی ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے +

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ نافع، جمیل اور لذیذ، اور برائیاں بھی تین ہیں۔ مضر، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں،

اول مطلق، اس میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں، نیکی کے اعتبار سے جیسے حکمت، یہ نافع ہے جمیل ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کے لحاظ سے جیسے جہالت، یہ مضر بھی ہے قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی +

دوم محدود، اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض اوقات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا: یا گا ہے نافع ایک وجہ سے اور مضر دوسری وجہ سے جیسے غرق ہونے سے بچنے کے لئے زر و مال کو سمندر میں پھینک دینا، کیونکہ مال کے اعتبار سے مضر ہے اور جان کے لحاظ سے مفید، آگے نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری جیسے فضائل نفسی، اور سعادت اخروی کا اتصال۔ دوسرے غیر ضروری، جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری

کرسکتی ہے جیسے تسکین صفرا کے لئے سکنجبین +

(تقسیم رابع) قوائے ثلاثہ اور شہیات ثلاثہ کے حساب سے لذات تین ہیں کیونکہ لذت کے معنی ادراک مشتہی ہیں شہوت سے عبارت ہے نفس کا تحریک کرنا اُس شے کی طرف جس کی لذات عقلیہ اور لذات بدنیہ مشتاق ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات مشترک ہیں اور بعض میں چند۔ رہی عقلیات جیسے لذت علم و حکمت، اس کا وجود سب سے زیادہ قلیل اور سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اس کی قلت اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکیم ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر شیرخوار بچہ شہد، فربہ پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت کے ادراک سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ ہی نہیں اور اس کے رغبت سے دودھ پینے سے یہ مطلب تو نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذیذ اور دلپسند شے ہے +

عام طور پر سب کے سب لوگ ابتدا میں علم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں، اور اسی میں فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لئے جہالت میں انہیں مزا ملتا ہے۔ اِکا دُکا کوئی اس سے مستثنیٰ ہو تو ہو ؎

ومن یک ذا فم مر مریض — یجد مرا بہ ماء الزلالا

منہ کے کڑوے پن کا مریض — آب زلال کو بھی کڑوا سمجھتا ہے

ان کی بزرگی تو چونکہ لازم ہے اور غیر زوال پذیر دائمی ہے! ورنہ زائل ہونے والی اُس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں! اور دار آخرت میں اس کا ثمرہ بے نہایت ہے +

اور اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہوا کم مایہ اور فانی شے پر راضی ہو جاتا ہے۔ تو لازمی طور پر کہنا پڑیگا کہ اُس کی عقل نے دھوکا کھایا اور اپنی شقاوت اور ادبار سے محروم رہا۔ اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی خوبی یہ ہے۔ کہ فضائل نفسی خصوصاً علم و عقل کو نہ تو مددگاروں کی ضرورت ہے نہ محافظوں کی۔ بخلاف اس کے مال و دولت ان کے بغیر آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا۔ علم تو تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور تم مال کی پاسبانی کرتے ہو۔ علم خرچ کرنے سے زیادہ اور مال کم ہوتا ہے۔ علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش اور سودمند ہے۔ مال و زر کبھی رذائل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت آئی

ہے اور بعض جگہوں میں اُسے "خبر" کا نام دیا گیا ہے +

(دوم) وہ لذات جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں۔ جیسے کھانے پینے کا ذائقہ! جنت و وطی، کی لذت! اس کا وجود سب سے زیادہ ہے +

(سوم) وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے ریاست و غلبہ کی لذت عقلمندوں کے دماغوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے حب ریاست ہے +

لذت جماع اور ذوق خور و نوش لذات مطلق نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازالۂ الم ہیں۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ الانسان صریع جوع وقتیل شبع انسان بھوک کا غلام ہے اور سیری کا قتیل +

دنیوی لذتیں سات ہیں، کھانا پینا، مباشرت۔ پہننا۔ رہنا۔ سونگھنا۔ سننا۔ اور دیکھنا یہ سب کی سب حقیر ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن و ملال کے باعث آہیں بھرتے دیکھ کر فرمایا، اے عمار اگر تم آخرت کے لئے آہیں بھر رہے ہو تو تمہاری تجارت بہت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے مضطرب ہو رہے ہو، تو تمہاری بیقراری اور اضطراب ذلیل اور کم مایہ ہے۔ میری طرف دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات، ماکولات، مشروبات، منکوحات، ملبوسات، مسکونات، مشمومات، مسموعات اور مبصرات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں، ان میں سے ماکولات میں افضل شہد ہے، یہ مکھی کا فضلہ ہے، مشروبات میں پانی افضل ہے، یہ تمام موجودات میں کم مایہ اور جملہ مقویات میں بلند مرتبہ ہے منکوحات میوۂ فتنہ در فتنہ ہیں، ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کیڑے کی قے کی تار ہے، اور اُسے ایک کیڑا بناتا ہے۔ مشمومات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے۔ مسموعات ہوا کا ترنم ہے اور بس، اور مبصرات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول +

لذات دنیوی کے متعلق بدبختی یہ ہے کہ پورا ہونے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں، مباشرت سے فارغ ہونے اور کھانا کھا چکنے سے قبل کی حالت قابل غور ہے دیکھو کس طرح مطلوب امر قابل گریز ہو جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس لذت دوام کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اور اس کی راحت ابد الآباد تک رہتی ہے وہ لذت

دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا خصوصاً تمام پر علم وعقل کے ساتھ غلبہ اور استیلا پا جانا ہے +

فصل

مذموم ومحمود خواہشات

بھوک غذا کی طلبگار ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔ ضروری اور غیر ضروری ضروری جس کے بغیر بدن اور صحت بدن کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ جیسے کھانا جو غذا بنتا ہے اور پانی جو تازگی بخشتا ہے۔ اس کی پھر چار قسمیں ہیں محمود، مکروہ، حرام اور مضر +

محمود، وہ جس کے بغیر انسان کے لئے علم وعمل کے میدان میں گامزن ہونا ناممکن ہو اگر اس کا استعمال ترک کر دیا جائے تو بدن کی قوتیں تحلیل ہو جائیں اور جسم بیکار ہو جائے۔ اگر اُسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل درگذر ہے بلکہ لائق تعریف اور لائق اجر، وجہ یہ کہ بدن روح کی سواری ہے جس کے ذریعہ خدا کے کوچہ کی راہیں قطع کی جاتی ہیں جس طرح جہاد عبادت ہے اسی طرح جہاد کرنے والے گھوڑے کی پرورش بھی عبادت ہے۔ کہ اُس سے گھوڑا طاقتور ہوگا۔ اور غازی کو اٹھا کر میدان میں جا لڑے گا۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عند اکل الصالحین تنزل الرحمۃ۔ نیک بندے جب کھانا کھاتے ہیں تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کا کھانا ناگزیر طور پر ہوتا ہے اور اس کی علیٰن آرزو اُس سے مستغنی ہو جانے کی ہوتی ہے +

کھانے والے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا درختوں اور سبزیوں کے فضلات تناول کرنا خنزیر کے انسان کا پاخانہ اور دوسرے فضلات کو چٹ کرنے کے برابر ہے۔ اگر درختوں کے زبانیں ہوتیں تو وہ سبزیوں اور پودوں کے فضلات کھانے والوں کو حیوانات کے فضلہ کھانے والوں سے تشبیہ دیتے +

مکروہ کے معنی ہیں حلال کے بارے میں اسراف دامعان، اور حد سے زیادہ مقدار

میں کھانا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما من وعاء ابغض الی اللہ تعالے من بطن ملئ من حلال خدا کو تمام برتنوں میں ناپسند برتن وہ پیٹ ہے جو رزق حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ کیونکہ یہ بات سب بیماریوں کی جڑ ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے البطنۃ اصل الداء والحمیۃ اصل الدواء وعوّدوا کل جسد ما اعتاد، پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پرہیز تمام دواؤں کی بنیاد ہے جہانتک ہو سکے پرہیز کرو۔

محقق اطبا کی رائے ہے کہ حکیم عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام طب کا نچوڑ ان تین فقروں میں رکھدیا ہے۔ طالب سعادت کو مناسب ہے کہ اس زیادتی کو حقیر نہ شمار کرے۔ ہم نے اس کا نام مکروہ رکھا ہے! ور اُسے مضر نہیں کہا۔ کہ مکروہ نہایت تیزی سے مضر صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ خواہشوں کو برانگیختہ کرنے والی قوت شہوانیہ ہے اور اس کی تقویت کا موجب یہی غذائیں ہیں۔ پیٹ کا پُر ہونا شہوات کو مضبوط کرتا ہے! ور اس کی مضبوطی خواہشات کو بلاتی ہے! ور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو تسلط اور غالب انسان کو اس کے رب سے دور رکھتا ہے اور اللہ کے دروازے سے اُسے پھیر دیتا ہے۔ اور دشمن کے لشکر کی امداد کرنا اور اس کو قوت دینا گویا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب ہو جاتی ہیں چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی تقویت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہو چکا ہے! اس نے جواب دیا اس لئے کہ بدن سریع الانبساط ہے اور جلد حد سے گذر جاتا ہے! تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ سرکش ہو کر مجھے ہلاک نہ کر ڈالے! ور مجھے یہ امر زیادہ پسند ہے کہ اُسے تکلیف میں ڈالوں بہ نسبت اس کے کہ یہ مجھے فواحش کے ارتکاب پر مائل کرے۔

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ تو سُن لو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے۔ فرمان اوّل حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ فان کان لا بد فثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس ابن آدم کے لئے صرف چند لقمے اس کے قوی کے قائم رکھنے کو کافی ہیں۔ اگر تم سے ضرور ہی زیادہ کھانا ہو تو معدے کی ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی

سانس کے لئے ہونی چاہئے لقموں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہئے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ملتی ہے جس میں فرمایا المومن یاکل فی معی واحد والمنافق یاکل فی سبعۃ امعاء۔ مومن ایک انت کھانا کھاتا ہے اور منافق سات انتوں کو پُر کرتا ہے۔ سب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پُر کیا جائے، پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ۔

میری رائے ہے کہ اکثر لوگوں کے بارے میں تیسرا حصہ ہی درست ہے لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہئے تاکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل کرنے والی قوتیں ضعیف ہو جائیں۔

حرام سے مراد ہے اُن غذاؤں کا کھانا جو اللہ عزوجل نے حرام کر دی ہیں۔ ان میں مال غیر اور محرمات شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ خدا کے لشکری اور دلی یعنی عقل کے ازالہ اور شیطان کے لشکریوں اور دوستوں یعنی شہوت اور قوائے حیوانیہ کے غلبہ کے لئے سب سے بڑے بڑے منشیات ہی ہیں۔ غذاؤں کے متعلق یہ مجمل احکام ہیں۔

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک مطعومات کی مقدار اور ان کی حلت کے اسباب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کر لے، کیونکہ معدہ ہی تو تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے! اور گویا یہی دروازہ ہے اور یہی کلید ہر قسم کے خیر و شر کی، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے اعدائے الٰہی کو مغلوب کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے ان الصوم لی وانا اجزی بہ۔ خدا تعالے فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

پسندیدہ اور محمود مقدار غذا وہ ہے جو انسان کی زندگی اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ نکاح نوع انسانی کی بقاؤ تحفظ کے لئے ضروری ہے جیسے غذا ہستی کی بقا کے لئے موت تک لازمی ہے۔

جس طرح شہوت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت کو وطی کرنے کے لئے

بھلا رہے تاکہ بقائے نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو خدا نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقائے شخصیت کا موجب بنے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تناسلوا تکثروا فانی مباہ بکم الامم نکاح کرو، اولاد پیدا کرو تاکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے، تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول) کثرت مباہات امد اولاد صالح کے حصول کے لئے جو بعد میں دعائے مغفرت سے یاد کرے نسل پیدا کرنا (دوم) طبیعت میں سے فضلۂ منی دُور کرنا جو اگر جمع ہو جائے تو تلخی سی پیدا کر دیتی ہے اور خون جب اجتماع پکڑ جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض کے لئے اثر پذیر کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرف طبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب، تو نکاح اس طریقہ پر محمود و پسندیدہ ہے اور مسنون اور اس حدیث کے ماتحت آتا ہے۔ من احب فطرتی فلیستن بسنتی جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے اُسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے، اور جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا۔ اس کے علاوہ تیسری غرض کا مدنظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تاکہ علم و عبادت کے لئے اُسے فراغ تام حاصل ہو۔ اس صورت میں نکاح افضل عبادات سے ہے کیونکہ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مطلوب ہو کہ پرہیزگاری اور یکسوئی پیدا ہو۔ حسن اخلاق تدبیر منزل کے لئے اور پاکدامنی کے لئے ایمان داری اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیک بذات الدین تربت یداک وایاکم وخضراء الدمن پھر فرمایا تخیروا لنطفکم بیوی کی صحت بدنی اور بانجھ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہو، اور یہی بیان کا مقصود ہے۔ اسی لئے عزل اور عورت سے پیٹھ کی طرف سے مباشرت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ امور پیدائش کے خلاف ہیں۔ اور عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں، دوشیزگی اور کنوارپن کے مطالبہ اور آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر استحکام محبت مقصود ہے تو شریعت نے اس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مگر وہ بات یہ ہے کہ صرف تمتع اور تقاضائے شہوت مدنظر ہو پھر انسان اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اسی دھن میں لگا رہے بعض اوقات ایسی غذائیں کھائے جو ازدیاد شہوت کا موجب ہوں یہ شرعاً مضر ہیں، لیکن فی نفسہ مکروہ نہیں اور مباح ہیں،

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اس طرح طبیعت اتباع ہوئی کے باعث خدا سے پھر جاتی ہے اور انسان میں گدھوں اور بیلوں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو برانگیختہ کرنا درندوں اور خطرناک چار پایوں کو بھڑکانے اور غصہ دلانے پھر اُن سے برائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے محرمات دو طرح پر ہیں:۔

(اول) کہ تقاضائے شہوت مقام پیدائش میں کی جائے لیکن بغیر عقد شرعی کے، اور بغیر اجازت کے۔ اس کو زنا کہتے ہیں۔ یہ شرک کے قریب ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے الزانی لاینکح الا زانیۃ او مشرکۃ زانی مرد زانی اور شرک عورت کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔

(دوم) خلاف وضع فطری عمل کرنا۔ یہ زنا سے بھی زیادہ بُرا اور فحش ہے۔ کیونکہ زانی منی تو ضائع نہیں کرتا صرف اُسے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اس گراں قیمت شے کو برباد کرتا ہے اور خلاف شریعت امر کا ارتکاب بھی کرتا ہے ایسے شخص کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کے بارے میں فرمایا و یھلک الحرث والنسل کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام اسراف رکھا گیا چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ائنکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خلاف وضع فطری کرتے ہو، تم تو مسرف لوگ ہو یہ شرمگاہ کی شہوت کے متعلق لوگوں کے مراتب ہیں۔

بعض اوقات یہ راہ روی عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یہ عین حماقت اور انتہائی جہالت ہے۔ یہ بہائم کی حد سے بھی آگے بڑھ جانا ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اپنے محبوب کے متعلق یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں اور صرف اپنے لئے خاص کر لوں کیونکہ عاشق شہوت جماع کے ارادہ پر ہی قناعت نہیں کرتا، یہ سب سے قبیح شہوت ہے اور سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس میں شرم و لحاظ اٹھ جاتا ہے اور کو بھی دھن لگجاتی ہے کہ میں اپنی خواہشات کو صرف ایک ہی ہستی سے پورا کروں گا اس کے برخلاف حیوانوں میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں اتفاق ہو گیا شہوت کو پورا کر لیا، لیکن عاشق کی یہ حالت ہے کہ جب تک اُسے معشوقہ نہ ملے اس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں یہاں تک کہ

ذلت پر ذلت سہتا ہے۔ ماریں کھاتا ہے غلامیاں کرتا ہے عشق میں عقل شہوت کی خدمت
کے لئے مسخر ہو جاتی ہے حالانکہ انسان تو آمر اور مطاع پیدا کیا گیا تھا نہ اس لئے کہ شہوت
کا غلام بن جائے اور اس کے احکام کی پیروی میں ہر قسم کا مکر و فریب استعمال کرے۔ آہ یہ
ایک ایسا مرض ہے جس میں غیرت باقی نہیں رہتی۔ اس سے شروع میں ہی بچنا چاہیئے اور
اس کا طریق یہ ہے کہ نظر و فکر کو بے محابا ہونے سے بچایا جائے۔ ورنہ استحکام کے بعد
اس کا دفعیہ سخت مشکل ہو جائیگا۔ یہی حال عشق جاہ و مرتبت اور حُبِ مال و زمین اور محبت
اولاد کا ہے۔ یہاں تک کہ مرغبازی، نرد اور شطرنج کا شوق بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ
یہ تمام باتیں جن لوگوں پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ وہ دین دنیا دونوں سے گذر جاتے ہیں
ابتدا ہی میں کسی بری خصلت کو روک لینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے گھوڑے کی مکان
کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل ہی لگام پھیر لینا۔ اس وقت اس کو روک لینا
اور لگام پھیرنا نہایت سہل ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے بعد اس کے علاج کی مثال
ایسی ہی ہے جیسے سوار گھوڑے کو دروازے میں داخل ہونے دے۔ پھر اس
کی دم پکڑ کر باہر کو کھینچے۔ . . . . . اس لئے ابتدا ہی میں احتیاط کرنی چاہیئے
رہا بعد میں دوا کرنا تو اکثر حالتوں میں سخت جد و جہد کے بعد اگرچہ علاج کیا جا سکتا ہے
لیکن یہ گوہ سے لڑائی کرنے کے برابر ہے +

اب افعال غضب کی بھی تین قسمیں ہیں، محمود، مکروہ اور محظور یعنی حرام۔ ان میں سے
محمود دو طرح کے ہوتے ہیں:۔

(اول) غیرت، اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی آدمی کی آبرو
پر حملہ آور ہو۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے صف آرا ہوتا ہے۔ اس وقت اُسے غصہ
آتا ہے۔ یہ مدافعت پسندیدہ ہے اور ایسے مواقع پر غیرت نہ آنا نامردی ہے۔ اور
ہیجڑا پن۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان سعداً لغیور وانا اغیر منہ
ان اللہ اغیر منی سعد غیرت مند ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے بھی زیادہ غیرت
مند ہے۔ اللہ تعالےٰ نے غیرت کا مادہ انسانوں میں حفظ انساب کے لئے ودیعت
کر دیا ہے کیونکہ اگر لوگ مزاحمت میں مسامحت اختیار کرتے، تو انساب مختلط
ہو جاتے۔ چنانچہ اسی کے متعلق مقولہ ہے کہ ہر ایک قوم میں غیرت مردوں میں رکھی گئی ہے

اور پاکدامنی عفت تو ہیں۔

(دوم) مناکر و فواحش مشاہدہ کرنے پر دینی حمیت سے مجبور ہو کر اور انتقام لینے کے لئے غضبناک ہونا۔ ان لوگوں کی لسانِ الہٰی نے بہت تعریف کی ہے کیونکہ وہ اشداءُ علی الکفار اور رحماء بینھم ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یوں فرمایا خیر امتی احداؤھا میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں حدت بہت زیادہ ہے۔ یہاں حدت سے مراد حمیت دینی ہے۔ اور ارشاد خداوندی ہے ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ۔ اللہ کے دین کے بارے میں ان سے نرمی نہ کرو مع ھذا جب بادشاہ کسی گنہگار کے جرم پر غضبناک ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرے۔ اور مجرم کو سزا نہ دے جب تک اس کے بارے میں نظر ثانی نہ کر لے سبب یہ ہے کہ غصہ ایک بھوت ہے جو انسان کی عقل کا دشمن ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان غصہ میں اگر انتقام لینے میں حد واجب سے تجاوز کر جاتا ہے۔ غضب کی مکروہ صورت وہ ہے جب انسان اپنے ذاتی فوائد و لذات کے ضائع ہونے پر آپے سے باہر ہو جاتا ہے جیسے نوکر اور غلام پر کوئی برتن بھانڈا توڑ دینے پر خفا ہونا۔ یا اپنے خادم کی خدمت کرنے میں تغافل آمیز کوتاہی پر جس سے وہ محترز رہ سکتا تھا ناراض ہونا۔ یہ غصہ درجہ مذموم کی حد سے متجاوز نہیں لیکن ایسے معاملات میں عفو اور درگذر اولیٰ اور زیادہ محبوب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی دانا سے کسی نے کہا اپنے غلام سے جب وہ تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کرے تو درگذر نہ کیا کرو کیونکہ اس سے وہ خراب اور ناکارہ ہو جائے گا اس نے جواب دیا۔ اگر میرا خادم میری ذات کے آرام میں خراب ہو گیا، تو یہ اس سے بہتر ہے اگر میری طبیعت غلام کی اصلاح میں بگڑ جائے کیونکہ غلام کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کو برداشت کرنا میری روح کی اصلاح ہے اور سزا دینے میں غلام کی بہتری ہے۔

غصہ میں مذموم صورت وہ ہے جب فخر۔ تکبر۔ مباہات۔ منافست۔ کینہ۔ حسد اور وہ باتیں جو حظوظ بدنیہ سے متعلق ہوں انسان کو جامہ سے باہر کر دیں، اور اس ناراضگی و خفگی اور سزا دینے میں دین و دنیا کے مستقبل کا کوئی فائدہ مدنظر نہ ہو۔ اس قسم کا غصہ اکثر لوگوں پر غالب ہے۔ یہ حلم و تحلم کے خصائل کی ضد ہے۔ حلم سے مراد ہیجانِ غضب سے طبیعت کو روکنا، اور تحلم کے معنی ہیں خواہشات کے جوش کو تھام لینا

حسن اخلاق کا کمال حلم میں ہے۔ لیکن تحلم یعنی مکروہات سے باز رہنا بھی بہت سی نیکیوں کا سرمایہ دار ہے۔ یہ ہیں افعال غضب کے مراتب +

غصے کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں بعض گھاس پھوس کی مانند ہیں جلدی بھڑک اٹھنے والے اور جلدی بجھ جانے والے۔ بعض دیر سے جلتے ہیں دیر سے بجھتے ہیں۔ بعض کو دیر سے آگ لگتی ہے اور جلدی بجھ جاتی ہے اور یہ صورت اچھی ہے۔ بشرطیکہ حمیت وغیرت کے قصور تک نوبت نہ پہنچے +

غصے کے اسباب۔ مزاج کے لحاظ سے حرارت اور یبوست پر منحصر ہیں۔ غضب کی تعریف ان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ غصہ کے معنی ہیں دل کے خون کا کھولنا اگر انتقام اختیار سے باہر ہو تو خون جمع ہو کر دل کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس سے حزن وملال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ ایسے شخص پر آئے جو کمزور ہے تو دل کا خون گردش میں آجاتا ہے اس سے غضب حقیقی اور جذبۂ انتقام پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کے آدمی پر طیش آئے تو اس سے خون میں ایک تردد سا پیدا ہوتا ہے کبھی انقباض اور کبھی انبساط، اس سے چہرے کی رنگت میں تنوع پیدا ہوتا ہے کبھی سُرخ۔ پھر زرد۔ اور کبھی مضطرب، غرض قوت غضب کا محل دل ہے۔ اور اس کے معنی خون کی حرکت اور کھولنا ہے +

غصہ دیکھا دیکھی پر منحصر ہے چنانچہ جو شخص غصہ وری اور لڑاکا پن میں ڈینگ مارنے والے اور درندہ مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھیگا اس میں وہی خصلتیں نقش ہو جائیگی + اور جو شخص متین اور پُر وقار لوگوں کی مجلس اختیار کرے گا۔ اس میں بھی عادتیں پیدا ہو جائنگی +

اب رہا یہ سوال کہ غصہ قوت سے فعل کی صورت کیسے اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث نخوت۔ افتخار۔ دکھاوا۔ لجاجت۔ مخول۔ لاف زنی ٹھٹھا ظلم وستم اور تنافس تحاسد اور خواہش انتقام کی طلب ہیں۔ اور یہ سب مذموم ہیں + جس شخص پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے اُسے چاہیئے کہ وہ کسی حکیم کا قول یاد کر لے جو اس نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے غصہ دُور کرنے کی ترکیب پوچھی حکیم نے جواب دیا۔ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ۔۔۔۔۔۔

آپ مطاع ہی نہیں ہیں مطیع بھی ہیں
آپ صرف مخدوم ہی نہیں ہیں خادم بھی ہیں۔ آپ کو برداشت بھی کرنا ہے۔ صرف مغلوب الغضب ہی نہیں ہونا۔ اور یہ کہ اللہ آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے +

غضب کی کئی فروع ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ازاں جملہ شجاعت۔ تہوّر۔ نفسانیت غبطہ جنبہ۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

شجاعت یہ تہور اور جبن کے درمیان پیدا کی گئی ہے۔ اس سے خطرات کیوقت دل کی دلیری وجا بکدستی اور ہولناکیوں کے وقت اپنی گھمانی میں مستعدی اور حسب موقع میدان میں قدم بڑھانا مراد ہے +

یہ غصے اور حسن ال سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان شدائد وہالک کا مقابلہ کرتا ہے انہیں بلکہ معاصی سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ غصہ جب خواہشات پر غالب آجاتے تو انہیں توڑ دیتا ہے اب چونکہ دین کی ایک سمت رغبت خیر ہے اور دوسری ترک شر؛ چنانچہ فرمان نبوت ہے۔ الصبر نصف الایمان صبر نصف ایمان ہے اس لئے بعض خرابیاں شرمگاہ اور شکم کی خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور بعض ان دونوں کے علاوہ باتوں سے۔ پھر فرمایا روزہ نصف صبر ہے اور صبر دو طرح پر ہیں۔ اول صبر جسمی جس سے انسان کا جسم شقتیں برداشت کرتا ہے۔ بلحاظ فعل کے جیسے اعمال شاقہ یا انفعالی طور پر جیسے ضرب شدید اور مرض عظیم کو برداشت کرنا +

محمود تام قسم ثانی یعنی صبر نفس ہے۔ اگر شہوات کے حاصل کرنے سے صبر ہو تو اُسے عفت کہیں گے اگر مکروہات کے متعلق ہو تو مکروہات کے اختلاف کے عبارت سے نام بھی مختلف ہونگے۔ اگر کسی مصیبت کے بارے میں ہو تو صرف صبر کہینگے۔ اس کی ضد جزع و فزع ہے۔ اگر احتمال غنا میں ہو تو ضبط نفس نام ہوگا۔ اس کی ضد سبک مزاجی ہے اگر میدان جنگ میں ہو تو شجاعت اس کی ضد بزدلی یا جبن ہے۔ اگر غصہ فرو کر لینے میں ہو تو حلم ہوگا اور اس کی متضاد خصلت انتقام پسندی ہوگی اگر کسی اندوہناک مصیبت کی صورت میں صبر کو حوصلہ مندی کہینگے، اس کی متضاد خصلت تنگدلی، اندوہگینی، اور کم ظرفی ہے اگر اخفائے کلام کے متعلق ہو تو رازداری کہینگے، اگر عیش و عشرت سے باز رہنے کے متعلق ہوگا تو زہد و قناعت کا نام پائیگا۔ اس کی ضد حرص اور بوالہوسی ہوگی۔ اسی لئے

ومن یلک ذا فم مریض یجد مراً بہ الماء الزلالا

منہ کے کڑوے پن کا مریض آب زلال کو بھی کڑوا ہی سمجھتا ہے

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔ پھر اُسے چاہئے کہ علم کی کسی نوع کو حقیر نہ سمجھے بلکہ ہر ایک علم حاصل کرے۔ اس کا حق ادا کرے، اور اسی کا رتبہ پہنچانے کیونکہ ہر ایک علم اپنے اپنے درجے پر ہے۔ بعض انسان کو اللہ کی طرف لیجانے والے ہیں۔ یا اس سفر کے لئے اسباب مہیا کرنے والے۔ ہر ایک علم کی پھر مقصود سے قرب و بعد کے اعتبار سے مختلف منازل بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت بھی لازمی ہے جس طرح حج اور جہاد کے رستہ میں پہرہ دار اور چوکیاں ہوتی ہیں +

(وظیفہ سادس) یہ ہے کہ تمام فنون میں دفعۃً نہ کود پڑے۔ بلکہ اُن کی ترتیب کی رعایت رکھے۔ چنانچہ ابتدا سب سے اہم فن علم سے کرے! اور اس وقت تک دوسرے فن کو ہاتھ نہ لگائے جب تک پہلے فن کو تکمیل کے درجہ تک نہ پہنچائے۔ کیونکہ علوم کی بھی ایک ترتیب ہے۔ جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ایک فن سے دوسرے فن کی جانب راہ نکلتی ہے! اللہ تعالےٰ نے اس کی ترتیب و تدریج کی نگاہ داشت کے متعلق فرمایا ہے۔ الذین اتیناھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یعنی اس وقت تک ایک فن کو چھوڑ کر دوسرے فن کی طرف رُخ نہیں کرتے جبتک علمی اور عملی طور پر اس میں مستحکم نہیں حاصل کر لیتے۔ طالب علم کا مقصد ہر علم سے یہ ہونا چاہئے کہ اوپر کے علم کی جانب ترقی کا شوق پیدا ہو۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ کسی علم کے متعلق غلط اور خراب ہونے کا حکم صرف اس لئے نہ لگایا جاوے کہ اس علم کے عالموں میں اختلاف واقع ہے۔ یا ان میں سے کوئی غلطی پر ہے۔ یا ان کے علم اور عمل میں تضاد و تخالف ہے +

بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئینگے جنہوں نے عقلیات اور فقہیات میں نظر و فکر کرنا چھوڑ دیا ہوگا۔ صرف اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی کوئی اصلیت ہوتی تو عقلاء اور فقہا، اس کا ضرور ادراک کر لیتے۔ اس شبہ کا ازالہ ہماری کتاب معیار العلم میں گذر چکا، بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئینگے۔ جو علم نجوم کی صحت کے صرف اس لئے معتقد

ہونگے کہ ایک شخص کو اس کے درست ثابت ہونے کا اتفاق ہؤا! دوسرا فریق صرف ایک شخص کے لئے امر کے غلط ہونے کی بنا پر اس کے بطلان کا قائل ہو جائیگا۔ یہ تمام گروہ غلطی پر ہیں، مناسب یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی معرفت فی نفسہٖ حاصل کی جائے ہر ایک علم پر ہر ایک شخص حاوی نہیں ہو سکتا۔ ہر کارے و ہر مردے! اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لوگوں کے ذریعہ سے تم حق کی معرفت نہیں حاصل کر سکتے۔ البتہ حق کی پہچان کے بعد اہل حق سے روشناس ہو جاؤگے +

(وظیفہ ہفتم) اگر جمیع علوم کی تحصیل کے لئے عمر ناپائدار کفایت نہ کرے تو چاہئے کہ ہر ایک علم میں سے اس کا بہترین حصہ اخذ کر لے۔ کہ ہر ایک علم میں سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کافی ہوگا، اور زندگی کا آسودہ ترین حصہ اس علم کی تحصیل کے لئے صرف کرے۔ جو نجات اور سعادت کا سبب ہے یہی شے تمام علوم کی غایت ہے اور یہی بات حقیقی اور درست طور پر معرفت الٰہی ہے[1]۔ اس علم کے سب علوم خادم ہیں! اور یہ خود بالکل آزاد ہے۔ کسی کی نوکری نہیں کرتا۔ اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ قل اللہ۔ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ کہد و اللہ! پھر انہیں اپنے خیال میں مگن رہنے دو۔ یہاں صرف زبان سے ان حروف کو ادا کر دینا مقصود نہیں۔ چنانچہ ارشاد رسالت پناہی ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللہ مخلصاً دخل الجنۃ جس نے خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا۔ زبانی جمع خرچ کسی کام کا نہیں۔ جب تک وہ دل پر اثر نہ کرے۔ یا جب تک اس اعتقاد کی پختگی کا اثر دل سے صادر نہ ہو۔ اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے۔ پھر یہ ایمان بتدریج ترقی پا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان تک منتہی ہو جاتا ہے! ان کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور تمام دنیا کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھیں، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان صاف وزنی نکلے گا۔ کیونکہ انہیں تم پر کثرت صوم و صلوٰۃ کی بنا پر فضیلت حاصل نہیں۔ بلکہ اس راز کی وجہ سے جو اُن

---

[1] یہ دونوں باتوں سے حاصل۔ حریت عقل نظری۔ جو وہم اور تقلید سے بے نیاز کرنیوالی ہے اور حریت عقل عملی جو جسم کی غلامی سے رہائی بخشنے والی ہے۔ جب ایک شخص کو یہ دونوں حریتیں بدرجہ کمال حاصل ہو جائیں، تو وہ اس مقام پر پہنچ جائیگا جسے نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان دل پر اس کی حقیقت وارد ہوئی +

کے دل میں مخفی ہے +

یہاں سے منصف مزاج آدمی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیا کا طریق اگرچہ بہت سے ظواہر میں دور جاتا ہو۔ زبردست شواہد کے ذریعہ سے اس پر شریعت شہادت دیتی ہے اس لئے ناواقف شخص کو محض اپنے تصور فہم اور جہالت کی بنا پر اس سے دشمنی نہ رکھنی چاہیئے مختصر یہ کہ معرفت الٰہی کل معرفت کی غایت ہے! در کل مذاہب کے مطابق جملہ علوم کا ثمرہ' روایت ہے کہ ایک بار کسی نے دو عابد و زاہد بزرگوں کی صورتوں کو مسجد میں دیکھا۔ دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک رقعہ تھا۔ ایک پر لکھا تھا "اگر تم تمام نیکیاں کر لو تو مت خیال کرو کہ تم نے کوئی نیکی کی ہے جتی کہ تم اللہ کو پہچان لو۔ اور معلوم کر لو کہ خدا مسبب الاسباب ہے' اور تمام اشیاء کا موجد"۔ دوسرے پر تحریر تھا "میں معرفت الٰہی حاصل کرنے سے پہلے پینے کے باوجود پیاسا تھا۔ یہانتک کہ جب میں نے اُسے پہچان لیا تو بغیر پینے کے سیر ہو گیا +

(وظیفہ ہشتم) بعض علوم کا بعض علوم سے اشرف ہونے کی پہچان کر لینا! علم کی فضیلت دو طرح سے پہچانی جاتی ہے۔ اوّل۔ اس علم کے ثمرہ کے اشرف ہونے کے لحاظ سے۔ دوم۔ اس علم کے متعلق دلائل کی پختگی کے اعتبار سے، مثلاً علم دین اور علم طب' علم دین کا ثمرہ حیات ابدی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ علم طب سے افضل ہے۔ جس کا ثمرہ حیات بدنی ہے۔ جو موت تک ہے +

پھر علم حساب کا اگر تم علم طب سے مقابلہ کرو گے تو اول الذکر موخر الذکر سے باعتبار پختگی دلائل اشرف ثابت ہو گا۔ کیونکہ علم حساب کے متعلق جس قدر نظریے ہیں سب یقینی ہیں اور تجربہ کے محتاج نہیں بخلاف اس کے طب کو یہ بات حاصل نہیں ؛ ہاں علم طب باعتبار ثمرہ کے علم حساب سے افضل ہے۔ کیونکہ صحت بدن گنتیاں اور مقداریں معلوم کرنے پر فضیلت رکھتی ہے۔ فضیلت ثمرہ پر نظر رکھنا پختگی دلائل کی تلاش سے بہتر ہے۔ اور تمام علوم سے ثمرہ کے لحاظ سے افضل علم خدا اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم ہے۔ مع ہر اس علم کے جو اس علم کی اعانت کرے! کیونکہ اس کا ثمرہ سعادت ابدی ہے +

(وظیفہ نہم) یہ ہے کہ تم علوم کی اقسام کی مجمل طور پر شناخت کر لو۔ اور وہ تین ہیں:۔

اوّل وہ علم جو لفظ سے متعلق ہے بحیثیت معنیٰ پر دلالت کرنے کے۔

دوم وہ علم جو صرف معنی سے تعلق رکھتا ہے! اول الذکر سے وہ علم مراد ہے جس سے ہم چاہتے ہیں، کہ تم ان الفاظ کی شناخت کر لو جو اُن پر دلالت کرنے کے لئے اصطلاحی طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک علم لغات اور اس کے دوسرے متعلقات ہیں، جیسے علم مشتقات و اعراب و نحو و صرف، اور علم عروض و قوافی، اس کی آخری حد علم مخارج حروف مع اپنے متعلقات کے ہے +

علم متعلق بالمعنی، موقع و محل کے لحاظ سے جس قسم کے الفاظ اس پر صادق آئینگے نام حاصل کرے گا کبھی علم جدل و مناظرہ، کبھی علم برہان اور کبھی علم خطابت، کیونکہ جو شخص ان علوم میں صاحب نظر ہے اور لغت، موجبات الفاظ، معانی، وغیرہ علوم کا عالم ہے۔ تو جس رنگ اور جس عنوان سے وہ ان کو استعمال کریگا اسی رنگ اور عنوان کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا اگر وہ علم یقینی کی تحصیل کا کام لیتا ہے تو علم برہان، اگر فریق مقابل کو خاموش کرنے کے لئے تو جدل و مناظرہ، اگر دلوں کو نرم کرنے کے کام آئے تو خطابت اور وعظ کہیں گے، اُسے دلیل بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ مخاطب کو مقاصد حقہ کی جانب رہنمائی کرتا ہے! اور ان اعتقادات کی طرف انہیں لے کر چلتا ہے جس میں ان کی نجات ہے۔ احادیث اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ قرآن کافروں کے خلاف اسی رنگ میں استدلال سے کام لیتا ہے اور قرآن بلحاظ عموم نفع جمہور کے حق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ مستقل طور پر برہان حقیقی و یقینی کا ادراک اور فہم صرف اکابر علمائے محققین ہی کو حاصل ہوتا ہے جن کی زمانہ قدر نہیں کرتا!

جدل و مناظرہ ہدایت کے لحاظ سے کمترین نفع دینے والی شے ہے! کیونکہ محقق اپنی دلائل و براہین کو چھوڑ کر فریق مخالف کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی دل میں اس کا قائل ہوتا ہے۔ اور عامی بات ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُسے سمجھنے کے لئے اپنے فہم کو ناکارہ پاتا ہے! خود مناظرہ کرنے والے لوگ، عام طور پر شکست کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد پر قائم رہتے ہیں۔ اور کوتاہی دلیل کو اپنے قصور علم پر محمول کرتے ہیں! اور کہتے ہیں اگر ہمارا امام زندہ اور موجود ہوتا تو اس بات کا فیصلہ کن جواب دیسکتا! اس لحاظ سے تم دیکھو گے کہ اکثر وہ باتیں جو ماہرین علم کلام اور مناظر اپنے مناظروں میں کر چکے ہیں، اکثر و بیشتر جدلیات ہیں، اور یہی حال ہے تمام باتوں کا جو فقہی مباحثوں میں واقع ہوتی ہیں یہی مذہب ہے

کہ مناظرہ کرنے والے لوگ خبردار ہو کر بھی دوسرے کے مذہب کو قبول نہیں کرتے؟

قسم سوم معنوی کی دو قسمیں ہیں محض علمی اور عملی۔ علمی قسم میں اللہ تعالیٰ ملائکہ انبیاء اور مراتب نبوت۔ ملائکہ کے مراتب، اسرار ارض و سما۔ آفاق و انفس، اور ان کے اندر کی سب چیزیں۔ کواکب سماوی۔ عالم بالا کے نشانات۔ جملہ اقسام موجودات، ان کے ایک دوسری سے ترتیب کی کیفیت۔ قیامت۔ حشر۔ نشر۔ جنت و دوزخ۔ صراط۔ میزان۔ جن و شیاطین۔ کی معرفت کا نام ہے۔ علاوہ ازیں اس امر کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی بھی وہی ہیں۔ یا کچھ اور۔ مثلاً عام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت امور کا تخیل اپنے ذہن میں پیدا کر رکھا ہے۔ مثلاً اللہ کا عرش پر مقیم ہونا۔ دنیا سے بلند بلحاظ مکان کے! اور اس سے پہلے زمانہ کے اعتبار سے، فرشتوں، شیاطین اور آخرت کے واقعات جنت و دوزخ کے متعلق ان کے کیا عقاید ہیں؛ کیا یہ امور ایسے ہی ہیں جیسے انہوں نے سمجھے ہیں۔ بلغیر کسی قسم کے تفاوت کے یا یہ مثالیں اور خیالات ہیں۔ کیا ان کے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی کچھ معنی ہیں۔ غرض ان تمام امور کی تحقیق کرد، سچائی کے ساتھ، شک و شبہ سے پاک بطریق حقیقت ظاہر ہیت کے اوہام باطلہ کو دُور پھینک کے، اندازہ اور اٹکل پچو لگانے سے دُور ہٹ کر، یہ ہیں علوم نظریہ۔ اور ان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اب رہے عملی تو ان میں احکام شرعیہ۔ علوم فقہیہ۔ سنن نبویہ شامل ہیں۔ ان میں معرفت سیاست نفس، اور تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، اہل وعیال، لباس و طعام، معیشت اور معاملات کی معرفت، داخل ہیں۔ اسے علم فقہ کہتے ہیں۔ یہ چہار گانہ معاملات، نکاح اور شرعی حدود پر مشتمل ہے۔ پھر جب اس کی انواع کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے مراتب کی پہچان اور شناخت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ اوقات عزیز صرف منزل مقصود کی طرف گام فرسائی میں صرف ہوں۔ یا ان امور میں جو اس کے قریب لیجائیں +

اب جو شخص قسم اول یعنی متعلق بالالفاظ علوم پر ہی قناعت کر گیا۔ تو گویا وہ محض چھلکے پر ہی پر قانع ہو گیا۔ ان میں سے جس نے نحو۔ اعراب، عروض اور مخارج حروف پر قناعت کی تو اس نے بھی صرف پوست پر انحصار رکھا۔ اور جو شخص اس رستہ کی پہچان میں منہمک ہے تو وہ ایک امر اہم میں مشغول ہے۔ پھر اگر اسی بات پر قصر کر دے تو گویا اس نے صرف آلہ اور وسیلے پر اکتفا کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ کرے۔ پھر

اونٹ اور زادراہ اور سواری خرید لے اور گھر میں بیٹھ رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں بہت اہم ہیں۔ اور بوجہ آلہ اور وسیلۂ حج ہونے کے ضروری ہیں۔ لیکن جب ان کو اس بات میں استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے اُن کو خرید کیا گیا ہے تو وہ بالکل بے سود ہیں علی ہذا القیاس تیغ و سنان اور خنجر و دشنہ بیکار ہیں۔ اگر انہیں جنگ میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

اور جو شخص علوم عملیہ میں منہمک ہے اور صرف انہی پر اکتفا کرتا ہے یعنی فقہیات وغیرہ پر تو اس کا حال لغات پر انحصار رکھنے والے کے زیادہ قریب ہے۔ وہ اضافی طور پر عظیم القدر ہے جس طرح علم لغات اضافی طور پر علم رقص و سرود سے زیادہ رفیع الشان ہے لیکن اگر اس کو منزلِ مقصود کی نسبت سے دیکھا جائے گا۔ تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بہت ہی بعید ہے۔ یہ بات مثال کے بغیر پورے طور پر سمجھ میں نہ آئیگی۔

چنانچہ جب ایک آقا اپنے غلام سے وعدہ کر لے کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا بشرطیکہ تم حج کر آؤ۔ اور اس کے بعد میں تمہیں سرداری عطا کر دوں گا! تو سعادت آزادی وغیرہ کے حصول کے لئے غلام کے لئے تین مقامات ہیں۔ (اوّل) اسباب کا تہیہ کرنا۔ مثلاً اونٹ مشک۔ زادِ راہ وغیرہ خریدنا۔ اور سامانِ سفر تیار کرنا (دوم) وطن کو چھوڑ کر بادیہ پیمائی اور راہ نوردی پہ کمر بستہ ہو جانا۔ اور منزل بمنزل چلکر منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہونا (سوم) فریضۂ حج کا ایک ایک رکن ادا کرنا۔ ان تمام امور کو طے کرنے کے بعد اُسے آزادی کی نعمت حاصل ہوتی۔ اُسے منزل بمنزل ایک بات کو طے کرنے کے بعد دوسری منزل میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اور ایک منزل کے اسباب و سامان کی تیاری کے بعد دوسری منزل کے وسائل کے تہیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ یہی حال کمال نفس کا ہے۔ طہارت اخلاق، رذائل و ذمائم کے ازالہ اور حقائق و معارف کے انکشاف سے اخلاق کو مکمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس تشبیہ میں حال کی مثال موت کی ہے۔ جو اس حجاب کو دور کر دیتی ہے۔ جو انسان اور اُس کے رتبہ کے درمیان حائل ہے۔ اس کے وسیلے سے نفس اپنے کمال اور جمال کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے چنانچہ جب یہ حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ تو نفس اپنے کمال کو دیکھ لیتا ہے جو اعلیٰ علیین میں اُسے حاصل ہے۔ اُسے اس نظارے سے ایک ابدی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور منزل بمنزل قطع راہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنا

خلق بد اخلاقیوں کو محو کرنے اور علوم نظریہ کو دوسرے علوم کے علاوہ ایک ایک کر کے حاصل کرنے سے مہذب بنالیا ہے۔

توشہ دان اور مشک وغیرہ کی تیاری، زاد راہ اور سواری کی خریداری کی مثال کے مطابق وہ تمام علوم ہیں جو فقہ اور لغت جیسے علوم نظریہ کے خادم ہیں۔ اور جو شخص فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے، اس کی حیثیت توشہ دان وغیرہ کی تیاری کرنے والے کی سی ہے۔ اور جو شخص انہی پر بس کر دیتا ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان بنا کر بیٹھ رہے۔ علاوہ ازیں جو شخص علم لغت کے اندر ہی محدود ہو جائے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے جو توشہ دان کی کھال کو رنگ چھوڑنے پر اکتفا کرے۔ اس لحاظ سے جو شخص اپنے اوقات کو فروعات فقہی میں (جن میں اختلافی مسائل اور وہ باتیں شامل ہیں، جو عہد صحابہ میں پائی ہی نہ جاتی تھیں) مشغول و مستغرق رہتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی توشہ دان کے احکام اور اسے سینے سلانے کے مسائل میں اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اگر تم نے یہ باتیں اعتقادی طور پر کہی ہیں تو اجماع فقہا اس کے خلاف ہے۔ اور اگر بطور حکایت اور مثال کے کہی ہیں تو ان باتوں کو کون مانتا اور تسلیم کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ باتیں حکایت کے طور پر کہی ہیں۔ ان کا تعلق اس مذہب سے ہے جس پر اس کتاب کا اکثر دارومدار اور انحصار ہے اور وہ تصوف ہے۔ عام لوگوں نے ان معانی سے اتفاق کیا ہے۔ جو اس مثال سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک یہ تشبیہ بعینہٖ مشبہ بہ کے مطابق نہیں۔ اگر تم پوچھو کہ آیا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ یہ کتاب ان امور کے حق و باطل میں تمیز کرنے کے دلائل و براہین پیش کرنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی ہے۔ بلکہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ غفلت و خود فراموشی کے ازالہ کے لئے پند و نصیحت کو قلمبند کیا جائے۔ اور طلب و جستجو کے رستے دکھلائے جائیں۔ تاکہ انسان ان امور سے بے پرواہ نہ ہو جائے۔ جن کی تعلیم یہ لوگ دیتے ہیں کہ ابتدائے کلام میں یہ بات بعید معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے جو طالب علم کسی علم و فن کی جستجو میں نکلتا ہے اُسے لازم ہے کہ خوب سوچ سمجھ لے تاکہ حقیقت سے واقف کار ہو جائے۔ اور وہ اندھا دھند اس وادی پُر خار میں قدم نہ رکھے!

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنی عمر فقہ کی نذر کر چکے اور تصوف سے

تمہیں کوئی شغف اور حسن ظن نہیں۔ علاوہ ازیں تمہارا دل اس قدر وسیع بھی نہیں کہ بدیہی اور رسمی طور پر دیدہ دانستہ اس ادنیٰ بات کے درپے ہو جاؤ۔ تو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کے مسلک میں یہ بات ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم اس کا سبب متحقق کر لو گے۔ جب تم ان تمام تفاصیل سے باخبر ہو جاؤ گے جو اوپر گذر چکیں اور جن میں ہم نے بتایا ہے کہ سعادت کے حصول کے مبنی یہ ہیں کہ تزکیہ نفس کے لئے نامناسب امور کو نفس سے محو کر دیا جائے! اور کشف حقائق سے تکمیل نفس کے لئے مناسب امور کو نفس میں جاگزین کیا جائے۔

اور اس بات کے حصول کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ انعامات الٰہی و ملکوت السموات والارض میں نظر و فکر سے کام لیا جائے۔ تاکہ ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور نفقہ اس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن اس کا دست نگر ہے! بدن کی بقا کا انحصار علم ابدان یعنی علم طب اور علم ادیان یعنی فقہ پر ہے۔ باعث یہ کہ آدمی کی خلقت کچھ ایسے نہج اور عنوان پر عمل میں آئی ہے کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح تنہائی اور علیحدگی کی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اُسے لازمی طور پر سوسائٹی میں رہنا پڑتا ہے۔ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا وہ محتاج ہے، کھانے پینے پہننے اور دوسری ضروریات کے تہیہ میں وہ ایک دوسرے کا دست نگر ہے! غرض چونکہ انسانوں کا اجتماع ناگزیر ہے۔ اس لئے ان میں عدل و مساوات قائم کرنے اور آپس میں لین دین اور معاملہ کرنے کے لئے ایک قانون کی بھی اشد ضرورت ہے! ورنہ بنی آدم میں ہمیشہ تنازع اور جنگ و جدال برپا رہ کر ان میں ہوک کرتا رہے گا۔ اور فقہ میں اسی قانون کا بیان ہوتا ہے! اور نکاح و طلاق۔ معاملات اور عقوبات اس قانون کی تفصیل ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے رستہ میں بادیہ پیما ہونے والوں کے لئے بدن کی حیثیت ایک ناقہ، اور توشہ دان وغیرہ کی ہے جن کی ضرورت حج میں پڑتی ہے، بدن کی مصلحتیں ناقہ اور توشہ دان کی طرح ہیں۔ علم مصالح بدن کا کفیل ہے! جس طرح توشہ دان بنانے کے لئے سینا، وضع قطع کرنا، اور دباغی کے فنون کفیل ہیں، اس لئے جو تعلق ان چیزوں کو اس مقصد کے ساتھ ہے۔ وہی رتبہ علم کو اپنے مقصد سے ہے! سلوک استعداد اور مقصد کے بارے میں ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور بے عیب ہے، ان کا قول ہے

کہ اگر خدا کو دنیا کی آبادی منظور نہ ہوتی تو پردے اٹھ جاتے ،غفلت دور ہو کر تمام دنیا کی مخلوق اللہ کی جانب دیوانہ وار متوجہ ہو جاتی ! اور لوگ ہر اس بات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے جو منزل مقصود سے بے تعلق کرنے والی ہے ! لیکن ہر کس بخیال خویش خبطے دارد ، اسی بے خبری کے ذریعہ سے کائنات کا قیام ہے ۔ ورنہ صنعتیں اور فنون سب رائگاں ہو جاتے تم خود غور کرو ! کہ اگر درزی ، حجام اور دوسرے کاریگروں کے دلوں سے ان فوائد کا اعتقاد جاتا رہے جو انہیں اپنے فنون کی جانب مائل کئے ہوتے ہے ۔ تو وہ فوراً اُن سے دستبردار ہو جائیں ۔ اور ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ کی صنعتوں کی جانب جھک پڑتے نتیجہ یہی کہ صنائع اور فنون کی یہ کثرت نہ رہے ۔ یہ اسباب و وجوہ ہیں جن کی بنا پر ارباب صنائع سے چیزیں تیار کروائی جاتی ہیں چنانچہ یہ غفلت اور بے خبری بھی اللہ تعالٰے کی ایک لحاظ سے رحمت ہی ہے ! اور بعض حضرات نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اختلاف امتی رحمۃ (میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے) کو اسی بات پر محمول کیا ہے ۔ یعنی ان لوگوں کی ہمتوں اور رجحانات کا اختلاف باعث رحمت ہے ۔ اگر خاکروب کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پیشہ بے سود اور لغو ہے تو وہ اُسے آج ہی چھوڑ دے ۔ پھر علماء خلفاء اور اولیاء کو خود اپنی نجاست اٹھانی پڑے ۔ یہی حال دباغی ، حدادی ، زراعت ، اور تمام پیشوں کا ہے چنانچہ اگر اللہ تعالٰے کو علم فقہ ، علم نحو ، علم مخارج ، حروف ، اور طب کا لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہونا منظور نہ ہوتا ۔ تو یہ علوم بالکل بے کار اور معطل ہو جاتے ۔ اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا ۔ جو شخص کسی علم یا صنعت میں تمام دوسرے خیالات کو چھوڑ کر مصروف ہو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اپنے رتبہ اور اپنے مافوق کی نسبت کے مطابق اطلاع حاصل کرے ۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کے قدر اور نسبت کے موافق اسے معلومات ہونی چاہئیں ۔ علوم کے تمام مراتب سے مطلع ہونا تو صرف اسی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے ۔ جو تمام علوم کا متکفل ہو ۔ یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے حکمت عطا فرمائی ہے اور حقائق اشیاء کا کماحقہ مشاہدہ کروا دیا ہے ! تو یہ جواب ہے اُن کا اس کے بعد ہم تمہیں یہ رائے دیتے ہیں ، کہ جس بات میں تم مصروف ہو ، اسی پر اکتفا کرو ! یا ان لوگوں کے رستہ پر چل پڑو ۔ اور اس فن میں حق و صداقت کی شناخت کے لئے بحث و نظر سے کام لو ۔

(وظیفہ دہم) یہ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھے اُس سے اُس کا مقصود دنیا میں اپنے نفس کا کمال اور فضیلت ہو۔ اور آخرت میں تقرب الی اللہ ریاست وجاہ، مال اور احمقوں کا فخر ومباہات، اور علما کی ریاکاری مطلوب نہ ہو۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من تعلم العلم لیباھی به السفهاء ویماری به العلماء دخل النار۔ جو شخص بے وقوفوں پر فخر کرنے اور علما کے دکھاوے کے لئے علم حاصل کرتا ہے وہ دوزخ میں جائیگا۔ اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالےٰ عزوجل تک علوم کے ذریعہ سے رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کے مختلف مدارج ومنازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے رستہ میں نگہبانی کے لئے پہردار مقرر کرنا جب کوئی شخص ہر ایک علم کا مرتبہ پہچان لے، اس کا حق ادا کرے۔ اور اس سے صرف رضائے الٰہی مقصود رکھے۔ تو اللہ تعالےٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ہر شخص کو اس کے علم کے درجہ کے مطابق دنیا اور آخرت میں بلندی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔ اللہ تم میں سے مومنوں اور عالموں کو بلند مرتبے عطا فرماتا ہے۔ اور فرمایا ھم درجات عند اللہ ان کو اللہ کے نزدیک مدارج حاصل ہیں۔ صوفیوں کا مسلک جو ہم نے علوم کے متعلق بیان کیا ہے۔ اسی سے تمہارے دل میں علوم کے متعلق بدظنی نہ پیدا ہونی چاہئے۔ کیونکہ ان کا مطلب اس سے حقارت علوم نہیں، بلکہ یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی حرمت اور عظمت کی نگہداشت کرے۔ انھوں نے علوم کے متعلق اولیاء اور انبیاء کے مرتبہ کی علو شان مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے۔ بعینہٖ جس طرح تم اولیاء اور انبیاء کے مقابلہ پر سلاطین و وزراء کو کتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو۔ لیکن جب انہی کے رتبے کو تم خاکروبوں اور چماروں کے مرتبے سے قیاس کرو۔ تو انہیں اس طرح ذلیل کہنا درست نہ ہوگا بلند ترین مرتبہ سے اُتر آنے سے کسی چیز کی بالکل ہی قدر ومنزلت تو برباد نہیں ہوجاتی، چنانچہ سب سے اوپر کا درجہ انبیاء کا ہے۔ پھر اولیاء کا۔ پھر علماء کا۔ اپنے اپنے مراتب کے تفاوت سے پھر نیک عمل کرنے والوں کا۔ مختصر یہ کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ جو رائی برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا۔ اور جو شخص ذرہ

الٰہی کا علوم کے ذریعہ سے قصد کریگا اُسے اللہ تعالیٰ لامحالہ فائدہ دیگا اور رفعت قدر عطا فرمائیگا۔ یہ وظائف تو معلم کے لئے ہیں +

رہا معلم تو اس کے لئے آٹھ باتیں قابل توجہ ہیں اسب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ انسان کے لئے علم کے لحاظ سے چار حالات ہیں جس طرح مال جمع کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں؛ اول استفادہ کی حالت جس سے وہ اکتساب کرتا ہے؛ دوم جو مال اس نے کمایا ہے۔ اُسے ذخیرہ کرتا ہے۔ اس سے وہ دوسرے لوگوں سے سوال کرنے سے بے پرواہ ہوجاتا ہے؛ سوم اس مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے کی صورت ہے۔ اس میں انسان مال سے نفع اٹھاتا ہے۔ یا چہارم کمائے ہوئے مال کو دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے؛ تو صاحب عزت اور سخی کہلاتا ہے۔ یہ چاروں صورتوں میں افضل ہے۔ یہی حال علم کا ہے؛ صاحب علم کا ایک حال یہ ہے کہ وہ طالب علم ہے دوسرے وقت میں جب وہ تحصیل علم سے فارغ ہوچکا ہے تو دوسرے لوگوں کا دست نگر ہونے سے مستغنی ہے تیسری استبصار کی صورت ہے یعنی جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے اس میں تفکر کرتا ہے؛ چوتھی صورت تبصیر اور تعلیم کی ہے۔ اور یہ سب صورتوں سے اشرف اور بزرگتر ہے +

جس شخص کا علم سے سابقہ پڑے پھر وہ خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے تو وہ سورج کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی منور بناتا ہے۔ یا کستوری کی مثال ہے جو خود بھی خوشبودار ہے اور دوسروں کو بھی معنبر کرتی ہے اور جو شخص دوسروں کو نفع پہنچائے لیکن خود فائدہ نہ اٹھائے وہ کتب خانہ کی مانند ہے۔ کہ دوسرے اس سے متمتع ہوتے ہیں لیکن اُسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا +

وظیفہ اوّل یہ ہے کہ معلم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ متعلم کو اپنے بیٹے کی مانند سمجھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم پر ایسا ہی مہربان ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا ، اور متعلم کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ استاد کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے؛ کیونکہ باپ تو بیٹے کی حیات فانی کا سبب ہے اور استاد اس کی حیات ابدی کا موجب؛ چنانچہ جب سکندر نے کسی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے استاد کی عزت زیادہ ہے یا باپ کی، تو جواب دیا میرے استاد کی +

جس طرح ایک باپ کے بیٹوں کا فرض ہے کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہیں اور بغض وعناد نہ رکھیں، اسی طرح ایک استاد کے بیٹوں کا حق ہے کہ اس سے شاگرد بغض و عناد نہ رکھے، اور محبت سے پیش آئے۔ بلکہ ہم تو کہیں گے کہ سب دینی بھائیوں کا یہی حق ہے۔ علماء سب خدا کی جانب جانے والے مسافر ہیں، اور اس کے رستہ کے سالک اور مسافروں کو جو ایک ہی رستہ پر چل رہے ہیں آپس میں گہرا پیار اور مودت رکھنی چاہئے چنانچہ علمی برادری کو پیدائشی اخوت پر فوقیت حاصل ہے۔

آپس میں تباغض وتحاسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انہیں علم سے مال وجاہ کا حصول مقصود ہو۔ جب یہ حالت ہو تو خدا کے رستہ پر چلنے کی منزل سے نکل جاتے ہیں۔ اور ارشاد الٰہی کے دائرہ انما المؤمنین اخوۃ (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) سے خارج ہو کر اور خدا کے اس قول کے اندر داخل ہو جاتے ہیں کہ الاخلاء یومئذ بعضھم بعض عدو الا المتقین قیامت کے روز دنیا کی دوستیاں ختم ہو جائینگی اور سوائے متقیوں کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

وظیفہ دوم یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی اقتداء سے سرمو باہر نہ ہو، اور نہ ہی تعلیم دینے کا کوئی اجر اور معاوضہ طلب کرے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے قل لا استلکم علیہ اجرا اے رسولؐ کہدو کہ میں تعلیم شریعت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا چنانچہ جو شخص علم کے ذریعہ سے مال ودولت اور اغراض دنیا طلب کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے۔ جس نے ہاتھوں کی میل کچیل کو اپنے چہرے اور ڈاڑھی سے مل کر ہاتھوں کو صاف کر لیا۔ اس نے مخدوم کو خادم بنا دیا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے لباس اور غذائیں بدن کی خدمتگذار پیدا کی ہیں، اور بدن کو نفس کا خادم اور مرکب بنایا ہے، اور نفس کو علم کا چاکر مقرر کیا ہے علم مخدوم ہے خادم نہیں۔ اور مال خادم ہے مخدوم نہیں، اس حقیقت کے عکس کے معنی ہی گمراہی ہیں۔

تعجب ہے کہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے، زمانہ اس قدر پلٹا کھا چکا ہے، اور زمین علمائے دین سے اس طرح خالی ہو چکی ہے کہ متعلم اب معلم کی تقلید میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو احسان جتاتا ہے۔ اس کے بالمقابل بیٹھتا ہے، اور اپنے استفادے سے دنیوی اغراض کا لالچ مدنظر رکھتا ہے، یہ ذلت وپستی کی انتہا ہے۔ اس کی وجہ صرف

یہ ہے کہ معلمین ریاست و تجمل کی آرزو میں کثرت متعلمین کے متمنی ہوتے ہیں۔ ایک تو علم انہیں کم ہوتا ہے۔ دوسرے ذاتی طور پر انہیں اپنے کمال سے کوئی ذوق نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم بھی ان سے یہی چیز حاصل کرتے ہیں۔

تیسری اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ طالب علم کو نصیحت کرنے کے وقت ذلیل و خوار نہ کرے، اُسے بد اخلاقیوں سے روکنے کے لئے یا اپنے استحقاق سے مافوق رتبہ کے شوق اور اپنی طاقت سے بڑھ کر محنت کرنے سے باز رکھنے کے لئے یا غایت علوم سے آگاہی دینے کے لئے تصریح سے کام نہ لے اگر استاد دیکھے کہ کوئی شاگرد صرف طلب جاہ و مال اور فخر و مباحات کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہے، تو اُسے تعلیم حاصل کرنے سے روکے نہیں بلکہ اس کا علم سیکھنے میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے کیونکہ ممکن ہے کہ جب وہ علم کا اکتساب کرے تو حقیقت نفس الامری سے آگاہ ہو جائے اور جان لے کہ اغراض دنیوی کے لئے علم حاصل کرنے والا زیاں کار ہے۔ علمائے کرام نے اس مفہوم کو اپنے قول ذیل سے واضح کیا ہے۔ کہ "ہم نے جب غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے ماسوا اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا" لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو، تو چاہیئے کہ انہیں علم کی کسی ایسی نوع کی طرف دعوت دیں جس سے جاہ و مال حاصل ہو۔ پھر انہیں طمع ریاست کے ذریعہ سے وہ علم سکھائیں، یہاں تک کہ علم حاصل ہونے کے بعد بتدریج وہ حق کی طرف آجائیں۔ اسی لئے علم مناظرہ اور علم فقہ کا ترک کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ یہ علوم ہمیشہ ابتداء میں طلب مباہات کے باعث ہیں، اور انجام کار فسادنیت سے خبردار کر دیتے ہیں؛ اور انسان کو منہاج قویم کی طرف لے آتے ہیں؛ اس مفہوم کے بعینہ مطابق ہے۔ ہماری وہ مثال جس میں ہم نے کہا تھا کہ بچے کو ریاست جاہ و مال کے لالچ دلا کر تعلیم کی جانب مائل کیا جائے۔ ہم اُسے چوگان کھیلنے، پرندے خریدنے اور لہو لعب کے اسباب کا طمع دلاتے ہیں اور بعض اوقات ہم اُسے ان باتوں میں مطلق مصروف کر دیتے ہیں؛ تاکہ اس کے دل میں تعلیم حاصل کرنے کے داعیے پیدا ہوں؛ اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہماری مرضی اور منشا کی طرف بتدریج آجائے۔

اللہ تعالےٰ نے علم سیکھنے کے ارادے کو شریعت اور علم کا نگہبان بنا دیا ہے، طمع

ریاست اور نیکنامی کے ساتھ متعلمین کے دلوں میں علم کی آگ بھڑکانا ایسا ہی ہے جیسے بیل کو خوب پھیلانے کے لئے باغبان رسیاں اور لکڑیاں قریب قریب گاڑتے ہیں، یا جیسے غذا اور نکاح کی خواہش۔ ان دونوں کو خدا نے اس لئے خلقت کیا ہے کہ ان سے وہ داعیہ پیدا ہو جس سے شخصیت اور نوع انسانی کی بقا ہے۔ اور اگر علم مناظرہ کے بارے میں یہ مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو اس کی کسی صورت میں اجازت نہ دی جاتی، کیونکہ اس کے ذریعہ سے کبھی تبدیلئی مذاہب اور ترک معتقدات کی نوبت نہیں آئی۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ جن باتوں سے شاگرد کو روکنا واجب ہے اُن سے اُسے تعریض کے ساتھ باز رکھنے کی کوشش کرے۔ تصریح کا استعمال نامناسب ہوگا، کیونکہ تعریض یعنی اشارے کنائے سے کام لینا زجر و توبیخ میں مفید ہوتا ہے۔ اور تصریح یعنی صاف صاف تنبیہ کرنے سے منع کی ہوئی بات کی دل میں اور خواہش پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لو نھی الناس عن فت البعر لفتّوہ وقالوا ما نھینا عنہ الا وفیہ شیئ، اگر لوگوں کو مینگنی بکھیرنے سے منع کیا جائے تو وہ اُسے ضرور بکھیریں گے، اور کہیں گے اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہے تو ہمیں اس بات سے باز رکھا گیا ہے۔ آدم و حوا کا قصہ اس حقیقت کی بین مثال ہے۔ بعض اوقات تعریض تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نفوس فاضلہ استنباط غیر معروف باتوں کی کنہ معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں، وہ تعریض کے معانی معلوم کرنے کے لئے نہایت محبت سے مائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعریض استاد کے لحاظ اور رعب کا پردہ بھی چاک نہیں کرتی۔ حالانکہ تصریح کامل طور پر اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے اور شاگرد میں مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

وظیفہ پنجم یہ ہے کہ استاد کو چاہیئے کہ علاوہ اس علم کے جو وہ اپنے تلامذہ کو پڑھا رہا ہے۔ دوسرے علوم کی انہیں نفرت نہ دلوائے۔ جیسے معلمین لغت کا قاعدہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے فقہ کی برائی بیان کرکے ان کو اس سے روکتے ہیں۔ اور فقہا کی عادت ہے کہ علوم عقلیہ کی ہنسی اڑا کر شاگردوں کو ان کے قریب پھٹکنے سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ چاہیئے کہ طالب علم کے دل میں اوپر کے علم کی قدر و منزلت بٹھائے۔ تاکہ وہ موجودہ علم میں تکمیل کا درجہ حاصل کرکے اس میں مشغول ہو جائے۔ اور اگر استاد دو علم

پڑھا سکتا ہے۔ تو جب شاگرد ایک علم سے فارغ ہو تو دوسرے علم کے حصول کی طرف ترقی کرلے، اور اسی طرح بتدریج اوپر چڑھتا جائے +

وظیفہ ششم یہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے وہی چیز پیش کرے۔ جو ان کے افہام واذہان کے حسب حال ہے۔ چھوٹتے ہی انہیں تابڑ توڑ بیک وقت جلی سے دقیق کی طرف اور ظاہر سے خفی کی سمت نہ لیجائے، بلکہ کافہ انام کے معلم اور مرشد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق انہیں ترقی دے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلھم ولکلم الناس بقدر عقولھم۔ ہم معشر انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کے مقام کے مطابق نیچے اتریں اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔ اور فرمایا: احد یحدث قوما حدیثا لا تبلغہ عقولھم الا کان ذالک فتنۃ علی بعض۔ جب کوئی شخص لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کی بلندی کو ان کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔ تو وہ بات ضرور ان میں سے بعض کے لئے باعث فتنہ ہو جاتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا میں علوم کی ایک کثیر تعداد ہے۔ کاش ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا موقعہ ملتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کلموا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ، لوگوں سے وہ باتیں کہو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں، اور ان باتوں کو چھوڑ دو جن کا وہ انکار کر دینگے، کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا بیٹھیں، چنانچہ اللہ تعالے نے ارشاد کیا۔ ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم اگر اللہ ان کے اندر کوئی بھلائی دیکھتا تو انہیں سُنا کے رہتا۔ ایک دفعہ کسی محقق سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ اس نے بتانے سے گریز کیا۔ سائل نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کتم علما نافعا جاء یوم القیامۃ ملجما بلجام النار، جس شخص نے کوئی نفع بخش علم چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں لے کر آئیگا۔ محقق نے کہا لگام کو پھینک اور یہاں سے چلا جا۔ اگر کوئی سمجھ دار شخص آیا اور میں نے اس سے علم چھپایا تو وہ مجھے لگام دے لیگا۔" اللہ تعالے نے ولا تؤتوا السفھاء اموالکم اپنے مال سفہا کو نہ دو فرما کر، اس بات کی تنبیہ

کی ہے کہ علم کی حفاظت کرنا اور اُسے روک رکھنا اس شخص سے جو اُسے خراب کرنے
اولیٰ ہے ؛ اور فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم
پھر جب ان کو صاحب تمیز معلوم کرو۔ توان کے مال ان کو دیدو ؛ ارشاد کرکے یہ حقیقت
واضح کر دی ؛ کہ جو شخص علم میں صاحب تمیز ہو جائے تو چاہیئے کہ اس کے سامنے حقائق
علوم کھول دے۔ ظاہر اور جلی سے باطن کے دقیق اور خفی مسائل کی طرف لے چلے۔
چنانچہ مستحق سے کسی چیز کو روک رکھنا غیر مستحق کو وہ چیز دیدینے سے کم ظلم نہیں۔ متقدمین
میں سے کسی شاعر کا قول ہے ؎

فمن منح الجھال علما اضاعہ　　ومن منع المستوجبین فقد ظلم

جو شخص جاہلوں کو علم سکھاتا ہے اُسے ضائع کرتا ہے۔ اور جو مستحقین سے اُسے روکتا ہے
وہ بھی ظلم کرتا ہے +

حقائق علوم کو مستحق لوگوں سے چھپا رکھنا بھی بہت بری بات ہے ؛ چنانچہ ارشاد خداوندی
ہے ؛ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوالکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمون
جب اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ وہ تعلیم حق کا اعلان کرینگے اور لوگوں سے
نہ چھپائینگے +

وظیفۂ ہفتم یہ ہے کہ کند ذہن اور غبی طالب علم سے ایسی گفتگو کرے۔ جو
اس کے فہم کو حوصلہ مند کرے ؛ اُس سے یہ کبھی نہ کہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ تحقیق
اور تدقیق کے لحاظ سے تمہاری پہنچ سے بالاتر ہے۔ اس کے پیچھے نہ پڑو ؛ کہ اس سے
اس کی رائے میں خرابی واقع ہوگی۔ اور جو کچھ اُسے بتایا جائیگا اور علم سے جو کچھ اُسے دیا جائیگا
وہ اُسے قبول کرنے سے ناقابل ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے استاد کو چاہیئے کہ اس کے دل
ودماغ میں یہ بات ڈالدے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا یہی اصل مقصود ہے ؛ پھر جب وہ
اس پر مستقل طور پر قائم ہو جائے تو اُسے بتدریج دوسری باتوں کی طرف ترقی کرائے اس
سے یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ عوام میں سے جو شخص قید شرع کے اندر اپنے تئیں
بند کرے ؛ اور ظاہری طور پر اعتقادات رکھے ؛ اور اس کی سیرت کے لحاظ سے اُس کا حال
پسندیدہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے اعتقاد کو متزلزل اور مشوش کرے ؛ اور ظواہر
کی تاویلات پیش کرے ؛ کیونکہ اس سے نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ آہستہ آہستہ شریعت کی قید سے وہ

بے پرواہ ہوجائے گا۔ پھر خواص کی تحقیق کے اندر وہ مقید نہ ہو سکیگا؛ انجام یہ ہوگا کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان جو دیوار حائل ہے اٹھ جائیگی اور وہ شیطان اور شریر ہو جائیگا؛ بلکہ چاہیئے کہ عبادات ظاہری اکے علم اور اس صناعت میں دیانت داری سے کام لینے کی طرف (جس کے وہ قریب ہے) اس کی رہنمائی کرے؛ اور اس کے دل کو ترغیب و ترہیب سے لبریز کردے۔ اس کے لئے طریقہ وہ استعمال کرے جو قرآن نے کیا ہے؛ اور شاگرد کے دل میں شبہات نہ پیدا ہونے دے لیکن اگر شک و شبہ سر اٹھا لے۔ اور اس کا دل ان کے حل کرنے کے شوق میں گرفتار ہوجائے تو اُس کے شبہات کا ازالہ اس طرح کرے جس طرح ایک عامی کو سمجھایا جاتا ہے۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو دلائل کے حقائق کے ذریعہ سے حل پیدا ہو۔ یہ بھی نامناسب ہوگا کہ اس کے سامنے باب بحث و طلب کھولدے کہ اس سے اس کی کاریگری اور صنعت کو نقصان پہنچیگا۔ جو صفحۂ زمین کی رنگینی کی باعث اور خلقت کے نفع کی موجب ہے؛ پھر درک علوم سے بھی وہ قاصر رہیگا*

اگر استاد اپنے شاگرد کو ذکی الطبع اور ذہین پائے، اور حقائق عقلیہ کے قبول کرنے کے لئے مستعد دیکھے۔ تو اُسے اجازت ہے کہ تعلیم میں اس کی امداد اور حل شبہات میں اس کی اعانت کرے؛ امم سابقہ میں سے کسی کے متعلق حکایت کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک مدت تک متعلم کے اخلاق کی خبرگیری کرتے تھے۔ پھر اگر اس میں کوئی عیب پاتے تو اُسے تعلیم دینے سے انکار کر دیتے؛ اور کہتے کہ علم کے ذریعہ سے وہ اپنے بُرے اخلاق کے تقاضے کے مطابق امداد حاصل کریگا؛ اور علم اس کے حق میں آلہ شرارت بن جائیگا۔ اور اگر اُسے مہذب اخلاق کا پاتے، تو اُسے مدرسے میں بند کر دیتے۔ اُسے پڑھاتے سکھاتے اور درجہ تکمیل حاصل کرنے سے پہلے اُسے نہ چھوڑتے؛ وہ ڈرتے کہ اگر صرف چند علوم پر اس نے اکتفا کر لیا تو اس کی تعلیم کمال حاصل نہ کریگی۔ اس کا دل خراب ہو جائیگا اور اس کے ساتھ اس کا اپنا دین اور دوسروں کا دین برباد ہو جائیگا۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے نیم ملا خطرہ ایمان۔ نیم حکیم خطرۂ جان؛ وہ دین میں فساد پیدا کرتا ہے۔ اور یہ زندگی کو برباد*

وظیفۂ ہشتم معلم کے لئے ضروری ہے کہ علم عملی یعنی شرعیات پر خود کاربند ہو۔ تاکہ اس کے قول کی تکذیب اس کا فعل نہ کرے؛ ورنہ لوگ اس سے ہدایت

ورہنمائی حاصل کرنے سے نفرت کر جائینگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل بصارت کو نظر آتا
ہے اور علم سے صرف بصیرت واقف ہوتی ہے! ور بصارت ظاہری کے مالک اصحاب
بصیرت سے زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ لازمی بات ہے۔ کہ تزکیہ اعمال کی طرف اس
کی توجہ بہ نسبت خوبیٔ علم اور اس کے توسیع سے زیادہ ہو۔ چنانچہ جو طبیب خود تو ایک
چیز کھائے اور لوگوں کو اس سے روکے، اور کہے اسے مت کھانا یہ زہر ہے زہر
تو اس کی یہ بات مذاق اور حماقت سمجھی جائیگی، اور لوگ اس شے کو سب سے زیادہ
نفع بخش تصور کرینگے، یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کو کسی چیز سے باز رکھنا چاہتا ہے
لیکن الٹا اسے اور مرغوب اور مطبوع بنا دیتا ہے، نصیحت سننے والا شخص واعظ سے
وہی حیثیت رکھتا ہے، جب کسی چیز میں نفس ہی نہیں تو اس سے مٹی کیسے نقش حاصل کریگی
اور سایہ کیسے سیدھا ہوگا جبکہ لکڑی ٹیڑھی ہے، اسی کے متعلق شاعر نے کہا ہے ؎

لا تنہ عن خلق وتأتی مثلہ ۔۔۔ عار علیک اذا فعلت عظیم

جو کام تم خود کرتے ہو اس سے لوگوں کو منع نہ کرو۔ جب تم خود کروگے تو زیادہ شرم کا مقام ہوگا
اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم
کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم
کے گناہوں کا بوجھ غیر عالم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی پیروی کی جاتی ہے
اور وہ بوجھ پر بوجھ اٹھاتا ہے۔ جیسے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من سن
سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ
جو شخص کوئی برا طریقہ رائج کریگا، تو اس کا وبال اس پر ہے۔ اور وبال ہر اس شخص کا
جو اس پر عمل کرے قیامت تک۔ تو ہر ایک گنہگار کے لئے ہر ایک معصیت میں ایک
بات قابل توجہ ہے یعنی ترک معصیت اور ترک اظہار، تاکہ لوگ اس کے اتباع میں ہلاک
نہ ہوں چنانچہ جب اس نے اس گناہ کا اظہار کیا۔ تو اس نے دو فرائض سے اعراض کیا۔
اور اگر اس نے اخفا سے کام لیا تو ایک واجب امر کے ترک کا ارتکاب کیا چنانچہ حضرت علی
رضی اللہ عنہ نے فرمایا قصم ظہری رجلان جاہل متنسک وعالم متہتک
فالجاہل یغر الناس بنسکہ والعالم یغرہم بتہتکہ دو شخصوں نے میری کمر
توڑ دی جاہل پرستار اور عالم بے باک کہ جاہل لوگوں کو اپنی پرستاری سے فریب

میں ڈالتا ہے اور عالم اپنی بے باکی سے ان کا ایمان چھینتا ہے۔

فصل

مال حاصل کرنا اور اسکے اکتساب کے ضروری امور

معلوم ہے کہ حب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ۔ اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت افگن۔ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے تریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے؛ کہتے ہیں، مال اوسط درجے کی نیکیوں میں سے ہے۔ کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مضرت رساں، اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سود مند حصّہ پر اکتفا کیا جائے۔ اور اس کے ہلاکت آفریں حصے سے احتراز۔ اصل بات یہ معلوم کرنا ہے کہ مقاصد کے لحاظ سے مال کا کیا مرتبہ ہے؛ تمام امور کی بنیاد حقائق اشیاء کا علم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں، سعادت اخروی کے طالب اور متلاشی کے لئے چند اہم اور ضروری باتیں ہیں۔ جو اسے مال کے طالع میں آمد و خرچ اور استعمال کی مقدار و جب کے اعتبار سے مدنظر رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات مال کے مراتب کی پہچان ہے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ فراہمی زر کے لحاظ سے تین مرغوب صورتیں ہیں؛ پہلے نفسی پھر بدنی پھر خارجی؛ خارجی سب سے ادنی مرتبہ ہے؛ ہر قسم کا مال خارجی قسم میں داخل ہے؛ اور اس کی ادنے صورت درہم و دینار اور روپے پیسے ہیں۔ کہ یہ دونوں خادم ہیں، اور ان کا خادم کوئی نہیں کیونکہ نفس فضائل نفسیہ کے لئے علم کا خدمت گذار ہے؛ اور بدن نفس کا نوکر ہے۔ اور اس کے ہتھیار کا کام ہے اور غذا و لباس کی چیزیں بدن کی چاکر ہیں؛ اوپر گذر چکا ہے کہ غذا کی چیزوں سے مقصود بدن کی بقا ہے۔ اور بدن سے مقصود تکمیل نفس، تو جس نے اس ترتیب کو معلوم کر لیا۔ اور اس کی رعایت ملحوظ رکھی، اس نے مال کی قدر و منزلت اور اس کے مرتبہ کی وجہ معلوم کر لی اور مال کے شرف و مجد کی بلحاظ اس امر کے کہ وہ کمال نفس کے لئے ضروری ہے پہچان حاصل

کرلی، جو شخص کسی چیز کی غرض و غایت سے واقف ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اسے استعمال میں لائے۔ تو وہ شاہد کامرانی سے ہم کنار ہو جاتا ہے؛ اس وقت اُسے چاہئے کہ صرف اسی قدر طلب کرے جس قدر اس کے مقاصد کے حصول میں امداد و اعانت کے لئے مفید ہو۔
اس مثال سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے؛ جو اللہ تعالےٰ کے مال کی مذمت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ فرمایا۔ انما اموالکم اولادکم فتنۃ، تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ اور نیز اس اشکال کا جو اللہ تعالےٰ کے مال کا احسان جتانے سے برپا ہوتا ہے کہ فرمایا ویمددکم باموال وبنین: اللہ تمہیں مال اور بیٹوں کے ذریعہ سے امداد دیتا ہے؛ اس لئے مال اس لحاظ سے کہ وہ وسیلہ آخرت ہے پسندیدہ ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ آخرت سے روگردان کر دیتا ہے مذموم ہے اسی لئے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نعم المال الصالح۔ سب سے اچھا مال وہ ہے جو اعمال صالح میں امداد کرے۔ اور قرآن میں ہے۔ لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخاسرون مسلمانو تم اپنے مال اور بچوں کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا اور جو ایسا کرینگے وہی خاسر و ناکام ہونگے بھلا نامراد خاسر کیوں نہ ہو وہ شخص جو اپنے سواری کے جانور کے لئے جَو خریدتا ہے۔ پھر جانور کو تو بھول جاتا ہے اور جَو کی صفائی اور اُسے ماپنے اور اس کے گرد دیوار تعمیر کرنے میں مصروف و مشغول ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ جانور بھوک کے مارے ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہی مثال ہے اس شخص کی جس کی دنیا اس کی آخرت کو پرے پھینک دے اور یہی سب سے بڑا گھاٹا ہے؛ بلکہ یہ مثال ہے تمام لوگوں کی دنیا کی شیفتگی اور اس کی لذات پر جھکے پڑنے کی؛ جیسے ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں، اور وہ کسی مشہور شہر کی طرف روانہ ہوں؛ جہاں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی توقع ہو لیکن کشتی انہیں لے کر کسی ایسے جزیرے کے ساحل سے جا لگے۔ جہاں حبشیوں کی آبادی ہو؛ وہ انہیں کہیں کہ نہانے دھونے کے لئے کشتی سے نکل آؤ۔ اور ایسا نہ ہو کہ جزیرے کے وحشی تمہیں نقصان پہنچائیں۔ پھر وہ انہیں خوبصورت پتھر اور دلفریب چیزیں دکھائیں، وہ مسافر ان پر فریفتہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور کشتی سے دُور ہو جائیں۔ سفر اور مقصد کو بھول جائیں، اور کھیل کود اور لہو لعب میں مصروف ہو جائیں؛ یہانتک کہ کشتی سمندر کی لہروں میں بہ جائے اور رات

کی تاریکی اپنی سیاہی رُوئے عالم پر پھیلا دے پھر حبشی ان پر پل پڑیں انہیں زدوکوب کریں اور مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیں۔ اس وقت انہیں وہ خوبصورت پتھر وغیرہ کوئی فائدہ نہ دیں۔ تو اُن میں سے ایک چلائے یالیتنی کنت ترابا اے کاش میں مٹی ہوتا! دوسرا رو کر کہے ما أغنى عني ماليه هلك عني سلطانيه مجھے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا میں برباد ہو گیا؛ وہ پکاریں واحسرتاہم نے کیوں اللہ کے رستہ سے علیحدگی اختیار کی سوائے ابدی حسرت وندامت کے اُنہیں کوئی چارہ نہ ہو؛ درندوں اور سانپوں کا پڑوس ہو اور ذلت ورسوائی اور عذاب ومصیبت ان کا حصہ۔ جو لوگ متاع دنیوی کے فریب خوردہ ہیں ان کی بعینہ یہی مثال ہے۔ اسی خطر عظیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تھی۔ اور کہا تھا اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی سے دُور رکھیو! ان کی مراد بتوں سے یہی زر وجواہر اور چاندی سونا تھی؛ کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ پتھروں کو خدا سمجھنے لگے ✦

اسی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے سرخ وسفید حسن میرے علاوہ کسی اور کو جا کر فریب دے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی درہم ودینار اور سیم وزر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا بندگان درہم دینار کے لئے ہلاکت ہے!

دوسری اہم بات آمد وخرچ کی صورتوں کی رعایت کے متعلق یہ ہے کہ آمدنی یا تو کمانے سے ہوتی ہے یا اتفاق حسنہ اور خوبی قسمت سے؛ یعنی ورثہ میں مال ودولت مل گیا، یا کوئی خزانہ گڑا دبا پا لیا؛ یا کسی سے بن مانگے کچھ بطور عطیہ مل گیا؛ کمائی کی صورتیں سب لوگ جانتے ہیں؛ غرض اگر مال ایسے طریقے سے حاصل ہوتا ہو تو شرعاً مذموم ہے تو چاہئے کہ اُسے حاصل نہ کرے؛ کمائی کی صورت وہی اچھی ہے جو شریعت کے مطابق ہو؛ وہ حلال وطیب طریقے شریعت نے سب بتا دیئے ہیں چنانچہ اگر حلال وطیب مال ملے تو لیلے لیکن اگر حرام ہو تو اس سے اجتناب کرے، اگر بے رنج وتعب حلال مطلق مال کے حصول کی طاقت ہو تو مشکوک مال کو جس کے متعلق خیال غالب اس کے حلال ہونے کا ہو؛ چھوڑ دے، کیونکہ جو جانور چراگاہ کے گرد چرے اندیشہ ہے کہ کسی وقت اس میں گھس جائے، اور اگر حلال مطلق روزی بہت طویل تکلیف ومصیبت اور وقت ومحنت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو تو دو صورتیں ہیں؛ اگر محنت مشقت سے

کی کر کھانے والا عام اعتقاد کا آدمی ہے۔ اور عزم صمیم رکھتا ہے تو اُسے چاہئیے کہ طلب
حلال میں مشغول ہو۔ اگر اس میں اُسے رنج و محنت اٹھانا پڑیگی، تو یہ بھی دوسری تمام عبادتوں
کی طرح عبادت ہی کی۔ اگر تم اصحاب قلوب اور ارباب علوم سے ہو، اور حلال مطلق کی تلاش
اور کمائی میں وقت خرچ کرنے سے تمہارے شغل علم و عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ تو
جو چیز بھی آسانی سے میسر ہو اس میں سے بقدر حاجت لے لو کیونکہ جو چیز محض مضر ہے،
وہ اس مضر محض شے کے مقابلہ پر مباح ہو جاتی ہے۔ جو اس سے زیادہ خراب ہے مثلاً
جس شخص کے حلق میں لقمہ اٹک جائے تو اُسے جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے شراب کا
گھونٹ پی لے، یاد رکھو علم اور عمل کے برابر کوئی شے نہیں، ہر ایک اس کا خادم ہے
تو جس طرح کسی غیر شخص کے مال کا نقصان کر لینا جان بچانے کی غرض سے جائز ہے۔ بلکہ
خنزیر کا گوشت کھانا بھی حلال ہے۔ اسی طرح مشتبہ موقعہ پر حقیقت معلوم کرنے کی
رغبت میں سستی کر لینا جائز ہے۔ ایسے موقع پر جاہل شخص کسی ایسی چیز کے حاصل کرنے
کی طرف نہایت رغبت سے متوجہ ہوتا ہے جسے عالم خود تو لیتا ہے اور جاہل کو روکتا
ہے، کیونکہ جاہل شخص ان دونوں باتوں کے درمیان کے باریک فرق کا ادراک نہیں
کر سکتا۔ اور عالم کو چاہئیے کہ اس بات میں نرمی سے کام لے، تاکہ شیطان کے بند نہ
کھل جائیں +

تیسری ضروری بات مقدار کا خیال رکھنا ہے۔ جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ مال حاصل
کرنا ناگزیر ہے تو اس کو حاجت مذکورہ کے مطابق ہونا چاہئیے۔ لباس۔ مکان اور غذا کے
بغیر چارہ نہیں، اور ان تینوں کے لحاظ سے تین مراتب ہیں، ادنےٰ اوسط اور اعلےٰ،
مکان کا ادنےٰ مرتبہ یہ ہے کہ اتنی جگہ ہو جہاں انسان لیٹ سکے، یا مسجد ہو، یا کوئی وقف
شدہ عمارت ہو۔ اوسط درجہ مکان کا یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی جگہ ہو، کوئی شخص مزاحم نہ ہو۔
اور تم تنہائی اختیار کر سکو، اور وہ جگہ تمہاری زندگی بھر تمہارے پاس رہے۔ یہ حسن بنا
اور کثرت آسائش کے لحاظ سے کمترین درجہ ہے۔ اور یہ کفایت کی حد ہے۔ اعلیٰ درجہ
یہ ہے کہ ایک گھر ہو کھلا وسیع خوبصورت اور بہت ہی آرام دہ۔ اور اس میں قسم
قسم کی آسائشیں ہوں جن کا کوئی شمار نہیں، جیسے تم دنیا داروں کے ہاں دیکھتے ہو
یہ سب سے اوپر کا رتبہ ہے۔ درجہ اول ضرورت کے مطابق ہے کہ مسکن سے مقصود اتنی

جگہ ہے جس میں انسان لیٹ سکے۔ اس کے گرد دیوار ہو جو درندوں کے گزند سے محفوظ رکھے! اور اس پر چھت ہو جو تمازت آفتاب اور بارش اولوں سے بچا لے۔ لیکن اس پر صرف متوکل لوگ ہی قناعت کر سکتے ہیں۔ اوسط درجہ مقدار کافی کی حد ہے! ور اس کے اوپر جو کچھ ہے دین سے خارج ہے۔ اور دنیا داری میں شامل اس قسم کے مکان میں بیٹھنا بشرطیکہ اس کی خوبیوں کی طرف توجہ نہ جائے، اور اس کی آسائشوں اور دلفریبیوں میں مسرور و گرفتار نہ ہو۔ مباح ہے۔ رہا اس کی تزئین میں وقت صرف کرنا تو یہ عوام کے لئے جائز ہے۔ فقہا نے عوام کی جہالت قصور فہم اور ممنوع بات سے نہ رکنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت تجویز کی ہے! لیکن طریق تصوف میں یہ حرام ہے۔ تصوف سے ہماری مراد ہے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف گام فرسا ہونے اور عبادات سے اور اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں، اسی لئے کہتے ہیں کہ صوفیا کی مباحات فرائض ہیں اور ان کے فرائض مباحات! یعنی مباح چیزوں سے بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں۔ اور فرائض پر اسی طرح مواظبت کرتے ہیں جس طرح وہ ان مباحات پر مواظبت کرتے ہیں تو وہ ان کے نزدیک بلحاظ مواظبت کے مباحات ہی ہوتے ہیں۔ اب غذا کا معاملہ آیا۔ یہ بنیادی بات ہے کیونکہ معدہ نیکیوں اور بدیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے لئے بھی تین ہی مراتب ہیں، ادنیٰ درجہ بقدر حاجت مقدار ہے یعنی جو زندگی کو باقی رکھے اور بدن اور قوت کو قائم، اس کا کم کرنا بھی عادت کے ساتھ ممکن ہے۔ بعض اوقات غذا کو آہستہ آہستہ کم کرتے جانے سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دس بیس روز تک اس کے بغیر گذارا کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے۔ بعض زاہدوں نے مقدار غذا کو یہاں تک کم کر دیا تھا کہ روزانہ ایک چنے برابر کا گذارہ تھا۔ بعض نے بیس بیس دن تک کچھ نہ کھایا۔ بعض کے متعلق چالیس دن مشہور ہیں، اور یہ بہت بلند رتبہ ہے۔ کوئی شخص اس سے بھی کم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس بات کی قدرت نہ ہو تو درجہ اوسط ہی مناسب ہے، اور وہ تیسرا حصہ شکم ہے۔ بہر حال جس مقدار کی شریعت نے حد مقرر کر دی ہے۔ اس سے زیادہ کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور اس سے زیادہ شکم سیری ہے۔ پھر نوع غذا کے لحاظ سے بھی انسان اوسط درجہ اختیار کرے جس طرح اس کی مقدار میں اس نے کیا تھا۔ وہ شخص کیا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے، جو ہر لحاظ سے غذا میں کفایت کے درجہ کو

اپنا مسلک قرار دیتا ہے لیکن قدر کفایہ کی تحدید بلحاظ وقت مختلف ہوتی ہے! چنانچہ بسا اوقات انسان ایک دن کے کھانے کے لئے بے فکر ہوتا ہے تو دوسرے روز کے لئے وغیرہ یونہی اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے! یہانتک کہ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جاتا ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہونگا! اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی فراغت سے بسر کرے پھر اس کی بے شمار آرزوئیں اور حاجتیں برپا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ میں کثرت کے ساتھ خزانے جمع کر لوں! اور یہ گمراہی محض ہے! ذخیرہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں ادنیٰ درجہ ایک رات کی قوت ہے! سب سے بڑا درجہ وہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ہو اور اوسط مرتبہ ایک سال کی خوراک ہے! سب مدارج سے بلند درجہ یہ ہے کہ انسان کل کی فکر سے آج کے خیال تک آ جائے۔ پھر آج کے خیال سے ایک گھڑی تک اور ایک گھڑی سے ایک سانس تک آ جائے۔ ہر ایک سانس کے ساتھ خیال کرے کہ میں دنیا سے ابھی کوچ کرنے والا ہوں! اور روانگی کے لئے تیار و مستعد رہے۔ جو شخص اس طریق عمل پر کاربند نہ ہو! اور جب ایک سال کی خوراک سے بے فکری حاصل کرلے تو اگلے سالوں کی فکر میں پڑ جائے تو اس کا شمار مردودوں میں ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یحسب ان ماله اخلده وہ خیال کرتا ہے کہ میرا مال ہمیشہ رہیگا۔ میں فرمایا ہے!

لباس کے بھی تین مدارج ہیں! ادنیٰ درجہ بلحاظ مقدار کے اتنا ہے جو ستر پوشی کرے یا ستر کے جملہ ملحقات کو ڈھانپ لے! اور ادنیٰ قسموں کا اور کھردلدار ہو۔ اور وہ وقت کے اعتبار سے کم از کم ایک دن رات کے لئے ہو۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے، کہ انہوں نے اپنی قمیص میں درخت کے پتے کا پیوند لگایا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ تو قائم نہ رہیگا، فرمایا کیا میں اس کے پھٹنے تک زندہ رہونگا۔ لباس کا اوسط درجہ وہ ہے جو انسان کے حال کے مطابق ہو۔ نہ اس میں تنعم اور آرام پسندی کا شائبہ ہو اور نہ حرام لباس جیسے ریشم کا جزو اس میں غالب ہو۔ اعلیٰ درجہ کپڑوں کا جمع کرنا ہے اور ان سے آرام طلبی کی کوشش ہے۔ جیسے کہ تمام دنیا داروں کا طریق عمل ہے +

اب نکاح کی باری آتی ہے اس کا اضافہ اس شخص کے بارے میں ہوتا ہے جس کا نفس اسے جماع پر مجبور کرے۔ اور اسی کے مطابق اس کی حاجت بڑھتی ہے۔ ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ نکاح کونسا پسندیدہ ہے اور کونسا مذموم! اور جو کچھ ہم نے اس فصل میں

ذکر کیا تھا وہی کافی ہے۔ جو شخص ان امور میں کافی مقدار کی مساعدت سے شادکام ہو، پھر اپنے دل کو ان کے علاوہ باتوں میں مشغول کرے تو وہ زیاں کار ہے۔ بلکہ ملعون۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اصبح امنا فی سربہ معافا فی بدنہ ولو قوت یومہ فکانما خیرت لہ الدنیا بحیرافیرھا جو شخص صبح کو بخریت جاگے اور اس کے گھر میں اس روز کی خوراک بھی موجود ہو، تو گویا دنیا نے اس کو اپنے دونوں کناروں سے گھیر لیا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا آخرت تک پہنچانے والی ہے۔ اور پہنچانے کے لئے اسی قدر زادراہ کافی ہے۔ پھر جو کچھ اس سے زائد ہے وہ مقدار کفایہ سے زاید اور فضول ہے اور اس کا وجود اور عدم وجود عقلمند کے نزدیک برابر ہے +

چوتھی بات خرچ کرنے کے متعلق ہے جس طرح آمدنی کے وجوات معین ہیں۔ اسی طرح خرچ کے لئے بھی مواقع مقرر ہیں۔ اور ان کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے آمدنی کی طرح خرچ کرنے کی صورتیں بھی بعض پسندیدہ اور بعض مذموم ہیں۔ خرچ کی پسندیدہ صورت وہ ہے جو لازمی ہے یشأ دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا ایسے طریقے سے جو شرعاً مستحب ہے، مذموم خرچ کی دو قسمیں ہیں، افراطی اور تفریطی۔ اول الذکر یہ ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر صرف کرے؛ اور ناواجب طور پر جو چیز اہم ہے اس پر خرچ نہ کرنا۔ اور جو چیز غیر اہم ہے اس پر مال لٹائے جانا۔ موخر الذکر یہ ہے کہ جس موقع پر خرچ کرنا درست ہو وہاں ہاتھ روک لینا؛ اور اپنی وسعت اور مناسبت حال سے کم خرچ کرنا؛ جب بندہ درست طریق سے مال حاصل کرے اور درست طریق پر ہی خرچ کرے تو اس کا فعل پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کو نیک اجر ملتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ مال کی وسعت دے، اور وہ اسکو نیک کاموں میں خرچ کرے تو کیا یہ اولیٰ ہے یا اس کے حاصل کرنے سے اعراض کرنا، تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگ اس بارے میں مختلف الخیال ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں، اوّل وہ جو دنیا میں منہمک ہیں، اور عقبےٰ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ ہاں قولی طور پر زبانی جمع خرچ بہت کرتے ہیں، ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ انہیں کتاب اللہ عبدالطاغوت اور شرالدواب وغیرہ کا خطاب دیتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں، جو

مذکورہ بالا گروہ کے بلحاظ مستقیم مخالف ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام تو جہ عقبیٰ پر صرف کر رکھی ہے۔ اور دنیا کی طرف التفات کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ تارک الدنیا لوگ ہیں صنف سوم ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ دونوں گھروں کو اپنا اپنا حق دیتے ہیں۔ دنیا کو بھی اور عقبیٰ کو بھی، یہ لوگ محققین کے نزدیک افضل ہیں۔ کیونکہ ان پر دنیا اور آخرت کے تو ام کا دار و مدار اور انحصار ہے۔ ان میں تمام انبیا علیہم السلام شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ معاش اور معاد میں بندوں کے لئے مصالحت قائم کریں بعض کا خیال ہے کہ اس قول خداوندی میں یہی تینوں گروہ مراد ہیں، و کنتم ازواجاً ثلاثہ فاصحاب المیمنہ ما اصحاب المیمنہ و اصحاب المشئمہ ما اصحاب المشئمہ، والسابقون السابقون۔ اور تم تین گروہ تھے۔ اصحاب میمنہ۔ اصحاب مشئمہ اور سابقون، تو جو شخص دین اور دین کی دنیا کر چاہئے رعایت رکھتا ہے۔ اور ان دونوں کو جمع کرتا ہے، اللہ کا نائب ہے۔ اس دنیا میں اور اسی کا نام سابق ہے۔ اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن و انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کے بندوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا بذات خود عبادت بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخلق کلھم عیال اللہ واحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ مخلوق خدا سب اللہ کا قبیلہ۔ اور جو اس کے قبیلہ کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اقبال سے

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اگر تم کہو کہ بعض محققین نے تو کہا ہے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں، اول وہ جو معاش سے بے فکر ہو کر اپنے معاد میں مشغول ہیں، یہ کامیاب و بامراد گروہ ہے۔ دوسرے جو معاد سے بے پرواہ ہو کر خیال معاش میں غرق ہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے ہیں تیسرے جو دونوں میں مشغول ہیں یہ خطرے میں ہیں۔ اور کامیاب شخص خطرے کی حالت والے شخص سے افضل ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس بات میں ایک بھید ہے۔ کہ بلند درجے

اور اعلیٰ مراتب خطرات و مہالک میں کودنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مذکورہ بالا امر بطور تحذیر و تنبیہ کے ہے، کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں خلافت الٰہی بہت خطرے کا مقام ہے، تاکہ جو شخص تقدد نہیں رکھتا اس کی خواہش ہی نہ کرے۔ حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے بیٹے کو علم و حکمت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ تو وہ لوگوں کو چھوڑ کر عزلت گزین ہو گیا؛ اور دنیا سے بے رغبت؛ آخر اسے ایک بادشاہ نے لکھا کہ تم نے ہر اُس شے کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہم مصروف ہیں، تو اگر جس حالت میں تم ہو وہ ہماری حالت سے افضل ہے۔ تو ہمیں بتاؤ کہ ہم بھی ڈریں اور بچیں۔ لیکن بے دلیل و حجت قول کو میں کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ اس پر اس نے جواب دیا سنو ہم شہنشاہ رحیم کے غلام ہیں، جنہیں اُس نے دشمن سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے، اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم اسے مغلوب و مقہور کر لیں۔ یا اس سے صحیح و سلامت بچ نکلیں، جب میدان کارزار برپا ہوا تو ہمارے تین گروہ ہو گئے۔ اوّل خائف اور کمزور جنہوں نے بادشاہ سے معافی طلب کر لی۔ اس نے ان سے درگزر کیا۔ اور ان کو ملامت بھی کی مگر وہ تعریف کے مستحق نہ ہوئے۔ دوم متہوّر جو بے سمجھے بوجھے دشمن پر پل پڑے تو اس نے انہیں پچھاڑ لیا اور مجروح کر کے مغلوب کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے عذاب اور ناراضی کے مستوجب ہوئے۔ تیسرے شجاع جو دیکھ بھال کر دشمن پر حملہ آور ہوئے؛ دشمن سے میدان قتال گرم کیا، مصیبتیں اٹھائیں جد و جہد کی اور کامیاب اور سُرخرو نکلے، اور یہ پوری کامیابی ہے، میں نے جب دیکھا کہ میں کمزور اور ضعیف ہوں، تو میں نے ادنےٰ صورت قبول کر لی؛ تو اے بادشاہ تم تینوں گروہوں میں سے افضل فریق میں شامل ہو جاؤ۔ اللہ کے ہاں ان میں سب سے زیادہ صاحب عزت اور محبوب ہو جاؤ گے؛ معاملہ زیر بحث میں یہ گفتگو حقیقت نفس الامری کا کماحقہٗ انکشاف کر رہی ہے۔ اور ہمیں اللہ کے اس قول کی صحت سے آگاہ کرتی ہے۔ کہ وابتغ فیما اتاك الله الدار الاخرة ولا تنس نصيبك من الدنیا واحسن کما احسن الله الیك ولا تبغ الفساد جو کچھ اللہ نے دار آخرت سے تمہیں دیا ہے وہ طلب کرو۔ اور اپنے حصہ دنیا کو بھی فراموش نہ کرو۔ اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم بھی لوگوں سے احسان کرو۔ اور دنیا میں فساد

پھیلانے کی خواہش نہ کرو۔ اب احسان جبھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں صرف مال کے ذریعے سے خوشی اور مسرت پیدا کی جائے۔ لیکن اس میں خطرہ بھی بہت بڑا ہے کیونکہ بسا اوقات ضعیف البصیرت آدمی بے خبری میں اُس کی مضر صورتوں میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اسی خطرے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے باز رکھنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ ؎

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

پانچویں بات یہ ہے کہ اخذ و ترک مال و زر میں انسان کی نیت صالح اور نیک ہو۔ کہ جو کچھ حاصل کرے اس لئے کرے کہ اس کے ذریعہ سے عبادت میں اعانت چاہے اور کھائے تو اس لئے کہ عبادت کرنے کی قوت پیدا ہو! اور کچھ ترک کرے تو اس لئے نہ اس سے بے رغبتی ہو اور اُسے حقیر سمجھتا ہو۔ چنانچہ سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من طلب رزق۔ علی ماسن فھو جہاد جس نے سنت کے مطابق رزق طلب کیا تو یہ بھی جہاد ہے نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ان المؤمن لیوجر فی کل شئ حتی للقمۃ یضعھا فی فم امرأتہ، مومن ہر ایک بات میں اجر حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ جو لقمہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی باعث ثواب ہے مومن سے حضورؐ کی مراد وہ شخص ہے جو حقائق امور سے واقف اور عطیات الٰہی سے اُسے رضائے الٰہی اور خدا کے رستہ پر چلنے میں مدد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے! اگرچہ اس کے یہاں ہفت اقلیم کے خزانے ہوں۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ایک شخص دنیا و مافیہا کا مال اٹھا کر لے لیکن اس سے رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اُسے مال کی محبت میں گرفتار نہ کہیں گے۔ اس لئے چاہیے کہ تمہاری تمام حرکات و سکنات اللہ کے لئے ہوں۔ یہانتک کہ تمہاری نقل و حرکت عبادت کے لئے یا عبادت میں امداد حاصل کرنے کے لئے ہو۔

عبادت گزار لوگ ان باتوں سے مستغنی نہیں۔ جیسے کھانا پینا اور قضاء حاجت وغیرہ کہ یہ بھی عبادت میں معین و ممد ہیں۔ حالانکہ عبادت کے لحاظ سے یہ بعید ترین باتیں ہیں اس لحاظ سے کامل النفس شخص دنیا حاصل کرنے میں اس ماہر عرق نکالنے والے کیطرح ہے: جو سانپ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے زہر سے بچکر اس کا جوہر اور عرق نکالتا ہے، اسی تشبیہ کو قائم رکھتے ہوئے جب آدمی اس ماہر راقی کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے سانپ کو اس لئے پکڑا ہے کہ اُسے اس کی شکل و صورت پسندیدہ اور دلفریب معلوم ہوتی ہے۔ اس کی جلد نرم و نازک ہے۔ اور چھونے میں اُسے بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اور سانپ کو پاس رکھنا وہ اچھا سمجھتا ہے چنانچہ جب اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، تو وہ سانپ کو پکڑ لیتا ہے اور اس سے ڈس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کو سانپ سے ہی تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ دنیا ایک سانپ ہے جو ہلاکت آفرین زہر اگلتا ہے۔ خواہ وہ چھونے میں نرم ہی معلوم ہو۔ جس طرح اندھے شخص کو قلمائے کوہ سمندروں کے کناروں اور خارزار منزلوں سے گذرنے میں صاحب بصارت اور آنکھوں والے آدمی سے تشبیہ دینا محال ہے۔ اسی طرح عامی کو کامل سے دنیا حاصل کرنے میں برابر نہیں کیا جاسکتا جب ملک سلیمان اور دوسرے لوازمات کی جو انہیں دیئے گئے مع رتبۂ نبوت کے آرزو کی جاسکتی ہے۔ تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے، کہ زہد دل کا زہد ہے نہ کہ ہاتھ کا خالی ہونا؛ بھلا انبیا اور اولیا کو دنیا کس طرح ضرر پہنچا سکتی ہے۔ جبکہ انہیں اس کے وجود کے منافع مضرات اور مراتب کی خوب شناخت ہے اور انہیں معلوم ہے کہ انسان کو اپنے وجود میں تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں، منزل اوّل ماں کے پیٹ میں۔ منزل دوم فضائے عالم میں اور منزل سوم موت کے بعد دنیا اس مثال میں سرائے کی سی ہے۔ اور منزل اوسط میں مسافر اس میں پہنچتا ہے۔ اس میں اسباب، برتن اور خوراک کے سامان مہیا کر دئے گئے ہیں۔ مسافر ان سے عنایت اور عاریت کے طور پر نفع اور تمتع حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے اُسے خالی کر جاتا ہے؛ شکریہ کے ساتھ ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور فراخدلی اور انشراح صدر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس سرائے فانی میں بعض ایسے

بیوقوف بھی آ پڑے جاتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ یہ منزل اپنا گھر ہی ہے! اور یہ تمام ساز و سامان مانگنے کا نہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں دیدیا گیا ہے۔ پھر جب تک ان کے ہاتھ نہ توڑ دیئے جائیں اور ان کا سر نہ پھوڑ دیا جائے۔ وہ اُسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ بعض کا خیال ہے کہ دنیا و مافیہا سے جو کچھ انسانوں کو دیا گیا ہے اُس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی ہو جو ایک مکان تیار کرے اور اس میں لوگوں کو آنے کی دعوت دے۔ ایک کے بعد ایک علی الترتیب چنانچہ ایک شخص آئے اور مکان میں داخل ہو۔ تو ایک طلائی تھال اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اُس تھال میں بخور اور خوشبودار چیزیں ہوں، تاکہ وہ انہیں سونگھے اور اپنے پاس والے شخص کے لئے چھوڑ دے! اور اس تھال پر قبضہ نہ جمالے، لیکن جو شخص اس رسم کو نہ سمجھے اور خیال کرے کہ یہ تھال مجھے بطور عطیہ نذر کیا گیا ہے پھر جب وہ تھال اس سے لوٹایا جائے تو وہ چیخنے چلانے! اور واویلا کرے! اور جو اس رواج سے واقف ہو، وہ اس تھال سے فائدہ حاصل کرے۔ اور شکریہ ادا کرے اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اُسے واپس کردے۔ دنیا کے مال و منال سے متمتع ہونے کے متعلق یہ باتیں مدنظر رکھنے کے قابل ہیں۔

فصل

غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ

جب انسان کو مال کے لحاظ سے امن، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا ساز و سامان دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا۔ اس کی حماقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو اُسے اس کے لئے غم ہے کہ یہ چیزیں جاتی رہینگی۔ یا آئندہ کا اُسے خوف ہے۔ یا موجودہ حالت پر اُسے افسوس ہے۔ پھر اگر گذر جانے والی شے کی وجہ سے ہے تو عقلمند کو معلوم ہے کہ فوت شدہ امر پر جزع و فزع کرنا نہ اُسے واپس لا سکتا ہے۔ نہ اُسے

بناسکتا ہے۔ اور جس بات کا کوئی علاج اور چارہ ہی نہیں۔ اس پر رنج وغم کرنا عقل کا دامن چاک کرنا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لکیلا تاسو علیٰ فاتکم تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہی ہے اس پر تم افسوس نہ کرو۔ اور اگر موجودہ کے متعلق افسوس ہو۔ تو یا اپنے کسی وافتکار کی نعمت وجاہ کے حسد کے سبب سے ہوتا ہے۔ یا اپنی محتاجی اور افلاس پر۔ اور جاہ اور سامان دنیا کے نقدان کے باعث ہوتا ہے! اس کا باعث مصائب دنیا اور اس کی زہر آلودگیوں سے ناواقفی ہے۔ اگر انسان کو کما حقہٗ علم حاصل ہو جاتا۔ تو وہ سبکدوش ہونے کو گراں بار ہونے پر ترجیح دیتا! اور خدا کا شکر یہ ادا کرتا۔ اور اگر عاشق اپنے محبوب کے حسن کے انجام کو سوچ لیتا۔ تو اس کے دام محبت میں گرفتار نہ رہتا۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا اور مصائب لازم وملزوم ہیں! جیسے شراب پینے والوں کو دورے پڑتے ہیں مخلوقات قسم قسم کی آزمائشوں اور تکالیف میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اس کا ہر ایک لقمہ حلق میں اٹکتا ہے۔ یہاں کوئی شخص بھی دنیا کی محبت میں اسیر ہو کر تین باتوں سے خالی نہیں رہ سکتا۔ یعنی غصہ، مصیبت اور آرزو! تو جس شخص کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ دنیا کی نعمتیں روز بروز نئی نئی ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایک سے چھن کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں۔ اور جس کو وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان پر پے در پے مصائب کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کے فقدان سے انتہا کا رنج وملال پیدا ہوتا ہے۔ تو ان کے فوت ہو جانے سے اس کو ذرہ برابر غم اور تاسف نہ ہوگا! چنانچہ کسی شخص سے کسی نے کہا تم فقدان نعمت پر اظہار رنج کیوں نہیں کرتے۔ تو اس نے کہا! جو چیز جا چکی ہے اس پر افسوس کرنے سے مجھے واپس نہیں مل سکتی۔ تو میں اس پر رنج ہی کیوں کروں۔ ع

جو جاتا ہو اس کا غم نہ کیجیے!

غرض جوں جوں انسان ارباب دنیا کی آخرت سے غفلت وبے پرواہی پر غور کریگا۔ اور مصائب کا ان پر ہجوم کرنے کو دیکھیگا توں توں اس کا دل مطمئن ہوگا۔ اور دنیا کو چھوڑنا اسے آسان ہو جائیگا۔ کسی صوفی کا یہ روزمرہ کا وظیفہ تھا

کہ روزانہ ہسپتال میں جاتا تاکہ بیماروں۔ اور ان کی بیماریوں اور اُن کے رنج و محن کو مشاہدہ کرے، پھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا۔ تاکہ مجرموں کو اور ان کی سزاؤں کو دیکھے، نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں، اُن کی ماتم زاری اور بے شور رنج و محن اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور و فکر کرتا۔ اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ تعالٰے کا شکریہ ادا کرتا۔ کہ الٰہی تو نے مجھے بے حد و حساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ کہ میں مصائب و تکالیف اور حزن و ملال سے محفوظ ہوں۔ انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کی طرف نگاہ کرے جو اس سے کم درجہ پر ہیں۔ تاکہ شکر گذار ہو، اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کو دیکھے۔ جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں۔ تاکہ ترغیب و تحریص حاصل کرے شیطان جب انسان پر مستولی ہوجاتا ہے۔ تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب اُسے کہا جاتا ہے کہ تم بُرے کام کیوں کرتے ہو۔ تو وہ عذر پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص تو مجھ سے بھی زیادہ بُرے کام کرتا ہے، حالانکہ معصیت اور کفر میں ریس کرنا درست نہیں۔ اور جب اُسے کہا جاتا ہے۔ کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو اس پر قناعت کیوں نہیں کرتا۔ تو جواب دیتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے۔ تو جب وہ اُسے کمائے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں، یہ خاص گمراہی اور جہالت محض ہے۔ جب اس عارضے کے ساتھ غمگینی بھی شامل ہو جائے تو حسد کا غم بھی باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو خدا کسی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ تو اگر وہ اس کا مستحق ہے تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ اس کا غیر مستحق ہے تو اس کا وبال اُس کے فائدے سے زیادہ ہے ●

اگر مستقبل کے لئے انسان کو اندیشہ ہے۔ تو اگر کسی بات کا ہونا ممتنع ہے یا اس کا ہونا واجب ہے۔ جیسے موت تو اس کا علاج محال ہے۔ اور اس کا ہونا ممکن ہے۔ تو غور کیا جائے گا۔ کہ اگر اُس کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ تو غم کرنا حماقت کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ تو افسوس بے معنی ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی عقلی تدبیر عمل میں لائی جائے۔ اور حزن و ملال کا اظہار نہ کیا جائے۔ پھر جب اپنے مقدور بھر انسان اس کے دفعیے کی تدابیر اور

جیسے عمل میں سے آیا۔ تو اسے سکون خاطر کے ساتھ قضائے الٰہی اور کرشمۂ تقدیر کا انتظار
کرنا چاہئے۔ اور سمجھ لینا چاہئے کہ جو بات اللہ کو منظور ہے! اس سے مفر نہیں اور
جو مصیبت ٹل نہیں سکتی اُسے صبر سے برداشت کرنا چاہئے! اسے یہ بات تحقیق کے
طور پر معلوم ہونی چاہئے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہو کر رہیگا۔ اور خدا کے اس
فرمان کو یاد کرے۔ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم
الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا۔ تمہیں دنیا میں اور تمہاری اپنی جانوں میں
وہی مصیبت آتی ہے جو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی گئی
ہے۔ ساز و سامان دنیا کی تیاری کے لالچ میں یہ بات ہے۔ کہ انسان فریب عقل
میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ آخر کسی روز یہ مصیبتیں ختم ہو جائیں گی
غم کی کالی گھٹائیں چھٹ کر عیش و آرام کا صاف مطلع طلوع کرے گا! بُرے دن
چلے جائیں گے۔ اور بھلے دن آ جائیں گے! افسوس صد افسوس +

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جب لوگ کسی کو کسی بات کی خوشخبری دیں
تو یقین جانو کہ اس پر مصیبت بھی آنے والی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا
ہے ؎

ان اللیالی لم تحسن الی احد　　الا اسائت الیہ بعد احسان
جب زمانہ کسی سے نیک سلوک کرتا ہے۔ تو ضرور تکلیف بھی دیتا ہے
مومن ؎

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آسماں نہیں۔

الغرض عقلمند شخص وہ ہے کہ جب ان امور میں بنگاہ عمیق فکر و غور کرے۔
تو غموم و آلام کا اکثر حصہ اس کے دل سے دُور ہو جاتے +

یاد رکھو! جب انسان کا دل کسی انسانی محبوب یا مال، زمین، حرفت، عہدہ
حکومت، یا کسی دوسری شے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اس کے متعلق حزن
و ملال سے جبھی رہائی ہو سکتی ہے کہ ان کے تعلق سے دست بردار ہو جائے! اور
یہ جبھی ممکن ہے کہ اُن سے بتدریج ہاتھ کھینچتا چلا جائے۔ اور دوسری چیزوں میں

مشغول ہو جاتے اگرچہ وہ بھی انہیں چیزوں میں شامل ہو جن سے بعد و ہجر اختیار کرنا واجب ہے۔ کہ خون کو خون سے دھونے میں کچھ حرج نہیں۔ جبکہ اول الذکر خون دوسرے سے پلیس اور جما ؤمیں بڑھ کر ہو۔ یہ ریاضتوں کے باریک اسرار و معارف ہیں۔ کیونکہ جس چیز سے الفت اور محبت پیدا ہو چکی ہے۔ اس سے دفعتہً اور بالکلیت ہاتھ اٹھا لینا مشکل بلکہ ممتنع ہے۔ چنانچہ جس لڑکے کو گیند بلے اور کھیل کود وغیرہ میں ترغیب دلانے کے ذریعہ سے ادب سکھایا جائے۔ وہ بہت جلدی ترقی کرتا ہے۔ پھر ثروت، مال اور خوبصورت کپڑوں وغیرہ کے شوق کے ذریعہ سے وہ کھیل کود سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ پھر ان چیزوں کو چھوڑ کر وہ نیک نامی تعریف و توصیف، عزت اور حکومت کی ترغیب سے ترقی کرتا ہے۔ پھر سعادت اخروی کی ترغیب اور قطع منازل کرتا ہے۔ چنانچہ حکومت کا شوق آخری شے ہوتی ہے۔ جو صدیقین کے دماغ سے نکلتی ہے۔ یہ اس معالجہ کا طریقہ ہے ان باتوں کے لئے جو فی نفسہ قابل حذر ہیں۔ لیکن اضافی طور پر ان چیزوں سے زیادہ قابل قبول ہیں جو بدتر ہیں۔ گویا یہ مدارج اور منازل ہیں۔ جن کو ایک ایک کر کے آدمی بتدریج طے کرتا ہے۔ اس تدریجی طریق کے بغیر ان سے خلاصی ناممکن ہے۔ اسی طرح ہر اُس بات کے متعلق طرز عمل اختیار کرے جو نفس پر مستولی ہو گئی ہے۔ اور اس کا تعلق سخت ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قطع علائق سے رنج و غم رنج و بنیا دسے اُکھڑ جاتے ہیں +

فصل

موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں۔ ماقبل موت اور عند الموت، ماقبل موت کے لحاظ سے چاہئے کہ انسان ہمیشہ موت کو یاد رکھے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اکثروا من ذکر ھاذم اللذات نانہ ماذکرہ احد فی

ضیق الا وسعہ علیہ ولا فی وسعۃ الا ضیقہا علیہ موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ کہ جس شخص نے اُسے تنگی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہوگیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ عسیر الحال ہوگیا؛ موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں؛ اوّل غافل، بہ حقیقی احمق ہے۔ جو موت الا مابعد الموت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتا؛ ہاں جب اپنی اولاد اور متروکات کا خیال اُسے آتا ہے تو یاد کرلیتا ہے۔ اپنے حالات نفس پر تدبر نہیں کرتا۔ مگر جب کوئی جنازہ دیکھتا ہے تو اُسے موت یاد آجاتی ہے۔ اور صرف زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کر لیتا ہے۔ اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا؛ یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے۔ کہتا کچھ ہے۔ کرتا کچھ ہے؛ دوم عاقل و زیرک؛ وہ مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتا ہے۔ جیسے حاجی کہ ہر وقت اس کے پیش نظر دیار حبیب کا منظر رہتا ہے۔ جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے؛ وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا؛ غرض یہ ہے کہ ہازم اللذات کی یاد سرا آرزو سے محفوظ رکھتی ہے۔ حوادث و مصائب آسان ہو جاتے ہیں؛ اور انسان سرکش ہونے سے بچ رہتا ہے۔ موت کی یاد سے خدا کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے؛ حسد اور حرص دنیا رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور عبادت میں نشاط و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔

جس شخص کو عبادت الٰہی میں لطف نہ آئے اور سستی اور کسلمندی آگھیرے اُسے چاہئے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا۔ میری قضا آچکی ہے۔ کہ یہ کچھ بعید نہیں۔ جب انسان خیال کرے کہ موت کچھ سالوں کے بعد ہی آئیگی۔ تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو۔ اور دنیا کی محبت کیوں دُور ہو بلکہ چاہئے کہ ایک دن کی مہلت بھی سمجھے کہ میسّر نہیں۔ ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میرا آفتاب حیات غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے؛ تو اُسے چاہئے کہ حاضر ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہے۔ پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجب نہیں کہ بلانے والے آجائے۔ اور وہ غفلت کے باعث عنایت شاہی سے محروم رہ جائے۔ کوئی وقت اور کوئی

لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہے۔ اگر تم کہو کہ موت دُور کا حادثہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو! اور یہ ایک دن سے کم میں ہو سکتا ہے۔ اور کچھ بعید بات نہیں! موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں! کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں!

(اول) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گذشتہ گناہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑیگا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے اگر شکم و شرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا ہو۔ لذتِ طعام کے معنی ازالۂ جوع ہے۔ اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ کو وہ چیز ناپسند معلوم ہونے لگتی ہے جس کی پہلے اشتہا تھی! جیسے کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سائے میں بیٹھنے کی لذت سے لطف اندوز ہو۔ یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بند ہو کہ برف پینے کا اُسے لطف آئے۔ یہ عین حماقت اور خلاف عقل بات ہے +

اگر صورت دوم کے باعث ہو۔ تو یہ اس لئے ہے کہ انسان دنیا کی ادنٰے خسیس اور حقیر چیزوں کے مقابلہ پر ملک کبیر اور نعیم مقیم (جس کا متقیوں کے لئے وعدہ دیا جا چکا ہے) کو ادنیٰ سمجھتا ہے! تو اگر یہ حالت موت کے بعد اپنے انجام سے بے صبری کے باعث ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علم حقیقت طلب کرے۔ جس سے موت کے بعد کے حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حارثہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرش خداوندی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں! جنت میں اہل جنت سیر کرتے دکھائی دیتے ہیں! اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ اور یہ علم حقیقت ماہیت نفس! اور اس کے بدن سے تعلق، اس کی خاصیتوں اور ان خاصیتوں سے

لذت یاب ہونے اور با وجود رزائل مانعہ کے اُس کے کمال حاصل کرنے کے متعلق بحث ونظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ شریعت نے بہت سے مقامات پر ان امور سے خبردار کیا ہے! اور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو۔ ملکوت السموات والارض میں تفکر کیا کرو +

اگر یہ خوف موت سے پیشتر کئے ہوئے گناہوں کے باعث ہو۔ تو اس میں جزع و فزع اور رنج وغم کوئی نفع نہیں دیتا۔ اس کے برعکس گناہوں کا علاج۔ توبہ میں عجلت اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح کرنی چاہیئے رنج وغم کرنے اور اس کا تدارک نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال یوں ہے، کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل کر اُس میں سے خون نکل جائے! وہ اس کو بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے پر قادر بھی ہو۔ پھر بھی اُسے بہنے دے! اور بیٹھکر افسوس کا اظہار کرتا رہے۔ کہ میرا خون بہ رہا ہے، یہ بھی حماقت ہے کیونکہ جو چیز جا چکی ہے اس کا کوئی تدارک نہیں۔ اس پر تاسف کرنا بے سُود ہے! اُسے چاہیئے کہ مستقبل کے متعلق مشغول ہو جائے +

حالت ثانی یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں (اوّل) صاحب بصیرت، وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم اور گناہ گار ٹھیراتی ہے! اور کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی جو چمکتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ ذوق سے

ہنگامہ گرم ہستیٔ ناپائیدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

اُسے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں گذرتا سوائے اس کے کہ اب خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ جاتا رہیگا۔ یا یہ کہ اب میں خدا کے قریب ہوا ہوں اور ڈر ہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہیگا! جیسے کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا۔ تم موت سے گھبراتے کیوں ہو۔ تو جواب دیا، اس لئے کہ میں ایک ایسے رستہ پر چلنے والا ہوں۔ جس سے میں واقف نہیں، اور میں ایک ایسے بادشاہ کی خدمت میں جانے والا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہیں جانتا مجھے کیا کہا جائے گا اور کیا حکم ہوگا! اس قسم

کا شخص موت سے بھاگتا نہیں؛ بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آجاتا ہے
تو بسا اوقات موت کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات
میں کہا تھا۔ الٰہی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس
کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھ سے دُور رہنا چاہتا ہوں؛ اور تیرے قرب سے
بے رغبت ہوں؛ چنانچہ تیرے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من
احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقائہٗ ومن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقائہٗ۔
جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے خدا بھی اس کا مشتاق ہے؛ اور جو خدا سے ملنے سے
گریز کرتا ہے خدا بھی اُسے ملنا نہیں چاہتا۔

(دوم) بے بصیرت، گناہوں سے آلودہ دامن؛ دنیا میں منہمک، اس کے
تعلقات میں جکڑا ہوا؛ آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی ہو چکا ہے؛ اور دار آخرت
سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے۔ جیسے کافر لوگ مردوں سے۔ چنانچہ جب وہ دار خلود
کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور جب دنیا کی گندگیوں
اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اُسے عالم بالا کی ہوا اور ملاء اعلیٰ کی مصباح
راس نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے؛ من کان فی ھذہٖ اعمیٰ
فھو فی الاخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت
میں بھی اندھا ہے؛ اور سخت بدراہ۔ جس کو ورثہ ان نہ اُس کو ابت نہ اُنت
کہ دنیا مذکورہ بالا شخص کے لئے قید خانہ ہے۔ اور اس شخص کے لئے جنت؛
اول الذکر اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوش خوش لبیک
کہے، اور شاداں وفرحاں جوش خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اور موخر الذکر؛ اس
غلام مفرور کی طرح جو پکڑا جا کر اپنے مالک کے پاس لایا جائے۔ مغلوب ومقہور بیڑیاں
پہنا کر اُسے اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے؛ تو وہ سر جھکائے اپنے آقا کے
سامنے ذلیل وخوار اپنے گناہوں پر شرمندہ کھڑا ہو؛ آہ یہ دونوں حالتیں کسقدر
متخالف ومتفاوت ہیں۔

(قسم سوم) مذکورہ بالا دونوں مرتبوں کے درمیان کا آدمی؛ جو اس دنیا
کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس کی مجلس سے متنفر۔ لیکن اب

اس سے مانوس اور مالوف ہو چکا ہے۔ تو اُس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے! جو ایک اندھیرے اور گندے گھر سے الفت پذیر ہو گیا ہے۔ اُسے اُس میں اور کوئی شخص نظر نہیں آتا، تو اس میں سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا۔ گو اس کے اندر جانا بھی اُسے نامطبوع تھا۔ پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے نیکوکار بندوں کے لئے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے تو اُسے اس مکان سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا؛ بلکہ کہتا ہے۔ الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب الحمد اللہ کہ اللہ نے ہمارا غم دُور کیا، ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ انسان کسی چیز کی مفارقت کو ناگوار سمجھے! پھر جب اُسے چھوڑ دے تو افسوس کا اظہار نہ کرے۔ چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے روتا ہے۔ پھر جب اُسے عقل آجاتی ہے تو گذشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا۔ اور موت ولادت ثانیہ ہے جس سے ایک ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا۔ اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی آفات وعوارض لاحق نہ ہوں۔ جو اُس کے قبول کرنے میں نقصان پیدا کرے۔ جس طرح ولادت ایک ایسے قابل رشک کی باعث ہے جو بچے کو جنین کی حالت میں میسر نہ تھا؛ اور اس میں شرط یہ تھی کہ اس باکمال کے مانع امراض وعوارض اس جنین کی ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں؛ اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہیئے، کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور اُن کا شکریہ ادا کریں، جیسے ہم جبرائیل۔ میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے لئے دعا کرتے ہیں؛ جس کے وہ سبب ہیں، کہ دنیا سے رستگاری حاصل کرنے کا طریقہ انہوں نے بتایا۔ اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا اور یہ باتیں سرورِ کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے عمل میں آئیں لیکن

ملک الموت اس دنیا سے ہمیں نکالنے کا باعث ہے اس لئے اس کا حق بہت بڑا ہے۔ چنانچہ امم سابقہ میں سے حکما کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ اس شخص کی تقدیس و تحمید اور تسبیح سے تعظیم کرتے تھے جس کو وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس عارضی زندگی کے قائم رکھنے میں اعانت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے جس کے ذریعہ سے اس دنیائے دوں سے رستگاری حاصل ہوتی ہے۔

فصل

رہروانِ الٰہی کی پہلی منزل

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے رستہ کے سالک تو تھوڑے ہیں لیکن اس کے مدعی بہت ہیں۔ ہم تمہیں دو علامتیں بتاتے ہیں جن کو تم معیار قرار دیکر اپنے متعلق اور غیروں کے متعلق کھرے اور کھوٹے ہونے کی تمیز کر سکتے ہو۔

(علامت اوّل) اصلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی ترازو میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا، کم و بیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے موافق ہو کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جا چکے اس رستہ پر گام فرسا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تہذیب اخلاق کے بعد ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس مقام کو حاصل کرنا بھی ممکن ہے۔ کہ انسان جملہ مباحات کو ترک کر دے۔ کیونکہ جو شخص محرمات اور محظورات کو ترک نہیں کرتا کس طرح منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔ اور جو شخص عبادات نفلی پر مواظبت اختیار نہیں کرتا شاہد کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ پھر جو شخص فرائض بلکہ احکام و اعمال شریعت میں جن کا لوگوں کو مکلف بنایا گیا ہے کوتاہی کرتا ہے۔ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں سے محظورات اور فرائض میں ہی مکلف کرنے پر حصر کیا ہے۔ اور اس میں عوام الناس بھی مشترک ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان امور میں شغل و مصروفیت دنیا کی خرابی اور تباہی کا باعث نہ ہو جائے۔

سالک فی سبیل اللہ دنیا سے اس طرح رُوگرداں رہتا ہے۔ کہ اگر تمام دنیا اُس کی برابری کرے تو کائنات برباد ہو جائے۔ پھر صرف فرائض و واجبات میں محدود رہ کر اور نوافل کو چھوڑ کر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لا یزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعًا و بصراً فبی یسمع و یبصر، میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھیں ہو جاتا ہوں؛ پھر وہ مجھی سے دیکھتا اور سُنتا ہے؛

غرض یہ ہے کہ ہوس غالب اور پائدار کسلمندی کی وجہ سے ہی انسان فرائض میں فروگذاشت کرتا ہے؛ اور محظورات میں بے دھڑک درآتا ہے؛ پھر جو شخص بار بار ہوس اور کاہلی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ خدا کے رستہ پر کیسے چل سکتا ہے؛

پھر اگر تم کہو، کہ جب سالک فی سبیل اللہ وہ ہے جو خواہشات اور سُستی سے مجاہدہ کرنے میں مشغول ہو، تو جو ان کو مغلوب کر چکا وہ تو واصل باللہ ہُوا۔ سالک نہ ہُوا، تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب ہے اور رستہ اور منزل مقصود سے ناواقفی پر شاہد؛ نہیں بلکہ اگر کوئی شخص تمام صفات ردیہ اپنی ذات سے دُور کر لے؛ تو اُس کی نسبت منزل مقصود سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو؛ اور چند مجبوریاں اس کو اس طرح دامنگیر ہوں کہ چلنے دیں، پھر وہ قرضے ادا کرے؛ در تعلقات و علائق قطع کر دیئے۔ یہی حال بدن کی صفات کا ہے۔ جو انسان پر غالب ہیں۔ یہ گویا وہ مجبوریاں اور تعلقات ہیں۔ جو انسان کو گردن سے پکڑے ہوئے ہیں؛ اور خدا کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں۔ تو جب وہ انہیں محو اور رفع کرے تو اس نے علائق کو دُور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہُوا۔ یا تم یوں سمجھو کہ ایک بیوہ عورت ہے جو چاہتی ہے کہ بادشاہ اُس سے شادی کرلے؛ جب وہ عدت جو نکاح سے مانع تھی گذار لیتی ہے تو خیال کرتی ہے، کہ سب کام ختم ہو چکے اور میں کام دل حاصل کر چکی؛ افسوس صد افسوس کہ اُس نے تو ابھی نکاح کی استعداد ہی حاصل کی ہے اور صرف موانعات کو دُور ہی کیا ہے؛ اور بادشاہ کا قبول کرنا اور رغبت کرکے انعام

شادی سے نوازنا ابھی باقی ہے۔ یہ خدا کی دین ہے! ہر وہ شخص جو نہا دھو کر عطر پھلیل لگائے جمعہ نہیں پڑھ لیتا اور نہ ہر حسینہ جو عدت گزار لے اپنے محبوب کے وصال سے شادکام ہو جاتی ہے +

اب سوال یہ ہے کہ کیا سالک کے رتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف عبادات اس سے چھوٹ جائیں اور بعض محظورات اسے ضرر نہ پہنچائیں جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق کہا گیا ہے۔ جو ان امور میں تساہل برتتے تھے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب نفس ہے۔ محقق علما نے کہہ دیا ہے کہ خواہ تم کسی شخص کو پانی پر چلتا دیکھو لیکن وہ کسی بات میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ہے! اور یہ بالکل حق ہے۔ یہ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی اس کی رخصت دے رکھی ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ محل رخصت سے تجاوز کرلے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا۔ بلکہ خواہشات اور شہوت اس کا موجب ہونگی۔ یاد رکھو انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اسے ہر وقت اندیشہ ہے کہ کسی روز شہوات مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آ جائیں۔ اس لئے چاہئے کہ ہر وقت ان سے چوکنا رہے۔ اور جب کبھی دیکھے کہ آرام طلبی اور سہل انگاری کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو جان لے کہ شہوات غالب ہونا چاہتی ہیں۔ اور یہ سب باتیں اخلاق ردیہ کا تقاضا ہیں +

پھر جو شخص اپنے تئیں پاکباز بنا لے اور اپنی روح کو علوم حقیقی کی غذا کھلائے۔ تو اسے عبادت میں مواظبت کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیگی۔ اور اسے رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر خدا سے دعائیں کرنے میں تمام چیزوں سے زیادہ لطف حاصل ہوگا۔ یہ منزل اول کی علامت ہے! اور انتہا تک قائم رہتی ہے۔ اگرچہ خدا کی طرف جانے والے رستہ کی کوئی انتہا ہی نہیں! اس موت تمام جد و جہد اور تگ و دو کے سلسلے یک قلم توڑ دیتی ہے۔ پھر انسان موت کے بعد اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے۔ جو اس نے مدت حیات میں حاصل کیا تھا۔ کہ ہر شخص اس چیز پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی گذاری تھی +

(دوسری علامت) یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضوری میں رہے، ضروری اور بے تکلف طور پر۔ اسے اس حضوری میں بے حد لذت حاصل ہو خشوع اور خضوع، انکسار و تواضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے وابستہ رہے وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو۔ اگرچہ وہ ضروریات بدن مثلاً کھانا پینا۔ قضائے حاجت کو جانا، کپڑے دھونا وغیرہ میں مشغول ہی رہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اُس کی مثال تمام حالات میں اس عاشق کی سی ہو۔ جو ایک مدت تک زحمت انتظار کی کڑیاں جھیلتا رہا ہو ایک عرصہ دراز تک ع

مُصیبت پر مُصیبت چوٹ پر کھائی ہو چوٹ اُس نے

پھر اس کا محبوب اُس کے سامنے بصد تجمل جلوہ پیرا ہو جائے! اور اس کے دل کا کنول کھل جائے لیکن اس وقت اُسے قضائے حاجت کے باعث مجبوراً تھوڑی دیر کے لئے اپنے محبوب سے علیحدہ ہونا پڑے اور وہ بیت الخلا، کو جائے تو اس کا دل بیقرار محبوب کے پاس موجود ہوگا۔ بدن البتہ غیر حاضر ہوگا! اگر اس حالت میں کوئی شخص اُسے مخاطب کرنا چاہے تو وہ شدت استغراق کے باعث اُس کی بات نہ سُنیگا۔ وہ اس تکلیف کو سخت مصیبتناک سمجھے گا۔ اور چاہے گا کہ جتنی جلد کٹے اتنا ہی بہتر ہے۔ تو سالک کو چاہیئے کہ اپنے اشغال دنیوی میں اسی طرح مصروف ہو۔ بلکہ سوائے ضروریات بدنی کے اُسے کوئی شے بے توجہ نہ کر سکے! اور اس حالت میں بھی اُس کا دل خدا کی عظمت و جلال کے سامنے نہایت انکساری کے ساتھ حاضر رہے!

اگر شہوت جماع تحریک کے ذریعہ سے حرکت میں آنے سے باز نہ رہے تو یہ اُس شخص کی حالت میں ہوگا، جس پر شہوت غالب ہے! اور اُس کی آنکھوں میں کسی بشر کی صورت جو گندے اور ناپاک نطفے سے پیدا ہوا ہے! جاگزین ہو چکی ہے۔ پھر جب وہ محبوب اُس کے قریب آتا ہے تو اُس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ اور اُس کے تمام شہوانی خیالات فرو ہو جاتے ہیں! اس بے خودی اور کمزوری طبعی کا عذر وہ اس کا حسن و جمال قرار دیتا ہے۔ پھر یہ عذر کس طرح قابل قبول ہے۔ جب مقابلے پر اللہ کا جلال و جمال ہے جس کی کوئی انتہا نہیں +

الغرض اس منزل کو تمام و کمال پورا کرنے کے لئے حرص شدید اور عزم

صمیم اور طلب بلیغ کی ضرورت ہے۔ حرص و طلب کا مبدا، محبوب و مطلوب کا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اور اس جمال جہان آرا کے ادراک کے لئے نگاہ شوق اور مشتاق آنکھ کی ضرورت ہے۔ جو تمام دوسری چیزوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔ اللہ تعالےٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی چیز کی ضرورت ہے جو تمہارے شوق کو بھڑکائے اور تمہاری حرص کو برپا کرے اور اسی کے اندازہ کے مطابق تمہاری جد و جہد و تگ و دو کی مقدار ہو گی +

پھر محبوب کے ساتھ دیر تک یکجا رہنے کے باعث عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس اثنا میں محبوب کے عمدہ اخلاق جو پہلے پوشیدہ تھے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے محبت کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح عبدی مزید جب پہلے پہل حضرت باری تعالےٰ کے جمال و جمال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے تو بسا اوقات ضعف ادراک کے باعث اس کی آنکھوں میں چکاچوند نہیں پیدا ہوتی۔ لیکن آہستہ آہستہ طلب و شوق زیادہ ہوتی جاتی ہے +

چنانچہ وہ ہر وقت اسی خیرہ کن جمال کے تصور میں محو رہتا ہے، پھر اس پر اس کی خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے جاتے ہیں محبت کی آگ اضافہ مضاعفہ شعلہ زن ہوتی ہے۔ ہر لحہ اور ہر گھڑی محبت بڑھتی جاتی ہے اور جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزو مند ہوتا ہے اسی طرح مرید اللہ تعالےٰ کے قرب کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے۔ یہ قرب مکانی نہیں ہوتا یا جسمی طور پر اس کو مس نہیں کیا جا سکتا۔ یا یوں نہیں ہو سکتا کہ اس کی صورت کے جمال کو کمال طور پر اپنے سامنے دیکھ لیں۔ یہ قرب قرب کمال ہے نہ قرب مکان، ان باتوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا، اس قرب کمال کی تشبیہ یوں ہے کہ ایک شاگرد ہو اس کو اپنے استاد سے بے حد محبت ہو۔ اور اس کے قرب کمال کا طالب ہو یہ زیادہ سچی تشبیہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے میں اس کا قرب چاہتا ہے، یعنی آہستہ آہستہ اس کے رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ بعض حالات میں یہ ممکن ہوتا ہے اور بعض میں متعذر، لیکن ترقی بلحاظ رتبہ کے بالکل ممکن ہے۔ چنانچہ نسبت کے لحاظ سے اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور وہاں پہنچ جانا ناممکن ہے، لیکن اسفل السافلین سے بلندی کی طرف رُخ کرنا ممکن ہے

شاگرد اپنی نگاہ میں ایک رتبہ مقرر کر لیتا ہے۔ جو محدود ہوتا ہے نہ یہ کہ محبت کے باعث اپنے استاد کا مرتبہ عین پائے۔ بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے۔ اور دفعتہً انتہائی منزل کو پہنچنے کا شوق اس کے دل میں نہیں پیدا ہوتا۔ جب ایک رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اوپر کے درجے کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو عالم نہیں، اُسے چاہیئے کہ علماء سے جو ورثۃ الانبیا ہیں، مشابہت اختیار کرے۔ علما و انبیا اور اولیا کے ذریعے سے ملائکہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، یہانتک کہ صفات بشری کلی طور پر محو ہو جاتے ہیں۔ اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتے بن جاتے ہیں۔ پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات و مراتب ہیں۔ اور سب سے بلند درجہ معشوق اول کا ہے اور یہی نصب العین ہے۔ ملائکہ مقربین وہ ہیں جن کے اور حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، انہیں جمال اطہر اور بہائے اتم حاصل ہے۔ بلحاظ نسبت کے اُن سے جو موجودات کاملہ میں سے اُن سے کم ہیں۔ پھر ہر ایک جمال اور کمال حقیر ہو جاتا ہے۔ جب رب العزت کے جمال کی طرف نگاہ جاتی ہے۔

الغرض اسی طرح چاہیئے کہ تم قرب الٰہی کا اعتقاد کرو۔ نہ اس طرح کہ تم خیال کرو کہ جنت میں ایک گھر ہے۔ اور اس کے قریب کہیں اللہ تعالٰے فرد کش ہے۔ یہ قرب مکانی ہے۔ اور خدائے رب العزت اُس سے بہت بلند ہے۔ اور نہ یہ کہ تم عبادت کا ایک تحفہ اُس کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ اُس سے خوش ہو کر اس کی قدر دانی کرے اور تم پر مہربان ہو جائے۔ جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کی رضامندی اور حصول اغراض کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ تو اُسے قرب سلطانی کہتے ہیں۔ تو بہ توبہ اللہ تعالٰے بہت بلند اور پاک ہے۔ ان معانی سے جن سے دنیا کے بادشاہ متصف ہوتے ہیں۔ وہ تو خدمتگذاری، عاجزی تابعداری اور وفاکیشی سے خوش ہوتے ہیں۔ گاہے بسلامے برنجند وگاہے بدشنامے خلعت دہند۔ ان کی مشہور صفت ہے۔

اس قسم کے تمام عقائد جہالت پر مبنی ہیں، اگر تم کہو کہ اکثر عوام کا یہی اعتقاد ہے۔ تو کیا جو شخص رنگریز کی دکان سے عنبر طلب کرے اُسے مل جائیگا! ہرگز نہیں۔ جب تمہیں ایک شخص کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ایک چیز کا اہل نہیں تو وہ چیز اُس سے کیسے طلب کر سکتے ہو۔ عوام کالانعام تو گدھے ہیں جن کو لسان الٰہی نے حمر مستنفرہ قرت

من مستورہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی عوام گدھے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علوم کی ممارست نہیں کی! کیا تم نہیں دیکھ چکے کہ یہ لوگ خداوند تعالےٰ کے متعلق کس قسم کے خیالات وعقاید رکھتے ہیں اکہتے ہیں! وہ عرش پر بیٹھا ہے اس پر ایک سبز چھتری سایہ کئے ہوئے ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ اسی قسم کی تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ لوگ اکثر تشبیہ کے عادی ہیں، لیکن تشبیہ میں درجات ہیں بعض لوگ خدا کی صورت کا خیال کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہیں، آنکھیں ہیں، وہ اترتا ہے اور چڑھتا ہے! بعض لوگ اسے ناراضی، رضامندی، غصہ اور خوشی کے جذبات سے متصف کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ ان تمام باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ اں ان الفاظ کا شریعت نے تاویل کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ لوگوں کو افہام وتفہیم میں آسانی ہو۔ بعض لوگ حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں بعض لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمام لوگ بلحاظ فہم برابر ہوتے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد باطل ٹھیرتا! رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ) ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگذر کرتے ہیں، کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی بیڑیاں توڑتا ہے +

فصل

مذہب اور فرقہ بندی

شائد تم کہو کہ اس کتاب میں تم نے یا تو مذہب صوفیا کے مطابق یا اشعریوں کے موافق یا بعض متکلمین کے مطابق گفتگو کی ہے؛ حالانکہ ایک مذہب کے مطابق ہی گفتگو صیحح سمجھی جا سکتی ہے! اب ان مذاہب میں سے کون حق پر ہے! اگر سب ہی حق پر ہیں۔ تو یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے ۔ اور ان میں سے بعض حق پر ہیں، تو وہ کونسا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کی شناخت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیکتی کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں دو گروہ ہیں؛

(اوّل) وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مذہب ایک اسم مشترک ہے تین مرتبوں کی بنا پر (اوّل) جو مناظرات ومباحثات کے ذریعہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

(دوم) جو کچھ تعلیمات وارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

(سوم) وہ معتقدات جو انسان کے دل میں مشاہدات ونظریات کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہر ایک کامل شخص کو اس اعتبار سے تینوں مذاہب حاصل ہوتے ہیں۔ پہلی صورت کے اعتبار سے مذہب یوں ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوا۔ یا جس استاد سے تعلیم پائی۔ یا جس شہر میں رہائش ہوئی۔ انہی کے مطابق مذہب بھی ہو گیا؛ یہ علاقہ، شہر اور استادوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے؛ چنانچہ جو شخص معتزلیوں یا اشعریہ، یا شافعیہ یا حنفیوں کے ملک میں پیدا ہوا اُس کے دل میں وہی بات جم گئی؛ بچپن سے ہی وہ ایک مذہب پر قائم ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو طریقہ ہے اُسے وہ ناپسند اور مذموم سمجھتا ہے۔

چنانچہ اُسے معتزلی، شافعی، اشعری یا حنفی کہتے ہیں؛ مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص خیالات کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان کی امداد و موالات کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک قبیلہ ہو اور اُس کے مختلف افراد ایک دوسرے کی امداد و اعانت کریں۔ اس خاص تعصب کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جماعت چاہتی ہے کہ میں عوام کی اتباع حاصل کر کے دوسروں پر غالب آجاؤں؛ اور عوام کے سامنے جب تک ایک ایسی جماعت کی حیثیت نہ پیش کی جائے جو غلبہ واستیلا کے رنگ میں ہو، ان کو جوش نہیں آتا؛ چنانچہ تمام دینوں میں مذاہب اسی جماعتی رنگ کے باعث پیدا ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ حسد ونفسانیت کی بلائیں حرکت میں آگئیں؛ ان کا تعصب سخت ہو گیا، اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا جذبہ مضبوط۔ بعض شہروں میں جب سب لوگ ایک مذہب پر متحد ہو گئے اور طالبان ریاست وحکومت لوگوں کی تابعداری حاصل کرنے سے عاجز آگئے تو انہوں نے بعض ایسی باتیں وضع کیں جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان کی ضرور مخالفت کی جائے گی۔ اور اُن کے برخلاف تعصب کا اظہار کیا جائے گا؛ جیسے

علم اسود اور علم احمر؛ چنانچہ ایک گروہ نے کہا حق یہ ہے کہ وہ سیاہ ہے! اور دوسروں نے کہا نہیں بلکہ زرد ہے۔ چنانچہ ان گمراہوں کے سرگردوں کا مقصد حاصل ہو گیا! عوام کی اتباع حاصل ہو گئی! اور مخالفین کا بازار گرم ہو گیا۔ عوام نے خیال کیا کہ یہ بہت اہم باتیں ہیں، وضع کرنے والوں کے سرگروہوں نے وضع کرنے کی غرض حاصل کر لی +

(مذہب ثانی) جو ارشاد و تعلیم کے مطابق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو استفادہ کرے اور ہدایت پائے۔ اس کی کوئی خاص ایک ضرورت نہیں معین کی جا سکتی۔ بلکہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر ایک طالب علم و رشد اپنے فہم کے مطابق عقائد قائم کرتا ہے! اگر مسترشد ترکی ہے یا ہندی یا کند ذہن درشت مزاج آدمی ہے اور معلوم ہو کہ اگر اس کے سامنے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کا کوئی مقام نہیں، وہ نہ جہان میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔ نہ کائنات میں متصل ہے نہ منفصل۔ تو وہ جلدی ہی اللہ تعالےٰ کے وجود کا منکر ہو جائیگا! اور اس کو جھٹلا دیگا! تو چاہیئے کہ اس کے بیان کیا جائے کہ اللہ تعالےٰ عرش پر قائم ہے اور یہ کہ وہ بندے کی عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ اور مہربان ہوتا ہے! اور اپنے بندوں کو اس عبادت کے بدلے میں جنت میں داخل کر دیتا ہے! اور اگر مسترشد کے متعلق یقین ہو کہ وہ حقیقت کو اخذ کرنے کا اہل ہے تو اس کے سامنے حق مبین کا ذکر ہی کیا جائیگا! اس اعتبار سے مذہب متغیر اور مختلف ہو جائیگا! اور ہر شخص کے فہم اور سمجھ کے مطابق اس کی کیفیت ہو گی۔

(مذہب ثالث) وہ عقائد جو اللہ تعالےٰ اور بندے کے درمیان ایک راز کی صورت میں ہیں۔ اُن کو سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا، اور ان کا ذکر صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے۔ جو اس کوچے کا مرد ہے اور ان حالات و کیفیات میں اس بندے کا شریک ہے! یا اس رتبہ کو پہنچ چکا ہے۔ جو اس باتوں کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے! اس کی صورت یوں ہے کہ مسترشد ذکی اور ذہین ہو۔ اُس کے دل میں کوئی موروثی یا دوسرا اعتقاد جاگزین نہ ہو چکا ہو اور نہ اس کا دل کسی خاص رنگ میں رنگا نہ جا چکا ہو۔ جس کا محو کرنا ناممکن ہو! اُس کی

رکی سی ہے۔ جس پر کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس کا ازالہ صرف جلانے یا پھاڑ دینے سے ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے آدمی کی طبیعت بگڑ چکی ہے اور اس کی اصلاح کیطرف سے مایوس ہو جانا چاہئے چنانچہ جو کچھ اس کی خلاف مرضی کہا جائیگا اُسے سُننا پسند نہ کرے گا بلکہ اس کی مدافعت کے حیلے تلاش کریگا۔ اور اگر انتہائی طور پر وہ اور اس کی ہمت اسے سمجھنے پر کمربستہ ہو جائے۔ تو اسے اپنے فہم کے متعلق شک پیدا ہو جائیگا۔ تو پھر اس بات کا کیا علاج ہے۔ کہ اس کی غرض ہی مدافعت اور نہ سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے آخری طریق کا ان تمام حالتوں کے ہوتے ہوئے بھی ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کر لے اور اسے اپنے حق پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہی پہلا اندھا شخص نہیں جو اپنی گمراہی کے باعث ہلاک ہوا ہے۔ غرض یہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا یہ طرز عمل ہے۔ اب آیا فریق دوم اور اس میں اکثر لوگ شامل ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ مذہب ایک ہی ہے۔ یہی وہ اعتقاد ہے۔ جو ہر شخص کے حسب حال اور تعلیم و ارشاد کے مطابق بتایا جاتا ہے۔ اور اسی کا خیال دل میں بٹھایا جاتا ہے۔ اور وہ یا مذہب اشعری ہے یا معتزلی۔ یا کرامی یا کوئی اور مذہب پہلے لوگ ان لوگوں سے اسبات میں موافق ہیں کہ اگر وہ مذہب کے متعلق پوچھیں کہ آیا وہ ایک ہے یا تین تو تین کہنا جائز نہ ہوگا بلکہ واجب ہے کہ کہدیا جائے کہ وہ ایک ہی ہے۔ اگر تم عقلمند ہو تو تمہاری مذہب کے متعلق زحمت سوال کو باطل کر دیگا۔ کیونکہ لوگ زبانی طور پر اسبات میں متفق ہیں کہ مذہب ایک ہی ہے۔ پھر وہ اپنے باپ کے مذہب یا اپنے معلم کے مذہب یا اپنے اہل شہر کے مذہب پر اڑے رہنے کے متعلق بھی متفق ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے مذہب کا ذکر کرے تو تمہیں اس میں کوئی منفعت حاصل نہ ہوگی۔ دوسرا شخص آئے گا تو اس کی مخالفت کرے گا۔ ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ایسی مخبر العقول سند نہیں۔ جس سے وہ اپنی جانب کا پلڑا جھکا سکے۔ تم سب مذاہب کو برابر سمجھو اور سچائی کو فکر کے ذریعہ سے تلاش کرو۔ تاکہ تم خود صاحب مذہب ہو جاؤ۔ اور اندھوں کی طرح نہ بنو۔ کہ اپنے رہنما کے پیچھے اندھا دھند روانہ ہو۔ اور وہ تمہیں ایک رستہ پہ چلے۔ حالانکہ تمہارے اردگرد تمہارے رہنما کی طرح کے ہزاروں رہنما ہیں

جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، کہ وہ تمہیں گمراہ کر رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے! انجام کار اپنے رہنما کی غلطی کو معلوم کر لوگے۔ اس وقت سوائے استقلال کے اور کوئی صورت رہائی کی نہ ہوگی ؎

خذ ما تراہ ودع شیئاً سمعت بہ
فی طالع الشمس ما یغنیک عن زحل

ہم نے اس قسم کی باتیں اس لئے کہی ہیں، کہ تمہیں اپنے موروثی عقیدے میں شک و شبہ پیدا ہو جائے۔ اور تم طلب و جستجوئے حق میں سرگرم و سرگرداں ہو۔ کیونکہ شکوک ہی حق کی منزل پر پہنچاتے ہیں۔ اور جو شخص شک نہ کرے گا۔ نظر و فکر کام نہ لے گا اور جو غور و فکر سے کام نہ لے گا بصیرت اندوز نہ ہوگا۔ اور جو بصیرت نہ ہوگا۔ اندھا رہیگا۔ اور قعر گمراہی میں پڑا رہے گا نعوذ باللہ من ذالک

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ

تمام شد

مَنْ یَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ

رسالہ مسماۃ بہ

نہایۃ السعادۃ

ترجمہ

بدایۃ الہدایۃ

تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولوی غلام احمد صاحب منتظم کمیشن قرضہ علاقہ سرکار نظام

در سنہ ۱۳۰۱ ہجری

فہرست مضامین

بدایۃُ الہدایۃ

الحمد للہ حق حمدہ والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ من بعدہ بعد حمد وصلوۃ کے گزارش ہی کہ اندنون رسالہ بدایۃ الہدایۃ تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس عاجز کے نظر سے گذرا اوسکے مضامین افادت آگین کے لحاظ سے بے اختیار جی چاہا کہ اوسکا ترجمہ بغرض افادہ ونفع عام کے کیا جاے اس رسالہ کے دو حصہ ہین پہلا حصہ عبادات سے متعلق ہی۔ اور دوسرا حصہ اخلاق سے۔ عبادات مین جسقدر مسائل بیان ہوے ہیں وہ سب مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہیں۔ اس لئے بالخصوص شافعیون کیلئے یہہ ترجمہ بہت ہی سودمند ہوگا۔ اور دوسرے ائمہ

کے پیروی کرنیوالونکے واسطے بھی یہہ رسالہ اسواسطے کارآمد ہے کہ
اسمین اکثر وہ ادعیہ مندرج ہین جو خاص جناب رسالت مآب صلعم سے
ماثور ہین۔ دوسرا حصہ تو عام مضامین اخلاق سے متعلق ہی جو عموماً مفید
ہی اور یہہ حصہ جسقدر دلچسپ ہی اور باوجود اختصار کے کیسے کیسے سود مند
ابواب کا اوسمین ذکر ہی اسکا امتیاز ذوق سلیم خود کرسکتا ہی۔ ترجمہ مین نفس
مضمون کا زیادہ تر خیال رکھا گیا ہی۔ محض لفظی ترجمہ کا چندان لحاظ نہین
کیا گیا۔ اسواسطے کہ لفظی ترجمہ مین اکثر تعقیدات واقع ہوجاتے ہین جو
عام طلباء کے لئے مفید نہین ہی۔ اور بعض جگہہ مراقی العبودیۃ (شرح اصل کے)
کے مضامین بھی مناسبت مقام کے لحاظ سے کچھ کچھ بڑہادے گئے ہین فقط

غلام احمد

آغاز کتاب

جو شخص کہ استحصال علم کا حریص اور آرزومند ہو۔ اوسکو پہلے ہی اسبات کا
فیصلہ کرلینا چاہئے کہ تحصیل علم سے اوسکا مقصود کیا ہی۔ اگر صرف
ابنای جنس مین فخر و مباہات اور امتیاز و خصوصیت کا حاصل کرنا ہی۔ یا
جر متاع دنیوی پیش نظر ہی۔ تو اوسکو یقیناً سمجھہ لینا چاہئے کہ وہ خود

آپ اپنے ہلاک نفس اور تخریب دین کے کوشش مین ہی۔ اور یہہ
چاہتا ہی کہ عمدہ متاع دین کو فضول نمود دنیوی کے معاوضہ مین بیچڈالے
پس اس قسم کا معاملہ بے سود ہی۔ اور ایسی تجارت بیفایدہ۔ بلکہ اس قسم
کی تعلیم کا وبال معلمین پر بھی ہے کہ اونکی ایسی تعلیم جو منجر بہ فساد ہوا نکو
بھی اس خسارت مین شریک حال کر دیتی ہی۔ ایسے معلمین کی مثال اوس
شخص کی سی ہی جو رہزنون کے ہاتہہ ہتیار بیچے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب
صلعم ارشاد فرماتے ہین مَنْ اَعَانَ عَلٰی مَعْصِیَۃٍ وَلَوْ بِشَطْرِ کَلِمَۃٍ
کَانَ شَرِیکًا لَہٗ یعنے جو شخص کہ معصیت پر تائید کرے اگرچہ ایک جزء
لفظ کے ساتھ بھی ہو تو وہ اوسکا شریک ہی۔ اور اگر تحصیل علم سے
یہہ نیت ہو کہ جہل نفسانی دور ہو جاے۔ جہال کی تعلیم و تربیت کیجاے
احیاے دین اور بقاے اسلام مین کوشش کرے۔ جھوٹے نام و
نمود کا خیال نہو۔ الحاصل یہہ خواہش ہو کہ سارا اسامان اپنے پروردگار
کے رضامندی کا فراہم کرے تو ایسے نیک نیتی کے نتایج کا کیا کہنا
اوسکی فضایل یہانتک مروی ہین کہ جب ایسا شخص تحصیل علم کیلئے
چلتا ہی تو ملائکہ اوسکے پیر کے نیچے اپنے پرون کو بچھا دیتے ہین۔

اور جب تک وہ اس شغل مین مصروف رہتا ہی دریا کے مچھلیان تک اوسکے
حق مین دعاے مغفرت کرتے رہتے ہین - بہرحال سب سے پہلے اسبات کا
جاننا ضرور ہی کہ ہدایت جو ثمرۂ علم ہی اوسکی ایک ابتدا ہی اور ایک انتہا او
ایک ظاہر ہی اور ایک باطن اوسکی انتہا تک پہونچنا بغیر اوسکے ابتدا کے
استحکام کے محال ہی اور اوسکے باطن کا حال معلوم کرنا بدون واقفیت اوسکے
ظاہر کے دشوار ہی۔ اسلئے ہم یہان ہدایت کے ابتدائی امور کو ذکر کرتے
ہین تاکہ ہر شخص اون کے ساتھ اپنے نفس کی آزمایش اور قلب کا امتحان
کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے دل مین ہدایت کے حاصل کرنیکا سچا میلان
دیکھے۔ اور نفس مین اسکے حاصل کرنے کی قابلیت پاوے تو یہہ سمجھنا چاہئے
کہ اوس مین مدارج نہایات کمالات کے حصول کی بھی صلاحیت موجود ہی
اور وہ علوم اسرار لدنی سے بھی حظ وافر حاصل کر سکیگا اگر برخلاف اسکے
نفس مین تجاہل و تساہل پایا جاوے اور بہ اقتضاے ہدایت عمل کرنے
مین لیت و لعل ہو تو سمجھہ لے کہ نفس اماّرہ اوسپر اپنا عمل کیا چاہتا ہی اور شیطان
اسبات کے درپے ہی کہ اوسکو اپنا مطیع و منقاد بنالے تاکہ اپنے مکر و فریب
سے قعر ہلاک مین جہونک دیوے اور بعوض حصول سعادت کے شرو

فساد مین مبتلا کر دے۔ یہی نہین بلکہ اون لوگہان مین شمار ہو جاے جنکے
اعمال بد ترین اعمال ہین۔ اور جنکی سعی و کوشش دنیا مین ضایع گئی ہی اور
اپنی کج فہمی سے یہہ سمجھے ہوے ہین کہ ہم نیک کام کر رہے ہین۔ ایسے
لوگون کے بہکانے کیلیئے اگرچہ شیطان فضیلت علم اور مراتب علما کو بہی ظاہر
کرتاہی۔ اور جو کچہہ فضایل کا ذکر اخبار و احادیث مین آیا ہی اوسکو سناتا ہی
مگر باوجود اسکے اس مضمون حدیث کے سمجہنے سے اونکو غافل رکہتا ہی کہ
مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا
یعنے گو کسی نے بہت کچہہ علم بہی حاصل کیا ہو لیکن اوسپر ہدایت کا پرتو نہ پڑا
ہو تو اللہ سے سواے دوری کے اور کوئی چیز حاصل نہین ہی۔ اور نیز
وہ شخص اس مضمون سے نابلد ہی کہ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ
عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ سخت تر عذاب قیامت کے دن اوس عالم
پر ہوگا کہ جسکو علم سے فائدہ نہ پہنچے اور وہ جناب رسالت مآب صلعم کے
اس دعا[ف] سے عبرت انگیز سے بہی ناواقف ہی جو آپ اکثر بارگاہ قدس مین
کیا کرتے تہے کہ اے پروردگار پناہ چاہتا ہون مین ایسے علم سے جو نفع بخش نہو

[ف] اصل دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَعَمَلٍ لَا يُرْفَعُ وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ

اور اوس دل سے کہ جسمین تیرا ڈر نہو۔ اور ایسے عمل سے کہ جو مدارج عالی پر نہ پہنچائے۔ اور اوس دعا سے جو مقبول نہو۔ اور نیز فرماتے ہین کہ مین نے معراج کی شب ایک ایسی جماعت دیکھی کہ جنکے ہونٹ مقراض نار جہنم سے کٹے ہوے تھے مین نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو تو اونہون نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہین جو دوسرون کو نیکی کی ہدایت کرتے رہے مگر خود اوس سے غافل تھے۔ اور ونکو شر سے پرہیز کرنیکا حکم کرتے تھے حالانکہ ہم خود اوسمین مبتلا تھے۔ جبکہ علما کی بوجہ ترک عمل ایسی دردانگیز حالت ہی تو جہلا کا خدا ہی حافظ ہی۔ پس انسانکو مواخذہ الہی سے بچنے کے لئے جو کچھ حفاظت کرنی ہی وہ ظاہر ہی۔ یہانتک تو حصول علم کی ضرورت کا ذکر تھا۔ اب مقاصد علم کا حال سُنئے کہ بعض تو صرف حصول رضاے الہی اور مراتب اخروی کے لحاظ سے تحصیل علم کرتے ہین جنکا شمار زمرۂ فائزین مین ہی اور بعضون کو دنیوی وجاہت وجاہ کا خیال حصول علم کے طرف مائل کرتا ہی تاکہ وہ اپنی زندگی کو عمدہ حالت مین بسر کرین جب ایسی نیت ہوجاتی ہی تو ایک قسم کی رکاکت اور خست مقصود سے متعلق ہوجاتی ہی جس سے ایسے گروہ کی حالت خطرناک ہوجاتی ہی۔ کیونکہ اگر قبل توبہ کے اجل نے

تعجیل کی تو سوء خاتمہ کا خوف ہی اوران لوگون کے لئے یہہ بات بھی مشیت
ایزدی سے متعلق ہی کہ فایز بہ توبہ ہون۔ اوراعمال نیک کے اختیار
کرنے سے تلافی مافات ہوجائے اوربمصداق اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ
كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ وہ بھی فایزین مین محسوب ہوجائین۔ تیسرے درجہ
مین وہ لوگ ہین کہ جنہون نے ظاہر و باطن مین بالکل اغراض نفسانی کی بندگی
کی ہی اور علم کو محض ذریعہ حصول وجاہت اور تفاخر دینوی کا خیال کیاہی
اور باوجود اسکے جوعلماء کی ہیئت اور لباس اور گفتگو مین اونکے رسوم
اختیار کئے ہوئے ہین تو یہہ سمجھتے ہین کہ بارگاہ اقدس مین بھی مرتبت
حاصل ہی۔ درحقیقت یہہ لوگ ہالکین سے ہین اس لئے کہ اونکا یہہ خیال
ابلہانہ کہ ہم فائزین سے ہین اونکو توبہ کرنے سے بھی محروم رکھتا ہی
اور وہ اس آیۂ کریمہ سے بھی غافل ہین کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ
مَا لَا تَفْعَلُونَ اے ایمان والو ایسے باتین کیون کرتے ہو کہ جسپر
تمہارا عمل نہین ہی اورانہین لوگون کے مناسب حال جناب رسالتمآب صلعم
ارشاد فرماتے ہین أَنَا مِنْ غَيْرِ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ فَقِيلَ وَمَا هُوَ
يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ عُلَمَاءُ السُّوْءِ یعنے مجھے دجال کے سواے بھی

اور لوگون سے تمکو مضرت پہنچنے کا زیادہ تر خوف ہی توصحابہ نے
عرض کیا کہ یارسول اللہ دجال کے سوائے اور کس سے مضرت کا
اندیشہ ہی تو آپ نے فرمایا کہ عالمان بے عمل سے یعنے وہ جو صرف
برائے نام عالم کہلاتے ہین جنکا علم زبان ہی پر ہی اور دل نور علم
سے منور نہین ہی یہہ بھی منافقین مین سے ہین جنھون نے علم کو
محض حرفہ کے طور پر حاصل کیا ہی اونکی غرض فقط دنیا حاصل کرنا ہی
کیونکہ دجال کا کام تو صرف گمراہ کرنا ہی اور یہہ علما گو زبان سے دنیا
کے بُرائیان سناکر لوگون کے دل کو اوس سے پہراتے ہین مگر
زبان حال و اعمال سے اوسمیں پہسنے کی ترغیب دلاتے ہین۔
اور یہہ ظاہر ہی کہ بہ نسبت اقوال کے افعال کو طبعیت مین زیادہ تر
اثر ہی۔ خاص کر جہال کو امور دنیا کے جانب جو میلان ہو جاتا ہی
وہ ایسے ہی علما کے جراءت دلانے سے ہی۔ پس باوجود اسکے
کہ انکا علم باعث گمراہی عوام الناس ہی کبھی تو یہہ حصول جنت کی تمنا
میں مبتلا ہیں۔ اور کبھی جمع مال کی آرزو انکی دامنگیر ہی۔ اور کبھی
بلحاظ علمیت اس خبط مین بھی مبتلا ہین کہ ہم اکثر بندگان خدا سے

مشخص و ممتاز ہین- لہذا انسان کو چاہیئے کہ حتی الامکان فریق ثانی (مخاطرین) سے پرحذر رہے- کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہین کہ توبہ کرنے مین جلدی نہین کرتے اور تعجیل اجل کیوجہ سے اپنی عاقبت بگاڑ لیتے ہین اور فریق ثالث (ہالکین) مین ہو جانے سے تو بہت ہی احتراز کرنا لازم ہی کیونکہ اس سے سواے ہلاکت کے مطلقاً نجات کی توقع ہی نہین ہی- بہرحال اب ہم اصل مقصود کے طرف رجوع کرتے ہین یعنے بیان کرتے ہین کہ بدایت ہدایت کیا ہی تاکہ ہر شخص اوسکو سمجھے اور اوسکا تجربہ کرے- بدایت ہدایۃ ظاہری تقوی ہی اور نہایت ہدایۃ باطنی تقوی- بہرحال سرمایۂ نجات انسان تقوی ہی- اور جو لوگ صفت تقوی سے متصف ہین وہی فایزین سے ہین- تقوی امتثال اوامر الٰہی اور اجتناب مناہی کو کہتے ہین پس امتثال و اجتناب کو ظاہری تقوی سے جہانتک تعلق ہی یعنے اداب طاعات اور اداب ترک معاصی اسکا ذکر بطور اختصار کے کیا جاتا ہی اور اسکے ساتھہ ہی اداب صحبت کا ذکر بھی مناسب ہی تاکہ یہہ کتاب جملہ مطالب ضروری کی جامع ہو جاوے-

قسم اوّل آداب طاعات

اوامر الٰہی کے دو قسم ہین فرایض اور نوافل فرایض بمنزلہ راس المال اور اصل تجارۃ کے ہی اور اسیکے ذریعہ سے انسان مہلکات سے نجات پاسکتا ہی اور نفل قایم مقام نفع کے ہی اور وہی مدارج اعلیٰ پر پہونچنے کا ذریعہ ہی چنانچہ حدیث قدسی مین وارد ہی قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ الْمُتَقَرِّبُوْنَ بِمِثْلِ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْھِمْ وَلَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَنْطِقُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا حضرت رسالت مآب فرماتے ہین کہ جناب باری عظم شانہٗ سے یہہ ارشاد ہوتا ہی کہ مقربین بارگاہ قدس نے میرا تقرب اون احکام کے ادا کرنے سے ہنین حاصل کیا ہی جو اونپر فرض کر دئے گئے ہین بلکہ ہمیشہ بندہ کا تقرب ادای نوافل سے زیادہ ہوتا ہی یہانتک کہ مین اوسکو دوست رکھتا ہون اور جب مین اوسکو دوست رکھتا ہون تو مین خود اوسکے کان ہوجاتا ہون کہ جسکے ذریعہ سے وہ سنتا ہی اور اوسکے آنکھہ ہوجاتا ہون

جسکے ذریعہ سے وہ دیکہتا ہی۔ اوسکی زبان بنجاتا ہون جس سے وہ
گفتگو کرتا ہی اوسکا ہاتہہ ہو جاتا ہون جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہی اور
اوس کے پیر بنجاتا ہون جس کے وسیلہ سے وہ چلتا پہرتا ہی اس درجہ
تقرب کے حاصل کرنے کیلئے یہہ بھی شرط ہی کہ قلب و جوارح سے اوامر
الہی کے حفظان کی پابندی از صبح تا شام رہے کیونکہ خداوند عالم ظاہر و
باطن کے حالات سے واقف ہی تمامی خطرات اور حرکات و سکنات پر
اوسکا علم محیط ہی حالات خلوت و جلوت سب اوسپر کہلے ہوے ہین ہر ذرہ
کے سکون و حرکت پر وہ مطلع ہی خیانت چشم اور مخفیات صدور کو وہ جانتا
ہی کوئی بہید اوسپر پوشیدہ نہین ہی لہذا چاہیئے کہ اجتناب معاصی اور
حصول آداب طاعات مین کوشش لگی رہے جو ذریعہ حصول تقرب بارگاہ
ایزدی کا ہی لیکن اسبات کا حاصل کرنا بغیر تقسیم اوقات اور دوام ورد
وظایف کے محال ہی یعنے وقت بیداری سے وقت استراحت تک
اوامر الٰہی کا پابند رہنا لازمی ہی۔

آداب استیقاظ یعنی بیداری

علی الصباح سونے سے اوٹہنے کی عادت کرنی چاہیئے اور پہلی جو

چیز دل مین خطور کرے یا زبان سے نکلے وہ اپنے پروردگار کا ذکر
ہو اس لئے یہہ دعا پڑہا کرے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا
وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْعَظَمَۃُ وَالسُّلْطَانُ لِلّٰہِ
وَالْعِزَّۃُ وَالْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ
وَعَلٰی کَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَعَلٰی مِلَّۃِ اَبِیْنَا اِبْرَاہِیْمَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ
اَللّٰہُمَّ بِکَ اَصْبَحْنَا وَبِکَ اَمْسَیْنَا وَبِکَ نَحْیَا وَبِکَ نَمُوْتُ
وَاِلَیْکَ النُّشُوْرُ اَللّٰہُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ اَنْ تَبْعَثَنَا فِیْ ہٰذَا الْیَوْمِ
اِلٰی کُلِّ خَیْرٍ وَنَعُوْذُ بِکَ اَنْ نَجْتَرِحَ فِیْہِ سُوْءً اَوْ نَجُرَّہٗ اِلٰی
مُسْلِمٍ اَوْ یَجُرَّہٗ اَحَدٌ اِلَیْنَا نَسْأَلُکَ خَیْرَ ہٰذَا الْیَوْمِ وَخَیْرَ
مَا فِیْہِ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ہٰذَا الْیَوْمِ وَشَرِّ مَا فِیْہِ لباس
پہننے کے وقت بھی خدا کے احکام کا یعنے ستر عورت کا خیال رہے
کیونکہ جو لباس لوگون کے دکھلانیکے غرض سے پہنا جاتا ہی وہ خسرانکا باعث ہی

آداب دخول بیت الخلا

بیت الخلا میں داخل ہونے کے وقت بایان پاؤن پہلے رکھے اور

واپسی کے وقت سیدھا پاؤں - برہنہ سر ننگے پاؤں بیت الخلا میں

نجانا چاہیے اور ساتھہ کوئی ایسی چیز نہونی چاہیے کہ جسپر خدا یا

اوسکے رسول کا نام لکھا ہوا ہو بیت الخلا میں جانیکے وقت یہہ دعا

پڑھے بِسْمِ اللهِ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِيْثِ الْمُخْبِثِ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيْمِ اور واپس نکلنے کے وقت پڑہے غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ مَا يُؤْذِيْنِيْ وَاَبْقٰى فِيَّ مَا يَنْفَعُنِيْ قضاے حاجت

کے وقت کلوخ موجود رکھے قضاے حاجت کے جگہہ پانی سے

استنجا نکرے اور پیشاب کے بعد کہنکارے اور تین دفعہ عضو تناسل

کو سونت دے اور اوسکے نیچے بایاں ہاتہہ پہیرے کہ جس سے

قطرات باقیماندہ خارج ہو جائیں اگر جنگل میں قضاے حاجت

کی ضرورت ہو تو ایسی جگہہ اختیار کرے کہ لوگوں کی آمد و رفت

نہو اور اگر ایسا ممکن نہو تو کسی چیز کی آڑ کرلے قضاے حاجت کو

بیٹھنے سے پہلے برہنہ نہو چاند اور سورج کے محاذی نہ بیٹھے قبلہ

کے جانب رو و پشت نکرے مجمع سے پرہیز کرے آب غیر جاری

میں پیشاب نکرے ثمردار درختوں کے نیچے نہ بیٹھے پتھر اور سخت

لہ برہنہ سر [illegible] پاخانہ جانا [illegible] ہے [illegible]

لہ مغفرت چاہتا ہوں میں تیری [illegible] سب تعریف اللہ کو ہے جس نے دور کیا مجھ سے [illegible] اور باقی رکھا [illegible] جو نفع بخش ہے ۱۲

زمین اور ہوا کے رخ پر پیشاب نکرے کہ چھینٹین نہ آوڑین اسیکے متعلق یہہ حدیث وارد ہی کہ اِنَّ عَامَّۃَ عَذَابُ الْقَبْرِ مِنْہُ اور جب قضاے حاجت کے لئے بیٹھے تو بائین پیر کے جانب ذرا جھکا رہے کھڑے ہو کر پیشاب نکرے. مگر بضرورت استنجا پہلے کلوخ سے اور پہر پانی سے افضل ہے اگر اقتصار مقصود ہو تو صرف پانی پر کفایت کرے. اگر کلوخ پر اقتصار مقصود ہو تو تین پتہر پاک ہون بول اور نجاست کو اس ترکیب سے پاک کرے کہ نجاست منتقل نہو قضیب کو بڑے پتہر پر تین مختلف جگہہ چھوانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہی اگر تین پتہر کافی نہو تو پانچ سات یا طاق عدد جو کچھ ہو لے سکتے ہین کیونکہ عدد طاق مستحب ہی استنجا بائین ہاتہہ سے کرین اور بعد طہارت کے اس دعا کو پڑہے اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ بعد طہارت کے ہاتہہ کو زمین یا دیوار پر رگڑ کر پانی دہونا چاہیے

اداب وضو

قبل از وضو سواک کرین کہ منہہ پاک ہوتا ہی یہہ فعل پسندیدہ خدا ہی شیطان

اوس سے بہاگ جاتا ہی ایک وقت مسواک کے ساتھ نماز ادا کرنا
بلا مسواک کے ستر نماز سے افضل ہی چنانچہ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہی کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی
اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ جناب رسالت مآب فرماتے ہین
کہ اگر دشوار نہوتا میری امت پر تو حکم کرتا مین کہ ہر نماز کیلئے مسواک کرین
وَعَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِالسِّوَاکِ حَتّٰی خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ
عَلَیَّ اور نیز ارشاد ہوتا ہی کہ مجھے خداوند عالم کا حکم خاص کر مسواک کے بارہ
مین اس تاکید کے ساتھ ہوا ہی کہ مجھکو خوف تھا کہ کہین فرض نہ ہو جائے
وضو کے وقت قبلہ کے طرف متوجہ ہو کر بلند جگہ بیٹھے تاکہ چھینٹین نہ اوڑین
ہاتھ دہونیکے قبل اس دعا کو پڑہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ
وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ پہر ہاتہ تین مرتبہ دہووے اور کہے
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْھَلَکَۃِ
رفع حدث یا استباحت صلوۃ کی نیت کرے مگر نیت منہ دہونے کے
قبل کرنی چاہئے پہر تین مرتبہ مضمضہ کرے پانی راس حلقوم تک پہنچایا جاوے
بشرطیکہ روزہ دار نہو کیونکہ روزہ کی حالت مین اسقدر مبالغہ سے فطار

کا خوف ہی اور یہہ دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ وَکَثْرَۃِ الذِّکْرِ لَکَ وَثَبِّتْنِی بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ اور پہر تین مرتبہ ناک مین پانی لیوے اور جو کچہہ رطوبت ناک مین ہوا وسکو پاک کرے اور جب ناک مین پانی لیوے تو اس دعا کو پڑہے اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِی رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاَنْتَ عَنِّی رَاضٍ اور جب بینی پاک کرے تو اس دعا کو پڑہے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَسُوْءِ الدَّارِ پہر اسطرح منہہ کو پیشانی سے تہوڑی تک طول مین اور عرض مین ایک کان سے دوسری کان تک دہونا چاہئے تاکہ جہان کہین چہرہ پر بال ہون جیسے ابرو وغیرہ خوب تر ہوجائین۔ اور عورات کو پیشانی کی ابتدا مانگ کے قریب سے خیال کرنا چاہئے اگر ریش کم ہو تو بالون کے تہ مین پانی پہونچانا واجب ہی گنجان ہو تو انگلیون سے خلال کیا جاوے منہہ دہونے کے وقت یہہ دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِی بِنُوْرِکَ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَائِکَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِی بِظُلُمَاتِکَ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ پہر دونون ہاتہہ بعادت معروف کہنی تک دہووین بہ ترتیب یعنی پہلے دہنا اور پہر بایان اور دہنا ہاتہہ دہونے کیوقت یہہ دعا پڑہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِی کِتَابِی بِیَمِیْنِی

وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَسِیْرًا بایان ہاتہہ دہونے کے وقت یہہ پڑہے
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ یاشمالی کے جگہہ
وَرَاءَ ظَھْرِیْ پڑہے پہر مسح سر بالاستیعاب بطریق معلوم کرے اور اوسوقت
یہہ دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِكَ وَاَظِلَّنِیْ
تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ اَللّٰھُمَّ حَرِّمْ شَعْرِیْ وَبَشَرِیْ
عَلَی النَّارِ پہر تازہ پانی لیکر کانون کا مسح کرے باینطور کہ اندر اور باہر
سب تر ہوجاوے اور انگشت ہای شہادت سے کانون کے اندر مسح کرے
بیرونی جہت کا مسح سر انگشت سے کیا جاوے اور اسوقت یہہ پڑہے
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ وَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اَللّٰھُمَّ
اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّةِ فِی الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ پہر گردن کا مسح بطریق
معمول کیا جاوے اور اوسوقت یہہ دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ فُكَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ
وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ پہر دونون پانون ٹخنون تک دہووے
اور انگلیون کا خلال باینطور کرے کہ پہلے بائین ہاتہہ کے چھوٹی انگلی سے
سیدہے پانون کے انگلیون مین خلال کرے مگر ابتدا سیدہے پائون
کے چھوٹی انگلی سے کیجاوے اور پہر علی الترتیب خلال کرتے ہوے

۵۴ ایخدا مجھکو دوزخ سے بچا۔ اور پناہ مانگتا ہون مین طوق و زنجیر سے ۱۲

بائین پانون کے خنصر پر ختم کرے۔ انگشت خلال کو نیچے کے طرف سے
انگلیون کے بیچ مین پہونچاوے سیدہا پانون دہونے کے وقت یہہ
دعا پڑہے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ مَعَ اَقْدَامِ عِبَادِكَ
الصَّالِحِیْنَ بایان پانون دہوتے وقت یہہ پڑہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ
اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ فِی النَّارِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ
وَالْمُشْرِکِیْنَ پانون کے دہونے مین احتیاط یہہ ہے کہ نصف ساق
تک ہو۔ بہرحال ہر ہر عضو پر تین تین مرتبہ پانی پہنچایا جاوے۔ اور
جب وضو سے فراغت ہو تو آسمان کیطرف متوجہ ہو کر یہہ دعا پڑہے
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْھَدُ
اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ۔ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ
اِلَیْكَ فَاغْفِرْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ
مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ
وَاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا شَکُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ اَذْکُرُكَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَاُسَبِّحُكَ
بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا۔ وضو مین ان دعاؤن کے پڑہنے سے کل خطیات

متعلقہ اعضا معاف ہوجاتے ہین وضو پر مہر ہو جاتی ہی - اور عرش کے
نیچے جگہہ دیجاتی ہی کہ ہمیشہ وہ تسبیح و تقدیس مین مصروف رہے ایسے
وضو کا ثواب قیامت تک لکھا جاتا ہی - حدیث شریف مین وارد ہی کہ جو شخص
وضو کیوقت ادعیہ مذکورہ پڑہے اوسکا تمام جسم پاک ہوجاتا ہے ورنہ
صرف اوسیقدر پاک ہوگا جہان پانی پہونچا ہو - **فرائض وضو یہہ ہیں**
منہہ اور ہاتون کو کہنیون تک دہونا - مسح سر کرنا - پانون ٹخنون تک دہونا
نیت - ترتیب - وضو مین سات چیزون سے احتراز چاہئے (۱) ہاتہون
کو نہ جھٹکائین کہ پانی دور ہو جاوے - (۲) منہہ دہونے اور مسح سر
کیلئے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر نہ کہیلتے رہین - بلکہ ایک بار دونون ہاتہ
سے پانی لیکر منہہ بھی دہوے اور مسح بھی کرے (۳) وضو کے
وقت گفتگو نہ کرے (۴) کسی عضو کو تین مرتبہ سے زیادہ
نہ دہویا جاوے (۵) حاجت سے زاید پانی صرف نکرے - اکثر بوجہ
وسواس ایسا کیا جاتا ہی مگر اوس سے احتراز لازم ہی کہ اہل وسواس کا
شیطان مضحکہ کرتا ہی - اور اس مضحکہ کنندہ شیطان کا نام ولہان ہی

* ابلیس کے نو لڑکے ہین ہر ایک کا نام اور عمل حسب ذیل ہی (صفحہ ۲۱ دیکھو)

(۶) جو پانی کہ تابش آفتاب سے گرم ہو اوس سے وضو نہ کرے (۷) کانسے کے ظرف سے بھی وضو نہ کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) ۱ **خنزب** وسوسہ انداز نماز

۲ **ولھان** مخل طہارۃ

۳ **زلنبور** زاء مفتوحہ اور لام مشدد مسے۔ بیع و شرا مین بُرائی پیدا کرنے والا جیسے باعین کا جھوٹی قسم کھانا کیل و میزان کا تفرقہ وغیرہ ان سب ابواب کا یہی محرک ہی۔

۴۔ **اعور** ترغیب دہندۂ زنا۔

۵ **وسناں** بواو مفتوحہ وسین مہملہ ساکنہ۔ نیند کا غلبہ اور نماز مین سستی اوسکی ترغیب سے ہی۔

۶ **شرهفوفیه** دانستہ مصیبتون اور لڑائیون مین مبتلا کرنے والا شیطان۔

۷ **داسم** بدال وسین مہملتین۔ زن و شوہر مین جھگڑا ڈالنے والا۔

۸ **مطو** میم مفتوحہ اور طاء مہلہ سے۔ محرک کذب۔

۹ **ابیض** یہ انبیا اور اولیا کے خدمت مین رہتا ہے۔ انبیا اس سے محفوظ ہین اولیا اس سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہین۔ اگر اللہ نے بچایا تو خیر ورنہ وہ بھی آفت مین مبتلا ہو جاتے ہین۔

آداب غسل

اگر احتلام وجماع سے آدمی مجنب ہو تو غسل کرے آداب غسل یہہ ہین۔
پہلے دونون ہاتہہ کو تین بار دہو ڈالے۔ نجاست بدن سے دور کرے اور
وضو کرے مگر پانون نہانے کے بعد دہوے۔ اسوجہ سے کہ (پانون دہو کر
پہر اوسکا زمین پر رکہنا) پانی کا ضایع کرنا ہی۔ جب وضو سے فراغت ہو سر پر
تین بار پانی ڈالے اور رفع حدث جنابت کی نیت۔ کیا ہوا ہو پہر سید ہے
مونڈہے پر تین بار۔ اور بائین مونڈہے پر بہی تین بار۔ اور بدن آگے اور
پیچھے سے تین تین بار سلے۔ اور سر اور داڑہی کے بالون مین خلال کرے
اور بدن کے سلوٹون مین اور بالون کی جڑون مین عام اس سے کہ وہ
گہنے ہون یا تہوڑے پانی پہونچا دے۔ وضو کے بعد اپنے ذکر کو چہونے
سے احتراز کرے کیونکہ اس سے وضو کا اعادہ لازم ہوتا ہی۔ فرایض غسل
یہہ ہین نیت۔ ازالۂ نجاست۔ تمام جسم کا تر کرنا۔

اداب تیمم

اگر پانی دہونڈنے سے بہی میسر نہ آوے یا بیماری یا درندہ جانور یا حبس کا
ڈر ہو یا پانی اسقدر ہو کہ صرف تشنگی کے لئے کافی ہو (تشنگی خود کو یا کسی رفیق کو)

یا پانی بہ قیمت معمولی نہ ملے یا ایسا زخم ہو کہ پانی کے استعمال سے فساد عضو
کا خوف ہو۔ تو ان سب صورتون مین اوسوقت تیمم جایز ہے۔ جسوقت کہ فرض
نماز کا وقت آئے۔ تیمم کیلئے چاہئے کہ ایسی زمین دیکھے جسپر پاک اور خالص
و نرم مٹی ہو اور اوسپر اپنے دونو ہاتھون کے انگلیان جوڑ کر ہاتھ مارے
اور فرض نماز مباح ہونے کی نیت کرلے۔ اور اونکو اپنے تمام چہرہ پر
پھرادے۔ غبار کو بالون کے نیچے پہونچانے مین خواہ وہ تھوڑے
ہون یا بہت دقت نہ اوٹھاے۔ پھر انگلی مین اگر انگوٹھی ہو تو نکالدے
اور انگلیان کھلی رکھکر دوسری ضرب مارے اور ہاتھونکا مسح کہنی تک
کرے اگر ایک ضرب کافی نہو تو دوسری ضرب مارے تاکہ کامل مسح ہوجاوے
پھر ایک ہتیلی کو دوسری ہتیلی سے ملے اور انگلیون کے درمیان خلال کرے
ایک تیمم سے ایکوقت کی فرض نماز اور نوافل جتنے چاہین پڑھ سکتے ہین
دوسری فرض نماز کے لئے جدید تیمم چاہئے۔

آداب روانگی مسجد

جب طہارت سے فارغ ہوچکے اگر صبح ہوگئی ہو تو صبح کے دو رکعت نماز
سُنت مکان مین پڑھ لے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے

پہر مسجد کو جاوے جماعت کو ترک نکرے خصوصاً نماز صبح مین کیونکہ تنہا نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ افضل ہی مسجد کو جاوے تو جلد جلد نہ چلے وقار اور آہستگی کے ساتھہ جاوے اور راستہ مین یہہ دعا پڑھے [1]

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ الرَّاغِبِينَ إِلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا إِلَيْكَ فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً بَلْ خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ فَأَسْأَلُكَ أَنْ تُنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔

آداب دخول مسجد

مسجد مین داخل ہونے کے وقت سیدہا پانون بڑہاوے اور یہہ دعا پڑہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ مسجد مین بیع و شرا منع ہی اور گم شدہ چیز کی تلاش بہی۔ اگر کوئی ان باتون مین مشغول ہو تو کہے خدا نہ تمہارے معاملہ مین برکت دیوے اور نہ تمہاری گم شدہ چیز تمہین ملے حدیث مین یون وارد ہی کیونکہ مسجد عبادت کیلئے

ہو نہ ایسے ابواب سے کے لئے مسجد مین داخل ہونے کے بعد بغیر دو رکعت
مستحب پڑہنے کے نہ بیٹھے اگر طہارت نہو یا تحیۃ مسجد کے پڑہنے کا
ارادہ نہو تو تین مرتبہ دعاء باقیات الصالحات یعنے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ
لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (اور بعض اسکے بعد وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ
اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ بھی زیادہ کرتے ہین) پڑہے اور بعض کہتے ہین
کہ چار بار اور بعضون کا قول ہی کہ بے وضو تین بار پڑہے اور وضو
ہو تو صرف ایکبار اور اگر سنت دو رکعتین گھر پر نہ پڑہی ہون تو اونہین
دو رکعتون کا پڑہ لینا تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہے جب یہہ دو رکعت
پڑہ لے تو پہر اعتکاف کی نیت کرے اور یہہ دعا جو جناب رسالتمآب صلعم
پڑہا کرتے تھے پڑہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِکَ
تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ وَتَجْمَعُ بِھَا شَمْلِیْ وَتَلُمُّ بِھَا شَعَثِیْ وَتَرُدُّ بِھَا
اُلْفَتِیْ وَتُصْلِحُ بِھَا دِیْنِیْ وَتَحْفَظُ بِھَا غَائِبِیْ وَتَرْفَعُ بِھَا شَاھِدِیْ
وَتُزَکِّیْ بِھَا عَمَلِیْ وَتُبَیِّضُ بِھَا وَجْھِیْ وَتُلْھِمُنِیْ بِھَا رُشْدِیْ
وَتَقْضِیْ لِیْ بِھَا حَاجَتِیْ وَتَعْصِمُنِیْ بِھَا مِنْ کُلِّ سُوْءٍ اَللّٰھُمَّ
اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا خَالِصًا دَائِمًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا

حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَنْ یُّصِیْبَنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَهٗ عَلَیَّ وَرَضِّنِیْ
بِمَا قَسَمْتَهٗ لِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِیْمَانًا صَادِقًا وَّیَقِیْنًا
لَیْسَ بَعْدَهٗ کُفْرٌ وَّاَسْاَلُكَ رَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ کَرَامَتِكَ
فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْفَوْزَ
عِنْدَ اللِّقَاءِ وَالصَّبْرَ عِنْدَ الْقَضَاءِ وَمَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ
وَعَیْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَمُرَافَقَةَ
الْاَنْبِیَاءِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِیْ وَاِنْ ضَعُفَ
رَاْیِیْ وَقَصُرَ عَمَلِیْ وَافْتَقَرْتُ اِلٰی رَحْمَتِكَ فَاَسْاَلُكَ
یَا قَاضِیَ الْاُمُوْرِ وَیَا شَافِیَ الصُّدُوْرِ کَمَا تُجِیْرُ بَیْنَ
الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِیْرَنِیْ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ
الْقُبُوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ۔ اَللّٰهُمَّ مَا قَصُرَ عَنْهُ
رَاْیِیْ وَضَعُفَ عَنْهُ عَمَلِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِیَّتِیْ وَاُمْنِیَّتِیْ
مِنْ خَیْرٍ وَعَدْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ عِبَادِكَ اَوْ خَیْرٍ اَنْتَ
مُعْطِیْهِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَاِنِّیْ اَرْغَبُ اِلَیْكَ فِیْهِ
وَاَسْاَلُكَ اِیَّاهُ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِیْنَ

مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ حَرْبًا لِأَعْدَائِكَ سِلْمًا لِأَوْلِيَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ النَّاسَ وَنُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْإِجَابَةُ وَهٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ وَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيْدِ وَالْأَمْرِ الرَّشِيْدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ لَكَ بِالْعُهُوْدِ إِنَّكَ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ أَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ سُبْحَانَ مَنْ تَعَطَّفَ بِالْعِزِّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ مَنْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهٖ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيْحُ إِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْقُدْرَةِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ الَّذِيْ أَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ بِعِلْمِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيْ نُوْرًا فِيْ قَلْبِيْ وَنُوْرًا فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا فِيْ سَمْعِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَصَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ شَعْرِيْ

وَنُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَنُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَنُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ
وَنُوْرًا مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَنُوْرًا
مِنْ فَوْقِیْ وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِیْ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ نُوْرًا وَاَعْطِنِیْ نُوْرًا
وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اس کے بعد فرض
نماز کے پڑھنے تک ذکر اور تسبیح اور قرأت مین مشغول رہے اس اثنا
مین جب موذن اذان شروع کرے تو اوسکا جواب دے یعنے
اگر وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو آپ بھی اللہ اکبر کہے اسی طرح ہر ایک کلمہ
مگر حیعلتین مین یعنے جب وہ کہے حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح تو
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہے اور بجواب اَلصَّلٰوۃُ
خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے کہے صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ
الشَّاھِدِیْنَ کہے قامت مین بھی اسیطرح کہنا چاہئے مگر قد قامت
الصلوۃ کے جواب مین اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ کہے اور جب جوابات موذن سے فراغت ہو تو یہ دعا
پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِنْدَ حُضُوْرِ صَلَوٰاتِکَ وَاَصْوَاتِ
دُعَائِکَ وَاِدْبَارِ لَیْلِکَ وَاِقْبَالِ نَھَارِکَ اَنْ تُؤْتِیَ مُحَمَّدًا

ن الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه المقام
المحمود الذی وعدته انک لا تخلف المیعاد یا ارحم
الراحمین- اگر حالت نماز مین اذان کی آواز آوے تو پہلے نماز
تمام کرے اور پہر اوسے جواب کے طرف مشغول ہو- اگر نماز باجماعت
ہو تو بہ مجرد تکبیر تحریمہ امام کے مشغول باقتدا ہو اور بعد تمام نماز کے یہہ دعا
پڑہے- اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد وسلم اللهم
انت السلام ومنک السلام والیک یعود السلام فحینا
ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت یا ذا الجلال
والاکرام سبحان ربی العلی الاعلی الوهاب
لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد
یحیی ویمیت وهو حی لا یموت بیده الخیر وهو علی کل
شیئ قدیر لا اله الا الله اهل النعمة والفضل والثناء
الحسن لا اله الا الله ولا نعبد الا ایاه مخلصین له الدین
ولو کره الکافرون - بعد اسکے دعای جامع الکلم یعنے
وہ دعا پڑہے جو جناب رسالت آب صلعم نے حضرت عایشہ صدیقہ رض

الْاَمْرِ بِیَدِكَ لَا بِیَدِ غَیْرِكَ وَاَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعَمَلِیْ فَلَا فَقِیْرَ
اَفْقَرُ مِنِّیْ اِلَیْكَ وَلَا غَنِیَّ اَغْنٰی مِنْكَ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ
بِیْ عَدُوِّیْ وَلَا تَسُؤْ بِیْ صَدِیْقِیْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ
لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَكْبَرَ هَمِّیْ وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِیْ وَلَا تُسَلِّطْ
عَلَیَّ بِذَنْبِیْ مَنْ لَا یَرْحَمُنِیْ ۔ اس کے بعد دعوات مشہورہ سے
جو میسر ہو پڑہے بہرحال نماز صبح پڑہنے کے بعد طلوع آفتاب تک
اوقات چار کامون کے لئے منقسم ہون اس ترتیب سے۔
وظیفہ دعوات ۔ وظیفہ اذکار و تسبیحات ۔ وظیفہ قرات قرآن
وظیفہ تفکر ۔ وظیفہ تفکر مین جن باتون کا خیال ضرور ہے وہ
یہ ہین ۔ ذنوب ۔ خطیات ۔ قصور عبادت ۔ خوف عذاب
تضیع اوقات ۔ تدارک مافات ۔ تاکہ کوی برائی سرزد نہو ۔ طاعات
ممکنہ کے اداکرنے کا خیال رہے ۔ اور اوس مین بہی افضلیت
کا لحاظ ہو ۔ اور نیز قرب اجل اور امیدون کو کاٹنے والی موت
کو نہ بہولے ۔ یہہ بہی پیش نظر رہے کہ قریب ترسب اختیارات
سلب ہوجائینگے ۔ طول امید سے سوائے حسرت وندامت کے

کچھ حاصل نہوگا۔ اذکار و تسبیحات مین ادعیہ مابعد کا ورد چاہئے

(۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔

(۳) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔

(۴) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

(۵) سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

(۶) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

(۷) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَسْاَلُهُ التَّوْبَةَ وَالْمَغْفِرَةَ۔

(۸) اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَيْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

۳۲

۹ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ

۱۰ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ ہر ایک دعا کو سو مرتبہ یا ستر یا اقل مرتبہ دس بار پڑہے قبل طلوع آفتاب کے سکوت اولی ہے۔ حدیث شریف مین ہے کہ ان اذکار کا ورد آٹھ بردے (اولاد اسمعیل علیہ السلام سے) آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ذکر اون آداب کا جو طلوع آفتاب سے زوال تک لازمی ہین

بعد طلوع کے جبکہ آفتاب بقدر یک نیزہ کے بلند ہو تو دو رکعت نماز پڑہین۔ مگر احتیاط یہ ہے کہ کراہت کا وقت زایل ہوجاوے۔ کیونکہ فرض نماز صبح کے متصل کسی اور قسم کی نماز پڑہنا مکروہ ہے۔ جب آفتاب بلند ہو اور چوتہائی دن نکل آوے تو نماز ضحی پڑہے۔ چار یا چھ۔ یا آٹھ رکعت مگر دوگانہ دوگانہ اداکرے۔ بہرکیف چونکہ نماز عمل نیک ہے اسمین کمی و زیادتی اپنی اپنی ہمت اور مرضی پر موقوف ہے۔ طلوع آفتاب سے زوال تک سواے نماز مذکورہ کے اور کوی نماز نہین ہے ان سب عبادتون کے بعد جو وقت بچ رہے اوسکی تقسیم حسب تفصیل ذیل چاہیے

طرح ہونی چاہئے۔

یا تو وہ وقت طلب علم دین مین صرف ہو کہ بیکار وقت کا ضایع کرنا محض فضول ہے۔ علم دین وہی ہے کہ جس سے خدا کا خوف زیادہ ہو۔ اور عیوب ذاتی پر اطلاع ہو۔ خداوند عالم کی عبادت کی خواہش پیدا ہو۔ دنیا کی رغبت گھٹے آخرت کا لگاؤ بڑھے۔ کردار بد سے ڈرتا رہے۔ مکر و کید شیطان سے خایف ہو کیونکہ اسکا مکر اون علما کو خدا کے غضب مین مبتلا کر دیتا ہے کہ جنکا ظاہر و باطن یکسان نہین ہے۔ اور جو محض گندم نما اور جو فروش ہین یعنے وہ جو دنیا کے مقابلہ مین دین کی کچھ بھی حقیقت نہین سمجھتے بلکہ علم کو ایک عمدہ ذریعہ حصول اموال سلاطین اور اوقاف یتامیٰ و مساکین کا خیال کرتے ہین اور اپنے تمام اوقات عزیز کو طلب جاہ و مباہات دنیوی یا فضول مجادلہ اور مناقشہ مین صرف کر دیتے ہین جو وقت کہ تعلیم سے بچ رہے وہ کتب فقہ کے مطالعہ مین صرف کرنے چاہئے کیونکہ اس سے عبادات اور خصومات خلق کے جانچ کا ایک عمدہ ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ایسے عجیب و غریب مسائل معلوم ہوتے ہین کہ جو انسانی معاشرت کے لئے بہت ہی کارآمد ہین یہی علم حق و باطل کے

امتیاز کا معیار ہے اور انصاف کا ترازو مگر اس علم کا حصول بھی بعد فراغ اون علوم کے ہی جو منجملہ فرض کفایہ ہین جیسے علم طب وغیرہ۔۔

فائدہ اوراد و اذکار مذکورۂ بالا کے توغل مین اگر کسیقدر طبیعت پر بوجہ معلوم ہو اور رغبت کم پای جاے تو سمجہ لو کہ شیطان کا دخل ان مین ہوگیا۔ اور ہلاکت کا وقت آگیا پس اوس سے ضرور بچو کیونکہ شیطان جب ایسی غفلت مین انسان کو مبتلا دیکہتا ہے تو پہر خود ہی اوس کے حال پر ہنسا کرتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر تحصیل علوم نافعہ مین دلچسپی ہو کسل و کہالت عاید حال ہو نیت بھی محض خیر ہو یعنے یہ کہ اعمال و اقوال سے احیاے احکام دین کی کوشش کیجائیگی تو یہہ ہر قسم کے نوافل عبادات سے افضل ہے اگر نیت مین فتور ہو۔ اور تحصیل علم حصول غرور کا ذریعہ ہو جاوے جیساکہ اکثر جہال مین یہہ صفت پائی جاتی ہے تو ایسا علم باعث مزلت اقدام ہے۔

۲ اگر تحصیل علم نافع کی قدرت نہو اور ذکر و تسبیح و قرأت قرآن اور نماز مین مشغول ہو تو یہ درجہ بھی عابدین کا اور سیرت صالحین کی ہی کہ اس سے بھی نجات پا سکتا ہے۔

۳ اگر اس سے بھی فرصت ہو تو اون ابواب کے طرف متوجہ ہونی چاہیئے کہ جس سے عامہ مومنین کو فائدہ اور مسرت پہونچے اور اعمال صالحین مین تائید ہو۔ جیسے فقہا اور صوفیاے کرام کے خدمت۔ بیمار پرسی۔ تیمار داری۔ مسکینون کا کہلانا۔ مشایعت جنازہ کہ ایسے کام اداے نوافل سے افضل ہین۔

۴ اگر اشتغال امور متذکرہ بالا کی توفیق نہو تو اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے حصول کی ہی کوشش کرے کہ وہ بھی عبادت ہے اور تا بہ امکان مسلمانون کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جاے کہ یہ اصحاب یمین کا درجہ ہے اور اقل مدارج دین سے ہی۔ اب اون ابواب کا ذکر ذیل مین کیا جاتا ہے کہ جس سے احتراز واجب ہی کہ وہ شیطان کے مرغوب الیہ ہین العیاذ باللہ۔ ایسے افعال کا ارتکاب کہ جس سے دین کی بربادی ہو۔ مخلوق کو ایذا پہونچانا کہ یہ ہالکین کی صفت ہے اور بد ترین اعمال سے ہی۔ بہر کیف بلحاظ مدارج امور دینی کے انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

۱ سالم وہ جو صرف اداے فرایض اور ترک معاصی پر اکتفا کرے

۲ رابح - کہ جو اداے نوافل پر بھی قادر ہو۔

۳ خاسر - وہ جو اداے امور متذکرہ بالا سے مقصر ہو۔

پس انسان کو چاہئے کہ حتی الامکان رابح ہونیکی کوشش کرے۔ بالفرض اگر اوس درجہ پر نہ پہونچے تو سالم تو ہو۔ لیکن معاذ اللہ خاسر نہو جائے۔

اور نیز بمقابلہ سایر عباد کے انسان کی حالت تین قسم پر ہی۔

۱ بندگان خدا کے حصول اغراض مین بدل ساعی ہو۔ اور اون کے اسباب مسرت کے مہیا کر دینے مین کوتاہی نکرے۔ یہہ درجہ ملایکہ کرام البررہ کا ہی۔

۲ اقل درجہ اسقدر تو ہو کہ ؎ مراز خیر تو امید نیست شر مرسان

یہہ درجہ بہایم وجمادات کا ہی۔

۳ عقارب وسباع کا درجہ ہی یعنے ؎ نیش عقرب نہ در پی کین ست۔ مقتضای طبیعتش اینست۔ بہرحال اگر درجہ ملایکہ تک عروج نکرے تو درجہ بہایم وجمادات سے بہی نگذر جاے۔ اس بیان سے یہہ ثابت ہوچکا کہ وقت یا تو امور معاش کے حاصل کرنے مین صرف کیا جاے یا معاد کے اگر امور معاش مین توغل ہو تو نیت تائید امور

معاد کی بھی ضرور ہے۔ اگر لوگوں کے میل جول کے ساتھہ امور دین کی حفاظت معرض خطر مین ہو تو عزلت بہتر ہے۔ عزلت مین بھی اگر وسواس پیچھا نچھوڑے اور ورد و وظایف سے بھی اوس کے دفع کرنے پر قادر نہوسکے تو ایسے عزلت و بیداری سے نوم اولی ہے۔

آداب نماز

نماز ظہر کے لئے زوال سے پہلے آمادہ رہنا چاہئے نماز تہجد وغیرہ کے لئے جگنے کی عادت ہو تو قیلولہ مناسب ہے بشرطیکہ زوال سے پہلے فارغ ہو جاے۔ قیلولہ مثل سحر کے ہے یعنے جیسا کہ سحر کرنے سے روزہ مین مدد ملتی ہے ایسا ہی قیلولہ سے عبادت شب مین تائید ہوتی ہے بغیر عبادت شب کے قیلولہ کرنا گویا سحر کر کے روزہ خور کہنا ہے بہر حال اگر قیلولہ کیا گیا ہو تو زوال کے قبل اوٹھ کر وضو کرے اور مسجد مین داخل ہو کر نماز تحیۃ پڑھے اور بعد اذان کے چار رکعت نماز ادا کرے۔ جناب رسالت مآب صلعم اس نماز کو طول قراءت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور یہہ ارشاد ہوا کرتا تھا کہ اسوقت آسمان کے دروازہ کہلے رہتے ہین۔ مین دوست رکھتا ہون کہ اسوقت اعمال نیک

کا صعود ہو۔ یہہ چار رکعت سنت موکدہ ہین حدیث شریف مین وارد ہی کہ
جس نے یہہ چار رکعت پڑہا اور رکوع وسجود کو اچھی طرح سے ادا کیا تو
ستر ہزار فرشتے اسکے نماز مین شریک ہوتے ہین اور شام تک دعاء
مغفرت کرتے رہتے ہین پہر امام کے ساتھہ چار رکعت فرض پڑہے
اور بعد فرض کے دو رکعت سنت موکدہ۔ بعد فراغت نماز کے عصر
تک ادای امور مفصلہ ذیل مین مشغول رہے۔ ۱ تعلیم وتعلم ۲ اعانت
مسلمانان ۳ قرأت قرآن ۴ تحصیل معاش بہ نیت تائید دین۔ پہر قبل از
عصر چار رکعت سنت پڑہے۔ (اس کے موکد وغیر موکد ہونے مین
اختلاف ہے) مگر اس سنت کے بہت بڑے فضائل ہین۔ حدیث
شریف مین وارد ہی کہ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ
اللّٰہُ اِمْرَأً صَلّٰی اَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ فرمایا سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ
والتحیات نے کہ رحم کرے اللہ اوس شخص پر کہ جس نے عصر کے قبل
چار رکعت نماز پڑہا پس ضرور ہی کہ اس دعا مین شریک ہونے کی
کوشش کیجاے۔ عصر کے بعد مغرب تک اپنے اوقات کی حفاظت اوسی
ترتیب سے کرے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اذکار کا وقت ضایع تہو

یہی قاعدہ حفظ اوقات شبانہ روز کا ہی مگر عمدہ ترتیب حفظ اوقات
کی یہہ ہی کہ ہر وقت کے لئے ایک خاص شغل مقرر ہو کہ اوس سے
تجاوز نہونے پائے - اگر اس قسم کا التزام رہے تو وقت کی برکت
معلوم ہو سکتی ہے اگر حفظ اوقات کا خیال نہوا اور مہمل اوقات مثل جانورون
کے (کہ جنکو اپنے وقت کی قدر و قیمت ہی نہین ہوتی) صرف ہون
تو بڑی حسرت و ندامت کی بات ہی کیونکہ عمر راس المال ہے اس کا
ہر لحظ حفاظت کے لایق ہی - بجز تحفظ اوقات کے نعیم دار الابد کے
حصول کا کوئی عمدہ ذریعہ نہین ہے - ہر لحظہ ایک جوہر بے بہا ہی
کہ جسکا بدل نہین - اگر رایگان کہو دیا جاے تو پہر اوسکا ملنا دشوار ہے
پس مثل احمقون کے طلب جاہ و مال دنیوی مین اپنی اوقات کو ضایع
کرنا بیوقوفی مین داخل ہی - سب سے بہتر ذریعہ حفظ اوقات کا یہہ ہے
کہ از دیاد علم و عمل صالح مین صرف ہو - یہہ دونون ایسے رفیق ہین
کہ کبھی انسان کا ساتہہ نہین چھوڑتے بخلاف اہل و عیال اور احباب و
مال کے کہ جن سے بمجرد قبض روح کے مفارقت ہو جاتی ہے مگر
علم و عمل کا ساتہہ نہین چھوٹتا - الحاصل جب آفتاب مایل بزردی ہو تو

نماز مغرب کا تہیہ شروع کیا جاوے۔ مسجد مین داخل ہو کر تسبیح و تحلیل
مین مشغول رہے کیونکہ یہہ وقت بھی مثل وقت صبح کے فضیلت
رکہتا ہے۔ بفحوای آیہ کریمہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ
قَبْلَ غُرُوبِهَا اور قبل غروب آفتاب کے سورہ والشمس اور واللیل
اور معوذ تین پڑہا کرے۔ بہر حال غروب آفتاب تک استغفار مین
مشغول رہے۔ جب اذان کہی جاوے تو جواب اذان کے
بعد یہہ دعا پڑہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِنْدَ اِقْبَالِ لَيْلِكَ وَاِدْبَارِ
نَهَارِكَ وَحُضُوْرِ صَلَاتِكَ وَاَصْوَاتِ دُعَاتِكَ اَنْ تُؤْتِیَ
مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ
الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ
ہر نماز فرض پڑہے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت موکدہ اسکے
بعد چار رکعت سنت اوابین طول قیام کے ساتھ پڑہے۔ اگر ممکن
ہو تو نماز عشا تک اعتکاف کی نیت کیجاوے۔ قرآن و نماز پڑہتے
ہوے عشا تک وقت صرف کرنا بیحد فضایل کا باعث ہے (صلوۃ
اوابین کو ناشیۃ اللیل بھی کہتے ہین کہ جسکی فضیلت کلام باری

عزاسمہ مین وارد ہی اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ہِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلاً
سرورِ کائنات علیہ افضل التحیات سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے
پوچھا کہ یا رسول اللہ آیہ کریمہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُہُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کے معنی
ارشاد فرمائے تو آپ نے کہا کہ یہہ وہی نماز ہے جو ما بین عشا
اور مغرب کے پڑہی جاتی ہے کہ جس سے تمام دن کے لغویات
محو ہو جاتے ہین اور وقت ما بعد کی حفاظت ہوتی ہے) جب عشا
کا وقت ہو تو قبل فرض کے چار رکعت نماز پڑہے اذان واقامت
کے درمیان وقت کی حفاظت ہو حدیث شریف مین وارد ہی
کہ اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا کیجاے رد نہین ہوتی
پہر نماز فرض پڑہے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت موکدہ
ان دو رکعت مین سورہ الم سجدہ ۔ تبارک الملک ۔ یاسین شریف
یا سورۂ دخان پڑہے کہ آنحضرت صلعم سے اسطرح پر مروی ہے
پہر چار رکعت مستحب پڑہے ۔ کہ حدیث شریف مین اسکی بہت بڑی
فضیلت مذکور ہے ۔ پہر نماز وتر کے تین رکعت پڑہے ۔ خواہ ایک
سلام سے یا دو سلام سے اکثر جناب رسالت مآب صلعم اس نماز

مین سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی۔ قل یاایہا الکافرون۔ اخلاص
معوذتین۔ پڑہا کرتے تھے۔ اگر قیام لیل کا عزم ہو تو وتر کو سب کے
آخر پڑہے اسکے بعد سوائے مذاکرہ علم ومطالعہ کتب کے دوسرے
لہو ولعب مین مشغول نہ ہو۔ کیونکہ حدیث شریف مین وارد ہے
کہ انما الاعمال بالخواتم یعنے اعمال مین امور عواقب کا اعتبار ہے
اسمین کسی بُرائی کا شریک ہوجانا اچھا نہین ہے۔

آداب نوم

سونے کے لئے بچھونا ایسی ترکیب سے بچھایا جاسے کہ جسپر رو
بقبلہ سونا ممکن ہو۔ دہنی بازو ایسا سوے جیسا کہ میت کو لحد مین
لٹایا کرتے ہین۔ اور یہہ بات پیش نظر رہے کہ نوم مثل موت کے
ہے اور بیداری مانند بعث کے ممکن ہے کہ حالت نوم مین روح قبض
ہوجاسے لہذا مشتاق لقاے جمال کبریا عز اسمہ کو چاہئے کہ باوضو
آرام کرے جو کچھہ وصیت ہو لکھہ کر سرہانے رکھے۔ گناہون سے
توبہ کرے اور یہہ عزم بالجزم ہو کہ پہر گناہ کا ارتکاب نہوگا۔ تمام مسلمانون
کے ساتھہ نیکی کا خیال رکہے اور یہہ سمجہے کہ قریب تر لحد مین ایسا ہی

تنہا سونا ہو کہ جہان سوائے اعمال کے کوئی ساتھ نہو گا اور ثواب بغیر
سعی و کوشش کے نہ ملیگا اور بہ تکلیف نیند کو اپنے پر طاری کر لینا نہ چاہئے
کیونکہ نیند کیا ہے حیات کو معطل کرنا ہے الا اوس صورت مین کہ جاگنے
سے صحت مین خلل آتا ہو کہ اس حالت مین سونا سلامتی دین کا ذریعہ
ہے رات دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہین انمین سے رات دن آٹھہ
گھنٹون سے زیادہ نہ سونا چاہئے یہہ بھی کچھہ کم نہین ہے کیونکہ کوئی
شخص ساٹھہ برس زندہ رہا تو اسمین سے بیس برس سونے مین
گئے جو اسکی عمر کا تیسرا حصہ ہے سونے کے وقت سرہانے مسواک
اور وضو کیلئے پانی مہیا رہے۔ قیام لیل کا عزم بھی ہو یا قبل صبح
کے اوٹھے آدہی رات کو دو رکعت نماز کا پڑہنا ایک ایسے خزانہ
خیر کا جمع کرنا ہے جو کمال احتیاج کیوقت (یعنے قبر مین) کام دیگا
کہ جہان دنیا کا سب مال بیکار ہو جاتا ہے۔ سونے کیوقت یہہ
دعا پڑہے بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِاسْمِكَ أَرْفَعُهُ فَاغْفِرْ
ذَنْبِي اَللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيَى
وَأَمُوتُ أَعُوذُ بِكَ اَللّٰهُمَّ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِي شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ

دابۃ انت آخذ بناصیتہا ان ربی علی صراط مستقیم اللھم انت

الاول فلیس قبلک شیئ وانت الآخر فلیس بعدک شیئ و

انت الظاہر فلیس فوقک شیئ وانت الباطن فلیس دونک

شیئ اقض عنی الدین واغننی من الفقر اللھم انت خلقت نفسی

وانت تتوفاھا لک محیاھا ومماتہا ان امتہا فاغفرلہا وان

احییتہا فاحفظہا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین اللھم انی

اسألک العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والآخرۃ اللھم

ایقظنی فی احب الساعات الیک واستعملنی باحب الاعمال

الیک لتقربنی الیک زلفی وتبعدنی عن سخطک بعدا اسألک

فتعطنی واستغفرک فتغفرلی وادعوک فتستجیب لی اسکے

بعد آیۃ الکرسی۔ آمن الرسول آخر سورہ تک اخلاص۔ معوذتین

تبارک الملک پڑہے اور یون ہی اللہ کا ذکر کرتا ہوے سو جاے

با وضو سونا بہت بڑی فضیلت رکہتا ہے کہ روح عرش کی سیر مین

مصروف رہیگی بیدار ہوے تک وہ شغل نماز پڑہنے ویسکے سمجہا جائیگا

اور جب بیدار ہو تو اون باتون کو عمل مین لاے جنکو ہم اوپر

لکھہ آئے ہین اور عمر بہر اس ترکیب کا پابند رہے اور جو اسکی پابندی
اور مداومت شاق گذرے تو اوسطرح صبر کرے جسطرح کوئی بیمار
شفا کے انتظار مین تلخی دوا پر صبر کرتا ہے اور کوتاہی عمر کا خیال
کرے اور سمجہے کہ اگر مثلاً مین سو برس زندہ رہا تو یہہ مدت بہ نسبت
اوس مدت کے جو مجھے دار آخرت مین رہنا ہے اور جسکی انتہا
ہنین ہی بہت ہی کم ہے اور یہہ سوچے کہ جب مین اس امید پر کہ
دنیا مین مثلاً بیس برس تک راحت اور آرام مین رہونگا مہینہ یا سال
بہر کی مشقت و ذلت کی پروا ہنین کرتا تو اس امید پر کہ ابدالآباد راحت
و آرام مین رہونگا اس دنیوی زندگانی کے چند روزہ مشقت سے
(جو عبادت مین ہو) کیون اُکتا جاؤن اور اوسکی برداشت کیون
نہ کرون اور زندہ رہنے کی امید کو طول نہ دے بلکہ یون سمجہ لے
کہ موت قریب ہے اور دل مین کہے کہ مجھکو آج کے دن کی عبادت
کی مشقت اِٹہالینی چاہئے اس لئے کہ شاید آج رات مین مرجاؤن
اور رات آئے تو کہے کہ آج رات کے عبادت کی مشقت پر صبر
کرتا ہون اسلئے کہ شاید کل مرجاؤن ۔ کیونکہ موت کے آنیکے لئے کوئی

خاص وقت مقرر نہین ہے کوئی خاص حالت نہین ہے کوئی مخصوص عمر کی قید نہین ہے بہر حال وہ آنیوالی ہے مگر یہہ معلوم نہین کہ کب آئیگی اسصورت مین زاد آخرت کی فکر بہ نسبت دنیا کی فکر کے اولی وانسب ہے اور نیز جانے کہ مجھے دنیا مین بہت تہوڑے دن زندہ رہنا ہے سوممکن ہے کہ میری عمر کا ایک ہی دن باقی رہا ہو یا ایک ہی لحظہ غرضکہ ہر روز یہی خیال کرے اور مشقت عبادت پر صبر کرتا جاے بخلاف اس کے اگر یہہ جانے کہ مین مثلاً پچاس برس زندہ رہونگا اور پہر مشقت عبادت پر صبر کرینگا ارادہ کرے تو دل عبادت سے اکتا جائیگا اور عبادت دشوار معلوم ہونے لگیگی۔ اگر اوسطرح عمل کیا جائیگا جسطرح کہ ہم اوپر لکہہ آئے ہین تو مرنے کیوقت بے انتہا مسرت ہوگی اگر عبادت ایک وقت سے دوسرے وقت پر ڈال جائے اور اسمین سستی کیجاے تو موت اچانک آجائیگی اور سخت سے سخت حسرت ہوگی۔ صبح کو وہی مسافر منزل پر پہونچکر آرام و چین سے رہتے ہین جو رات کو راہ طے کرتے ہین اسیطرح وہی لوگ مرتے دم مسرت حاصل کرتے ہین جو اپنی عمر عبادت مین گزارتے ہین۔ یہہ باتین اچھی طرح معلوم ہونیکا ایک دوسرا

وقت ہی یعنے موت۔ جب ہم ترتیب اور راہ کو بتا چکے ہین تو اب نماز
اور روزہ کی کیفیت اور اونکی آداب اور نیز امامت اور جمعہ کے آداب
بیان کرتے ہین۔

آداب الصلوٰۃ

جب وضو سے اور بدن اور کپڑے اور جگہہ کی نجاست پاک کرنے سے
فارغ ہوجاؤ اور ناف سے زانو تک ستر کر چکو تو قبلہ رخ دونون
پاؤن مین کچہہ فاصلہ دیکر اسطرح کہڑے ہو کہ وہ مل نہ جائین اور
سیدہا کہڑا رہو اور شیطان سے محفوظ رہنے کیلئے قل اعوذ برب الناس
پڑھو اور دل کو خدا کی عبادت کے لئے حاضر رکہو اور اوسکو
وسوسون سے خالی رکہو اور اسبات پر نظر ڈالو کہ کسکے حضور
مین کہڑے ہو اور کس سے مناجات کر رہے ہو اور اپنے مالک
کی عبادت ایسے دل سے کرنے پر شرماؤ جو اوس سے غافل رہے
اور دنیاوی وساوس اور نفسانی خواہشات سے بہرا ہو۔ اور
یہہ سمجھو کہ خدا تمہارے دلی کیفیات پر مطلع ہے اور تمہارے قلب کو
دیکہہ رہا ہے۔ اور خدا کی درگاہ مین تمہاری نماز کی مقبولیت بقدر

تمہارے دل خشوع وخضوع وعجز و نیاز کے ہوتی ہی اس لئے نماز ایسے
خشوع وخضوع کے ساتھہ ادا کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھہ رہے ہو۔ کیونکہ
اگر اوسکو نہین دیکھتے تو وہ تمکو دیکھتا ہی۔ اور اگر اس وجہ سے کہ تم خدا کے
جلال کی معرفت سے قاصر ہو نماز مین تمکو حضور قلب میسر نہین ہوتا اور
تمہارے اعضا تمہارے قابو مین نہین رہتے تو یہہ خیال کرو کہ ایک
صالح آدمی جو تمہارا بزرگ ہی تمہاری نماز کی کیفیت معلوم کرنیکی غرض سے
تمہاری طرف دیکھہ رہا ہی جب یہہ خیال کروگے تو تمہارا دل حاضر اور
تمہارے اعضا ساکن ہو جائینگے اب اپنے نفس کیطرف خطاب کرکے
کہو کہ اے نفس بدکار کیا تو اپنے خالق اور مالک سے اسبات پر
نہین شرماتا کہ جب تو نے اوس بات کا خیال کیا کہ اوس کے بندوں مین
سے ایک ذلیل بندہ جسکے ہاتھہ مین نہ تیرا نفع ہی نہ نقصان تیری طرف
دیکھہ رہا ہے تو اعضا متواضع ہو گئے اور نماز اچھی طرح سے ادا کی گئی
پس بڑے غضب کی بات ہی کہ تو یہہ جانتا ہے کہ خدا دیکھہ رہا ہی
اور پھر خضوع اور خشوع نہین کرتا۔ کیا تیرے نزدیک خدا تعالے کا
رتبہ اوسکے بندون سے بھی کمتر ہی دیکھہ یہہ کس درجہ کی سرکشی ہی

اور کیسا کچھ جہل ہے اور کیسا بڑا ظلم۔ غرضکہ ان خیالات اور حیلوں سے قلب کا
علاج کرے تاکہ وہ نماز میں حاضر رہے اور دولت حضور قلب میسر ہو
کیونکہ نماز کا اسی قدر حصہ کارآمد ہے جو سوچ سمجھ کر ادا کیا گیا ہو اور
جو حصہ کہ سہو اور غفلت کے ساتھ ادا ہوا ہو وہ استغفار اور کفارہ
کا محتاج ہے جب قلب کو حاضر کر چکے تو تنہا فرض نماز کے لئے پہلے اقامت
کہے۔ اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اذان اور اقامت ہر دو (منفرد شخص
کے لئے اذان کا مستحب ہونا اس لئے ہے کہ اذان سے صرف اعلان
مقصود ہے۔ تنہائی میں سوائے اپنی ذات کے دوسرے پر اعلان کا
موقع ہی نہیں ہے تو پھر اذان کی ضرورت ہی کیا۔ یہ امام شافعی کا قدیم
قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ منفرد کیلئے بھی اذان کا کہنا مستحب ہے۔ لیکن فرق
یہ ہے کہ جنگل و صحرا ہو تو پکار کر کہے وگرنہ آہستہ) پھر نیت اوس نماز
کی کرے کہ جسکا ادا کرنا مقصود ہے (بہ تعین وقت۔ خواہ فرض ہو یا
سنت یا قصر وغیرہ۔ مقتدیوں کو اقتدا کی نیت بھی چاہئے۔ استحضار
صلوۃ کے ساتھ۔ استحضار دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی۔ استحضار حقیقی،
وہ ہے کہ نماز کی ترکیب بہ تفصیل اجزا پیش نظر رہے۔ یعنے ہر ایک جز کا

یکے بعد دیگرے مستحضر رہنا ضرور ہی۔ استحضار عرفی وہ ہی کہ بہ ہیئت اجتماعی نماز کی ترکیب مستحضر رہے۔ چونکہ نماز نیت کے ساتھ مقترن ہی لہذا مقارنت بھی دو قسم پر ہی۔ حقیقی اور عرفی۔ مقارنت حقیقی وہ ہی کہ اداے صلوۃ کا خیال شروع تکبیر سے ادا تک برابر رہے۔ کسی جزو مین غفلت نہو۔ مقارنت عرفی وہ ہی کہ تکبیر کی کسی ایک جزو کے ساتھ اقتران ہو۔ یعنے یہ نیت کرے کہ مین اسوقت کی مثلاً نماز ظہر اللہ کیلئے پڑہتا ہون تکبیر کے وقت یہ نیت دل مین ہو اور تکبیر سے فارغ ہونے کے قبل دل سے محو نہو جاے نیت کے بعد رفع یدین شانون تک کرے باین طور کہ ہاتھ اور انگلیان بحالت معمولی کہلے رہین۔ ضم اور تفریج مین کوئی تکلف نہو۔ بہرحال دونون ابہام کان کے لو تک پہونچین اور سر انگشت کان کے اوپر تک۔ ہتلیان کہنیون کے محاذی ہون۔ جب ہر چیز اپنے اپنے جگہہ پر پہونچ جاے تو تکبیر اولی کہین۔ اور آہستگی کے ساتھ ارسال کرین رفع یدین اور ارسال مین تعجیل نکیجاے۔ اور دہنے بائین طرف بھی نہ مڑین۔ ارسال سینہ پر تمام کیا جاے۔ جب سینہ پر ہاتھ رکہین تو سیدہا ہاتھ بائین ہاتھ پر ہو۔ خنصر و ابہام سے بایان پہونچا تہاما جاے۔ دوسرے انگلیان

پہونچے پر کھلی ہوی رکھین اور تکبیر کہے۔ اللّٰہُ اَکبَر کَبِیراً وَالحَمدُ لِلّٰہِ کَثِیراً وَسُبحَانَ اللّٰہِ بُکرَۃً وَاَصِیلاً اور پھر وَجَّہتُ وَجھِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ حَنِیفاً مُسلِماً وَمَا اَنَا مِنَ المُشرِکِینَ اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ لَاشَرِیکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرتُ وَاَنَا مِنَ المُسلِمِینَ پڑہے۔ اور اسکے بعد اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ کہہ کر سورۂ فاتحہ شروع کرے مگر اداے تشدیدات کا خیال رہے کیونکہ حرف مشدد کو جب تخفیف کے ساتھ پڑہا جاے تو ایک حرف ساقط ہوجاتا ہی۔ ضاد اور ظا کے تلفظ مین بھی جہد بلیغ کیا جاے۔ کہ تبدیل حرف سے قرات باطل ہوجاتی ہے اور لفظ آمین کو ولا الضالین سے نہ ملاوین اگر تنہا نماز ہو تو صبح۔ مغرب اور عشا مین پہلے دو رکعت جہر کے ساتھ ادا کرین اگر ماموم ہو تو جہر کی ضرورت نہین ہی کیونکہ امام خود جہر سے پڑھ لیگا صبح کی نماز مین سورۂ فاتحہ کے بعد طوال مفصل اور مغرب مین قصار مفصل ظہر اور عشا مین اوساط مفصل پڑہا کرے۔ طوال مفصل مین سورہ حجرات ق۔ والمرسلات وغیرہ داخل ہین۔ اور قصار مفصل مین والضحی سے آخر قرآن تک کوئی سورت بھی ہو۔ اور اوساط مفصل مین والسماء ذات البروج یا کوی دوسری

سورۃ جو اسکے مساوی ہو۔ اگر سفر ہو تو نماز صبح مین قل یاایہا الکافرون
قل ہو اللہ احد پڑہے ضم سورہ کے بعد قبل از تکبیر رکوع کے بقدر
سبحان اللہ وقفہ افضل ہے۔ حالت قیام مین سر جہکا رہے اور نظر
مصلے پر ہو کہ یہ حضور قلب کا باعث ہی ۔ سید ہے یا بائین طرف ملتفت
نہو۔ پہر رکوع کیلئے تکبیر کہے اور رفع یدین بطریق مذکور کرے۔ تکبیر کو
اسقدر کہینچے کہ انتہاے رکوع تک پہونچ جاے (تاکہ کوئی جزنماز کا ذکر
آلہی سے خالی نہو) رکوع مین ہتیلیون کو گہٹنون پر رکہے۔ انگلیان کہلے
رہین دونون گہٹنون کے درمیان (بقدر ایک بالشت کے) فرق ہو۔
پشت اور گردن اور سر کو ایسا برابر کر دے کہ ایک سطح مستوی معلوم ہو۔
کہنیان پہلو سے جدا رہین۔ مگر عورتون کو اسکے خلاف کرنا چاہئے۔
رکوع مین تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہے۔ اگر منفرد ہو تو سات یا دس
تک بہی تسبیح کا زیادہ کرنا مستحسن ہے پہر سر اوٹھاے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ
حَمِدَہٗ کہتے ہوے رفع یدین کرے۔ جب پورا قیام ہوے تو رَبَّنَا
لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ
کہے نماز صبح کے رکعت ثانی کے رکوع کے اعتدال مین قنوت پڑہے

پہر تکبیر کہتے ہوے سجدہ کرے مگر اس تکبیر مین رفع یدین کی ضرورت
نہین ہے۔ ترکیب سجدہ کی یہہ ہے کہ پہلے دونون گھٹنے زمین پر رکھے
پہر دونو ہاتھ پہر پیشانی رکہے مگر سب اپنے اپنے حال پر کہلے ہوے
ہون ناک بھی پیشانی کے ساتھ زمین کو لگا دے۔ کہنیان پہلو سے جدا
رہین۔ پیٹ کو رانون کے ساتھ نہ ملا وے۔ مگر عورتون کو اسکا خلاف
کرنا چاہئے۔ ہاتین زمین پر اسیقدر فاصلہ سے رکہین جو کاندہون کے
محاذی ہون۔ دونون بازو زمین پر نہ بچھا دئے جائین۔ سجدہ مین تین
بار سبحان رَبِّیَ الاعلیٰ کہے اگر منفرد ہو تو سات سے دس تک بھی زیادتی
تکبیر مین ہوسکتی ہے۔ پہر سجدہ سے تکبیر کہتے ہوے سر اوٹھاوے
یہان تک کہ تعدیل جلسہ کی ہوجاے۔ جلسہ مین بائین پیر پر تکیہ کرکے
بیٹھے اور سیدہا پانون کہڑا رہنے دے۔ دونون ہاتھون کو دونون
رانون پر رکہے۔ انگلیان کہلے رکہے اور کہے رَبِّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِیْ
وَارْزُقْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاعْفُ عَنِّی۔ پہر اسیطرح دوسرا
سجدہ کرے۔ علیٰ ہذا ہر رکعت مین جلسہ وغیرہ کے اعتدال کا لحاظ
رہے پہر قیام کیلئے دونون ہاتہ زمین پر رکہو گر اس ترکیب سے

اوٹھے کہ دونون پاؤن برابر ادہین تقدیم و تاخیر نہو اسیطرح ہر ہر رکعت
ادا کیجاسے۔ مگر رکعت ثانیہ کے ابتدا مین بھی تعوذ کا اعادہ مسنون
ہی جب رکعت ثانیہ کے بعد تشہد پڑہنے کے لئے بیٹھے تو سیدہا ہاتھ
سیدہے ہٹنے پر رکہے سواسے ابہام او رانگشت کے کل انگلیان بندرہین
اور الا اللہ کہنے کے وقت انگشت شہادت کو اوٹہائین۔ مگر کچھ ایک الم
کے ساتھ۔ تاکہ سمت قبلہ سے خارج نہو جاسے۔) بایان ہاتھ کہلے ہوے
انگلیون کے ساتھہ بائین گھٹنے پر رکہے اور بائین پیر پر زور دیکر بیٹھے
تشہد کے آخر مین بعد درود کے دعاسے ماثورہ پڑہے۔ اور بعد از
فراغ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ دو مرتبہ دونون طرف کہہ کر اسطرح
منہ پہیرسے کہ رخسارون کے سپیدی دکہای دسے۔ سلام کیوقت
نیت خروج از صلوۃ کی چاہئے۔ اور نیز جانبین کے ملائکہ اور مسلمانون
پر سلام کی نیت کیجاسے۔ خشوع اور حضور قلب۔ ترتیل قراءت فہم معنی
کے ساتھ بہت ضروری ہے۔ کہ یہہ عماد الصلوۃ کہلاسے جاتے ہین
حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نماز مین حضور قلب
نہو تو وہ عقوبت کے قریب ہی۔ جناب رسالت آب صلعم فرماتے ہین

کہ جب آدمی نماز پڑہتا ہے تو اسکا چہٹا حصہ یا دسوان حصہ نہین لکھا جاتا

بلکہ صرف اوسیقدر لکھا جاتا ہے جسقدر کہ اوس نے سمجھا۔

آداب امامت

امام کو چاہئے کہ بلحاظ حالات اہل جماعت کے چھوٹی چھوٹی سورتین نماز مین پڑہا کرے انس رضی اللہ تعالے عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہین کہ جسطرح مین نے اختصار اور تکمیل کے ساتھ جناب رسالتمآب صلعم کے پیچھے نماز پڑہی ہے ایسی کسی کے ساتھ نہین پڑہی۔ بہر حال جب صفین برابر ہو جائین اور موذن اقامت سے فارغ ہوے تو امام بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہے مقتدی کو صرف اسقدر آواز سے تکبیر کہنا چاہئے جو وہی سنے۔ امام کو امامت کی نیت بھی کرنی چاہئے تاکہ اوسکا ثواب ملے۔ اگر نیت نہ کی ہو تو نماز تو صحیح ہو جائیگی مگر صرف منفرد کی سی نماز ہو گی۔ مقتدیون نے اگر اقتدا کی نیت کی ہے تو انکو ثواب اقتدار کا بھی حاصل ہو جائیگا امام کو بھی چاہئے کہ مثل منفرد کے اپنی نماز کو دعاء استفتاح اور تعوذ سے شروع کرے۔ صبح مغرب۔ عشا مین پہلے دو رکعت جہر پڑہے اور لفظ آمین بھی جہر کہے

اسیطرح مقتدی بھی۔ مگر مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے ساتھ ہی خود بھی
آمین کہے تقدیم و تاخیر نہو۔ امام کو چاہیئے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد تھوڑا سا
سکوت کرے۔ تاکہ مقتدی بھی نمازِ جہریہ مین سورۂ فاتحہ پڑھ لیوے
اگر امام کی آواز سنی نہ آئے تو مقتدی کو سورہ پڑہنے کی بھی ضرورت ہے
امام کو تسبیحات رکوع و سجود مین تین بار سے زاید نہ پڑہنا چاہیئے۔ اور
تشہد اول مین اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد کچھ نہ پڑہے دو رکعت ثانی
مین صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے۔ بلحاظ جماعت کے تشہد کے آخر
مین دعا طول نہ پڑہے۔ سلام کے وقت امام کو یہہ نیت کرنی چاہیے کہ
یہہ سلام مقتدیون کے جانب ہے۔ اور مقتدیون کو جواب سلام امام کی
نیت کرنی چاہیئے۔ بعد سلام کے تھوڑا توقف کرے۔ اور مقتدیون کے
مقابل بیٹھے اور ٹہہرا رہے تاکہ اگر جماعت مین عورات ہون تو وہ چلی جاوین
امام اپنی جگہ سے جب تک نہ اوٹھے مقتدیون کو بھی انتظار کرنا چاہیئے۔
امام سیدہے یا بائین جسطرف سے چاہے جاسکتا ہے مگر افضل یہہ ہے
کہ سیدہے طرف سے جاوے۔ قنوت صبح مین امام صرف اپنی ہی خصوصیت
نکرے بلکہ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا کہے یعنے بصیغہ جمع۔ امام دعاء قنوت پڑہنے

کیوقت ہاتھ اوٹھانے کی ضرورت ہنین ہے (لیکن یہہ قول ضعیف ہے
صحیح یہہ ہی کہ ہاتھ اوٹھانا چاہئے) بقیہ قنوت یعنے انك تقضی ولا
یقضی علیك سے مقتدی آہستہ پڑھ لے۔ مقتدی کو چاہئے کہ جماعت
کے ساتھ کھڑے رہے اگر تنہا ہو تو کسیکو اپنے ساتھ لے لیوے مگر
رکعت باندھنے کے بعد مقتدی کو کوی فعل امام کے پہلے یا اوس کے
ساتھ ساتھ نکرنا چاہئے۔ مثلاً جبکہ امام پوری رکوع مین پہونچ جاے تو
اوسوقت قصد رکوع کا کرے علیٰ ہذا سجدہ مین بھی۔

آداب جمعہ

جمعہ عید المؤمنین ہی یہہ مبارک دن اس امت کے خصوصیات مین ہی
اس متبرک روز مین ایک ساعت مبہم ایسی ہے کہ اوسوقت جو حاجت
خدا سے مانگی جاے فوراً مقبول ہو گی پنجشنبہ ہی سے جمعہ کا اہتمام
کرنا چاہئے جیسے کپڑون کی صفائی وغیرہ۔ کثرت تسبیح واستغفار اس
قسم کے افعال تو پنجشنبہ کے عصر سے اختیار کئے جائین کیونکہ پنجشنبہ کے
عصر کے بعد بھی ایک ایسی ساعت ہی کہ جسکے فضیلت ساعت مبہمہ جمعہ کے
برابر ہے۔ جمعہ کا روزہ بھی افضل ہے۔ علیٰ ہذا پنجشنبہ اور شنبہ کا

کا روزہ بھی مطلب یہہ ہی کہ صرف جمعہ کا ایک روزہ نہ رکھا جاسے بلکہ اسکے
ساتھ دوسرا روزہ بھی رکھے کیونکہ حدیث مین اوسکا امتناع ہی۔ قَالَ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَصُمْ اَحَدُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا اَنْ یَصُوْمَ قَبْلَہٗ
اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَہٗ رواہ شیخان بعد طلوع کے غسل کرے۔ یہہ غسل
ہر ایک مکلف پر واجب ہی۔ اور سپید کپڑے پہنین کیونکہ سپید کپڑا
خدا کو مرغوب ہی۔ حسب مقدور خوشبو بھی لگا دین۔ سر مونڈھا وین
ناخن اور لب لین۔ مسواک کرین۔ علی الصباح جامع مسجد مین جائین کہ
مسجد مین بیٹھنے سے انسان کی طبیعت مین سکون پیدا ہوجاتا ہی اور
آدمی عبث افعال سے بچ سکتا ہی۔ حدیث شریف مین وارد ہی کہ جس نے
پہلی ساعت مین مسجد مین داخل ہوا گویا اوس نے ایک اونٹ قربانی
دی۔ اور جو دوسری ساعت مین گیا ایک بکرا قربانی دیا۔ اور جس نے
تیسری ساعت مین داخل ہوا اوس نے ایک گوسپند شاخدار قربانی
کیا اور جس نے چوتھی ساعت مین گیا اوس نے ایک مرغ قربانی کیا
اور جس نے پانچوین مین گیا اوس نے ایک بیضہ دیا۔ جب امام
منبر پر چڑھے تو ملائکہ نامہ اعمال کو لپیٹ دیتے ہین اور قلم پھینک

دیتے ہین۔ اوراس مبارک وقت مین وہ خود بھی منبر کے پاس خطبہ
سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہین۔ جو شخص جسقدر پہلے نماز کو جائیگا اوسیقدر
اوسکا مرتبہ اللہ کے پاس زاید ہوگا۔ پہلی صف مین شریک ہونا بہتر ہی لیکن
جب لوگ جمع ہو جائین تو دوسرون کو دھکا دیتے ہوے نہ جاے اگر
کوئی نماز پڑہتا ہو تو اوس کے سامنے سے بھی نہ جاے۔ کسی دیوار یا ستون
کے قریب بیٹھین تاکہ دوسرے لوگ اپنے سامنے سے بھی جانے نپائین
جب مسجد مین داخل ہون تو بدون نماز تحیہ مسجد پڑہنے کے نہ بیٹھین۔
مستحسن یہہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑہے۔
کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہے کہ جو شخص اسکا عادی ہوگا وہ ضرور
جنتی ہی۔ امام اگر خطبہ بھی پڑہتا ہو تب بھی تحیہ مسجد ادا کرے۔ مسنون یہہ ہے
کہ ان چار رکعتون مین سورۂ انعام۔ کہف۔ طٰہٰ اور یٰس پڑہا کرے
اگر اسکا پڑہنا نا ممکن ہو تو سورۂ یٰس۔ دخان۔ الم سجدہ۔ سورۂ ملک پڑہے
ان آخر صورتون کا جمعہ کے شب مین پڑہنا بہت ہی احسن ہی۔ بصورت
مجبوری سورۂ اخلاص اور کثرت سے درود شریف پڑہا کرے۔ خطبہ بادب
خاموش بیٹھکر سنے۔ اور اوس کے مضامین سے متاثر ہو اگر دوسرا کوئی

گفتگو سے منع کرنے کی ضرورت ہو تو اشارہ سے منع کرے الفاظ
سے منع نکرے کہ فعل عبث ہی اور فعل عبث کے ارتکاب سے جمعہ
باطل ہو جاتی ہے یہی مضمون حدیث شریف مین بھی وارد ہے۔
بہرحال فرض نماز جمعہ کے بعد سات سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور
معوذتین پڑہے اور اوسوقت تک گفتگو نکرے۔ اسکی برکت سے امید
ہی کہ دوسرے جمعہ تک آفات سے محفوظ رہے۔ اور شیطان کا
تسلط اوسپر نہو۔ اس کے بعد یہہ دعا پڑہے یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ
یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ
مَعْصِیَتِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ جمعہ کے بعد دو یا چار یا چہہ رکعت ضرور پڑہے
مگر دوگانہ دوگانہ۔ کہ سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوۃ سے
اسباب مین (رکعتون کی تعداد مین) مختلف روایات آئے ہین۔
نماز جمعہ کے بعد عصر یا مغرب تک مسجد ہی مین رہنا افضل ہی جب تک ٹہرے
رہے اور ساعت مبہمہ کے حصول کے بھی خواستگار رہین جسکی فضیلت مذکور
ہو چکی ہی قبل از نماز جمعہ کے فضول اور بیکار لوگون کا مسجد مین جمع ہونا بھی
منع ہی لیکن تعلیم و تعلم علم نافع کے لئے جمع ہون تو مضائقہ نہین ہی طلوع و غروب آفتاب

زوال آفتاب۔ اقامت۔ امام کے منبر پر چڑہنے کے وقت۔ اور جب سب لوگ نماز کے لئے کہڑے ہون اکثر دعا کیا کرے کہ ان اوقات مین اوس ساعت جمعہ کے وقوع کا احتمال ہے جمعہ کے روز کچھ صدقہ بھی دیا جاوے۔ اگرچہ کم ہو۔ اقلاً ہفتہ مین ایک روز صرف نیک کامون کے لئے مخصوص کر دیا جاوے۔

آداب صیام

صرف ماہ رمضان ہی کے روزون پر اکتفا کرنا نہ چاہیئے بلکہ نفل روزے بھی رکہنا چاہیئے کہ وہ بمنزلہ راس المال کے ہین اور یہ بمشابہ نفع کے جس سے فردوس مین درجات عالیہ حاصل ہوتے ہین جو لوگ روزہ نہ رکہین گے وہ روزہ دارون کے مراتب کو دیکہہ کر حسرت کرینگے عرفہ کا روزہ (غیر حاجی کو) یوم عاشورہ کا روزہ۔ عشرۂ اول ذیحجہ۔ محرم۔ رجب اور شعبان مین روزہ رکہنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے۔ اور اس کے فضایل بے شمار ہین اور وہ جو شہور حرام مین روزہ رکہنے کے فضایل مرقوم ہین اوس مین یہہ چار مہینے داخل ہین ذیقعدہ ذیحجہ محرم رجب اور ہر مہینے مین تین روز یعنے پہلی پندرہوین سلخ کا روزہ

رکہے۔ اور نیز ایام بیض مین۔ ایام بیض مین یہہ تاریخات شامل ہین
تیرہوین چودہوین پندرہوین۔ ہر مہینے کے۔ اور ہر ہفتہ مین دوشنبہ
پنجشنبہ جمعہ کا روزہ رکہنا نہایت ہی افضل ہے۔ ہر مہینے کے پہلی
تاریخ کا روزہ اوس مہینے کے تمام سیئات کو مٹا دیتا ہے اور باقی روزے
سال بہر کے عفو گناہ کے باعث ہین۔ روزہ کے معنی صرف کہانا پینا
چہوڑ دینا نہین ہے۔ بلکہ تمام جوارح کے حفاظت بھی مقصود ہی۔ کیونکہ
حدیث شریف مین وارد ہی۔ کَمْ مَنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ
وَالْعَطَشُ اکثر روزہ دار تو ایسے ہین کہ اونکو روزہ سے بہوکے اور
پیاسے رہنے کے سواسے کوی فائدہ بھی نہین ہے۔ پس روزہ کی
حالت مین آنکہہ کو نظر شہوت سے بچاوے۔ اور زبان کو لغویات
سے۔ اور ایسی آواز اپنی کانون سے نہ سنے کہ جسکا سننا حرام ہو
اسیطرح سب اعضا کی نگہبانی کرنی چاہیئے حدیث شریف مین وارد
ہی کہ پانچ چیزون سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جھوٹھ کہنے سے غیبت
سے۔ نامی سے۔ جھوٹھی قسم سے۔ نظر شہوت سے۔ اور نیز وارد
ہی کہ روزہ برائیون سے بچنے کے لئے ہی۔ لہذا حالت صوم مین

فحش کلام۔ فسق اور افعال جہال کا ارتکاب۔ جیسے تمسخر وغیرہ نہ کیا کرے بلکہ اگر کوئی شخص لڑنے یا گالی دینے کا قصد کرے تو کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ افطار حلال چیز سے ہو۔ اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔ کیونکہ روزہ سے مقصود تو یہہ ہے کہ قوای شہوانی ضعیف ہوں اور تقوی کی رغبت ہو۔ برخلاف اسکے اگر معمول سے زاید کہا سے تو پھر روزہ سے جو مقصود ہے وہ مفقود ہو جائیگا۔ خوب سیری سے کہانا اگرچہ طعام حلال ہو غضب الٰہی کا باعث ہے کہ اس سے فساد کا احتمال ہے پس جب سیری سے کہایا جاوے تو ایسا روزہ کیونکر مقبول ہو سکتا ہے بہر حال جبکہ روزہ کی حقیقت پر اطلاع ہو چکے تو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ روزہ رکہا کرے کہ اساس عبادت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کُلُّ حَسَنَۃٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّہٗ لِیْ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ حضرت رسالت مآب فرماتے ہیں کہ جناب باری سے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے سات سو تک ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں اوسکی جزا دونگا۔ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَخُلُوْفُ

فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ - جناب رسالتمآب صلعم فرماتے ہین کہ قسم ہی اوس پروردگار کی کہ جس کے قبضہ قدرت مین میری جان ہی کہ روزہ دار کے منھ کی بو خدا کے پاس بوی مشک سے زیادہ پسندیدہ ہی۔ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ اِنَّمَا یَذَرُ شَہْوَتَہٗ وَطَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ مِنْ اَجْلِیْ فَالصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ - جناب باری عز اسمہ سے ارشاد ہوتا ہی کہ جبکہ کہانا پینا اور لذت شہواتی روزہ مین میری خوشنودی کیلئے ترک کئے جاتے ہین تو یہہ عمل خاص میرے لئے ہی اور مین اوسکی جزا دونگا۔ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْجَنَّۃِ بَابٌ یُقَالُ لَہُ الرَّیَّانُ لَا یَدْخُلُہٗ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ - فرمایا پیغمبر خدا صلعم نے جنت مین ایکدروازہ ہے کہ جسکا نام ریان ہی اوس مین کوی داخل نہوگا مگر روزہ دار۔

قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان مین

امور دینی دو قسم پر منقسم ہین ایک وہ جو ترک مناہی سے متعلق ہین دوسرے کسب طاعات سے عبادت کرنا تو آسان ہی مگر مناہی سے بچنا بہت مشکل ہے کہ خاص صدیقین کا حصہ ہی۔ چنانچہ جناب رسالتمآب

سے صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین اَلْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ السُّوْءَ وَالْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ ھَوَاہُ یعنے مہاجر وہ ہی جو بُرے افعال کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہی جو اپنے خواہشات کے ساتھ مقابلہ کرے یہہ تو ظاہر ہے کہ تمام اعضا نعمات الٰہی مین سے ہین اور اوس کے امانت ہین پس اللہ تعالی کی نعمت و امانت کو برے افعال مین لگانا کفران نعمت اور خیانت ہی۔ اعضا بمنزلہ رعیت کے ہین انکی نگہبانی کرنی چاہئے۔ اگر حاکم رعیت کی حفاظت نکریگا تو باز پرس مین مبتلا ہوگا۔ اور یہہ بھی ہے کہ ہر ایک عضو اپنے اپنے کردار کے قیامت مین۔ ایسے صاف اور صریح الفاظ مین گواہی دیگا کہ جس سے نہایت شرمندگی ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف مین آیا ہی یَوْمَ تَشْھَدُ عَلَیْھِمْ اَلْسِنَتُھُمْ وَاَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اوس دن گواہی دینگے زبانین اور ہاتھ پاؤن اون افعال کے جو ان سے سرزد ہوے ہون اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ آج اونکی زبانون پر مہر کردی جائیگی خود اونکے ہاتھ پاؤن اپنے اپنے افعال کی گواہی دینگے۔ اسلئے ہر ہر عضو کی حفاظت ضرور ہے خصوص ان سات اعضاؤن کی

یعنے آنکھ۔ کان۔ زبان۔ شکم۔ فرج۔ ہاتھ۔ پاؤن کی۔ دوزخ کے سات دروازے ہین ہر ہر دروازہ کے کیلئے عاصیون کی ایک ایک گروہ خاص ہے۔ عاصیون سے یہان وہ گناہ گار مقصود ہین کہ جنکے اعضاے متذکرہ سے گناہ سرزد ہوے ہون۔ شارح نے لکھا ہے کہ اول مرتبہ اہل توحید دوزخ مین داخل ہونگے اور بقدر گناہ معذب ہونگے اور نجات پائینگے دوسرے درجہ مین نصاری۔ تیسری درجہ مین یہود۔ چوتھے درجہ مین صابئین۔ پانچوین درجہ مین مجوس۔ چھٹے درجہ مین مشرکین۔ ساتوین درجہ مین منافقین۔ انتہی اب اعضاے سبعہ کے فواید پر غور کرو۔

۱ آنکھ اسواسطے دی گئی ہین کہ اندہیرے مین رہبری کرین۔ انصرام حوایج مین مدد دین عجائبات آسمان وزمین کو دیکھین اور عبرت حاصل کرین پس اوسکی حفاظت خاصہ چار چیز سے ضروری ہے غیر محرم کا دیکھنا۔ خوبصورت کو بُری نگاہ سے دیکھنا۔ مسلمان کو بنظر حقارت دیکھنا۔ مسلمان کا عیب دیکھ کر ظاہر کرنا۔

۲ کان۔ اسلئے دئے گئے ہین کہ خدا ورسول کے کلام کو سنین کہ جس سے نجات ہو اور بزرگون کے اقوال سنین۔ نہ یہہ کہ راگ یا غیبت

وفحش اور لغو باتون اور برائیون کے سننے مین اسکو صرف کرین اور صرف یہہ خیال نکرین کہ قایل ہی گنہگار رہے بلکہ مستمع بھی شریک گناہ ہی۔

۳ زبان اسلئے دی گئی ہی کہ اللہ کا ذکر کرین قرآن پڑہین لوگون کو ہدایت کرین۔ امور دنیوی اور دینی مین اوس سے مدد لین۔ برخلاف اسکے اکثر برایان زبان سے ایسی پیدا ہوتی ہین کہ جس سے بلاشک انسان دوزخ مین ڈالا جائیگا۔ جیسے کذب۔ قذف۔ دشنام۔ نمامی وغیرہ جو شخص بیہودہ اور تمسخر آمیز کلمات کہنے کا عادی ہے محض اس لحاظ سے کہ لوگ اوسکی باتون کو سنکر ہنسا کرین وہ ہمیشہ دوزخ مین رہیگا۔ روایت ہی کہ ایک شخص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مین معرکہ جنگ مین شہید ہوا تو ایک دوسرے شخص نے کہا هَنِيئًا لَهُ بِالْجَنَّةِ یعنے مبارک ہو جنت اسکو۔ تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہہ بات تجھکو کیونکر معلوم ہوی کہ وہ جنتی ہے۔ شاید کہ وہ ایسے کلام کا عادی ہو کہ جو جنت مین داخل ہونیکے مانع ہو۔ یعنے لغو اور فضول پس زبان کو آٹھ چیزون سے بچانا چاہئے۔

(۱) جھوٹ بولنے سے۔ گو تمسخراً ہی کیون نہو کیونکہ کذب امہات کبایر سے

ہی اس سے انسان کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہی آدمی لوگوں کے نظر سے
گر جاتا ہے۔ اگر جھوٹ کی بُرائی معلوم کرنا چاہو تو کسی جھوٹ بولنے والیکو
دیکھو اور پھر خیال کرو کہ اوس سے تمکو کیسی نفرت ہوتی ہی جب تمہارا
یہہ حال ہی تو اس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ اگر تم مین بھی جھوٹ
بولنے کی عادت ہو تو تمکو بھی لوگ ایسی ہی کراہت کی نظر سے دیکھینگے۔
(۲) وعدہ خلافی مت کرو جب وعدہ کرو تو اوسکے وفا کا ضرور خیال
رکھو بلکہ اصلی احسان تو وہ ہی جو بلا افشا ہو۔ اگر کبھی بضرورت شدید یا مجبوری
خلاف وعدگی ہوگئی ہو تو خیر ورنہ یہہ نفاق کی علامت ہی اور بدترین
خصایل سے ہی۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ
فِیْہِ فَھُوَ مُنَافِقٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی مَنْ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ
خَلَفَ وَاِذَا اُئْتُمِنَ خَانَ جناب رسالت مآب فرماتے ہین کہ تین خصلتیں
جس مین ہونگے وہ منافق ہی اگرچیکہ وہ شخص روزہ رکھے اور نماز پڑھے
ایک تو جھوٹ بولنا دوسرا خلاف وعدگی۔ تیسرا امانت مین خیانت کرنا ہے
(۳) غیبت بڑی بلا ہی اس سے بچنا چاہئے حدیث شریف مین آیا
کہ تیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی غیبت کرنا بدتر ہی۔ غیبت کی معنی

یہہ ہے کہ کسی انسان کا غائبانہ اسطرح ذکر کرنا کہ جسکے سُننے سے اسکو تکلیف پہونچے۔ غیبت مین دو بُرائیان ہین ایک تو یہہ کہ جو بات غائبانہ کہی جاوے گو سچی ہو تب بھی غیبت کے معنی مین داخل ہے۔ دوسرا یہہ کہ اگر وہ بات اوس مین نہو تو گویا بہتان ہے۔ سب سے بدتر غیبت نمایشی ہے یعنے مطلب کو ایسے پیرایہ مین بیان کرنا کہ جس سے اپنی عفت اور پاکبازی ظاہر ہو اور دوسرون کی برائی۔ مثلاً یون کہنا کہ (اصلحہ اللہ) خدا فلانے شخص کا بہلا کرے کہ جس نے میرے ساتھ اس قسم کی برائی کی۔ خدا ہمکو اور اوسکو ایسی برائیون سے بچاوے۔ یا اسکے مائل جو کچھ ہو۔ اس مین بھی دو قسم کے برائیان ہین ایک تو غیبت اور دوسرا اپنی ستایش۔ اگر مقصود اصلحہ اللہ سے محض دعا ہی تو پوشیدہ ہونا چاہئے۔ تاکہ کسیکی بدنامی ہونے پاوے۔ غیبت کے نسبت جو زجر کہ قران مجید مین وارد ہی وہ انسان کے عبرت کے لئے کافی ہی قولہ تعالی وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ غیبت نہ کرے کوئی شخص کسیکی۔ کیا تم مین سے کوئی شخص اسبا کو

دوست رکہتا ہی کہ اپنے بہائی کا گوشت کہاوے درانحالیکہ وہ مرا ہوا ہو۔ پس کراہت کروگے تم اوس سے۔ اس تشبیہ سے مقصود یہہ ہی کہ غیبت سے انسان کے دل کو ویسی ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ گوشت کو جسم سے جدا کرنے سے بہرحال غیبت سے سخت احتراز کرنا چاہئے۔ غیبت سے بچنے کا عمدہ ذریعہ یہہ ہے کہ انسان اپنی مصائب ظاہری اور باطنی پر غور کرے اور سمجھے کہ جو اسباب خود اپنی خرابی کے باعث ہین وہی دوسرے کے لئے بھی ہین پس جبکہ کوئی شخص اپنی فضیحت کو گوارا نہین کرتا ہے تو دوسرے کے اظہار عیوب سے بھی محترز رہنا چاہئے۔ بلکہ اگر تم کسیکی عیب پوشی کروگے تو تمہارے عیبون کو خدا چھپاویگا۔ اگر تم دوسرے کو رسوا کروگے تو اسکے بدلے مین خداوند عالم تمکو دین و دنیا مین رسوا اور شرمسار کردیگا۔ اگر انسان کو اپنا ظاہری یا باطنی کوئی عیب ہی نہ معلوم ہو تو سمجھہ لیا جاوے کہ یہہ حماقت کی علامت ہی۔ اور کوئی عیب حماقت سے بڑہکر نہین ہے۔ اگر خدا کو تمہاری بہلائی منظور ہو تو وہ تمکو تمہارے عیبون پر مطلع کراویگا۔ اس صورت مین اپنے آپ کو بے عیب خیال کرنا غباوت و جہل ہی۔ بالفرض اگر کسی مین کوئی عیب دینی اور دنیوی نہو تو اوسپر لازم ہی کہ اس نعمت کا شکر

شکر بجا لائے نہ یہ کہ لوگوں کی عیب چینی اور بدگوئی سے سرمایۂ خسران فراہم کرے

(۴) طعن۔ اعتراض خصومت سے احتراز چاہیے۔ کیونکہ اس فعل سے مخاطب کو ایذا پہونچتی ہے۔ اور اپنی خودنمائی ہوتی ہے۔ علاوہ اسکے ان امور کے ارتکاب سے مفت اپنے عیش کو تلخ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر مخاطب جاہل ہے تو وہ بھی فوراً بدلہ لینے پر آمادہ ہوجاویگا اور اگر سلیم الطبع ہے تو اوسوقت ٹال جائیگا۔ مگر اوسکے دل مین برای رہیگی اور ضرور کبھی نہ کبھی نقصان پہونچائیگا۔ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُبْطِلٌ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِيْ أَعْلَى الْجَنَّةِ فرمایا جناب رسالت آب صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑدے اوسی حالت مین کہ وہ باطل پر ہو خدا تعالی اوسکے لئے وسط جنت مین گھر بناویگا اور جو جھگڑا کرنا ترک کرے اوس صورت مین کہ وہ حق پر ہو تو خدای تعالی اوسکے لئے اعلاء جنت مین جگہہ دیگا۔ ایسے موقع مین شیطان کے فریب سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ اکثر اسباب کی ترغیب دیتا ہے کہ سچی بات

کے ظاہر کرنے مین تامل کیا جاسے گو یہہ سچ ہے مگر وہین تک جبکہ وہ بطریق نصیحت ہو۔ اگر اسمین بھی نمایش شریک ہو گئی تو شیطان کی ہنسائی کا باعث ہی۔ جو شخص اس زمانہ کے علماء سے مخالطت پیدا کرے اوسکی طبیعت مین تو ان امور کا زیادہ تر اثر ہو جاتا ہے یعنے بغیر لڑائی جھگڑے کے اوسے فرصت ہی نہین ہوتی۔ کیونکہ وہ اسکو سرمایۂ فضل وکمال سمجھتے ہین۔

(۵) تزکیہ نفس۔ یعنے انسان اپنے آپ کو بطریق ستایش آلایش وغیرہ سے پاک وہ خیال کرے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے نفوس کو پاک نہ سمجھو۔ وہ تم سے زیادہ جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے۔ ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ وہ کون بات ہی جو سچی ہو مگر بری۔ تو اوس نے کہا کہ اپنے آپ تعریف کرنے گو سچی ہو۔ خودستائی مین دو قباحتین اور بھی ہین ایک تو یہہ کہ آدمی ابناے جنس مین ذلیل ہو جاتا ہے دوسرا خدا کے پاس گنہگار۔ خودبینی کی برائی تو انسان کو اوسوقت معلوم ہو سکتی ہی کہ جب وہ دوسرے خودپسندون کو بچشم عبرت

دیکھئے۔ کہ کیسی کراہت طبیعت مین پیدا ہوتی ہے۔ پس ایسے فعل قبیح کے
ارتکاب سے خود وہ دوسرون کے پاس کیونکر مقبول ہوسکتا ہے
(۶) لعنت سے انسان کو بہت ہی بچنا چاہئے۔ خواہ کسی انسان کے
نسبت ہو خواہ حیوان واجناس کے جیسی غلہ وغیرہ۔ اہل قبلہ کے
نسبت شرک وکفر یا منافقی کا اطلاق منع ہے۔ کیونکہ بندون کے
بھید کا جاننے والا خدا ہے۔ خدا اور بندون کے درمیان مین
دخل دینا نچاہئے۔ لعنت کوئی ضروری چیز نہین ہے کہ جس سے باز پرس
کا خدشہ ہو بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنے سے سکوت کیا جاے
تو کچھ سوال نہوگا برخلاف اسکے اگر کسی چیز پر لعنت کروگے تو ضرور
مواخذہ عقبیٰ مین گرفتار ہو جاؤ گے۔ خدا کی بنائی ہوئی چیزون
کے مذمت نکرنی چاہئے حدیث شریف مین وارد ہے کہ جناب
رسالت مآب علیہ افضل التحیۃ والسلام برے سے برے کہانے کی
بھی کبھی شکایت نہین کرتے تھے بلکہ عادت شریف یہہ تھی کہ اگر رغبت
ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔
(۷) کسیکے لئے بد دعا نکرنی چاہئے گو کسی نے ایذا بھی پہنچائی

ہو۔ کہ ظالم سے خود خدا سمجھ لیگا۔ حدیث شریف مین وارد ہے کہ مظلوم اپنے ظالم کے ہلاک کی خواہش کریگا تاکہ اوس مظلمہ کا بدل ہو جاے جو ظالم سے سرزد ہوا تہا۔ اس بدل مین ظالم کا حق مظلوم پر باقی رہ جائیگا۔ جس کا مواخذہ قیامت کے روز مظلوم سے ہوگا۔ بعض لوگون نے حجاج بن یوسف کے نسبت اوس کے ظلم کے لحاظ سے زبان درازی کی ہے اسکی نسبت بھی علماء سلف کا بیان ہے کہ اس زبان درازی کا اون لوگون سے قیامت مین مواخذہ ہوگا گو اوس سے بھی اوس کے ظلم کے نسبت باز پرس ہوگی۔

(۸) تمسخر اور مزاح سے حفاظت لازم ہے۔ یہہ ایسی بُری چیز ہے کہ اس سے بوجہ شرمندگی لوگون کا منہہ فق ہو جاتا ہے۔ اور رعب و داب مین فرق پڑجاتا ہے۔ مسخرے آدمی سے لوگون کو وحشت ہوتی ہے۔ تمسخر اکثر دلشکنی کا باعث اور خصومت و برہمی مزاج اور قطع محبت کی جڑ ہے۔ دلون مین اس سے حسد کی بنیاد قایم ہو جاتی ہے۔ بہرحال اس سے جہانتک ممکن ہو احتراز کرین بلکہ انسان کو چاہئے کہ اس مضمون پر عمل کرین اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ یعنے کلام لغو سے درگذر و امر

معروف اور نہی منکر کی ہدایت کرو حقیقت مین یہہ ایک بڑی آفت
کی چیز ہی اس سے زبان کا بچنا بہت ہی دشوار ہی۔ اس سے بچنے کے لئے
عزلت یا خموشی سے بہتر کوی تدبیر نہین ہی۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ
عنہ اکثر منھ مین پتھر رکھا کرتے تھے تا کہ ایسی باتون سے بچین اور
زبان کیطرف اشارہ کرکے فرماتے تھے کہ یہی چیز ہے کہ جس سے
مجھکو اندیشہ ہی جسقدر ہوسکے اسکی حفاظت کرو کہ اس سے بڑہکر انسان کیلئے
کوی مہلک چیز نہین ہی خواہ دنیا مین ہو یا آخرۃ مین۔
۴ حفاظت شکم۔ مشتبہ اور حرام کہانے سے بچنا چاہئے۔ رزق حلال
کی کوشش کرین جب بقدر ضرورت ملجاسے تو تہوڑی پر ہی کفایت کرین
سیری سے کہانا دل کو سخت بنا دیتا ہی۔ قوت حافظہ مین فساد عبادت
اور حصول علم مین کہالت اسیکے بدولت پیدا ہوتی ہی۔ یہی باعث ہیجان
شہوت ہی۔ اسی سے لشکر شیطان کو تقویت پہونچتی ہے۔ جب طعام
حلال کا یہہ حال ہو تو واسے بر حرام خوری۔ جو شخص کہ حرام کہاسے
اور عبادت و تحصیل علم مین مشغول ہو تو اوسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوی
شخص سرگین سے گہر بناسے۔ اگر آدمی موسٹے کپڑسے اور کہانے

پر راضی ہو جاوے اور لذات شہوانی کو ترک کر دے تو ارتکاب حرام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ طلب حلال سے مقصود یہہ ہے کہ تا بمد علم حرام چیز کا ارتکاب نہو اجرت نوحہ۔ قیمت شراب۔ سود۔ آلات لہو یعنی مزامیر کے ذریعہ سے جو حاصل ہو سب حرام ہی۔ وقف کا مال بغیر شرط وقف کنندہ کے کہانا حرام ہی۔ طالبعلمون کے لئے جو چیز وقف ہو وہ غیر طالب العلم کیلئے ناجایز ہی۔ مردود الشہادت کے پاس کہانا حرام ہی۔ اور جو چیز صوفیاے کرام کے نام سے لیجای خواہ از قبیل وقف ہو یا نہو اس مین تصرف حرام ہی۔ مصنف کتاب (امام غزالی رح) نے احیای علوم مین اسکی تفصیل ایک خاص باب مین لکھی ہی اگر اس سے زیادہ تفصیل معلوم کرنی ہو تو احیاے علوم دیکھین کہ معرفت حلال و حرام کے بھی فرض ہی۔

۵ فرج۔ ارتکاب حرام سے فرج کا بچانا ضروری۔ دیکھو خداوند عالم کا کیا ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ ارتکاب حرام سے آدمی اوسوقت تک نہین بچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت نکرے اور جن

وجمال کا خیال دل سے نہ نکالے۔ اور حرام کہانے سے اپنے شکم کو محفوظ رکہے۔ کہ یہ چیزین شہوت کے محرک ہین۔

(۶) ہاتھ۔ مسلمانون کو مارنے اور مال حرام کے لینے سے ہاتون کو بچانا چاہیئے اور نیز مخلوق کو ایذا دینے سے امانت ودیعت مین خیانت کرنے سے اور مضامین ناجایز کے لکہنے سے بھی اسکی صیانت ضرور ہی۔

(۷) پاؤن کو حرام کامون کے کرنے کے لئے جانے سے جیسے کسیکی غیبت کرنے اور مسلمان عورتون کا تعاقب کرنے اور پادشاہ ظالم کے دروازہ تک جانے سے پاؤن کو بچائے۔ بغیر ضرورت شدیدہ کے پادشاہ ظالم کے دروازہ تک جانا گناہ کبیرہ مین داخل ہی۔ کہ خوشامد وچاپلوسی مین داخل ہی۔ اور نیز اوس کے ظلم کو ماننا اور اوسکی ترغیب دلانا ہی۔ حالانکہ خداوند عالم نے اسکی ممانعت کی ہی۔ وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ مت رغبت کرو تم اون لوگون کے طرف جو ظلم کرتے ہین تاکہ تمکو دوزخ کے آگ سے گزند نہ پہونچے حدیث شریف مین وارد ہی۔ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ

صَالِحٍ لِغِنَاءٍ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهِ جو شخص کہ تونگر صالح کی تواضع صرف اوسکی مالداری کے لحاظ سے کرے تو اوس کے دین کا تیسرا حصہ کم ہو جاتا ہی جب کہ تونگر صالح کے تواضع کا یہہ حال ہی تو تونگر ظالم کے تواضع اور خوشامد کا کیا نتیجہ ہو گا۔ الحاصل تمام اعضای انسانی خدا کے نعمت ہین ان سے کوی ایسی حرکت واقع نہو نے پاوے جو موجب معصیت ہو اور تا بامکان اسبات کی کوشش کیجاوے کہ یہہ عبادت الٰہی مین مستعمل ہون۔ اگر کوی شخص اسکا خیال نکرے تو وہ اوس وبال مین مبتلا ہو گا جو ان اعضا کے استعمال ناجایز سے واقع ہو۔ بہرکیف نیکی اور بدی کے نتایج تمہارے ہی لئے مفید اور مضر ہین خدا وند عالم تم سے اور تمہارے اعمال سے مستغنی ہے اوسکو کسی چیز کی پروا نہین ہے۔ بعض لوگ خدا کے رحم و عنایت پر بھروسہ کر کے نیک اعمال کو ترک کر دیتے ہین۔ اگرچیکہ خدا رحیم و کریم ہی مگر صرف اس خیال سے اعمال نیک کا ترک کر دینا بھی حماقت مین داخل ہی۔ کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہی کہ عقلمند وہ شخص ہی جو اپنے نفس پر ملامت کرے اور طاعت مین مشغول ہو۔ تاکہ اسکا نتیجہ آخرت مین ملے اور احمق وہ ہی کہ اپنے نفس پرستی مین مصروف رہے اور خدا سے

جھوٹی امید رکھے کیونکہ اگر خدا سے سچی اور نیک امید ہوتی تو اوس کے
احکام کی تعمیل کرنا اور نیک اعمال کی رغبت ہونا بھی ضرور ہے۔ بغیر اس کے
صرف اس قسم کا خیال کر لینا ایسا ہی جیسا کہ کوئی شخص عالم ہونے کا تو خواہش مند
ہو مگر لکھنے پڑھنے کی کوشش نکرے اور فقط یہہ بات دل مین قرار دیلے
کہ خداوند عالم کریم و رحیم ہے اور اسبات پر قادر ہے کہ بغیر کسب علوم کے بھی دولت
علم سے سرفراز کرے جیسا کہ خاص خاص بندون کے ساتھہ سلوک کیا ہے۔ یہہ بات
ویسی ہے کہ حصول مال کی تو خواہش ہو مگر کسب و تجارت کا کچھہ بھی خیال نہو۔ اور
صرف یہہ مان لیا جاے کہ ہرگاہ خدا خزاین سماوات و ارض کا مالک ہے۔ ممکن
ہے کہ کوئی خزانہ ہمکو بھی دیدے۔ مگر ہر شخص کو اسطرح کا خیال کر کے کوشش کا
چھوڑ دینا محض احمقی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی
یعنے انسان صرف اپنی سعی سے متمتع ہو سکتا ہے۔ اور پہر ارشاد ہوتا ہے
اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یعنے تمہارے اعمال کی جزا تمکو ملیگی۔ اِنَّ
الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ۔ نیک بندے بہشت مین ہین
اور بدکار جہنم مین۔ جب یہہ حال ہے تو انسان کو زاد آخرت کے جمع کرنے
مین ہرگز کوتاہی نکرنی چاہئے۔ دنیا اور آخرت کا مالک وہی رحیم و کریم ہے

ہماری طاعت سے کچھ اوس کا کرم زیادہ نہیں ہوتا۔ اوسکا غایت کرم یہی ہے
کہ ہمکو نعیم دایم کے حصول کی راہ بتلادے اور نعیم دایم یہی ہی کہ انسان
اس چندروزہ دنیا مین ترک شہوات پر قادر ہولے اور ہوس باطل کے
درپے نہو۔ یعنے یہہ خیال کرے کہ بغیر عمل کے بہی نجات ہوجائیگی کیونکہ بغیر تخم
بونے کے درو کی امید کرنا عبث ہی۔ اس لئے ضرور ہو کہ انبیا اور صالحین
کی اتباع کیجاے۔ کہ سوای عمل صالح کے مغفرت کی آرزو بیفایدہ ہے۔
مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا جو شخص مشتاق لقا اپنے
رب کا ہو تو اوسکو عمل نیک کرنا چاہیے۔ اور نیز اسباب کو سمجہنا چاہیے
کہ اعمال جوارح کا منشا دل ہی۔ اگر برے افعال سے اپنے جوارح کی حفاظت
منظور ہو تو پہلے دل کے صفائی کی کوشش کرے۔ دل کے صفائی
کے لئے باطنی تقوی کی ضرورت ہی۔ کیونکہ دل ایک ایسا جز ہی کہ اگر
یہہ پاک ہو تو سب جسم اسکے ساتھ پاک ہوجاتا ہی اگر یہہ خراب ہو
اور اس مین فساد پیدا ہوجاے تو تمام جسم مین فساد پیدا ہوجاتا ہی
پس اسکے لئے مراقبہ کا التزام ضرور ہے۔

دل کے گناہون کے بیان مین

یہہ بات ظاہر ہی کہ صفات مذمومہ بہت ہین اور اس سے دلکو صاف کرنے کے طریقہ بھی بے انتہا ہین۔ مگر وہ طریقہ اسوجہ سے کہ انسان اپنے سب اوقات زینت دنیا کے حاصل کرنے مین کہو دیتا ہی بالکل مشکل ہوگئے ہین اور اوسکا علم بھی بالکلیہ مندرس ہوگیا ہی۔ (گو کتاب احیاء علوم کے ربع ثالث اور ربع رابع مین اسکا ذکر بتفصیل ہی)

تاہم تین چیز جو بالکل خباثت قلب سے ہین اور جس سے احتراز ضرور ہی ذکر کئے جاتے ہین یعنے حسد۔ ریا اور عجب ان سے بہت ہی اپنے دلکو بچانا چاہیئے۔ اگر اس سے نجات ہو تو پہر دوسرے مہلکات سے بچنے کی توقع ہی اگر اسپر دسترس ہنو تو پہر خدا ہی حافظ ہی۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُّطَاعٌ وَهَوًى مُّتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔ تین چیز ہلاکت مین ڈالنے والے ہین ایک بخل ہی یعنے خدا اور خلق کا حق ادا نکرنا دوسرے خواہش نفسانی کی اطاعت کرنا۔ تیسرے خود بینی۔ حسد بھی بخل کا شعبہ ہی کیونکہ بخیل وہ ہی کہ جو اپنی چیز غیر کو ندے۔ اور شحیح اوسکو کہتے ہین کہ جو نعمات الٰہی پر قادر ہو اور اوس کے صرف کرنے مین بخل کرے۔ حاسد جب دیکھتا کہ

کہ کوئی شخص نعمات الٰہی سے (یعنے علم ومال سے) مالامال ہو تو اوسکو
بہت ناگوار ہوتا ہی۔ بلکہ ہمیشہ اوس کے زوال منزلت کے خواہش کرتا رہتا ہی
اگرچہ کسیکی زوال نعمت سے اوسکا کوئی فائدہ نہین ہو مگر سیات کا وہی
ضرور ہوگا۔ یہہ گویا انتہا درجہ کی خباثت ہی۔ اسواسطے حدیث شریف
مین آیا ہی اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنے جیسی آگ
لکڑی کو کہا جاتی ہو ویسا ہی حسد نیکیون کو حبث کرجاتا ہی۔ حاسد ایسا بدبخت
ہی کہ کبھی اوسپر رحم ہوگا وہ ہمیشہ عذاب دنیا مین مبتلا رہیگا کیونکہ دنیا
مین اکثر بندہ ایسے ہین کہ جو انعام الٰہی سے سرفراز ہین اونکا دیکہنا ہی
اوسکے لئے جہنم کا کام دیگا۔ جب کہ دنیا کے عذاب کا یہہ حال ہو تو
آخرت کا اللہ ہی نگہبان ہی۔ انسان اوسوقت تک حقیقت ولذت ایمان
سے مستفیض نہین ہوسکتا جب تک کہ وہ اوس چیز کو جو اپنے لئے پسند
اور دوست رکہتا ہی تمام مسلمانون کے لئے دوست نہین رکہتا۔ ظاہر
وباطن تمام کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ چاہیے کیونکہ سب مسلمان مثل بنائے
واحد کے ہین اور ایک کو دوسرے سے تائید ملتی ہی چنانچہ سعدی
علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہی **قطعہ** بنی آدم اعضای یکدیگر اند

کہ در آفرینش زیک جوہر اند + چون عضوی بدرد آورد روزگار +
دگر عضوہا را نماند قرار + پس جبتک اسقدر ہمدردی اور محبت باہمی انسان
مین نہ پیدا ہو اوسوقت تک ثمرہ اعمال کے امید رکہنا اور ہلاکت سے
بچنے کا خیال کرنا بے سود ہی۔

۲۔ ریا۔ یہہ تو شرک خفی ہی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِتَّقُوْا الشِّرْکَ الْاَصْغَرَ قَالُوْا وَمَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّیَاءُ فرمایا
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ شرک اصغر سے بچو تو
پوچہا حاضرین نے کہ یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہی تو آپ نے فرمایا
کہ ریا ہی۔ اصل معنی ریا کے یہہ ہین کہ باظہار خصایل نیک لوگون کے
دلون مین جگہ پیدا کرنا۔ تاکہ نمایش ومنزلت حاصل ہو حب جاہ انسان
مین صرف بوجہ اتباع خواہش نفسانی پیدا ہو جاتی ہی اس مین اکثر لوگ تباہ
اور برباد ہو چکے ہین اور ہوتے جاتے ہین۔ لوگ اگر انصاف کرین
تو سمجہین کہ عادتی اعمال تو رہے درکنار اونکے علوم وعبادات کی
محرک بہی ریا ونمایش ہی اور یہ ایسی بُری بلا ہی کہ اعمال حسنہ کے
ثواب کو برباد کئے دیتی ہی۔ چنانچہ حدیث شریف مین وارد ہی کہ جب

بعض شہید قیامت کے دن دوزخ کے طرف کھینچے جائینگے تو عرض کرینگے کہ ای پروردگار یہہ فعل تو ہمنے تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا کیا اسکی یہی جزا ہی۔ تو جناب باری سے حکم ہوگا کہ نہین تمھاری یہہ خواہش تھی کہ لوگ تمکو جوانمرد کہین سو تمھاری یہ خواہش پوری ہوچکی یعنے تم لوگون مین شجاع کہلاے پس تمہارے لئے یہی اجر تھا۔ یہی حال علما و حجاج و واعظین وغیرہ کا ہی۔ عجب و کبر و فخر۔ یہہ تو بڑی سخت بیماری ہی۔ عجب وہ ہی کہ آدمی اپنے آپ کو بنظر عظمت اور دوسرے کو بنظر ذلت و حقارت دیکھے۔ اور ہر بات مین منم منم زبان پر ہو جیسا کہ ابلیس لعین کا دعوی ہی کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ مین آدم سے اچھا ہون کیونکہ تو نے مجھکو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ عجب سے غرض یہہ ہی کہ لوگون مین اپنی توقیر ہو اور ہر کام اور ہر بات مین لوگ اپنی عزت کرین کبر کی یہہ معنی ہین کہ ہدایت نیک کے قبول کرنیسے نفس مین گریز ہو۔ اور تردید قول سے رنج۔ المختصر جو شخص کہ اپنے کو دوسرون سے اچھا سمجھے وہ متکبر ہی۔ بلکہ انسان کو یہہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیک وہ شخص ہی جو خدا کے پاس بھی نیک ہو مگر اسکا معلوم کرنا محال

ہر کیونکہ وہ متعلق بعلم غیب ہی اسکا حال وقت اخیر معلوم ہوسکیگا۔ یہہ
خیال کر لینا کہ ہم ہی سب سے اچھے ہین جہالت ہی بلکہ چاہئے تو یہہ
کہ ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھے۔ مثلاً بچون کو دیکھین تو یہہ خیال
کرین کہ یہہ کم سن ہین انہونے معصیت نہین کی ہی۔ اور ہم گناہ مین
مبتلا ہین۔ بیشک یہہ ہم سے اچھے ہین۔ اگر بوڈھون کو دیکھین تو یہہ خیال
کرین کہ انہونے بوجہ کبر سنی ہم سے زیادہ عبادت کی ہی۔ اس لئے
یہہ ہم سے بہتر ہین۔ اگر عالم ہون تو یہہ سمجھین کہ انکو خدا نے ایسی بزرگی
دی ہی جو ہم مین نہین ہی۔ تو ہم انکے برابر کیونکر ہوسکتے ہین۔ اگر کسی
جاہل کو دیکھین تو یہہ سمجھین کہ اس نے بوجہہ لاعلمی برائی کی اور ہم نے
جان بوجھ کر معصیت کی ہی ہمین پر سخت عذاب ہوگا۔ اگر کافر ہو تو
یہہ خیال کرے کہ شاید یہہ کبھی مسلمان ہوجاے اور اسکا خاتمہ بخیر ہو
ممکن ہی کہ وہ مقبول بارگاہ ہوجاے اور ہم مردود رہین۔ الحاصل
تکبر اوسوقت تک دفع ہو نہین سکتا جب تک کہ پوری طور پر یہہ یقین
نہو جاے کہ بزرگ وہ ہی جو خدا کے پاس بزرگ ہی۔ اور اسکا معلوم
کرنا خاتمہ پر موقوف ہی۔ جب یہہ بات بالکلیہ خاطرنشین ہوجاے تو

رفتہ رفتہ تکبر دفع ہوسکتا ہے کیونکہ خاتمہ کا کسکو علم ہے۔ خدا مقلب القلوب ہے جس کو چاہا ہدایت پر لایا اور جسکو چاہا گمراہ کیا۔ حسد وغیرہ کے برائیون مین تو بہت سے احادیث ہین مگر یہان صرف ایک حدیث کا نقل کرنا باقتضاے مقام کافی ہوگا رَوَی ابْنُ الْمُبَارَكِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ رَجُلٍ أَنَّهُ قَالَ لِمُعَاذٍ يَا مُعَاذُ حَدِّثْنِي حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلعم فَبَكَى مُعَاذٌ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ لَا يَسْكُتُ ثُمَّ سَكَتَ ثُمَّ قَالَ وَاشَوْقَاهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِلَى لِقَائِهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَا مُعَاذُ إِنِّي مُحَدِّثُكَ بِحَدِيثٍ إِنْ أَنْتَ حَفِظْتَهُ نَفَعَكَ عِنْدَ اللهِ وَإِنْ أَنْتَ ضَيَّعْتَهُ وَلَمْ تَحْفَظْهُ انْقَطَعَتْ حُجَّتُكَ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا مُعَاذُ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ سَبْعَةَ أَمْلَاكٍ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فَجَعَلَ لِكُلِّ سَمَاءٍ مِنَ السَّبْعِ مَلَكًا بَوَّابًا عَلَيْهَا فَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مِنْ حِينَ أَصْبَحَ إِلَى حِينَ أَمْسَى لَهُ نُورٌ كَنُورِ الشَّمْسِ حَتَّى إِذَا صَعِدَتْ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا زَكَّتْهُ وَكَثَّرَتْهُ فَيَقُولُ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهَا لِلْحَفَظَةِ اضْرِبُوا بِهٰذَا

الْعَمَلَ وَجْهَ صَاحِبِهٖ اَنَا صَاحِبُ الْعُجْبِ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ
عَمَلَ مَنِ اغْتَابَ النَّاسَ یُجَاوِزُنِیْ اِلٰی غَیْرِیْ قَالَ ثُمَّ تَاْتِی الْحَفَظَةُ
بِعَمَلٍ صَالِحٍ مِّنْ اَعْمَالِ الْعَبْدِ فَتَزَکِّیْهِ وَتُکَثِّرُهٗ حَتّٰی تَبْلُغَ بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ
الثَّانِیَةِ فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ
وَجْهَ صَاحِبِهٖ اِنَّهٗ اَرَادَ بِعَمَلِهٖ عَرَضَ الدُّنْیَا اَنَا مَلَکُ الْفَخْرِ
اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ یُجَاوِزُنِیْ اِلٰی غَیْرِیْ اِنَّهٗ کَانَ یَفْتَخِرُ
عَلَی النَّاسِ فِیْ مَجَالِسِهِمْ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ
بِعَمَلِ الْعَبْدِ یَبْتَهِجُ نُوْرًا مِّنْ صَدَقَةٍ وَّصَلَاةٍ وَّصِیَامٍ قَدْ اَعْجَبَ
الْحَفَظَةَ فَیُجَاوِزُوْنَ بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَکُ
الْمُوَکَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ اَنَا مَلَکُ
الْکِبْرِ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ یُجَاوِزُنِیْ اِلٰی غَیْرِیْ اِنَّهٗ
کَانَ یَتَکَبَّرُ عَلَی النَّاسِ فِیْ مَجَالِسِهِمْ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ
بِعَمَلِ الْعَبْدِ یَزْهُوْ کَمَا یَزْهُو الْکَوْکَبُ الدُّرِّیُّ لَهٗ دَوِیٌّ مِّنْ
تَسْبِیْحٍ وَّصَلَاةٍ وَّصِیَامٍ وَّحَجٍّ وَّعُمْرَةٍ حَتّٰی یُجَاوِزُوْا بِهٖ
اِلَی السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا

بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ وَظَهْرَهٗ وَبَطْنَهٗ اَنَا صَاحِبُ الْعُجْبِ
اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ يُجَاوِزُنِیْ اِلٰى غَيْرِیْ اِنَّهٗ كَانَ
اِذَا عَمِلَ عَمَلًا اَدْخَلَ الْعُجْبَ فِيْهِ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ بِعَمَلِ
الْعَبْدِ حَتّٰى يُجَاوِزُوْا بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ كَاَنَّهُ الْعَرُوْسُ الْمَزْفُوْفَةُ
اِلٰى بَعْلِهَا فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا
الْعَمَلِ وَجْهَ صَاحِبِهٖ وَاحْمِلُوْهُ عَلٰى عَاتِقِهٖ اَنَا مَلَكُ الْحَسَدِ اِنَّهٗ
كَانَ يَحْسُدُ مَنْ يَتَعَلَّمُ وَيَعْمَلُ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ وَكُلُّ مَنْ كَانَ يَاْخُذُ
فَضْلًا مِنَ الْعِبَادَةِ كَانَ يَحْسُدُهُمْ وَيَقَعُ فِيْهِمْ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ
اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ يُجَاوِزُنِیْ اِلٰى غَيْرِیْ قَالَ وَتَصْعَدُ الْحَفَظَةُ
بِعَمَلِ الْعَبْدِ لَهٗ ضَوْءٌ كَضَوْءِ الشَّمْسِ مِنْ صَلٰوةٍ وَزَكٰوةٍ وَحَجٍّ
وَعُمْرَةٍ وَجِهَادٍ وَصِيَامٍ يَتَجَاوَزُوْنَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ
فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهَا قِفُوْا وَاضْرِبُوْا بِهٰذَا الْعَمَلِ وَجْهَ
صَاحِبِهٖ اِنَّهٗ كَانَ لَا يَرْحَمُ اِنْسَانًا قَطُّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ اَصَابَهٗ
بَلَاءٌ اَوْ مَرَضٌ بَلْ كَانَ يَشْمَتُ بِهٖ اَنَا مَلَكُ الرَّحْمَةِ اَمَرَنِیْ
رَبِّیْ اَنْ لَّا اَدَعَ عَمَلَهٗ يُجَاوِزُنِیْ اِلٰى غَيْرِیْ قَالَ وَتَصْعَدُ

الحفظۃ بعمل العبد من صوم و صلاۃ و نفقۃ و جہاد و
ورع لہ دوی کدوی النحل وضوء کضوء الشمس و معہ ثلثۃ
الاف ملک فیجاوزون بہ الی السماء السابعۃ فیقول
لہم الملک الموکل بہا قفوا واضربوا بہذا العمل وجہ صاحبہ
واضربوا جوارحہ واقفلوا بہ علی قلبہ فانی احجب عن ربی
کل عمل لم یرد بہ وجہ ربی انہ انما اراد بعملہ غیر اللہ
تعالی انہ اراد بہ رفعۃ عند الفقہاء و ذکرا عند العلماء
وصیتا فی المدائن امرنی ربی ان لا ادع عملہ یجاوزنی
الی غیری و کل عمل لم یکن للہ تعالی خالصا فہو ریاء ولا یقبل
اللہ عمل المرائی قال و تصعد الحفظۃ بعمل العبد من صلاۃ و
زکوۃ و صیام و حج و عمرۃ و خلق حسن و صمت و ذکر اللہ تعالی
فتشیعہ ملائکۃ السماوات السبع حتی یقطعوا بہ الحجب
کلہا الی اللہ تعالی فیقفون بین یدیہ ویشہدون لہ
بالعمل الصالح المخلص للہ تعالی فیقول اللہ تعالی انتم الحفظۃ
علی عمل عبدی وانا الرقیب علی ما فی قلبہ انہ لم یردنی

بهذا العمل وانما اراد به غيري فعليه لعنتي فتقول الملائكة كلها عليه لعنتك ولعنتنا فتلعنه السموات السبع ومن فيهن ثم بكى معاذ وانتحب انتحابا شديدا وقال معاذ قلت يا رسول الله انت رسول الله وانا معاذ فكيف لي بالنجاة والخلاص من ذلك قال اقتد بي وان كان في عملك نقص يا معاذ حافظ على لسانك من الوقيعة في اخوانك من حملة القرآن خاصة واحمل ذنوبك عليك ولا تحملها عليهم ولا تذل نفسك وبذمهم ولا ترفع نفسك عليهم ولا تدخل عمل الدنيا في عمل الآخرة ولا تراء بعملك ولا تتكبر في مجلسك لكي يحذر الناس من سوء خلقك ولا تناج رجلا وعندك آخر ولا تتعظم على الناس فتنقطع عنك خيرات الدنيا والآخرة ولا تمزق الناس بلسانك فتمزقك كلاب النار يوم القيامة في النار قال الله تعالى والناشطات نشطا هل تدري ما هن يا معاذ قلت ما هي بابي انت وامي يا رسول الله قال كلاب في النار تنشط اللحم من العظم قلت بابي انت وامي يا رسول الله من يطيق هذه الخصال ومن ينجو منها قال يا معاذ انه ليسير

عَلٰی مَنْ یَسَّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ مِنْ ذٰلِکَ اَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ وَتَکْرَہَ لَھُمْ مَا تَکْرَہُ لِنَفْسِکَ فَاِذَنْ اَنْتَ یَا مُعَاذُ قَدْ سَلِمْتَ ابن مبارک سے روایت ہی کہ ایک شخص نے معاذ رض سے کہا کہ ای معاذ وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے جناب رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام سے سنی ہی۔ سایل کہتا ہی کہ یہہ سنتے ہی معاذ اسقدر رونا شروع کئے کہ مین سمجھتا تہا۔ کہ وہ سکوت نکرینگے۔ پہر وہ یکبار ساکت ہوسے اور واشوقا ہ الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والی لقائہ کہکر بیان کئے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا ہی کہ اے معاذ مین تجہسے ایک حدیث کہتا ہون اگر تو اسکو یاد رکہے تو نفع دیگی تجہکو اللہ کے پاس۔ اگر تو اسکو ضایع کردے یا بہول جاسے تو پہر قیامت کے دن خدا کے سامنے تو کوی دلیل پیش نکرسکیگا۔ ای معاذ قبل پیدا کرنے زمین وآسمان کے خداوند عالم نے سات فرشتون کو پیدا کیا۔ اور ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر دربان مقرر کیا۔ جو فرشتے کہ تحریر اعمال کے لئے معین ہین وہ صبح سے شام تک ہر شخص کے اعمال کو جو کچھہ ہون آسمان پر لے جاتے ہین تو آسمان اول کا دربان

کہتا ہی کہ اس عمل کو صاحب عمل کے پاس ہی پھر لیجاؤ - مین صاحب
غیبت ہون مجھکو اللہ کا یہہ حکم ہی کہ جو شخص دوسرون کی غیبت کرتا ہی
اوس کے اعمال کو روک دون - پھر یہہ فرشتہ دوسرے شخص کے
نیک اعمال کو لیکر تعریف کرتے ہوے آسمان پر جاتے ہین یہانتک
کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہین تو وہان کا دربان کہتا ہی
کہ مین فرشتہ فخر ہون مجھکو ایسے شخص کے اعمال کو آگے بڑہانے
کی اجازت نہین ہی کہ جس نے یہہ اعمال صرف منفعت دنیا کے
لحاظ سے کیا ہی کیونکہ یہہ شخص اپنے اعمال کے گھمنڈ پر مجلسون مین
فخر کیا کرتا تھا پھر وہ فرشتہ ایک اور شخص کے نیک اعمال
(جو از قبیل صدقہ وصلواۃ وصوم ہین) نہایت تعجب کے ساتھ لیئے
اون آسمانون پر سے عبور کرتے ہوے تیسرے آسمان تک
پہنچیگا تو وہان کا دربان کہیگا کہ مین فرشتہ کبر ہون مجھکو حکم ہے
کہ متکبرین کے اعمال کو نہ چھوڑون یہ شخص متکبر تھا اوس کے
اعمال اوس کے پاس پھیر لیجاؤ - پھر اور ایک شخص کے اعمال نیک
اسی طرح فرشتہ بڑے فخر کے ساتھ آسمان چارم تک لیجائینگے

مگر موکل آسمان چارم کہیگا کہ مین صاحب عجب ہون اس شخص کے اعمال
مین عجب یعنے غرور شریک ہی مجھکو ایسے شخص کے اعمال کے چھوڑنے
کی اجازت نہین ہی۔ اسیطرح ایک اور شخص کے اعمال حسنہ مثل عروس
کے لئے ہوسے آسمان پنجم پر پہونچینگے تو وہان کا فرشتہ کہیگا کہ مین
صاحب حسد ہون اس شخص کے اعمال کو واپس لیجاو کہ یہہ جب کسیکو
ذی علم یا مثل اپنے کام کرتے ہوسے دیکھتا یا کسیکو اچھی حالت مین پاتا
تو حسد وعیب جینی کیا کرتا تہا۔ علی ہذا پہر ایک کے اعمال حسنہ کہ جسکی چمک چاند
کی سی ہوگی (از قبیل نماز۔ زکاۃ۔ حج۔ عمرہ۔ جہاد۔ روزہ لئے ہوسے
آسمان ششم پر پہونچینگے تو موکل آسمان ششم کہیگا کہ مین صاحب رحمت
ہون یہہ شخص کبھی کسی مصیبت زدہ و بلا رسیدہ پر رحم نہین کرتا تھا
بلکہ اس کی عادت تھی کہ ایسے لوگون کی شماتت کرے لہذا مین ایسے
شخص کے اعمال کو اوپر جانے دینے سے ممنوع ہون اسکے اعمال
پہر لیجاؤ اسیطرح پہر ایک کے نیک اعمال (مثل نماز و روزہ نفقہ
وجہاد و اتقا کہ جنکی چمک دمک مثل آفتاب کے ہونگے لیکر ساتوین
آسمان تک عروج کرینگے لیکن جو موکل وہان متعین ہی کہیگا کہ مجھکو

شرم آتی ہی کہ ایسے شخص کے اعمال کو چھوڑون کہ جو اللہ کی خوشنودی
کے لئے تو نہین کئے گئے صرف علما و فقہا کے پاس اپنے علو مرتبت
کے لحاظ سے کئے گئے ہین اس سے تو فقط شہرت منظور تھی۔ پہرحال
جو عمل کہ محض بہ نیت رضاے الٰہی نہ ہو وہ ریا ہی اور عمل ریائی اللہ
تعالی کے پاس مقبول نہین ہی۔ اسکے سوا بعض لوگون کے ایسے اعمال بھی ہونگے
جو ان سب مراتب سے گذر کے خاص بارگاہ قدس مین پہونچ جائینگے
اور کل ملایکہ اوس نیک عمل کی گواہی دینگے بااین جناب باری سے
ارشاد ہوگا کہ تم تو صرف محافظین اعمال ہو اور مین اسکا رقیب ہون
مجھکو اس شخص کے دلی قصد سے آگہی ہی۔ اس نے یہہ عمل خاص
میرے لیے نہین کیا ہی۔ بلکہ دوسرون کے دیکھلانے کے لئے
کیا ہی اسواسطے مین اس شخص پر لعنت کرتا ہون یہہ سنتے ہی
کل ملایکہ لعنت کرینگے بلکہ آسمان و زمین اور اوس مین رہنے والے
بھی لعنت کرینگے۔ یہہ سنتے ہی معاذ رونا شروع کئے اور ایک
چیخ ماری اور جناب رسالتاب صلعم سے عرض کئے کہ یا رسول اللہ
آپ تو رسول ہین اور مین معاذ ہون تو پہر فرمائیے کہ میری نجات

کی کیا سبیل ہی تو آپ نے فرمایا کہ میری اقتدا کرو گر تمہارے اعمال مین نقص ہو۔ اے معاذ اپنا ہی جنس کے غیبت سے (خاصتہً مسلمانون کے اور عموماً سب کے غیبت سے) اپنی زبان کو بچاؤ۔ اپنی برائی کو اپنے ہی تک محدود رہنے دو دوسرون کے فتراک مین مت باندھو۔ اور ان کی مذمت کرکے تم اپنے کو مت رسوا کرو۔ اعمال دنیا کو اعمال آخرت مین مت شریک کرو۔ ریا مت کرو۔ تکبر کو چھوڑ دو کہ تمہاری خلق سے جو لازمہ کبر ہی لوگ خایف ہو جائین لوگون کو دشنام مت دو۔ تا کہ دوزخ کے کتے تکو نہ کاٹ کہائین۔ وہ جو خداوند عالم کا ارشاد ہی والناشطات نشطا ای معاذ تم جانتے ہو کہ ناشطات کیا ہی تو معاذ نے عرض کیا کہ میرے مان باپ آپ پر قربان ہون یارسول اللہ آپ ہی فرمائیے کہ وہ کیا ہی تو آپ نے کہا کہ وہ دوزخ کے کتے ہاین ہڈیون سے گوشت جدا کرتے ہین۔ تو معاذ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایسی خصلتون کا اختیار کرنا تو بہت دشوار معلوم ہوتا ہی۔ معلوم نہین کہ نجات کیونکر ہو۔ تو ارشاد ہوا کہ ای معاذ اگر اللہ چاہے تو سب کچھ آسان ہی مگر انسان کو اسقدر لحاظ ضرور ہی کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہ غیر کے

لئے بھی ویسی ہی عزیز رکھے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرے وہ غیر کیلئے بھی اچھی نہ سمجھے اگر یہ بات ہو جاسے تو پھر سلامتی ہی۔ خالد بن معدان کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سننے کے بعد مین نے کسی کو معاذ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہین دیکھا۔ بہرحال ان ابواب کے حصول کا خیال لازم ہی۔ یہ سب خرابیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اکثر لوگ علم کو صرف جاہ و منزلت کے لئے حاصل کرتے ہین اور اسی وجہ سے اس بلا مین پھنس جاتے ہین بلکہ ان سے تو جاہل ہی اچھے کہ ایسے امر سے کوسون بھاگتے ہین۔ اسواسطے ان مہلکات سے حذر کرنا اور اپنے قلب کے صفائی کی فکر کرنا بہت ضرور ہی۔ یہ تینون خصلتین جو ذکر ہوئین امہات خبایث قلب سے ہین اور اسکی جڑ حُبّ دنیا ہی۔ اسواسطے جناب رسالت آب فرماتے ہین کہ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ اور روہو اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ ہے صرف اوس شخص کے لئے ہی جو دنیا کو اوسیقدر اختیار کرے کہ جس سے امور دینی مین تائید ہو۔ اور جسکی نیت یہ ہو کہ صرف تنعمات دنیا مین پھنسے رہین اوس کے لئے تو باعث ہلاکت ہی۔ یہانتک تو ظاہر تقوی کا ذکر بقدر ضرورت بیان ہو چکا پر

اولاً ان معاملات کا امتحان انسان اپنے نفس کے ساتھ کرے اگر
اس مین کامیابی ہو تو پھر احیاء العلوم کا مطالعہ کرے کہ جس مین باطن
تقوی کا ذکر ہے۔ جب باطن تقوی سے بھی دل کی آراستگی ہو جاے
تو اوسوقت بندہ اور خدا کے درمیان جو حجاب ہے رفع ہو جائیگا۔
انوار معارف منکشف ہونگے۔ چشمہ ہای علوم نافعہ دریای دل سے جاری
ہونگے۔ اسرار ملک و ملکوت کہل جائینگے۔ اور اوسوقت اون علوم باطنی
پر بصیرت و قدرت حاصل ہو جائیگی کہ جس کے مقابلہ مین یہہ علوم ظاہری
کہ جکا ذکر تک صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ مین نہین تھا
نظر سے گر جائینگے اگر با این ہمہ اسی قیل و قال اور جھگڑے مین مبتلا
رہنا پسند ہو تو بڑی ہی مصیبت کی بات ہے اور بے انتہا حسرت و ندامت
کا معاملہ ہے۔

آداب صحبت و معاشرت با خدا و با بندگان خدا

انسان کے حضر و سفر اور خواب و بیداری بلکہ موت و حیات مین
جو رفیق ہے وہ وہی پروردگار ہے جو سبکا مالک اور خالق ہے۔ اور رفیق
بھی ایسا کہ جب تم یاد کرو تو تمہارے ساتھ ہے۔ چنانچہ کس مہربانی سے

ارشاد ہوتا ہے کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ اور جب بوجہ قصور عبادت و
ظہور معصیت کے کسیکا دل شکستہ ہو تو اوسکی عنایت کار مومیائی کریگی
چنانچہ حکم ہوتا ہے اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِنْ اَجْلِیْ۔ اگر انسان
ذرا اسباب کو خوب سمجھ لے تو کیا سوای اللہ کے اور کسیکو اپنا معین
وحامی خیال کرسکتا ہے۔ ہرگز نہین پس تمام اوقات اسی ملازمت فکر مین
صرف ہونا سرمایہ نجات ہے۔ اگر اسکا التزام محال ہو تو جب کبھی رات دن
مین موقع ملے اپنے صاحب کے طرف رجوع کرنا۔ اور بعجز و الحاح
اپنے حاجات کا پیش کرنا بہت ضرور ہے اسیکو خلوت کہتے ہین اور
اس خلوت مین آداب مع اللہ کا لحاظ چاہیئے جو چودہ ہین۔ ۱ سر جھکائے
رہین اور آنکھین بند ہون ۲ بالکلیہ خداوند عالم کیطرف متوجہ ہون۔
۳ ساکت رہین ۴ جوارح مین سکون ہو ۵ امتثال اوامر کی پابندی ہو
۶ اور نیز اجتناب از نواہی کی بھی ۷ راضی برضاے الٰہی ہو۔
۸ مداومت ذکر کے قلب ولسان سے رہے ۹ فکر نعماے الٰہی ہو۔
۱۰ حق بات کا اختیار کرنا باطل کا ترک کرنا ۱۱ مخلوقات سے ہر حال
مین قطع امید کرنا ۱۲ خضوع بخوف وہیبت الٰہی ۱۳ انکسار مع الحیاء

۱۴ حیلۂ کسب سے ہاتھ دہونا کیونکہ خدا رزق کا ضامن ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا اللہ کے فضل پر توکل کرنا کیونکہ سواے خدا کے کوی مربی نہین ہے۔ یہہ آداب اسطرح اختیار کئے جائین کہ گویا عادت مین داخل ہوجاوین۔ کیونکہ یہہ آداب اوس مالک کے ساتھ ہین جو ایک لحظ اپنے بندون سے جدا نہین ہوتا۔ مخلوقات کی صحبت وملاقات ایسی نہین ہے کہ وہ کبھی ملتے ہین اور کبھی جدا رہتے ہین اگر کوی عالم ہے تو اوسکو معلوم کرنا چاہئے کہ عالم کے سترہ آداب ہونے چاہئین۔

آداب عالم

۱ بردباری ۲ لزوم حلم ۳ مجلس مین وقار اور آئین کے ساتھ بیٹھنا ۴ بندگان خدا کے ساتھ تکبر نکرے مگر ظالم کے ساتھ تاکہ اوسکو زجر ہو ۵ محافل ومجالس مین تواضع کا لحاظ رکہنا ۶ ترک ہزل ومزاح ۷ شاگردون پر مہربانی کرنا اور جہال سے درگذر نا ۸ نیک تفہیم سے بلید الطبع کی اصلاح کرنا ۹ بلید الطبع پر غضب کرنا ۱۰ جو بات معلوم نہو اوس سے صاف اقرار کرنا اور کچھ شرم نکرنا۔

۱۱ سایل کے تفہیم مین جہانتک ممکن ہو کوشش کرنا ۱۲ دلیل کو ماننا گو دشمن بھی پیش کرے۔ ۱۳ سچی بات کا ماننا اگرچہ اپنے سے کم مرتبہ شخص کہے ۱۴ طالبعلمون کو مضر علم کے حاصل کرنے سے جیسا سحر و نجوم و رمل وغیرہ منع کرنا ۱۵ طلباء کو اسباب سے منع کرنا کہ وہ علوم نافع یعنے علوم دین سے دنیوی اغراض متعلق نکرین ۱۶ طلباء کو قبل از ادای فرض عین فرض کفایہ کے طرف رجوع کرنے سے منع کرنا فرض عین یہہ ہی کہ ظاہر و باطن تقوی سے آراستہ ہو ۱۷ پابندی عمل کیونکہ بغیر عمل کے دوسرون پر نصیحت موثر نہین ہوتی۔

آداب طلبا

۱ اوستاد کو سلام کرنا اور باجازت اوکی خدمت مین حاضر ہونا ۲ اوستاد کے سامنے بڑھ زبانی نکرنی ۳ جب تک اوستاد کسی بات کو نہ پوچھے اپنی طرف سے کچھ بیان کرے ۴ جبتک اوستاد کی اجازت نہو کوی چیز طلب نکرنا ۵ اوستاد کے قول سے تعارض نکرنا۔ یعنے یہہ کہنا کہ فلان شخص نے آپ کے برخلاف اسطرح بیان کیا ہی۔ ۶ خلاف رای اوستاد کے کوی کام

نکرنا ۷ جس مجلس مین اوستاد موجود ہو پہر دوسرے شخص سے سوال
کرنا یا مشورت کرنا منع ہی ۸ اوستاد کے سامنے بادب بیٹھے اور تبسم وغیرہ
نکرے ۹ اگر اوستاد غمگین یا فکرمند ہو تو زاید سوالات نکرنا چاہیے۔
۱۰ جب اوستاد اٹھے تو آپ بھی تعظیما اُٹھ کھڑے ہونا چاہیئے۔ ۱۱
جب اوستاد مجلس سے اوٹھے تو اوس سے باتین اور سوال کرتا ہوا پیچھے پیچھے چلے۔
۱۲ راستے مین چلتے چلتے سوال نکرین الا یہہ کہ وہ اپنے قیامگاہ کو
پھنچ جائین ۱۳ استاد سے بدظنی نکرے۔ گو اوستاد سے کوئی
فعل مکروہ سرزد ہوا ہو۔ اگر اس قسم کا خیال بھی ہو تو وہ قول جو موسیٰ
علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا تہا یاد کرے جو یہہ تہا "کیا تم نے
بغرض ہلاکت اہل کشتی کے کشتی کو توڑ دیا تہا" گو اس طرح موسی علیہ السلام
نے ابتدا ءً خضر علیہ السلام کے حرکت کو مکروہ خیال کرکے کہا مگر
درحقیقت چونکہ وہ فعل شریعت باطن کے موافق تہا لہذا آخر پہر اوسکی
تصدیق کی۔

اولاد کے آداب والدین کے ساتھ

۱ جو بات ماںباپ کہین اوسکو مانین ۲ والدین کی تعظیم ہر وقت

ملحوظ رہے ۳ اطاعت اگرچہ مضر ہو (مگر یہ کہ حد معصیت تک پہونچ جائے) لازم سمجھے ۴ چلنے مین انباپ پر سبقت نکرے ۵ والدین کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کرے ۶ اگر والدین بلائین تو کہے کہ جی حاضر ہوا یعنے بالفاظ تعظیم جواب دے ۷ ہر بات اور ہر کام مین والدین کے رضامندی کا خیال رہے ۸ والدین کے ساتھ بعجز و تواضع پیش آے۔ انکی خدمت خود کرے ۹ والدین پر کسی بات کی منت نرکھے ۱۰ کبھی اونپر نظر غضب نہ دیکھے ۱۱ ترش روئی سے نہ پیش آئے ۱۲ بغیر اذن والدین کے سفر نکرے۔ ہر ایک انسان کے لئے استاد اور والدین کے بعد دوسرے لوگ تین قسم کے ہین دوست۔ جان پہچان۔ اجنبی۔

آداب معاشرت اصناف خلق کیساتھ

پس اگر انسان کو اجنبیون سے معاملہ پڑجاسے تو امور ذیل کا لحاظ رکھے ۱ اونکی گفتگو مین دخل نہ دیا جاوے ۲ اونکی بیہودہ باتین مانی نہ جائین ۳ اگر اون کے زبان سے کچھ الفاظ نالایم بھی سنے تو اوس سے درگذر کرے۔ ۴ اون سے زیادہ ربط و ضبط

نہ بڑہا دین اور نہ اپنا کوئی راز یا حال اونسے بیان کرین ۵ اگر کوئی فعل بد اون سے سرزد ہو تو بشرط امید قبول اوسپر متنبہ کرے ۔

احباب و اخوان کے ساتھ ملاقات رکھنے مین دو باتون کا لحاظ چاہئے ۔ اول یہ کہ آیا وہ صحبت و محبت رکھنے کے لایق ہین کہ نہین ۔ کیونکہ ہر شخص دوستی کے لایق نہین ہوسکتا ۔ جناب رسالتمآب صلعم فرماتے ہین اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ یعنے یہہ کہ انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کرتا ہے ۔ اس لئے جس سے دوستی کیجاے پہلے اوسکی حالت دریافت کیجاے بہرحال جب ایسا کوئی رفیق ملجاے تو پہر یہہ دیکھنا چاہئے کہ اوس مین شرایط مفصل ذیل ہین کہ نہین ۔ عاقل ہو کیونکہ احمق کی صحبت سے بجز وحشت اور قطع محبت کے کوئی نتیجہ ہی نہین ہے ۔ اور نیز یہہ کہ احمق سے سواے مضرت کے نفع کی توقع نہین ۔ گو اوس کے نیت مین نفع پہونچانا ہو ۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین ۔ وَلَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَہْلِ وَاِیَّاکَ وَاِیَّاہُ فَکَمْ مِنْ جَاہِلٍ اَرْدٰی صحبت مت رکھہ جاہل سے اور بچا اپنے کو اوس سے + بہت سے جاہلون نے ہلاک کیا کر

حَلِیْمًا حِیْنَ وَاخَاہُ ٭ یُقَاسُ الْمَرْءُ بِالْمَرْءِ ٭ اِذَا مَا الْمَرْءُ مَا شَاہُ ٭ کَحَذْوِ

دانشمند کو جبکہ اوس سے دوستی کیگئی قیاس کیا جاتا ہے آدمی آدمی کے ساتھ جبکہ اوسکے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مقابلہ

النَّعْلِ بِالنَّعْلِ اِذَا مَا النَّعْلُ حَاذَاہُ ٭ وَلِلشَّیْءِ مِنَ الشَّیْءِ ٭ مَقَایِیْسُ

نعل کا نعل سے کیا جاتا ہے جبکہ نعل مقابل ہو نعل کے ایک چیز کو دوسری چیز سے قیاس اور

وَاَشْبَاہُ ٭ وَلِلْقَلْبِ عَلَی الْقَلْبِ ٭ دَلِیْلٌ حِیْنَ یَلْقَاہُ ٭

مناسبت کا موقع ہے اور دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جب آپس میں ملاقات ہو

۲ خلق۔ بدخلق سے قطع تعلق کرنا چاہئے بدخلق وہ ہے کہ جو غضب و شہوت کے وقت اپنے نفس پر حاوی نہو سکے۔ چنانچہ علقمہ عطاردی نے وفات کے وقت اپنے صاحبزادہ کو کیا خوب نصیحت کی ہے۔ کہ اے فرزند تو ایسے شخص سے دوستی اختیار کر کہ جس سے تیرے مال و آبرو کی حفاظت ہو۔ اور جس کی صحبت تیری زینت کا باعث ہو۔ اور وہ ایسا شخص ہو کہ بوقت حاجت تیری اعانت کر سکے۔ اگر تو اوس کے ساتھ نیکی سے پیش آوے تو وہ بھی تیرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے۔ تیری نیکیوں کا اظہار کرے اور بدیوں کو چھپائے۔ اور جبکو تیرے قول و فعل پر اعتبار ہو اور تیری ترقی مناصب کا خواہان ہو۔ اور بالفرض اگر اختلاف راے بھی ہو تو تیری

راے کو مقدم سمجھے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین اِنَّ اَخَاكَ
سچا دوست
الْحَقَّ مَنْ كَانَ مَعَكَ وَمَنْ يَضُرُّ نَفْسَهُ لِيَنْفَعَكَ وَمَنْ اِذَا
وہ ہر جو تیرے سامنے ہو اور تیرے نفع کیلئے اپنا نقصان بھی گوارا کرے اگر زمانہ
رَيْبُ الزَّمَانِ صَدَعَكَ شَتَّتَ فِيْكَ شَمْلَهُ لِيَجْمَعَكَ۔
سے کچھ تجھکو گزند پہنچے تو وہ ہر طرح کی پریشانی تیری اطمینان کیلئے برداشت کرے

۳ مرد صالح ہو۔ فاسق کی صحبت اختیار نکرنی چاہیئے کیونکہ جس شخص کے
دل مین خدا کا خوف ہوگا وہ کبھی گناہ کبیرہ پر اصرار نکریگا۔ اور جسکو اللہ کا
ڈر نہو گا وہ نفس کی شرارت سے بچ نہین سکتا۔ اور بہت جلد اوسکی حالت
بدلتی جاتی ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تُطِعْ
مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ۔ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا۔
جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد تم مت اطاعت کرو اوس شخص
کی کہ جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے۔ اور صرف ہوای نفسانی مین مبتلا
ہے کہ ایسے شخص کا انجام تباہی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق لایق
صحبت نہین ہے۔ ہمیشہ فسق ومعصیت کا دیکھنا دلکو سخت کو دیتا ہے۔ کیونکہ
کثرت فجور سے گناہ کے ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ غیبت

کو بھی لوگ کچھ نظرِ عظمت سے نہین دیکھتے حالانکہ وہ بڑی بلا ہی۔ اور
بدترین معائب وگناہ سے ہی۔ جیسے کہ ایک عالم کو حریر وطلا کا استعمال
جسطرح ناجایز ہی اوس سے بھی غیبت بُری ہی۔

۴ حریص نہو۔ حریص کی صحبت بھی سم قاتل ہی اوس سے پرہیز کرنا چاہئے۔
کیونکہ انسان بالطبع تشبہ اور اقتدا پر مجبور ہی۔ جیسی صحبت ہو ویسا رنگ
آجاتا ہی۔ بلکہ اکثر طبع سلیم طبع فاسد کے متبع ہوجاتی ہے۔ اور صاحب طبع سلیم کو
اسکی خبر بھی نہین ہوتے۔ پس اگر حریص کی صحبت اختیار کروگے توتم بھی
حریص ہوجاوگے۔ اور اگر زاہد کی صحبت اختیار کروگے تو زاہد بنجاوگے
جناب علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہی کہ أَحْيُوا الطَّاعَاتِ بِمُجَالَسَةِ مَنْ
يُسْتَحْيِي مِنْهُ یعنے زندہ کرو تم عبادت کو اون لوگون کے صحبت سے
جو عبادت سے زندہ ہین یعنے اپنے اوقات کو عبادت مین بسر کرتے ہین
۵۔ صادق ہو۔ جھوٹے کی صحبت مت رکھو کیونکہ جھوٹے آدمی سے اکثر
دہوکا ہوتا ہی۔ جھوٹی بات مثل سراب کے ہی کہ جس سے امور بعید قریب
نظر آتے ہین۔ اور قریب بعید۔ ان خصلتون کے اختیار کرنے مین اکثر
صحبت اہل مدارس (یعنے علما وطلبا) واہل مساجد (زاہدین) مارج

ہوتی ہے۔ پس دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر و یا تو عزلت و تنہائی کہ جو موجب سلامتی ہے یا دوستوں کے اخلاق کا اندازہ کرکے اون سے صحبت اختیار کرو۔

دوست تین قسم کے ہیں ایک دوست عقبیٰ کہ جس میں سوای دینداری کے تم کچھ نہ دیکھوگے۔ دوسرا دوست دنیا کہ جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو تیسرا دوست مونس کہ جس میں کسی قسم کا شر و فساد نہو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اَلْوَحْدَۃُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْوَحْدَۃِ تنہائی بدصحبت سے اچھی ہے اور اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔ عوام الناس تین قسم کے ہیں ایک تو مثل غذا کے ہیں یعنے اون سے طبیعت سیر نہیں ہوتی یہہ تو علما ہیں۔ اور دوسری مثل دوا کے ہیں کہ کبھی اونکی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ تیسری مثل بیماری کے ہیں کہ ان کی احتیاج تو نہیں ہے مگر کبھی آدمی انہیں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور وہ کہ جس سے نہ تو کچھ نفع ہو اور نہ موانست جیسا فاسق۔ بدعتی۔ کذاب وغیرہ ایسے لوگوں سے تو بلحاظ دفع شر مدارات کرنی چاہئے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ مُدَارَاۃُ النَّاسِ صَدَقَۃٌ۔

تالیف قلوب صدقہ ہی یعنے تالیف قلوب کا ثواب مثل ثواب صدقہ کے ہی۔ مگر جو لوگ کہ مثل بیماری کے ہین اونکا وجود بھی مصلحت سے خالی نہین ہی اونکے دیکھنے سے انسان کو برے افعال پر آگہی ہوتی ہی اگر انسان مین مادۂ عبرت ہو تو ایسے لوگون سے بہت کچھ اثر پذیر ہو سکتا ہی۔ سعید وہی ہی جو دوسرون کی نصیحت قبول کرے اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ کی یہی معنی ہین عیسے علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس نے ادب سکھلایا تو آپ نے فرمایا کہ مجکو کسی نے ادب نہین سکھلایا مگر یہہ کہ مین جاہلون کو دیکھتا تھا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ حقیقت مین آپکا قول بہت سچا ہی اگر لوگ برے افعال و اقوال سے بچین تو اونکا ادب کمل ہو جائیگا اور کبھی اونکو تعلیم کے حاجت نہ رہیگی۔

بیان رعایت حقوق صحبت

جب تمکو کسی سے مصاحبت و محبت ہو تو تمکو آداب صحبت کا لحاظ رکھنا بھی ضرور ہے اگرچہ آداب صحبت بہت ہین مگر مختصراً کچہہ ذکر کئے جاتے ہین رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی کہ مَثَلُ الْاَخَوَیْنِ مِثْلُ الْیَدَیْنِ تَغْسِلُ اِحْدَاھُمَا الْاُخْرٰی۔ دو دوست مثل دو ہاتھ کے ہین جو ایک

دوسرے کو دھوتا ہے ایک مرتبہ حضرت ایک باغچہ مین تشریف لیگئے
اور وہان سے دو مسواک لئے ایک سیدھا اور ایک ٹیڑا۔ٹیڑا تو اپنے لئے
رکھے اور سیدا بعض اصحاب کو جو ہمراہ تھے عنایت فرمائے تو صحابہ نے
عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کے تو آپ ہم سے زیادہ تر مستحق تھے تو آپنے
فرمایا کہ جب کسیکو کسی سے ملاقات ومصاحبت ہوتی ہے تو اگرچہ وہ صحبت ایک ساعت
کی بھی ہو۔مگر اوس کی نسبت حق اللہ کی نگہبانی یا عدم نگہبانی کا سوال ہوگا یعنے
حقوق صحبت کا اور نیز جناب رسالت آب فرماتے ہین کہ جب دو شخص
آپس مین دوست ہون تو خدا کے پاس زیادہ تر وہ شخص محبوب ہے جو
اپنے دوست کے ساتھ زیادہ رعایت سے پیش آتا ہو۔

آداب صحبت

۱ ایثار مال۔اگر ایثار ہو سکے تو جسقدر ممکن ہو حاجت کے وقت مدد کرے
۲ اعانت ذاتی بطیب خاطر بلا درخواست ۳ حفاظت راز ستر عیوب
اور ایسی چیز کے معلوم کرانے سے سکوت کرنا کہ جس سے اپنے دوست
کی ناخوشی کا احتمال ہو۔۴ اگر لوگ اپنے دوست کی تعریف کرین تو
اوسکا اظہار اپنے دوست پر کرنا اور خود بھی اوس سے خوش ہونا

۵ اگر اپنے دوست کے متعدد نام ہون تو جو نام اوسکو مرغوب ہو اوس سے پکارنا اور اوس کے محاسن کا ذکر بلا افراط و تفریط کرنا۔ نیک افعال کی ستایش کرنی اور برائیون سے درگذرنا۔ اور بشرط ضرورت بہ تلطف و مدارا نصیحت کرنا ۶ دوست کے قصور سے (باوجود قدرت انتقام) درگذر کرنا اور کسی قسم کی ملامت نکرنی ۷ غائبانہ اپنے دوست کیلئے (خواہ زندگی مین ہو یا بعد موت) دعاے خیر کرنا۔ کہ ایسی دعا کبھی رد نہین ہوتی ۸ دوست کے اہل وعیال سے (بعد وفات دوست) اور عزیز و قریب سے اوسی محبت و مروت سے پیش آنا جیسا کہ زندگی مین عادت ہو ۹ دوست کو کسی قسم کی تکلیف ندینا۔ تا بامکان دوست کے مشکلات مین مدد کرنا۔ جاہ و مال کے حاصل کرنے مین اپنے دوست سے استمداد نہ چاہنا کہ اس سے کدورت و تنفر پیدا ہوتا ہی۔ جس بات مین اپنے دوست کی خوشی ہو اوس مین اپنی بھی خوشی سمجھنا۔ اور جس مین اوس کی ناخوشی ہو اوس سے خود بھی ناخوش ہونا۔ پس جب تک اس قسم کا برتاو سراً و علانیۃً نہو اوسوقت تک آدمی درجہ اخلاص مین کامل نہین ہوتا۔ حاصل یہ کہ محبت و مروت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ کیونکہ بغیر اوسکے

اس قسم کے رعایتون کا ملحوظ رکھنا از قبیل محالات ہے ۱۰ اگر دوست سے ملاقات ہو تو پہلے آپ سلام کرنا۔ مجلس مین اپنے دوست کو اچھی جگہہ دینا ۱۱ جب دوست سے ملاقات ہو تو حالت دوست کی اتباع کرنا۔ مثلاً اگر دوست کھڑا ہو تو خود بھی تعظیما کھڑے رہنا ۱۲ جب تک دوست گفتگو کرتے رہے آپ خاموش رہنا اور قطع سخن نکرنا۔ حاصل کلام اپنے دوست کے ساتھ ایسا برتاو کرنا جو کسیطرح ناگوار نہو۔ پس اسطرح جو شخص اپنے دوست کے ساتھ مدارات نکرے وہ دنیا اور آخرت کے وبال مین مبتلا ہوگا۔ یہان تک تو عوام الناس اور احباب کے ساتھ برتاو کرنیکا ذکر ہوا۔ اب اون لوگون کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے فقط تعارف ہو یعنے وہ لوگ جو نہ برتبہ اصدقا ہون اور نہ عوام بلکہ شناسا ہون ایسے لوگون سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ دوست تو ہر حال مین معین ہوگا۔ اور جس سے کسی قسم کا تعارف ہی نہو وہ تو کسی معاملہ مین دخل ہی ندیگا۔ مگر جو لوگ شناسا ہین اور بظاہر دوستی کا دم بھرتے ہین انہین سے ہر قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے ایسے لوگون سے جہانتک ممکن ہو اپنی صحبت کو کم کرنا چاہیئے۔ اگر بالفرض آدمی ایسے لوگون مین کہین

(مثلاً درس گاہون مین یا مساجد مین یا بازار وغیرہ مین) پہنس جاے تو کبھی ان کو بنظر حقارت نہ دیکھے گو بظاہر وہ خفیف وحقیر ہی ہون کیونکہ ممکن ہی کہ خدا کے پاس اونکی منزلت زیادہ ہو۔ اور ایسے لوگون کو اونکے تمول اور وجاہت دنیوی کے لحاظ سے بنظر عظمت دیکھنا بھی منع ہی کہ حب دنیا مین گرفتار نہو جاے جو باعث ہلاکت ہی۔ جناب رسالتمآب صلعم فرماتے ہین کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهِ۔ جو شخص کسی تونگر کے مدارات صرف اوسکی مالداری کے وجہ سے کرے تو اوس کے دین سے دو ثلث گھٹ جائینگے۔ خدا کے پاس دنیا و مافیہا کی کچھ بھی قدر و منزلت نہین ہی۔ پس ان انکراسبات سے پرہیز رہنا چاہیے کہ حصول دنیا کے فکر مین کہین دین برباد نہو جاے۔ وگرنہ پروردگار کے سامنے خفت ورسوای ہوگی اور اس طمع سے خود اہل دنیا کے پاس تم ذلیل ہو جاوگے اور اون سے تمھین کوی نفع نہوگا۔ اور جو لوگ کہ صرف مالداری کے لحاظ سے تمہاری خاطر و مدارات کرین اور یہ تعظیم وتکریم پیش آئین وہ بھروسہ کے لایق نہین ہین کیونکہ تجربہ سے یہہ بات ثابت ہی کہ سچی محبت کرنے والے بہت کم ہین اور امید

ہنین کہ حاضر و غائب لوگ کسی سے یکسان لطف و مہربانی کے ساتھ برتاو کرین

اکثر غائبانہ شکایت ہو جاتی ہی اور ایسا ہونا بعید از قیاس بھی ہنین ہی۔ کیونکہ

جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھین تو ضرور اسبات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ

ہم بھی دوسرون کے نسبت ایسا ہی پیش آتے ہین بلکہ اپنے والدین

اور عزیز و اقارب اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسے ایسے امور کا انتساب

کرتے ہین جو شاید کبھی بالمشافہہ ذکر نکر سکین گے۔ پس اگر کوئی ہماری بھی

شکایت کرے تو کیا عجب ہی۔

اہل دنیا سے مال وجاہ اور اعانت کے توقع کو بھی قطع کرنا چاہئے کیونکہ

طامع اپنے مقاصد کو کم حاصل کرتا ہی بلکہ جسقدر طمع زاید ہو گی اوسیقدر

ذلت حاصل ہو گی۔ اگر کسی نے انجاح مرام مین تائید کی ہو تو خدا کا بھی شکر

ادا کرو۔ اور اوس متوسل کا بھی کیونکہ بغیر ادا کرنے شکر متوسل کے خدا کا

شکر بھی کمل نہین ہوتا۔ حدیث شریف مین آیا ہی کہ مَن لَّم یَشکُرِ النَّاسَ

لَم یَشکُرِ اللہَ تعالیٰ جو بندو ن کا شکر ادا نہین کرتا وہ خدا کا بھی شکر

ادا نہین کرتا۔ (یعنے شکر کامل) اور اگر کوئی تائید سے پہلو تہی بھی کرے تو اوس سے

نہ تو ناخوش ہونا چاہئے۔ اور نہ شکایت کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان کے

تو یہہ تعریف ہی کہ دوسرون کے عذر کو قبول کرے۔ اور منافق وہ ہی
کہ جو محض لوگون کی عیب چینی کرے۔ ایسی حالت مین تو صرف یہہ خیال
کر لینا مناسب ہوگا کہ یہہ عدم تائید شاید کسی ایسے عذر خاص پر محمول ہی کہ
جس سے ہمین آگہی نہین ہی۔ اور جب تک کہ اسبات کا ثبوت یقینی نہو
کہ ہماری نصیحت غیر کے حق مین اثر پذیر ہوگی اوسوقت تک کسیکو نصیحت
بھی نہ کرنی چاہیے۔ ورنہ انقباض پیدا ہوجائیگا۔ اور لوگ بیفائدہ دشمن
بنجائینگے۔ اگر اہل تعارف کسی مسئلہ مین خطا کرین اور پہر تم سے اوس کے
معلوم کرنے مین بھی ننگ و عار کرین تو اونکو تعلیم بھی ندینا چاہیے کیونکہ
ایسے لوگ اس شعر کے مصداق ہین کہ ؎ کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد + اور اگر کسی مسئلہ کی لاعلمی محض کسی معصیت
کی وجہ سے ہو جسکا ارتکاب جہالت سے ہوگیا ہی تو ضرور ایسے لوگون
کی تفہیم بلطف و مدارا کرنی چاہیے۔

اگر کسی اہل ملاقات سے تمہارے حق مین کوئی نیکی ہو تو خدا کا شکر کرو
کہ تم کو ایسے شخص کا دوست بنایا۔ اور اگر کچھ برائی دیکھو تو اللہ پر سونپ دو
اور اوس سے کنارہ کرو۔ مگر عتاب مت کرو۔ اور نہ یہہ کہو کہ تم نے

ہمارے ساتھ اسطرح کا سلوک کیون کیا اور ہمارا لحاظ کیون نکیا گیا کہ یہہ محض حماقت کی علامت ہی۔ بڑا احمق وہ ہی کہ اپنے کو دوسرون سے اچھا سمجھے جب کوی شخص تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو سمجھ لو کہ یا تو یہہ صرف تمہارے افعال بد کی پاداش ہی جو تم سے کبھی (بیشتر) سرزد ہوی ہین۔ اس لئے انسانکو اپنے گناہون سے توبہ کرتے رہنا چاہیے یا خدا کا عذاب تمپر دنیا مین نازل ہوا ہی اسکا علاج یہی ہی کہ حق بات اگرچہ تلخ ہو بسمع قبول سنا کرو۔ اور کلام باطل پر سکوت کیا کرو۔ لوگون کے نیکیون کو ظاہر کرو اور برائیون سے چشم پوشی اختیار کرو۔ علما کے صحبت سے حذر کرو۔ خصوص ایسے عالمون کے صحبت سے جو مجادلہ مین مبتلا ہین۔ کہ یہہ لوگ اکثر اپنے حسد کے وجہ سے دوسرون کے لئے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہتے ہین اور اپنے وہم کے پردے مین قطع محبت بھی کر دیتے ہین اور تمہاری رسوای کا اپنی صحبت و مجلس مین مضحکہ کیا کرتے ہین۔ حتی کہ ان خیالی ذلتون کا استعمال اس شہرت سے کرتی ہین کہ گویا اونھون نے سنگ ملامت تمہارے منھ پر پھینک مارا۔ یہہ لوگ مناظرہ کے وقت کبھی دوسرے کے بات کو فروغ ہونے نہ دینگے۔ اور کبھی

کسیکی خطا سے درگذر نکرینگے اور کسی کے عیب کو معاف نہ فرمائینگے بلکہ ادنی ادنی عیب کو ظاہر کرینگے۔ غیر کے تہوڑے سے منفعت پر انکا دل جلیگا۔ اور تمام کے تہمتین اور بہتا نین اوسکے فتراک مین باندہینگے۔ بظاہر تو یہہ نفع رسان معلوم ہونگے اور باطناً انسے مضرت پہونچیگی بہرحال جو کچھ کہ ابتک ذکر ہو چکا یہہ سب بدیہی امور ہین۔ ان مہلکات سے وہی بچ سکتا ہی جسکو خدا بچاے پس ایسے لوگون کے صحبت مین سواے نقصان و خسارت کے کوی فائدہ ہی نہین ہی۔ اور یہہ ایسی کہلی ہوی باتین ہین کہ جسکا ہر شخص اعتراف کر سکتا ہی۔ قاضی ابن معروف رحمۃ اللہ نے اس مضمون کو کیا خوب نظم کیا ہے۔

فَاحْذَرْ عَدُوَّكَ مَرَّةً وَاحْذَرْ صَدِيقَكَ أَلْفَ مَرَّةً

دشمن سے تو ایک بار خوف کر اور دوست سے ہزار بار

فَلَرُبَّمَا انْقَلَبَ الصَّدِيقُ فَكَانَ أَعْرَفَ بِالْمَضَرَّةِ

پس جب دوست اپنی دوستی سے پہر جاے تو مضرت پہونچانے کے عمدہ طریقہ کو وہ جانیگا

اسیطرح ابن تمام نے بہی کیا اچہا لکہا ہے

عَدُوُّكَ مِنْ صَدِيقِكَ مُسْتَفَادُ فَلَا تَسْتَكْثِرَنَّ مِنَ الصِّحَابِ

تیرے دشمن تیرے دوستون ہی سے نکلینگے پس دوستون کی تعداد کو مت بڑہاؤ

فَاِنَّ الدَّاءَ اَكْثَرَ مَا تَرَاهُ ۔۔۔ يَكُوْنُ مِنَ الطَّعَامِ اَوِ الشَّرَابِ

اکثر بیماریاں جو تم دیکھتے ہو ۔۔۔ کھانے پینے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

اگر بھلائی چاہتے ہو تو ہلال بن علاء رقی کے قول پر کاربند رہو۔

لَمَّا عَفَوْتُ وَلَمْ اَحْقِدْ عَلٰى اَحَدٍ ۔۔۔ اَرَحْتُ نَفْسِيْ مِنْ هَمِّ الْعَدَاوَةِ

جب میں کسی کی خطا معاف کرتا ہوں اور کسی پر کینہ نہیں کرتا ۔۔۔ تو میرا نفس دشمنی کے تکلیفات سے محفوظ رہتا ہے

اِنِّيْ اُحَيِّيْ عَدُوِّيْ عِنْدَ رُؤْيَتِهٖ ۔۔۔ لِاَدْفَعَ الشَّرَّ عَنِّيْ بِالتَّحِيَّاتِ

بدرستیکہ میں دشمن کو خوش کرتا ہوں بمجرد اسکے دیکھنے کے ۔۔۔ اظہار تبسم و خوشی سے تاکہ بلا رفع ہو جاوے

وَاُظْهِرُ الْبِشْرَ لِلْاِنْسَانِ اَبْغَضُهٗ ۔۔۔ كَاَنَّهٗ قَدْ مَلَاَ قَلْبِيْ مَسَرَّاتِ

کشادہ روئی پیش آتا ہوں اوس شخص کے ساتھ جس سے مجھے تنفر ہے ۔۔۔ اس طرح کہ گویا اوس نے میرے دل کو خوشی سے مالامال کر دیا

وَلَسْتُ اَسْلَمُ مِمَّنْ لَسْتُ اَعْرِفُهٗ ۔۔۔ فَكَيْفَ اَسْلَمُ مِنْ اَهْلِ الْمَوَدَّاتِ

جبکہ ہمکو اجنبیوں سے ہی بچنا محال ہے تو ۔۔۔ دوستوں سے کیونکر نجات ملیگی۔

اَلنَّاسُ دَاءٌ وَدَوَاءُ النَّاسِ تَرْكُهُمْ ۔۔۔ وَفِي الْجَفَاءِ لَهُمْ قَطْعُ الْاُخُوَّاتِ

لوگ مثل بیماری کے ہیں اسکا علاج ترک صحبت ہے ۔۔۔ کیونکہ انسے ذرا بھی کنارا کرو تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے

فَسَالِمِ النَّاسَ تَسْلَمْ مِنْ غَوَائِلِهِمْ ۔۔۔ وَكُنْ حَرِيْصًا عَلٰى كَسْبِ التُّقَيَّاتِ

جو شخص انکی شرارتوں سے بچا وہ محفوظ رہا ۔۔۔ اسواسطے گوشہ گیری زیادہ اختیار کرو

وَخَالِقِ النَّاسَ وَاصْبِرْ مَا بَكَيْتَهُمْ   أَصَمَّ أَبْكَمَ أَعْمَى ذَا تُقْيَاتِ

لوگون کے موافق رہو اور اون سے جو کچھ واقع ہوا اوس پر صبر کرو   چپ رہو بہرے اور اندھے بنجاؤ پھر کیف اپنے کو بچاؤ

اور نیز بعض حکما کے ان اقوال پر عمل کرو۔ دوست دشمن سے یکسان بخوشی ملاکرو نہ اونکے لئے کوی ذلت کا سامان مہیا کرو اور نہ اون سے کچھ خوف کرو وقار و تواضع کو ہاتھ سے جانے مت دو مگر وقار مین کبر اور تواضع مین ذلت نہو ہر چیز کا برتاؤ اعتدال کے ساتھ کرو افراط و تفریط مذموم ہے کما قیل۔

عَلَيْكَ بِأَوْسَاطِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّهَا   طَرِيْقٌ إِلَى نَهْجِ الصِّرَاطِ قَوِيْمُ

لازم کرو تم اعتدال کو وہ   راہ راست پر پہونچنے کا ذریعہ ہے

وَلَا تَكُ فِيْهَا مُفْرِطًا أَوْ مُفَرِّطًا   فَإِنَّ كِلَا حَالِ الْأُمُوْرِ ذَمِيْمُ

اپنے کامون مین افراط و تفریط مت کرو   کہ یہہ دونون باتین مذموم ہین

چلنے کے وقت غرور کے ساتھ سیدہے بائین طرف اور پیچھے پلٹ پلٹ کر مت دیکھو۔ اگر کہین مجمع دیکھو تو بغیر حاجت کے مت ٹہرو۔ اگر کسی مجلس مین بیٹھو تو اطمینان کے ساتھ بیٹھو سترخشانو مت بیٹھو۔ ہاتون کی انگلیون کو باہمدیگر مت ملاو کہ اس سے اکثر اونگھہ آتی ہے جو فعل شیطانی ہے

علی ہذا داڑھی مین بیفائدہ انگلیان ڈالنا۔ اور انگشتری کو پہراتے رہنا ہمیشہ دانتون مین خلال کرنا۔ ناکمین او نگلیان ڈالنا۔ کثرت سے تہوکنا۔ بار بار انگڑائیان لینا منہہ پر سے کہیان اوڑانا منع ہی۔ رینٹ اور بلغم کے دفع کرنے مین بھی احتیاط چاہئے مجلس مین یہہ بھی ضرور ہے کہ بالکل سکوت ہو اور کسی قسم کا بلوا نہو گفتگو بھی سنجیدہ اور متانت کے ساتھ ہو۔ مخاطب کے ساتھ توجہ رہے استماع کلام کے وقت استعجاب ظاہر نہو۔ بار بار مخاطب سے ایک ہی بات کا استدراک بہی نہو کہ عیب مین داخل ہے۔ فضول و مضحکہ آمیز گفتگو سے محترز رہے۔ اپنی اولاد یا شعر و سخن یا تصنیف و تالیف کی ستایش خود آپ کرنا معیوب ہی۔ بلکہ جو چیز اپنی ذات سے خصوصیت رکہتی ہو اوسکی بھی تعریف کرنی نہ چاہئے عورتون کے مانند تزئین لباس کی خواہش یا مبتذل لباس پہنا سرمہ کا زیادہ استعمال۔ بالون مین زیادہ تیل لگانا نہ چاہئے۔ لوگون کے پاس ہمیشہ حاجت پیش کرنا نہ چاہئے کسیکو ظلم کی ترغیب بھی مت دو۔ اپنے عیال کو دوسرون کے تشخیص مراتب کا ریجان مت دلاؤ کہ اسمین دو قباحتین ہین۔ ایک تو یہہ کہ مثلاً جب وہ کسیکو اپنے سے حقیر سمجہینگے تو اوس شخص کو بنظر استخفاف دیکہینگے دوسرا

پھر کہ اگر کسی کو ذی مرتبت پاینگے تو اوس سے اپنے دل مین کھنچا کرینگے
اور نیز اگر ان سے کچھ خطا ہو جاے تو نرمی کے ساتھ درگذر کرو۔ اور
مہربانی بھی اعتدال کے ساتھ کرو۔ خدمت گار وحواشی کے ساتھ ٹھٹھا
مت کرو۔ کہ اس سے رعب وداب مین فرق آتا ہی۔ کسی سے جھگڑا
ہو جاے تو حلم کو ہاتھ سے جانے مت دو جہالت کو کام مین مت لاؤ
تعجیل کار سے پرہیز کرو۔ جواب سمجھکر دیا کرو۔ جھگڑے کیوقت بار بار ہاتھ
سے اشارہ نکرو۔ اور اگر کوی پس پشت ہو تو اوس کے طرف التفات
مت کرو۔ اور نیز جھگڑے کے وقت پنڈلیون پر مت بیٹھو۔ جبتک
غصہ کم ہو بات مت کرو۔ تقرب سلطانی سے ڈرو۔ وہ دوست جو صرف
تمھاری خوشحالی کا رفیق ہو (جیسے تونگری اور صحت) اور برے وقت
مین کام نہ آئے (یعنے حالت افلاس و مرض مین) اوس سے پرہیز
کیا کرو کہ وہ بڑا دشمن ہی۔ مال کو جان سے زیادہ عزیز مت رکھو۔
المختصر یہانتک جن ابواب کا ذکر ہو چکا ہی وہ بدایۃ ہدایت کیلئے کافی
ہے اگر صرف کچھ باقی ہی تو صرف یہی ہی کہ انکا تجربہ کیا جاے بدایت
ہدایت کے متعلق کچھ باتین بیان ہوی ہین۔ آداب طاعات۔ ترک معاصی

مخالفت خلق - ان تینون چیزون کے مجموعہ کو تقوی - دین کامل
زاد آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہین - پس اگر ان امور کے طرف
طبیعت کا میلان ہو - اور نفس مین انکے حصول اور عمل کے جانب رغبت
پائی جاوے تو سمجھئے کہ مادہ عبودیت ہی امید ہی کہ خداتعالی ایمان کامل
سے دلکو منور کردے -

چونکہ اس کتاب مین ہدایات و نہایات دونوں باتون کا ذکر ہو چکا ہی تو
نہایت ہدایت کے بعد اسرار و غوامض اور علوم باطنہ اور مکاشفات کا
مرتبہ ہی - جسکا ذکر احیاء العلوم میں موجود ہی - اگر شوق ہو تو اوس کے طرف
رجوع کرو - اور اگر صرف انہین اعمال و وظایف کا اختیار کرنا جو اس کتاب مین
مذکور ہوی ہین گران معلوم ہو اور تنفر پایا جاوے - اور نیز یہ خیال پیدا ہو
کہ بھلا اس علم سے ہمین مناظرہ وغیرہ مین کیا مدد ملیگی - اور ابناء جنس
پر کیا سرسای ہو سکیگی - حصول تقرب وزرا و سلاطین اور مناصب وغیرہ
مین اس سے کیا تائید ملسکیگی تو سمجھ لو کہ شیطان تمہین غارت کیا چاہتا ہے اپنے
اور آخرت کی بھلائی سے محروم رکھنے کے درپے ہے - اور بری علوم
کے ترغیب دیا چاہتا ہی کہ جس کو تم اپنے خیال مین مفید سمجھتے ہو

مگر یقین جانو کہ دوسرا یہ تباہی و بربادی کا ہے۔ اور نعیم دایم یعنے جوار رب العالمین سے باز رکھنے کی تدبیر ہے۔ والسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَظَاہِرًا وَّبَاطِنًا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔

تمت

المقالة الحقة والکلمة الصادقة

فی

ترجمة التفرقة بین الاسلام والزندقة

للامام الہمام ابی حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

جسکو

مولوی محمد حیدر اللہ خان اللّٰہی

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع

اکثر حواشی مفیدہ از مترجم

طبع ہوا ۱۳۱۳ ہجری

فہرست مضامین

التفرقہ بین الاسلام والزندقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبحَانَکَ مَا اَعظَمَ شَانُکَ یَا مَنْ فِی کِتَابِکَ وَسِعَتْ رَحْمَتِی کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ۔ وَصَلٰوتُکَ وَسَلَامُکَ عَلٰی رَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ مَنْبَعِ الرَّحْمَةِ مَالِکِ الشَّفَاعَةِ لِقَوْمٍ یُؤْمِنُوْنَ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَئِمَّةِ الْهُدَاءِ لِرَهْطٍ یُوْقِنُوْنَ ۔

جبکہ میں بحکم نوابِ معظم ۔ امیرِ مکرم ۔ مخدومِ امرا ۔ خادمِ فقرا صاحبِ سیف و قلم ۔ ناصبِ حِلم و عَلَم ۔ نوّاب آغا مرزا بیگ خان سرور جنگ سرور الدولہ سرور الملک بہادر معتمد حضرت ظلِ سبحانی میر محبوب علیخان بہادر شاہِ دکن خلد اللہ ملکہ و دولتہ

محمد عبد الکریم شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کے ترجمہ سے فارغ ہوچکا
کہ جو حقیقت مین ابتداء آدم ؑ سے اسوقت تک کے جمیع ادیان سماوی
اور غیر سماوی کی ایک جامع تاریخ ہے بلکہ قیامت تک کے کل مذاہب اور
مناحل منشعبہ اوس سے باہر نہین ہوسکتے تو مین نے چاہا کہ بحصول اجازت
ایک ایسی کتاب بھی ترجمہ کرکے نواب صاحب موصوف کی انگشتری
کا نگینہ بناؤن کہ جس سے ان کل مذاہب کے احکام کفر و اسلام معلوم ہوسکین
لہذا مین نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
التفرقہ بین الاسلام والزندقہ کا ترجمہ سلیس اردو زبان مین لکھ کر یہ
کرنا چاہا کہ جو کفر و اسلام کی حقیقت مین جامع و مانع ہی تاکہ ہمارے بعض علماء
کرام کہ جنکی طبیعت مین عجلت اور جسارت ہے، عامۂ مومنین کے حق مین زبان درازی
سے محفوظ رہین اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر اور تضلیل مین بغیر قطعی برہان کے
جرأت نہ کرین اور مین اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہون کہ نواب صاحب موصوف ایسے نیک کامون
کے اجراء مین موفق رہین۔ اور ان دونون کتابون مین سے
کتاب الملل والنحل کے ترجمہ کو معنون بنام نامی و اسم گرامی
اعلیحضرت ظل سبحانی و کتاب التفرقہ بین الاسلام والزندقہ
کو منسوب باسم گرامی نواب مستطاب معلی القاب نواب وقار الامراء بہادر
وزیر اعظم ملک دکن کرکے امید وار ہون کہ یہ ہدیہ محقرہ میرا

مقبول بار یافتگان دربار دُربار شاہ و وزیر ہو۔ وھو ولیی فی الدنیا والاخرۃ وانا عبدہٗ محمد حیدر اللہ خان المارگ زئی المجددی اللٰہی[1] الوارد فی بلدۃ حیدرآباد دکن اللازم فی حضرۃ ظل اللہ۔

---

[1] للہ ایک قصبہ اہل اللہ ہے کہ جو ملک پنجاب ضلع جہلم مین دریاے جہلم کے شمالی کنارہ پر واقع ہے وہان ایک بزرگ غلام احمد بنی نام قطب طریقہ مجددیہ گذرے ہین کہ جو سترہم کے استاذ علم ظاہر و باطن ہین اور جن سے ہزارہا لوگون کو علم ظاہری اور باطنی کا استفاضہ ہوا اور دُور دُور ملکون سے طالبان علم ظاہر و باطن دنیا سے تبتل و انقطاع کرکے اپنے اپنے مقاصد کو بدرجۂ علیا فائز ہوئے اور ادنیٰ ادنیٰ زمانہ مین مقامات طریقہ سے مشرف ہوئے ۱۲۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۶ ہجری مین ترسٹھ برس کی عمر میں حضرت نے انتقال فرمایا اب حضرت کے فرزند ارجمند حافظ مولوی محمد دوست صاحب کانہٗ سِرٌّ لابیہ مسند ارشاد پر موجود ہین اور برکات و تسلیک مقامات طریقہ میں اپنے والد بزرگوار کی مثل بلکہ اصیل ہیں۔ اور طالبان حق تعالیٰ کی تربیت مین مشغول ہیں۔ چون قطب بسطامی و منصور است در کوشش | انا الحق بر زبان ہرگز نمی رانند و سبحانی
به بدبختی خود نامد که خون گرید سیه بختی | دران کوی ست و دار میل سوی عالم فانی
ز بنده خاکروبان درش را با دو صد زنہار | ز کف ننهند آن اکسیر اعظم را بآسانی
تمنای قبولش دارم و دانم که نا اہلم | مددیا روح شاہ نقشبندان غوث گیلانی

منہ عفی

ترجمۃ

التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ

للامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مین اللہ کے لئے حمد کہتا ہون درحالیکہ مین اوسکی عزت کو مانتا ہون اور اوس کی نعمتون کا پورا ہونا چاہتا ہون اور اوسکی توفیق کو غنیمت جانتا ہون اور اوس کی بیفرمانی سے بچاؤ کا خواستگار ہون اور اوسکی وسیع نعمتون کے جاری رہنے کا طلبگار رہون۔ اور درود بھیجتا ہون مین اوسکے بندہ اور رسول اور کل مخلوقات سے بہتر محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر تاکہ اوسکی شفاعت کوشش کرون اور اوس کے حقِ رسالت کو ادا کرون اور اوسکے مبارک نفس کی برکت کے ساتھہ محفوظ رہون۔ اور درود بھیجتا ہون مین اوسکی آل اور صحابہ اور عترت پر۔

بعد حمد و صلوات کے اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست میں تجھے سینہ پر کینہ اور پراگندہ فکر دیکھتا ہوں اس لئے کہ تیرے کانوں کو حاسدوں کے ایک طائفہ کے اون طعنوں سے ٹکرایا ہے کہ جو اونہوں نے ہماری اون بعض کتابوں پر کئے ہیں کہ جو علامات دین کے اسرار میں تصنیف کی گئی ہیں۔ اور اونہوں نے یہہ زعم کیا ہے کہ ان کتابوں میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو اصحاب متقدمین اور مشائخ متکلمین کی مذہب کے مخالف ہیں اور نیز اونہوں نے زعم کیا ہے کہ اشعریوں[۱] کے مذہب سے کنارہ کش ہونا گو ایک بالشت کے مقدار میں ہو کفر ہے اور اوس سے

[۱] اشعری یہہ وہ لوگ ہیں کہ جو امام ابوالحسن اشعری کے اصحاب ہیں اور یہی لوگ اہل سنت ہیں اور چاروں مذہب اسی امام کے تابع ہیں اور اسی جماعت کا نام صفاتیہ ہے۔ کتاب الملل میں ہے کہ سلف کی ایک جماعت خداتعالی کے لئے صفات ازلیہ ثابت کرتی ہے جیسے علم اور قدرت اور حیات اور ارادہ اور سمع اور بصر اور کلام اور جلال اور اکرام اور جود اور انعام اور عزت اور عظمت اور یہ لوگ صفات ذاتی اور صفات فعلی کے درمیان امتیاز نہیں کرتی بلکہ ہر دو اقسام میں یکسان گفتگو کرتے ہیں اور اسیطرح خداتعالی کے لئے صفات خبریہ کا اثبات کرتے ہیں جیسے یدین اور وجہ اور ان کی تاویل نہیں کرتے لیکن اسقدر کہتے ہیں کہ چونکہ یہہ صفات شرع میں وارد ہیں لہذا ہم ان کا نام صفات خبریہ رکھتے ہیں۔ مگر جب کہ فرقہ معتزلہ صفات باری تعالی کی بالکل نفی کرتا ہے اور سلف ان کا اثبات کرتے ہیں اس لئے سلف کا نام صفاتیہ ہوا اور معتزلہ کا نام معطلہ۔ لیکن اسکے بعد

علیحدگی گو ایک تھوڑی سی شئی مین ہو گمراہی اور گھاٹا ہے۔ پس اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست اپنے نفس پر سہولت اختیار کر اور اس سے اپنے سینہ کو تنگ نہ کر اور کسیقدر اپنی تیزی کو کند کر اور جو کچھ کہ وہ کہتے ہین اوس پر صبر کر اور اون سے زیبا طریقہ کے ساتھہ ترک اختیار کر اور جو کوئی کہ حسد اور دشنام کے لایق نہیں اوس سے اپنے نفس کو حقیر خیال کر اور جو کفر اور گمراہی کا مستحق نہیں اوس سے اپنے نفس کو قاصر جان کیونکہ سید المرسلین ؐ سے کامل تر کونسا دعوت کرنے والا ہوگا حالانکہ اونکی نسبت اونہون نے کہا کہ وہ دیوانون مین سے ایک دیوانہ ہے

بعض سلف نے صفات کے اثبات مین یہانتک مبالغہ کیا کہ اوس نے ان صفات ازلیہ کو ممکنات کی صفات کے ساتھہ تشبیہ دیدی۔ اور بعض نے اونہین صفات پر اکتفا کیا کہ جن پر باری تعالی کے افعال نے دلالت کی یا جو صفات کہ خبر مین وارد ہین پس ان سلف کے دو فرقہ ہو گئے ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جس نے اون صفات خبریہ کی اوس حد تک تاویل کی کہ جہانتک اون صفات کا لفظ اوس تاویل کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا فرقہ وہ ہے کہ جس نے تاویل مین توقف کیا اور کہا کہ ہم نے باقتضاے عقل معلوم کر لیا ہے۔ کہ اللہ تعالی کی مثل کوئی شئے نہین اور نہ وہ مخلوقات مین سے کسی شئے کے ساتھہ مشابہت رکھتا ہے اور نہ کوئی شے اوسکی مشابہ ہے اور ہم اس امر کو قطعی طور پر جانتے ہین لیکن جو لفظ کہ اس کے نسبت وارد ہے جیسے الرحمن علی العرش استوی یا جیسے خلقتُ بیدیَّ وغیرہ ہم اسکا معنی مرادی نہین جانتے اور نہ ہم ان الفاظ کی تفسیر

اور رب العالمین کے کلام سے کونسا کلام زیادہ تر جلالیت اور صداقت والا
ہوگا حالانکہ اوسکی نسبت اونہون نے کہا کہ وہ متقدمین کا افسانہ ہے
پس تجھے لازم ہے کہ تو ان لوگون کے ساتھہ خصومت اور مباحثہ سے
پرہیز کرے اور اونکو لاجواب کرنے مین طمع نہ کرے کیونکہ تیرا یہ
طمع بے محل اور اضطراب بے موقع ہوگا۔ کیا تو نے نہین سنا۔

کے جاننے کے مکلف ہین بلکہ تکلیف اس اعتقاد کی نسبت وارد ہے کہ اللہ تعالی کے لئے کوئی
شریک نہین اور نہ اوسکی مثل کوئی شئے ہے اور ہم اس امر کو یقیناً ثابت کرتے ہین۔ پھر متاخرین کی
جماعت نے سلف کے قول پر کسیقدر زیادتی کرکے کہا کہ ان الفاظ کو اپنے ظواہر پر جاری رکھنا چاہئے
اور ان کی تفسیر ضروری ہے بغیر اس کے کہ ان کی تاویل مین تعرض کرین یا ظاہری معنی مین
توقف کرین لہذا وہ لوگ تشبیہ خالص کے قائل ہوئے۔ اور یہ تشبیہ خالص ابتداء مین
یہود کے بعض اون لوگون مین تھی کہ جو تورات کے قاری تھے۔ پھر شریعت محمدیہ
مین شیعہ نے افراط وتفریط اور غلو اور تقصیر کی۔ غلو تو اونہون نے یون کیا کہ انہون نے
اپنے بعض اماموں کو اللہ تعالی کے ساتھہ تشبیہ دی اور تقصیر اسطرح پر کہ انہون نے
اللہ تعالی کو مخلوقات مین سے کسی ایک کے ساتھہ تشبیہ دی۔ اور جب کہ سلف مین سے
معتزلہ اور متکلمین کا ظہور ہوا تو بعض روافض نے افراط اور تفریط کو چھوڑ دیا اور اعتزال
کے گڑھے مین جا گرے اور سلف کی ایک جماعت نے تفسیر ظاہر کی طرف قدم بڑھایا لہذا
تشبیہ کے ورطہ مین جا پہنچے لیکن وہ سلف کہ جنہون نے تاویل کے لئے تعرض نہ کیا

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجَى سَلَامَتُهَا	إِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ عَنْ حَسَدِ

یعنے ہر عداوت سے سلامتی امید کیجاتی ہے مگر اوس شخص کی عداوت سے سلامتی کی امید نہیں کیجاتی کہ جو حسد سے ہو۔ اور اگر کسیکو اس طمع کا موقع ہوتا تو اون سے بلند تر مرتبہ والے پر خوف کی آیتین کیوں پڑہی جاتین کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہین سنا جو فرماتا ہے کہ اے محمد

اور نہ تشبیہ کے نشانہ بنے بعض اون مین سے مالک بن انس رض اور احمد بن حنبل اور سفیان اور داؤد اصفہانی اور ان کے تابعین ہین یہانتک کہ عبداللہ بن سعید کلابی اور ابی العباس قلانسی اور حرث بن اسد محاسبی کا زمانہ آیا۔ یہ لوگ سلف مین سے تو تھے لیکن انہون نے علم کلام میں شغل کیا اور سلف کے عقاید کو انہون نے کلامی دلائل اور اصولی برہانون سے تائید دی اور بعض نے کتابین تصنیف کین اور بعض نے درس دیا یہانتک کہ ایکروز ابی الحسن اشعری کو اپنے استاد کے ساتھ صلاح اور اصلح کے مسئلہ مین مناظرہ کا اتفاق ہوا اور دونون مین خصومت ہوی چنانچہ اشعری نے اوسکے اون سے سلف کے اس طائفہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے مقالات کو اشعری نے کلامی طرز سے تائید دی اور یہی اہل سنت اور جماعت کا مذہب قرار پاگیا اور صفاتیہ کا لقب اشعریہ کی طرف انتقال کر آیا چنانچہ اشعری نے صفات باری تعالیٰ کے اثبات میں کہا کہ انسان جب کہ اپنی پیدایش

اگر تجہپر کافرون کی روگردانی گران ہے پس اگر تو طاقت رکہتا ہے کہ کوئی سوراخ زمین مین ڈہونڈے یا کوئی سیڑہی آسمان کے بیچ پیدا کرے اور پہر کوئی ایک نشانی اون کے لئے لاوے تاکہ وہ اوسکو دیکہ کر ایمان لاوین تو کر۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو سیدھی راہ پر جمع کرتا پس ای محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نا دانون مین سے نہو۔ اور نیز فرماتا ہے

مین غور کرتا ہے کہ ابتداء اوسکی کس شئی سے ہوئی ہے اور وہ کیونکر پیدایش کے اطوار مین ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کرتا گیا ہے۔ اور اس سے اوسکو یقین ہوجاوے کہ وہ بذاتہ اس امر کی قابلیت نہیں رکہتا کہ اپنے مین تدبیر کرے اور ایک زینہ سے دوسرے زینہ کی طرف اپنے کو پہنچا دے اور نقص سے کمال کی طرف ترقی دیوے تو اوسوقت بالضرور جان لیتا ہے کہ اوس کے لئے ایک ایسا صانع ہے کہ جو قدرت اور علم اور ارادہ والا ہے اسلئے کہ ایسے محکم افعال کا صدور محض طبیعت سے متصور نہیں کیونکہ فطرت مین ہی اختیار اور پیدایش مین ہی احکام اور اتقان کے آثار ظاہر ہین پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہیں کہ جن پر اوس کے افعال دلالت کرتے ہین۔ اور جیسے کہ اوس کے افعال اوس کے عالم اور قادر اور مرید ہونے پر دلالت کرتے ہین اسیطرح علم اور قدرت اور ارادہ پر بہی دلالت کرتے ہین اس لئے کہ عالم اور قادر اور مرید کا معنی بجز ذی علم اور ذی قدرت اور ذی ارادہ کے نہین پس علم کے ساتہ احکام اور اتقان حاصل ہوتا ہے اور قدرت کے ساتہ وقوع اور حدوث اور ارادہ کے ساتہ تخصیص وقت اور شکل اور ان صفات کے ساتہ ممکن نہین کہ بجز ذات ذو حیات

کہ اگر ہم ان لوگون پر آسمان سے ایک دروازہ کہولین پہر ان لوگونکی نظر مین تمام دن فرشتے آسمان مین چڑہتے اوترتے دکہائی دیوین تو بہی یہ لوگ اسی طرح کہین کہ بجز اسکے نہین کہ ہماری آنکہون کو نظربندی کی گئی ہے بلکہ ہمین جادو کیا گیا ہے۔ اور نیز فرماتا ہے کہ ای محمد اگر ہم تیرے اوپر نامہ کو کاغذ کے بیچ اوتارین پہر وہ اوسکو اپنے ہاتہون

ہے کوئی اور موصوف ہو سکے۔ اور اشعری نے صفات کے منکرون کو ایک ایسا الزام دیا ہے کہ جس سے اون کو کبھی خلاصی ملنی ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالے کے عالم اور قادر ہونے پر دلیل قایم ہو چکی تو تم کو ضرور ہمارے ساتھ اس امر مین موافقت کرنی پڑی پس ہم کہتے ہیں کہ عالم اور قادر کا مفہوم یا ایک ہوگا یا مختلف۔ پس اگر ان دونون کا مفہوم ایک ہی ہو تو واجب ہے کہ صفت قادریت کے ساتھ عالم اور صفت عالمیت کے ساتھ قادر ہو اور نیز جو شخص کہ ذات مطلقہ کو معلوم کرے وہ اوسکا عالم اور قادر ہونا بھی معلوم کرے حالانکہ یہہ امر باطل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں صفتیں از روی اعتبار کے مختلف ہیں پہر انکا اختلاف تین وجوہ سے خالی نہیں یا تو فقط لفظ کی طرف رجوع کریگا اور یا حال یا صفت کی طرف۔ لیکن فقط لفظ کی طرف رجوع کرنا تو باطل ہے اس لئے کہ عقل حاکم ہے کہ دو مفہوم معقول کے درمیان اختلاف ہو گو الفاظ کو معدوم کیون نہ فرض کیا جاوے تاہم عقل اپنے تصور مین شبہہ نہیں رکہتی۔ اور حال کی طرف بھی رجوع کرنا باطل ہے۔ اس لئے کہ ایک ایسی صفت کا ثابت کرنا کہ جو وجود اور عدم کے ساتھ

سے چھو وین تو البتہ کافر لوگ کہین کہ یہ صریح جادو ہے اور
نیز فرماتا ہی کہ اگر ہم بالتحقیق کافرون کی طرف فرشتون کو نازل کرتے
اور مُردہ اُون سے باتین کرتے اور اونپر اون تمام چیزون کو گروہ
گروہ کرکے جمع کرتے کہ جو دنیا مین ہین تاکہ وہ وحدانیت اور رسالت
پر شاہدی دیوین تو بھی کافر ایمان نہ لاتے بغیر اللہ کے چاہنے کے

متصف ہنین گویا وجود اور عدم اور نفی اور اثبات کے درمیان واسطہ کا ثابت کرنا ہے
حالانکہ یہ محال ہے۔ پس متعین ہوا کہ اوس اختلاف کا رجوع ایک ایسی صفت کی طرف ہے
کہ جو ذات باری تعالی کے ساتھ قایم ہے اور یہی مذہب اشعری کا ہے۔ لیکن اشعری
کے اصحابون مین سے قاضی ابوبکر باقلانی نے صفت بقا مین اشعری سے
مخالفت کی ہے اور بقا کو عین ذات کہا۔ پھر ابوالحسن نے کہا کہ باری تعالی علم کے ساتھ
عالم اور قدرت کے ساتھ قادر اور حیات کے ساتھ حی اور ارادہ کے ساتھ مرید اور کلام
کے ساتھ متکلم اور سمع کے ساتھ سمیع اور بصر کے ساتھ بصیر ہے اور یہ صفات ازلیہ
ہین کہ جو کہ اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ قایم ہین نہ ان صفات کو عین باریتعالی کا بولا جاتا
ہے اور نہ غیر اور نہ لا عین کہا جاتا ہے اور نہ لا غیر مگر فرقہ معتزلہ کہ جو اپنے کو
اصحاب عدل اور توحید بولتے ہین اور قدریہ کے لقب کے ساتھ ملقب ہین عدل
اور توحید اور وعد اور وعید اور سمع اور عقل مین اشعریہ سے بالکل مخالف ہین
چنانچہ ہم یہان پر ان دونون مذہبون کے مسائل اصولیہ بطور تقابل ذکر کرتے ہین

مگر بہت کافر لوگ جہالت کرتے ہین۔
جان تو کہ کفر اور ایمان کی حقیقت اور تعریف اور حق اور ضلالت اور انکا بہید اون دلون پر جلوہ گر نہین ہوتا کہ جو مال اور مرتبہ کی طلب اور محبت مین گندہے ہوئے ہین بلکہ اسکا انکشاف اون دلوں کیلئے ہوتا ہے کہ جو اوّل دنیا کی میل سے پاک ہون دوئیم کامل ریاضت کے ساتھ

اشعریہ یعنے اہل سنت کہتے ہین کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مین واحد ہے اوس کا کوئی ہمسر نہین وہ اپنی صفات ازلیہ مین واحد ہے اوسکا کوئی نظیر نہین وہ اپنے افعال مین واحد ہے اوسکا کوئی شریک نہین اہل عدل کہتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مین واحد یون ہے کہ اوسکی ذات مین قسمت نہین اور نہ اوس کے لئے کوئی صفت ہے اور اپنے افعال مین واحد یون ہے کہ اوس کے لئے کوئی شریک نہیں پس اوسکی ذات کے سوائے کوئی قدیم نہین اور نہ اوس کے افعال میں کوئی ہمسر ہے اور دو قدیموں کا وجود اور ایک مقدور کا دو قادرون کے درمیان ہونا محال ہے اور یہی توحید اور عدل ہے۔ اور افعال مین عدل کا ہونا اہل سنت کے نزدیک اس معنی سے ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی ملک اور مُلک مین متصرف ہے یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید پس عدل یہی ہے کہ ایک شئ کو اوس کی جگہہ پر رکہنا اور یہ اپنی ملک مین بمقتضائے مشیت اور علم کے تصرف کرنا ہے اور ظلم اسکی ضد ہے لہذا اللہ تعالیٰ سے نہ حکم مین جور متصور ہے اور نہ تصرف مین ظلم۔ اور اہل عدل کے مذہب پر عدل اوس حکمت کا نام ہے

صیقل کئے گئے ہون۔ سویم صفائی بخش ذکر کے ساتھ منور ہون
چہارم فکر صائب اور درست سے غذا پانے والے ہون پنجم حدود
شرع کی التزام سے مزین کئے گئے ہون۔ یہانتک کہ نبوت کے
چراغدان سے اونپر نور کا اضافہ ہوا اور وہ دل اسطرح پر ہو جاوے
کہ گویا ایک روشن آئینہ ہے اور ایمان کا چراغ دل کی قندیل ہین

کہ جو اقتضا سے عقل ہے یعنے فعل کا ثواب اور مصلحت پر صادر کرنا۔ لیکن اہل سنت وعد اور وعید مین یون کہتے ہین کہ اللہ تعالی کا کلام ازلی امر کی اطاعت پر وعدہ اور نہی کی معصیت پر وعید پس جو کوئی کہ نجات پاویگا اور ثواب کا مستوجب ہوگا تو اوسی کے وعدہ سے اور جو کوئی ہلاک ہوگا اور عذاب کا مستوجب تو اوسی کے وعید سے پس عقل کے حکم سے اونپر کوئی شئی واجب نہین۔ اہل عدل کہتے ہین کہ ازل مین کوئی کلام نہین بلکہ اللہ تعالی نے جو وعد اور وعید اور امر اور نہی کا اصدار فرمایا ہے تو یہ کلام محدث کے ساتھ ہے پس جو شخص کہ نجات پاویگا تو وہ اپنے ہی فعل سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور جو ہلاک ہوگا تو وہ اپنے ہی فعل سے اور عقل حکمت کے لحاظ سے اس کا اقتضا کرتی ہے۔ لیکن اہل سنت سمع اور عقل کی نسبت یون کہتے ہین کہ کل واجبات کا وجوب سمع سے ہے اور کل معارف کا حصول عقل سے۔ پس عقل کسی شئی کی تحسین کر سکتی ہے اور نہ تقبیح اور نہ اوسکا اقتضا اور ایجاب۔ اور نہ سمع سے معرفت کا حصول ہو سکتا ہے بلکہ اسکو واجب کرتی ہے اہل عدل کہتے ہین کہ کل معارف عقل کے ساتھ

اسطرح پر انوار کی چمک دیوے کہ قریب ہے کہ اوسکا روغن بغیر آگ کے چھونے کے روشنی پکڑے۔ لیکن اوس قوم کے لئے ملکوت اور عالم بالا کے اسرار کہاں جلوہ گر ہوتے ہین کہ جنکا خدا اونکی خواہشین ہین اور جنکا معبود اون کے پادشاہ ہین۔ اور جنکا قبلہ اون کے درہم اور دینار ہین۔ اور جنکی شریعت اونکی رعونت ہے۔ اور جنکی ارادت اونکا جاہ اور مرتبہ ہے۔ اور جنکی عبادت اغنیا اور دولتمندون کی خدمت ہے اور جنکا ذکر اون کے وسواس۔ اور جنکا فکر اون حیلون کا اقتباس ہے کہ جن سے حشمت اور جاہ کا حصول ہوتا ہے۔ پس ان لوگون کے لئے کفر کی تاریکی ایمان کی روشنی سے کہان ممتاز ہو سکتی ہے۔ کیا الہام الٰہی سے؟ حالانکہ اونہون نے اپنے دلون کو دنیا کی کدورتون سے خالی نہین کیا اور یا کمال علمی سے؟ حالانکہ اونکا علمی سرمایہ فقط آب زعفران سے نجاست کا زایل کرنا ہے۔ ہا ہا یہ مطلب اس سے زیادہ ترنفیس اور عزیز ہے کہ فقط آرزو اور خواہش سے حاصل کیا جاوے پس تو اپنی حالت مین مشغول رہ اور ان لوگون مین اپنی باقی عمر کو ضائع نکر۔

تعقل کئے جاتے ہین اور نظر عقلی سے ہی واجب ہوتے ہین اور منعم کا شکر ورود سمع کے قبل واجب ہے اور حسن اور قبح حسن اور قبیح شئی کی دو ذاتی صفتین ہین اور ہم عنقریب اشعری کے عقایہ مین اہل عدل کا جواب بیان کرینگے۔ مترجم

پس تو اوس شخص سے رو گردانی کر کہ جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی ہے اور اوس نے فقط حیات دنیوی کی آرزو کی ہے یہی اونکا مبلغ علمی اور یہین تک اونکے عقل کی رسائی ہے۔ اور بیشک تیرا رب اوسکو خوب جانتا ہے جو اوسکی راہ کو بھولا اور جو سیدہے راہ پر ہے۔

فصل

پس اگر تو خواہش رکہتا ہے کہ تو اس کانٹے کو اپنے اور اوس شخص کے سینہ سے نکالے کہ جسکی حالت تیری مثل ہے کہ نہ اوسکو حاسدون کا بہکانا حرکت مین لاتا ہے اور نہ تقلید کی تاریکی اور کوری اوسکو مقید رکہہ سکتی ہے بلکہ وہ مشکلین کہ جنکو فکر اور نظر نے پیدا کیا ہے بسبب سوزش دل کے اوسکو بصارت کی طرف تشنگی دلاتی ہین پس تو اپنے نفس اور اپنے صاحب کی طرف مخاطب ہو اور اوس سے کفر کی تعریف دریافت کر۔ پس اگر اوس نے کفر کی تعریف وہی زعم کی کہ جو اشعری کے مذہب کے مخالف ہے یا معتزلی[1]

[1] معتزلی سے مراد واصل بن عطا اور اوس کے تابعین ہین کہ جنہون نے اصول اہل سنت سے اعتزال اور کنارہ کشی کی۔ یہہ شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یا حنبلی[+] وغیرہ کے مذہب کے تو اوسوقت تو یقین کرلے کہ وہ شخص مغرور احمق ہے کہ اوسکو ابھی تقلید نے مقید کیا ہوا ہے پس وہ اندھون سے بھی زیادہ تر اندہا ہے تو اوسکی اصلاح اور درستی مین اپنا وقت ضایع نکر اور تجھے اوس کے لاجواب کرنے مین فقط یہی ایک حجت کافی ہے کہ تو

کا شاگرد تہا اور اون سے احادیث اور دیگر علوم پڑہا کرتا تہا اور اس کے اعتزال کی وجہ یہہ بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آکر سوال کیا کہ اے دین کے امام ہمارے زمانہ مین ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوا ہے کہ جو اہل کبیرہ کو کافر کہتا ہے اور گناہ کبیرہ اون کے نزدیک کفر ہے کہ جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے یہ فرقہ وعیدیہ ہے اور ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو صاحب کبیرہ کو امید دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ سے کوئی ضرر نہین بلکہ عمل اون کے نزدیک ایمان کے لئے جزو نہین جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی طاعت اونکے نزدیک سودمند نہین (یہ فرقہ مرجیہ ہے) پس تو اس اعتقاد کی نسبت ہمین کیا حکم دیتا ہے۔ حسن بصریؒ اسمین متفکر ہوے اور جواب دینے کے قبل واصل بن عطا بول اوٹھا کہ مین نہین کہتا کہ صاحب کبیرہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق بلکہ وہ دونون مرتبون کے درمیان ہے یعنے نہ کافر ہے اور نہ مومن۔ پہر واصل اوٹہا اور مسجد کے ستونون مین سے ایک ستون کی طرف الگ کہڑے ہو کر یہی تقریر حسن بصریؓ کی دوسرے اصحابون کو سنانے لگا اسپر حسن بصری رضؓ نے فرمایا کہ واصل نے ہم سے اعتزال اور کنارہ کشی کی ہے لہذا وہ اور اوس کے اصحاب اوس روز سے معتزلہ کے نام سے موسوم ہوے

[+] حنبلی سے مراد امام احمد بن حنبل اور اوس کے تابعین ہین۔ مترجم

اوس کے دعوی کو اوس کے مخالفین کے دعوی سے مقابلہ کرے
اس لئے کہ وہ اپنے نفس اور باقی مقلدون[1] کے درمیان کوئی امتیاز نہین کرتا
اور مین امید کرتا ہون کہ شاید وہ باقی مذاہب مین سے فقط اشعری
کی مذہب کی طرف مائل ہے اور زعم کرتا ہے کہ اشعری کی مخالفت ہر امر صادر
اور وارد مین کفر جلی ہے پس مین اوس سے سوال کرتا ہون کہ اشعری
کو یہ کہان سے ثابت ہوا ہے کہ امر حق اوسی پر موقوف ہے حتی کہ
کہ اوس نے باقلانی[2] کے کفر پر فتوی دیا جب کہ باقلانی نے
اللہ تعالی کی صفت بقا مین اشعری سے مخالفت کی اور زعم کیا کہ اللہ تعالی
کی صفتِ بقا، ذاتِ باری تعالی پر زاید نہیں۔ اور کیون باقلانی
کو اشعری کے ساتھ مخالفت کرنے مین اشعری سے زیادہ تر کفر کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) پھر ان کے کئی فرقے ہو گئے۔ چنانچہ ہر ایک کا بیان کتاب الملل مین بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ ۱۲

[1] یہان تقلید سے مراد اوس شخص کی تقلید ہے کہ جو باوجود قوت نظری اور اجتہادی کے تقلید کرتا ہی اس لئے کہ جو شخص کہ قوت اجتہادی رکہتا ہو اور باوجود اس کے اجتہاد نکرے اور تقلید سے کام لے تو وہ شخص بیشک اندہون سے بھی زیادہ اندھا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے شاگردون نے کہ وہ قوت اجتہادی رکہتے تھے بعض مسائل اجتہادیہ مین (دیکہو صفحہ ۱۵)

[2] باقلانی سے مراد قاضی ابو بکر باقلانی ہے کہ جو باری تعالی کی صفت بقا کو عین کہتا ہے ۱۲ مترجم

اولویت ہوئی حالانکہ جیسے باقلانی نے اشعری سے خلاف کیا ہے
اوسیطرح اشعری نے باقلانی سے۔ اور کیون امر حق فقط ایک پر موقوف
ہوا نہ دوسرے پر۔ کیا یہ اسوجہ سے ہی؟ کہ اشعری باعتبار زمانہ کے
باقلانی سے مقدم ہے تو کوئی ایک معتزلہ اشعری سے بہی مقدم گذرے
ہین۔ پس اسوجہ پر ضرور ہے کہ حق اوس کے لئے ہو جو اشعری سے
مقدم ہے۔ (یعنے معتزلہ کے لئے) اور یا اسوجہ سے ہی؟ کہ ان دونون
کے درمیان علم اور فضل مین تفاوت ہے تو کس ترازو اور پیمانہ سے اوسنے
فضل کے مراتب کا انداز کیا ہے تاکہ اوس کے لئے ظاہر ہو گیا ہے
کہ وجود مین اشعری سے کوئی شخص افضل نہین۔ پس اگر باقلانی کو اشعری
کی مخالفت مین رخصت دیتا ہے تو باقلانی کے سوائی دوسرون کو
کیون منع کرتا ہے اور باقلانی اور کرابیسی[1] اور قلانسی[2] وغیرہ کے
درمیان کیا فرق ہے۔ اور خاصکر اس رخصت کو اوس نے کہان سے

(تتمہ حاشیہ صفحہ ۱۴) امام صاحب کا خلاف کیا اور یہ خلاف کرنا اون کے لئے مقام اجتہادی مین ضروری اور محمود ہی جیسے کہ سمت قبلہ کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے لئے اجتہاد ضروری ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اوس کے لئے سمت قبلہ قرار دیجاتی ہی ۱۲ مترجم

[1] کرابیسی سے مراد حسین کرابیسی ہی ۱۲ مترجم

[2] قلانسی سے مراد ابی العباس قلانسی ہے کہ جو اون بزرگان سلف کی تابعین مین سے ہی کہ جنہون نے نصوص کو اپنے ظاہر پر رکہا جیسے مالک بن انس اور احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما ۱۲ مترجم

معلوم کیا ہے اور اگر وہ یہہ زعم کرتا ہے کہ **باقلانی** کا خلاف فقط
لفظی ہے جیسے کہ بعض متعصبون نے تعسف کیا ہے اس زعم پر کہ
اشعری اور باقلانی وجود کے دایمی ہونے پر باہم موافق ہین اور اس
امر مین خلاف کہ آیا یہ دوام ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا کسی
وصفِ زاید کی طرف ایسا قریب ہی کہ کسی تشدید کو واجب نہین کرتا تو پہر
معتزلی کے نفیِ صفات کے قول پر کیون تشدید کرتا ہے حالانکہ معتزلی
اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور تمامی معلومات پر محیط ہے اور کل
ممکنات پر قادر ہی اور اشعری سے فقط اس امر مین مخالف ہے کہ آیا
باری تعالیٰ اپنی ذات سے کل مخلوقات کا عالم ہے یا کسی ایسی صفت سے
کہ جو اوسکی ذات پر زائد ہے۔ پس باقلانی اور معتزلی کے خلاف مین
کیا فرق ہے اور کونسا مطلب حقتعالیٰ کی صفات اور اون کی نفی واثبات
مین نظر کرنے سے بزرگتر ہے۔ پس اگر کہے کہ مین **معتزلی** کو اس لئے
کافر کہتا ہون کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ ذات واحدہ سے علم اور قدرت
اور حیات کا فائدہ صادر ہوتا ہے اور یہ صفات باعتبار تعریف اور
حقیقت کے مختلف ہین اور محال ہے کہ مختلف حقیقتین اتحاد کے ساتھ
متصف ہون یا ذات واحدہ اون کے قایم مقام ہو تو پہر کیون
اشعری سے اوس کے اس قول کو بعید نہین جانتا کہ **کلام** ایک ایسی

صفت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر زاید اور اوس کے ساتھ قایم ہے
اور با وجود واحد ہونے کے وہ توراۃ ہے اور انجیل اور زبور اور قرآن
اور یہ امر ہے اور نہی اور خبر ہے اور استخبار اور یہ مختلف حقیقتین
ہین کیونکہ خبر کی تعریف یہ ہے کہ جو صدق اور کذب کی محتمل ہو حالانکہ
یہ احتمال امر اور نہی کی طرف راجع نہین ہو سکتا پس یہ کیسے ہو سکتا ہے
کہ ایک ہی حقیقت کی طرف تصدیق اور تکذیب راجع ہوا اور نہو۔ اور نفی
اور اثبات کا اجتماع محل واحد مین ہو۔ پس اگر اسکے جواب مین خبط کرے
اور اسکا پردہ نہ اُٹھا سکے تو جان تو کہ وہ شخص اہل اجتہاد اور اہل استدلال
سے نہین بلکہ وہ مقلد ہے اور شرط مقلد کی یہ ہے کہ وہ خود بھی خاموش
رہے اور اوس کا جواب بھی نہ دیا جاوے (کسی نے کیا خوش کہا ہے
ع جواب جاہلان باشد خموشی) اس لئے کہ وہ شخص طریق حجت
اور مباحثہ کی رفتار سے بالکل قاصر ہے اور اگر وہ اس امر کی اہلیت
رکہتا تو وہ متبوع ہوتا نہ تابع اور امام ہوتا نہ ماموم۔ پس اگر شخص مقلد
گفتگو اور دلائل مین خوض کرے تو یہ امر اوسکا فضول اور عبث ہے
اور جو شخص کہ اوسکی طرف متوجہ ہے گویا سرد لوہے مین ضرب لگاتا ہے
اور بگڑی ہوئی شئے کے درست کرنے کا طالب ہے کیا اوس شئے کو
عطار درست کر سکتا ہے کہ جسکو زمانہ نے فاسد کر دیا ہو۔ اور امید ہے

کہ اگر تو نے انصاف کیا تو جان لیگا کہ جو شخص اہل استدلال اور اہل اجتہاد
مین سے خاص کر کسی ایک پر امر حق کو وقف کرتا ہے تو وہی شخص کفر اور
تناقض کی طرف زیادہ تر قریب ہے۔ لیکن کفر کی طرف تو اس لئے کہ
اوس نے اوس شخص خاص کو ایسے نبی معصوم کی جا بجا ٹھہرا دیا ہے کہ
صرف اوسکی موافقت سے ایمان کو ثابت کرتا ہے اور کفر کو اوسکی مخالفت سے
لیکن تناقض کی طرف تو اس لئے کہ اہل استدلال اور اہل اجتہاد مین سے
ہر ایک شخص اجتہاد اور استدلال کو واجب کہتا ہے اور تقلید کو حرام
پس وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تجھے باوجود میری تقلید کے اجتہاد کرنا لازم
ہے اور یا تجھے اجتہاد کرنا لازم ہے لیکن ساتھ ہی اسکے تجھے لازم ہے
کہ تو اپنے اجتہاد مین وہی امر قرار دیوے جو مین نے قرار دیا ہے
اور جو کچھہ کہ مین نے قرار دیا ہے وہ حجت ہے پس تجھے لازم ہے کہ
اوسکو حجت اعتقاد کرے۔ اور جس امر کو کہ مین شبہہ اعتقاد کرون
تجھے بھی لازم ہے کہ تو اوسکو شبہہ اعتقاد کرے۔ اور کیا فرق ہے
اوس شخص کے درمیان جو کہتا ہے کہ تو میری تقلید فقط میرے مذہب
مین کر اور جو یہ کہتا ہے کہ تو میری تقلید میرے مذہب اور میری
دلیل دونون مین کر۔ اور یہ بجز اسکے نہین کہ سراسر تناقض ہے۔

فصل

مین امید کرتا ہون کہ اب تجھے خواہش اس امر کی ہوگی کہ تو کفر کی تعریف کو معلوم کرے بعد اسکے کہ تیرے نزدیک اصناف مقلدین کی تعریفین متناقض ٹھہرین۔ پس جان تو کہ اسکی شرح بہت طویل ہے اور اوسکا مدار علم بہت گہرا۔ لیکن مین تجھے ایک ایسی صحیح علامت تعلیم کرتا ہون کہ جو اپنے افراد کو جامع ہے اور غیر کے لئے مانع تاکہ تو اوسکو اپنا مدنظر بنا وے اور بسبب اوس کے باقی فرقون کی تکفیر اور اہل اسلام مین زبان درازی کرنے سے بچے گو اون کے طریقے مختلف ہون جب تک کہ کلمہ[1] لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ

[1] جیسے کہ مسلم مین ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم کئی اصحاب کہ جنمین ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے تھے کہ استنے مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری درمیان سے قیام فرماکر کہین تشریف لیگئے اور اسمین دیر ہوگئی۔ اور ہم کو خوف ہوا کہ مبادا آنحضرت صلعم کو ہم سے الگ ہوجانے سے کوئی دشمن صدمہ پہونچا وے اور فریاد کرتے ہوے اوٹھے اور مین سب سے پہلے آنحضرت ؐ کی تلاش مین فریاد کرتے ہوئے نکلا یہانتک کہ مین بنی نجار کے باغ کو آیا اور مین اوس باغ کے گرد گھوما کہ تاکوئی دروازہ ملے لیکن مجھے دروازہ نہ ملا مگر اوسوقت دیوار کے جوف مین ایک پانی کی نالی دیکھی کہ جو باہر کے

صدق دل سے چنگل مارے رہیں اور اس کلمہ شریفہ کی مناقضت اور شکست نہ کریں۔ پس میں کہتا ہوں کہ کفر رسول علیہ السلام کی تکذیب ہے اون اشیا میں سے کسی ایک شئے میں کہ جنکو رسول علیہ السلام لائے ہیں۔

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ) کنویں سے باغ کی اندر جاتی تھی تو میں اوس میں سے لومڑی کی طرح سمٹ کر نکلا اور آنحضرت ؐ کے پاس گیا تو آنحضرت ؐ نے فرمایا کیا ابوہریرہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ ؐ تو آنحضرت نے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے میں نے یہہ سب گزشتہ حقیقت بیان کی اور عرض کیا کہ یہ سب لوگ بھی میرے پیچھے آپ کی تلاش میں ہیں تو اسپر آنحضرت ؐ نے مجھے اپنی نعلین مبارک عطا کرکے فرمایا کہ تو میری یہ نعلین لیکر جا اور جو کوئی کہ اس دیوار کی آڑ میں تجھے ملے اور لاالہ الا اللہ کی شہادت یقین دل سے دیتا ہو تو اوسکو جنت کی بشارت دے۔ پس سب سے پہلے مجھے عمرؓ سے ملاقات ہوئی اور اوس نے پوچھا کہ اے ابی ہریرہ یہ نعلین کیسی ہیں میں نے کہا کہ یہ نعلین رسول اللہ ؐ کے ہیں۔ یہ نعلین مجھے دیکر حضرت ؐ نے بھیجا ہے کہ جو کوئی مجھے ایسا شخص ملے کہ جو صدق دل سے لاالہ الا اللہ کی شہادت دیوے تو میں اوسکو جنت کی بشارت دوں تو عمرؓ نے یہہ سنکر میرے سینہ میں ہاتھ ار لگائی اور میں چوتڑ کے بل گرا اور پھر عمرؓ نے کہا اے ابی ہریرہ واپس چلا جا

چنانچہ میں رسول اللہؐ کی طرف واپس گیا اور فریاد و زاری کی کہ اتنے میں عمر بھی میرے پیچھے کھڑا تھا پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ای ابی ہریرہ تجھے کیا ہوا تو میں نے عمر کی ملاقات اور مار کا قصہ عرض کیا تو پھر آنحضرتؐ نے عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر تونے کیوں ایسا کیا تو عمر نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ میرے ماں اور باپ تجھپر فدا ہو کیا تو نے ابی ہریرہ کو نعلین دیکر بھیجا ہے؟ کہ جو کوئی یقین دل سے لا الہ الا اللہ کہتا دیکھے اوسکو جنت کی بشارت دے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اسپر عمر نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ایسا نکر کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مبادا آدمیوں کو اس بشارت اجمالی پر کاہلی ہو۔ لہذا اونکو عمل کرنے دے تو پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں اونکو عمل کرنے دے انتہی۔ اور دوسری حدیث میں ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا دیکھا کہ آنحضرتؐ سفید کپڑا اوڑھے ہوے سوئے ہیں پھر دوسری دفعہ میں آیا تو دیکھا کہ بیدار ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی پر اوسکی موت ہو تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ ہاں اگرچہ زنا اور چوری کرے اور اسکا تکرار تین بار ہوا اور اخیر دفعہ میں اتنا لفظ آنحضرتؐ نے بڑہا کر کہا کہ ابی ذر کی ناک خاک آلودہ ہونے پر۔ اور ابو ذر جب اسکا بیان کیا کرتا تھا تو اس لفظ کا بھی اعادہ کیا کرتا تھا۔ ف جاننا چاہئے کہ ان احادیث مذکورہ بالا سے جیسے کہ بعض ملحدوں نے اعتقاد کرلیا ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ایمان فقط اقرار

توحید ہے اور فقط ایک دفعہ لاالہ الا اللہ کا زبان سے پڑھ لینا موجب دخول جنت ہے
اس لئے کہ توحید شرعی کا ثبوت بغیر تصدیق رسالت کے ممکن نہین لہذا ضرور ہوا کہ
رسالت کی تصدیق جزو ایمان ہو جیسے کہ صحیحین مین حضرت انس سے مروی ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ اونٹ پر سوار تھے اور معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت کے
پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاذ کو تین بار یا معاذ فرمایا اور انہون نے بھی تین بار
جواب دیا کہ لبیک یعنی حاضر ہون یا رسول اللہ۔ اوسوقت حضرت نے فرمایا
کہ مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ
اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔ یعنے کوئی ایسا نہیں کہ جو صدق دل سے وحدانیت خدا
اور رسالت محمد رسول اللہ کی شہادت دیتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالی اوسکو دوزخ پر حرام
کردیتا ہے۔ اسپر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا مین لوگون کو اس خبر کی بشارت
دون تو آنحضرت نے فرمایا کہ لوگ اس بشارت کے باعث عمل مین سستی کرینگے لہذا
معاذ نے یہ بشارت اپنی موت کے وقت ظاہر کی۔ پس معلوم ہوا کہ نجات کا ذریعہ یہ دونون
ہین نہ فقط شہادت وحدانیت ورنہ لازم آئیگا کہ ہر منکر رسالت جیسے یہود اور نصاریٰ بھی
مومن ناجی ہون۔ پس جب کہ تصدیق رسالت اور تصدیق توحید دونون جزو ایمان کے
ٹھہرے تو ضرور ہوا کہ ان ہر دو جزو کے تفصیلی احکام کی تصدیق بھی داخل ایمان ہو ورنہ تصدیق
ہر دو جزو بیکار رہے اور یہی امر موجب جنت ہی یا داسیکہ مین موت ان ہر دو جزو مین سے
کسی جزو کا انکار یا کسی جزو کے تفصیلی حکم کا انکار نکیا جاوے اور اگر مین موت تک

انہیں سے کسی امر کا انکار ہو تو اس سے نہ ایمان کا بقا ہے اور نہ جنت کا لقا اور یہی معاد
احادیث بالا ہے اور اس بیان سے واضح ہوا کہ اعمال کا حصول داخل ایمان نہیں اس لئے
کہ اسمین منافق اور مومن دونوں شارک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اعمال کا ذکر ان احادیث مین مطروح اور اصل امر کو ذکر فرمایا کہ جو
موجب تکمیل اعمال ہے اور حضرت عیسیٰ نے اونکا ذکر کیا کہ جو تکمیل ایمان اور علامت
کاملہ اہل ایمان ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا قول ہے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے
اور قول زبانی اور ارکان پر عمل کرنا یہ کل ایمان کے فروعات سے ہیں پس جس شخص نے
کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور کل رسولون کا اعتراف کیا اور جو کچھ کہ وہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہین دل کے ساتھ اوس نے اوسکی تصدیق کی۔ تو اوس شخص
کا ایمان صحیح ہے یہانتک کہ اگر وہ شخص اسی تصدیق پر فی الحال مر جاوے تو وہ شخص
مومن نجات والا ہوگا۔ اور ایمان سے خروج بجز اسکے نہیں ہوتا کہ ان اشیاء بالا
مین سے کسی شی کا انکار کرے۔ اور گناہ کبیرہ کا مرتکب جب کہ دنیا سے توبہ کے
بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اوسکا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے خواہ اوسکو اللہ تعالیٰ اپنی
رحمت کے ساتھ بخشدیوے خواہ اوس کے حق مین نبی صلے اللہ علیہ وسلم
شفاعت کرے اس لئے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت
کے اہل کبائر کے لئے ہے اور خواہ اوسکو اوسکی گناہ کے مقدار پر عذاب دیوے
اور پھر اپنی رحمت کے ساتھ اوسکو جنت مین داخل کرے۔ اور جائز نہیں کہ کبیرہ

گناہ والا کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے اس لئے کہ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ جس کسی کے دل میں ایک ذرہ کا مقدار بھی ایمان ہوا تو وہ شخص دوزخ سے نکالا جاویگا۔ پھر **اشعری** کہتا ہے کہ اگر گنہگار شخص توبہ کرے تو میں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ پر اوس کے توبہ کا قبول کرنا بحکم عقل واجب ہے اس لئے کہ باریتعالیٰ خود واجب کرنے والا ہے پس اوسپر کوئی شئے واجب نہیں بلکہ اتنا امر شریعت میں بطور سمع کے وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ اور اضطرار والوں کی دعا کی اجابت کرتا ہے لیکن وہ اپنی مخلوقات کا مالک ہے جو چاہے فعل کرے اور جو چاہے حکم کرے پس اگر کل مخلوقات کو جنت میں داخل کردے تو کوئی افسوس نہیں اور اگر سب کو دوزخ میں ڈالدے تو کوئی ظلم نہیں اس لئے کہ ظلم اوس تصرف کا نام ہے کہ جو ملک غیر میں کیا جاوے یا ایک شئے کو غیر محل میں رکھا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے نہ اوس سے ظلم متصور ہے اور نہ اوسکی طرف ظلم کو نسبت کیا جاسکتا ہے۔ پھر **اشعری** کہتا ہے کہ کل واجبات کا وجوب سمع کے ساتھ ہے اور عقل کسی شئے کو واجب نہیں کرتی اور نہ کسی شئے کی تحسین اور تقبیح کا اقتضا کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سمع کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا**۔ اور اسیطرح منعم کا شکر اور اطاعت گزار کو ثواب اور بے فرمان کو عذاب سمع کے ساتھ واجب ہے نہ عقل سے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی شئے عقل کے ساتھ واجب نہیں نہ **صلاح نہ اصلح**

اور نہ **لطف** کیونکہ جس حکمت موجبہ کا اقتضا عقل ایک جہت سے کرتی ہے تو دوسری
جہت سے اوسکی نقیض کا بھی اقتضا کرتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ پر بندون کا مکلف فرمانا
واجب ہے اس لئے کہ اس سے نہ اوسکو نفع حاصل ہوتا ہے اور نہ اوس سے کوئی ضرر
دور ہوتا ہے۔ اور وہ قادر ہے کہ بندون کو ثواب اور عذاب کی جزا دیوے اور وہ
اس پر بھی قادر ہے کہ ابتدا سے ہی از روی تکرم اور تفضل کے بندون پر فضل اور کرم کرے
اور ثواب اور تفضل اور نعیم اور لطف یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہے اور عذاب
سب کے سب عدل ہے وہ اپنے فعل سے سوال نہین کیا جا سکتا لیکن بندون کو سوال کیا جائیگا
جیسے کہ فرماتا ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ اور انبیاء علیہم السلام کا مبعوث
ہونا ایک قضیہ جائز ہے نہ واجب یا مستحیلہ لیکن مبعوث ہونے کے بعد معجزات کے ساتھ
تائید اور مہلکات سے اونکا بچاؤ امر واجبی ہے اس لئے کہ سننے والے کے بلئے کوئی طریق
ضروری ہے کہ اوسپر چلے اور اوس سے مدعی کا صدق معلوم کرے اور کل علتون اور
موانع کا دور کرنا ضروری ہے تاکہ حکم تکلیف مین تناقض واقع نہو۔ اور معجزہ ایک ایسا
فعل ہے کہ جو عادت کے لئے خارق دعوی کے ساتھ مقارن معارضہ سے سالم اور
وقت قرینہ کے جابجا تصدیق قول کے ہوتا ہے۔ اور یہ دو قسم ہر ایک تو خرق
عادت ہے اور دوسرا غیر عادت کا اثبات۔ اور اولیاء اللہ کی کرامتین حق ہین اور یہ ایک
وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق اور معجزات کے لئے تاکید ہین۔ اور ایمان اور طاعت
کا حصول اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور کفر اور معصیت عدم توفیق اور خذلان

پس یہودا[۱۵] اور نصاریٰ دونون کافر ہیں اس لئے کہ ان دونون نے

اور توفیق کا معنی یہ ہے کہ قدرت کا طاعت پر پیدا کرنا۔ اور خذلان کا معنی معصیت پر قدرت کا پیدا کرنا۔ اور جو کچھ کہ قرآن مین امور غائبہ جیسے قلم اور لوح اور عرش اور کرسی اور جنت اور نار کے اخبار وارد ہین انکا اجرائی ان کے ظاہر پر واجب ہے اور اسی کے موافق ان کے ساتھ ایمان واجب ہے اس لئے کہ ان کے اثبات مین کوئی محال لازم نہین آتا اور جو امور مستقبلہ جیسے قبر کا سوال اور ثواب اور عذاب اور جیسے میزان اور حساب اور صراط اور ایک فریق کا جنت مین جانا اور ایک کا دوزخ مین جانا وارد ہے یہ سب حق ہے انکا اقرار واجب ہے اور ان کو اپنے ظاہر پر رہنے دینا واجب اس لئے کہ ان کے وجود مین کوئی محال لازم نہین ۱۲ مترجم

[۱۵] یہود اور نصاریٰ یہ اہل کتاب کی اعظم امتون مین سے دو بڑی امتین ہین اور ان دونون مین سے یہود کی امت اعظم ہے اس لئے کہ شریعت ابتدا مین موسیٰ علیہ السلام کی ہتی اور کل بنی اسرائیل اسی کے پیرو تہے اور اسی کے احکام کے مکلف تھے اور انجیل جو کہ مسیح علیہ السلام پر نازل ہوی ہے نہ کسی حکم کے ساتھ مختص ہوی اور نہ اوس نے حلال و حرام کا بیان فرمایا بلکہ وہ فقط رموز اور امثال اور پند و نصایح اور ترغیب و ترہیب ہے اور باقی جتنے احکام کہ اس نے بیان کئے ہین وہ کل تورات کی طرف منسوب ہین چنانچہ یہود نے اسیوجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت قبول نہ کی۔ اور انہون نے دعوی کیا کہ عیسیٰ عم خود تورات کی متابعت کے لئے مامور ہے لیکن اس نے تورات مین

تغیر اور تبدیل کردی ہے اور اونہون نے عیسیٰ پر ان تغیرات کا الزام لگایا۔ اول یہ کہ
اوس نے یوم سبت یعنے شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل کر دیا۔ اور دوسرا خنزیر کا کھانا
حلال کیا حالانکہ تورات مین حرام ہے اور سوم ختنہ اور غسل وغیرہ۔ لیکن اہل اسلام نے
انہین کی کتابون سے ثابت کر دکھلایا ہے کہ ان دونون امتون نے اپنے اپنے کتابون
مین خود تحریف اور تبدیل کی اور اسی بنا پر امت یہود کے اکہتر فرقہ ہوئے اور
امت نصاریٰ کے بہتر اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا مخالف اور اوسکو محرّف
بتلاتا ہے۔ ورنہ عیسیٰ علیہ السلام تو انہین احکام کا ثابت کرنے والا تہا کہ جو موسیٰ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا تہا اور ان دونون انبیاء علیہما السلام نے ہمارے رسول
نبی رحمت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدم شریف کی بشارت دی اور ان امتون کو
ان کے اماموں اور انبیاؤن اور کتابون نے اس امر کا حکم کیا۔ اور اسی بنا پر ان کے
اسلاف نے قبل ظہور نبوت محمد صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قرب وجوار مین قلعون اور
مکانون کو بنا کیا تاکہ رسول آخر الزمان کو نصرت دیوین اور ان اسلاف نے
ان امتون کو حکم دیا کہ وہ اپنے شام کے وطنون کو چھوڑ کر وہان جا کر پیشقدمی کرین
اور رسول آخر الزمان کو جب کہ فاران کی پہاڑی پر حق کا ظہور ہوا اور دار ہجرت یعنی یثرب
اور مدینہ کی طرف مہاجرت کرے تو اوس کی نصرت اور مدد کرین لیکن جب اوسکا
ظہور ہوا تو خود اوس کے منکر ہوگئے جسکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانُوْا
مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔ **توراۃ** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ **طور سینا** سے آیا اور **ساعیر** پر ظاہر ہوا اور **فاران** پر کمال اور علو کو پہونچا۔ اور **ساعیر** بیت المقدس کی پہاڑیاں ہیں کہ جہاں عیسیٰ کا ظہور ہوا اور **فاران** مکہ کی پہاڑیاں ہیں کہ جہاں محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور کمال ہوا۔ اور جب کہ اسرار الٰہی اور انوار ربانی کے تین مراتب ہیں۔ یعنی وحی اور **تنزیل** اور **مناجات**۔ اور ان کے تاویل کے بھی تین مراتب یعنی مبدا اور وسط اور کمال۔ اور آنے کو مبداء کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ظہور کو وسط کے ساتھ اور علو کو کمال کے ساتھ لہٰذا توراۃ نے صبح شریعت کے طلوع اور اوس کے نزول کو طور سینا پر آنے کے ساتھ تعبیر کیا اور طلوع آفتاب کو ساعیر پر ظاہر ہونے کے ساتھ اور درجۂ کمال اور استوا پر پہونچنے کو فاران پر علو کے ساتھ۔ اور اس کلمہ سے مسیح اور محمد صلے اللہ علیہما وسلم دونوں کی نبوت کا اثبات اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر پوری دلیل ہے نصاریٰ کے دین اختراعی کی حقیقت ان کے تین فرقوں کے مقالات کے دیکھنے سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے۔ ایک فرقہ **ملکائیہ** یہ **ملکا** کے اصحاب ہیں کہ جو روم میں ظاہر ہوا اور اوس کا حاکم بنا۔ انکا قول ہے کہ مسیح نے حواریوں کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست رکھو اور جو تمہیں لعنت کہے تم اوسکو دعائے برکت دو اور جو تم پر غصہ کرے تم اوس کے ساتھ احسان اور نیکوئی کرو اور جو تم کو ایذا دیوے تم اوس کے لئے دعائے خیر مانگو تاکہ تم اپنے اوس **باپ** کے

بیٹے بنو کہ جو آسمان مین ہے اور اوس کا آفتاب صالحین اور فاجرین پر چمک رہا ہے
اور اوس کی رحمت کے قطرے پاکون اور ناپاکون پر نازل ہو رہے ہین۔ اور تم کامل بنو
جیسے کہ تمہارا باپ آسمان مین کامل ہے۔ اور کہا کہ تم اپنے صدقات کی طرف نظر کرو
اور دکھاوے کے لئے مقدم اور معظم آدمیون کو مت دو ورنہ تمہارے باپ کے نزدیک
جو کہ آسمان مین ہے اوسکا کوئی اجر نہو۔ اور سولی کے وقت کہا مین تمہارے اور
اپنے باپ کے پاس جاتا ہون۔ اسی بنا پر جبکہ ایریوس باشندہ قسطنطنیہ نے کہا کہ
قدیم فقط اللہ ہے اور مسیح اوسکا بندہ مخلوق ہے تو بطارقہ اور مطارنہ اور اساقفہ
یہ کل نصاریٰ کی قوم کے معظم قبیلے شہر نیقیس مین اپنے پادشاہ قسطنطین کے
پاس جمع ہوے اور انہون نے حضور پادشاہ مین دین نصاریٰ کے گھڑنے کیلئے
ایک کونسل ۳۲۵ء عیسوی مین تین سو تیرا [۳۱۳] آدمیون کی منعقد کی جسمین یہ اعتقاد قرار پایا
کہ ہم اللہ واحد کے ساتھ جو کہ باپ ہے اور ہر شئی کا مالک اور ظاہر اور پوشیدہ کا صانع
اور نیز ابن واحد کے ساتھ ایمان لاتے ہین کہ جو الیشوع مسیح اللہ کا بیٹا اور تمام
مخلوقات سے مقدم اور اول ہے اور وہ مصنوع نہین بلکہ خداے حق سے خداے حق ہے
وہ اپنے اوس باپ کے جوہر سے ہے کہ جس نے کل عالم کو اور نیز ہر شئے کو ہمارے
محکم بنایا اور وہ ہماری خلاصی کے لئے آسمان سے نازل ہوا اور روح القدس سے
جسد مین آیا اور مریم کنخدا سے متولد ہوا اور فیلاطوس کے زمانہ مین سولی پر چڑھایا گیا
اور دفن کیا گیا پھر تیسرے دن قبر سے نکلا اور آسمان کیطرف صعود کر گیا۔ اور اپنے باپ

رسول علیہ السلام کی تکذیب کی ہے۔ اور براہمی[1] بطریق اولی کافر ہے اس لئے
کے دائین ہاتھ کی طرف جا بیٹھا اور وہ دوسری دفعہ آنے کے لئے مستعد ہے
تاکہ مُردون اور زندون کے درمیان قضا کرے۔ اور ہم روح القدس پر ایمان
لاتے ہین جو کہ واحد ہے اور وہ روح الحق جو اپنے باپ سے نکلیگا۔ اور نیز
معمودیہ واحدہ پر ایمان لاتے ہین تاکہ ہماری خطا معاف ہو اور نیز جماعت
واحدہ قدسیہ مسیحیہ جاثلیقیہ پر ایمان لاتے ہین اور نیز ایمان لاتے ہین
کہ ہمارے بدن قایم رہینگے اور ابدالاباد تک زندہ رہین گے۔ یہ ان کلمات پر
پہلا اتفاق اور پہلی کونسل تثلیث پر ہے جسکو پادری گبن صاحب نے
بھی فال آف رومن ایمپائر یعنے تنزل سلطنت رومۃ الکبریٰ مین مفصل لکھا ہے
پھر اس کے بعد کئی کونسلین ہوتی رہین کہ جو ان کلمات کے برخلاف ہین۔ بس اس دین نصاریٰ کی
حقیقت ناظرین اصل معاملہ پر واضح ہو سکتی ہے کہ کیا ہے اور اب کے پادری کس شریعت محرّفہ کو آسمانی
بتلا کر اسکی طرف لوگون کو بلا رہے ہین۔

دوسرا فرقہ[2] نسطوریہ ہے کہ جو حکیم نسطور کے اصحاب ہین اور وہ مامون کے زمانہ مین ظاہر ہوا اور
اوسنے اپنی رائے سے انجیل مین تغیر اور تحریف کی اور اوسکو دین نصاریٰ مین ایسی نسبت ہے جیسے کہ معتزلہ
کو شریعت محمدیہ مین۔ تیسرا فرقہ[3] یعقوبیہ ہے جو یعقوب کے اصحاب ہین اور تثلیث کے قایل ہین اور
ان کے ہم مذہبون مین بڑا ہی خبط ہے جسکا ذکر مفصل کتاب الملل مین ہے مترجم ۱۲

[1] براہمہ اہل ہند کا ایک فرقہ ہے کہ جو ایک شخص برہام نام کی طرف منسوب ہے

اس لئے کہ اوس نے مع اپنے رسول کے باقی رسولون کا انکار بھی کیا ہے اور دھریہ بھی بطریق اولی کافر ہے اس لئے کہ اس نے رسولون کے علاوہ مُرسِل یعنے خدا کا بھی انکار کیا ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کفر بھی عَبدِیّت اور حُرِیت کے مانند ایک حکم شرعی ہے اس لئے کہ کفر کا معنی اخون کی اباحت اور آگ مین ہمیشہ رہنے کا ہے اور اس کا ادراک شریعت سے ہی ہے۔ پھر یہ ادراک یا تو نص سے ہوگا اور یا منصوص پر قیاس کرنے سے لیکن یہو د اور نصاری کے بارہ مین تو نصوص وارد ہو چکی ہین لہذا براہمہ اور ثنویہ اور زنادقہ اور دھریہ بطریق اولی اون سے لاحق ہوئی اور یہ کل فرقہ مشرک ہین اس لئے کہ یہ کل رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہین اور جو کوئی کہ تکذیب کرتا ہے وہ کافر ہے پس یہی جامع اور مانع علامت ہے۔

اس شخص نے اپنی قوم کو خاصکر نفی نبوت کی تعلیم دی اور یہ کئی اصناف ہین **ایک** وہ جو بُدھ کے قائل ہین۔ اور دوسرے اصحاب کراھد **تیسرے** اصحاب تناسخ۔ مگر جو قوم کہ اہل ھند مین سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی قائل ہے اوسکا نام **ثنویہ** ہے۔ اور انہین مین سے ایک وہ قوم ہے کہ جو نور اور ظلمت کو قدیم اور ازلی قرار دیتی ہے برخلاف **فرقہ مجوس** کے کہ وہ ظلمت کو حادث کہتے ہین ۱۲ مترجم

فصل

جان تو کہ یہ جو کچھ کہ ہم نے ذکر کیا ہے باوجود اسکے کہ ظاہر اور جلی ہے تاہم اسکے تحت مین گہراؤ بلکہ تمام گہراؤ ہے اس لئے کہ جو فرقہ کہ اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے تو اوسکی طرف تکذیب رسول کی نسبت کرتا ہے چنانچہ **حنبلی** اس زعم پر اشعری کی تکفیر کرتا ہے کہ اشعری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جانبِ فوق اور عرش پر استوا اسکے نہ ثابت کرنے مین رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور **اشعری** اس زعم پر حنبلی کی تکفیر کرتا ہے کہ اوس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی ہے اور اس امر کے انکار مین کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شئے نہین رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور **اشعری** نے معتزلی کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ اوس نے رؤیت باری تعالیٰ کے جواز اور اوس کے لئے علم اور قدرت اور باقی صفات کے نہ ثابت کرنے مین رسول کی تکذیب کی ہے۔ اور **معتزلی** نے اشعری کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ صفات کے ثابت کرنے مین کثرت قدماء کی لازم آتی ہے اور اس سے امر توحید مین فتور آنے سے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے پس اس ورطہ اور بھنور سے تجھے بغیر اسکے نجات نہین کہ تو تکذیب اور تصدیق کی تعریف اور ان دونون امور کی حقیقت کو دریافت کر لے

پھر تیرے لئے اس سے ان کل فرقون کی زیادتی اور فضولی کہ جو انھون نے بعض بعض کے حق مین کی ہے ظاہر اور منکشف ہو جائیگی پس مین کہتا ہون کہ تصدیق کا رجوع خبر بلکہ مخبر کی طرف ہوتا ہے اور حقیقت اسکی اوس شئے کے وجود کا اقرار کرنا ہے کہ جسکی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ مگر وجود کے لئے پانچ مرتبہ ہین اور انہین پانچ مرتبون سے غافل ہونے کی وجہ سے ہر فرقہ نے اپنے مخالف کی طرف تکذیب کی نسبت کی ہے اس لئے کہ وجود ذاتی بھی ہے اور حسّی اور خیالی اور عقلی اور شبہی بھی۔ پس جو شخص کہ ان پانچون وجوہ مین سے کسی ایک وجہ سے اوس شئی کا اعتراف کرے کہ جسکی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے تو وہ شخص مطلق طور پر مکذب نہین ہے۔ پس ہم وجود کے ان پانچون اصناف کی شرح کرکے ہر ایک کی مثال الفاظ تاویلات مین ذکر کرتے ہین۔

پس وجود ذاتی یہہ وہی وجود حقیقی ہے کہ جو حس اور عقل سے خارج مین ثابت ہے۔ لیکن حس اور عقل اوسکو اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کا نام ادراک ہے جیسے آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات کا وجود کہ جو ظاہر ہے اور حس اور عقل سے خارج مین ہے لیکن حس اور عقل اسکا ادراک کرتی ہے۔ بلکہ وجود کا معنی معروف

یہی ہے کہ جسکو اکثر لوگ جانتے ہین اور اسکے سوای کوی دوسرا معنی وجود کے لئے اون کے نزدیک معروف نہین اور وجود حسی وہ ہے کہ جو آنکھہ کی قوت باصرہ مین متمثل ہوتا ہے اور جس کے لئے آنکھہ سے خارج مین کوئی وجود نہین پس گویا وہ وجود حس مین ہی موجود ہوتا ہے اور قوت حاسہ ہی اوس کے ساتھہ مختص ہی اور حس کے ساتھہ کوئی دوسری چیز اس وجود مین شرکت نہین رکھتی جیسے کہ سونیوالا شخص خواب مین دیکھتا ہے یا جیسے کہ کبھی مریض آدمی بیداری کی حالت مین دیکھتا ہے اس لئے کہ کبھی مریض کی آنکھہ مین ایسی صورت متمثل ہونے لگتی ہے کہ جس کے لئے مریض کی حس سے خارج مین کوئی وجود نہین ہوتا حتی کہ اوس کو اسطرح پر دیکھنے لگتا ہے جیسے کہ باقی موجودات کو کہ جو اوسکی حس سے خارج مین ہین بلکہ کبھی انبیاء اور اولیا علیہم الصلوات والسلام کے لئے بہی حالت بیداری اور صحت مین ایسی جمیلہ صورتین متمثل ہوتی ہین کہ جو جوہر ملائکہ کے لئے محاکی اور مشابہ ہوتی ہین اور انہین جمیلہ صورتون کے واسطہ سے اونکی طرف الہام اور وحی کی تبلیغ ہوتی ہے حتی کہ انبیاء علیہم السلام بسبب اپنی صفائی باطن کے اون امور غیبیہ کو بیداری کی حالت مین دیکھتے ہین کہ جنکو دوسرے لوگ خواب کی حالت مین دیکھتے ہین جیسے کہ حضرت

مریم علیہا السلام کے لئے حضرت جبرئیل کا بشر کی صورت مین متمثل ہونا
اور جیسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرئیل کو اکثر حالات
مین دیکھنا لیکن باوجود اس کے آنحضرت نے جبرئیل علیہ السلام کو
اصلی صورت مین فقط دو دفعہ ہی دیکھا اور جیسے کہ آنحضرت کا
جبرئیل علیہ السلام کو مختلف صورتون مین متمثل دیکھنا اور جیسے کہ خود ذات
شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب مین دکہائی دیتی ہے اور
باوجود اس کے فرماتے ہین کہ جس نے مجھے خواب مین دیکھا تو اوس نے
بالتحقیق مجھے دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت کے ساتھ متمثل نہین ہوتا
حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خواب مین دکہائی دینا اسطرح پر
نہین ہوتا کہ آنحضرت کا شخص مبارک مدینہ منورہ کے روضۂ مبارک سے
خواب دیکھنے والے کے مقام خواب مین منتقل ہو کر آتا ہو بلکہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کا دکہائی دینا اسطریقہ پر ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی
فقط حس مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک موجود ہو جاتی
ہے اور اس کا سبب اور اسکا سر ایک امر طویل ہے کہ جسکو ہم نے
اپنی بعض کتابون[۱] مین مشروح طور پر بیان کیا ہے ۔ پس اگر تو اس امر کی

[۱] امام غزالی رح اپنے رسالہ حقیقت روح مین تحریر فرماتے ہین کہ شاید خواب مین
دیکھنے والا یہ کہے کہ وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک نہین دیکھتا اب وہ یا تو

تصدیق نکرتا ہو تو اپنی آنکھ کی تصدیق کر اس لئے کہ تو آگ کی چنگاری کو
دیکھتا ہے کہ گویا وہ ایک نقطہ ہے پھر تو اسکو سرعت کے ساتھ مستقیم
طور پر حرکت دیتا ہے تو اوسکو ایک خط آگ کا دیکھتا ہے اور پھر اوس
چنگارے کو مستدیر طور پر حرکت دیتا ہے تو اوسکو آگ کا دائرہ دیکھتا ہے

مثال جسم علیہ السلام کی کہیگا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے تو ہم صورت اول
مین کہتے ہین کہ جسم تو بذات خود محسوس ہے اوسکی تمثیل کی کیا حاجت ہے پھر جس نے موت کے بعد
رسول مقبول ؐ کی جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اوس نے نبی ؐ کو تو نہ دیکھا
بلکہ جسم کو دیکھا کیونکہ نبی ؐ روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیون اور گوشت سے بلکہ حق یہ ہے کہ
وہ رسول مقبول ؐ کی روح مقدس کی مثال ہے کہ جو محل نبوت ہے اور جو اوس نے دیکھی ہے
وہ حقیقت مین روح کی مثال ہے اور وہ حضرت ؐ کی روح اور اوسکا جوہر ہے جسم ہین اور
حدیث مَنْ رَآنِیْ فِیْ مَنَامٍ فَقَدْ رَآنِیْ سے یہ مراد ہے کہ جو اوس نے دیکھا وہ مثال ہے
کہ جو معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے مین واسطہ ہو گئی۔ پس
جوہر نبوت یعنے روح مقدس حضرت ؐ کی جو بعد مفارقت حضرت ؐ کے باقی ہے رنگ اور
شکل اور صورت سے پاک ہے۔ لیکن مثال مطابق کے واسطے امت کو اوس روح کی
معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک ایسی شکل ہے کہ جس کے لئے رنگت اور
صورت ہے اقول ممکن ہے کہ وہ صورت آنحضرت ؐ کی روح کی مثال نہ ہو بلکہ خود
ذات شریف آنحضرت ؐ کی ہو اس لئے کہ روح ایک ایسا جوہر لطیف ہے کہ جس کے لئے

اور یہ دائرہ ناری اور خط ناری دونون دکہائی دیتے ہین حالانکہ ان دونون کا وجود فقط تیری حس مین ہے نہ کہ حس سے خارج مین اسلئے کہ ہر حالت مین موجود خارجی فقط ایک نقطہ ہے لیکن اوس نقطہ کا خط ہو جانا اوقات متعاقبہ مین ہوتا ہے لہذا خط کا وجود ایک ہی حالت مین ثابت نہوگا حالانکہ وہ تیرے مشاہدہ مین ایک ہی حالت مین نقطہ

قرب اور بعد مقدر نہین اور چونکہ آنحضرت ؐ کا جسم مبارک حکم روح رکہتا ہے چنانچہ اسیوجہ سے آنحضرت ؐ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر نہین پڑتا تہا تو ممکن ہے کہ خواب مین ہزار ہا کس کو ایک ہی وقت مین آنحضرت ؐ کا جسم مبارک کہ جو مدینہ منورہ کے روضہ مبارک مین ہے مع روح دکہائی دیوے اور ایک ہی وقت مین ہزارہا آدمیون کے آنکہ مین اوسکا جلوہ تجلی دیوے لیکن مختلف اشکال مین دکہائی دینا اسکا بسبب ایک امر غامض ہے کہ جو دیکہنے والون کی قوت ایمانیہ اور مناسبت روحانیہ کی طرف راجع ہے۔ اسیطرح اولیاء کرام جنکا یہ قول ہے کہ اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا وہ بھی مختلف صورتون مین دیکہنے والون کی نظر مین ایک ہی وقت دکہائی دیتے ہین اور ایک ہی آن مین مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق جا پہونچتے ہین۔ فَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَائَهُمْ وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَائَهُمْ۔ پس اے میرے دانش یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ؐ کا روح مع جسم مبارک کشف حجاب کے وقت نہ دکہائی دیوے حالانکہ اسکا ثبوت اکثر اولیاء اللہ کے مشاہدہ سے ثابت ہے ۱۲ مترجم

ثابت ہے۔ اور وجودِ خیالی انہیں محسوسات کی صورت ہے جب کہ وہ تیرے حس سے غائب ہو جاتی ہیں اس لئے کہ تجھے اس امر کی قدرت ہے کہ تو اپنے خیال میں ہاتھی اور گھوڑے کی صورت اختراع کرلے گو اپنی آنکھوں کو بند کیوں نہ کرلے یہاں تک کہ تو اوسکو اس حالت میں دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اپنی کمال صورت کے ساتھ تیرے دماغ میں موجود ہو جاتا ہے نہ خارج میں۔ اور وجودِ عقلی اسطرح پر ہے کہ ایک شئی کے لئے روح یعنے حقیقت اور معنی جدا ہو اور صورت جدا لیکن عقل فقط اوس شئی کے مجرد معنی کا القا کرے اور اوسکی صورت کو خیال یا حس یا خارج میں ثابت نہ کرے جیسے ید یعنے ہاتھ کہ اس کے لئے ایک صورت بھی ہے کہ جو محسوس اور متخیل ہے اور نیز اسکے لئے ایک معنی بھی ہے کہ جو اوسکی حقیقت اور روح ہے اور وہ حقیقت کیا ہے یعنے پکڑنے کی قدرت کہ جو کہ ہاتھ عقلی ہے۔ اور جیسے قلم اس لئے کہ اسکے لئے بھی ایک صورت جُدا ہے لیکن حقیقت اسکی وہ ہے کہ جس سے علوم کے نقوش لکھے جاتے ہیں اور یہی معنی عقل کو حاصل ہوتا ہے سوا اس کے کہ لکڑی یا کانسے کی صورتِ خیالی یا حسی سے مقرون ہو۔ اور وجودِ شبہی وہ ہے کہ نفس شئی فقط باعتبار صورت کے موجود ہو نہ باعتبار حقیقت کے نہ خارج میں اور نہ حس میں اور نہ خیال میں اور نہ

عقل مین لیکن حقیقت مین کوی دوسری شئی موجود ہو کہ جو شئی اول کے ساتھ
کسی ایک خاصہ اور صفت مین مشابہت رکھتی ہے۔ اور عنقریب جب کہ
مین تاویلات مین تیرے لئے اسکی مثال ذکر کرونگا تو تجھے وجود شبہی کی
سمجھہ آجاویگی۔ پس وجود اشیا کے یہی مراتب ہین۔

فصل

اب تو ان پانچون درجون کی مثالین الفاظ تاویلات مین استماع کر۔
وجود ذاتی چندان تاویل کی طرف محتاج ہنین اور یہ وہی وجود ہے
کہ جو اپنے ظاہر پر جاری رہتا ہے اور تاویل ہنین کیا جاتا اور یہی وجود
مطلق حقیقی ہے جیسے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا عرش اور کرسی
اور ساتون آسمانون کی نسبت خبر دینا اس لئے کہ یہہ اجسام فی نفسہا
موجود ہین۔ حس اور خیال سے ادراک کئے جاوین یا نہ کئے جاوین۔ اور
وجود حسی کی مثالین تاویلات مین کثرت سے ہین اور مین اسجگہہ
پر فقط دو مثالون پر اکتفا کرتا ہون۔
ایک یہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت
کے روز موت کو ایک خوبصورت مینڈھے کی صورت مین لایا جاویگا
اور بہشت اور دوزخ کے درمیان اوسکو ذبح کیا جاویگا۔ پس جس شخص

کے نزدیک برہان اور دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موت عرض ہے یا غیر عرض۔ اور عرض کا جسم ہو جانا محال اور قدرت سے خارج ہے تو وہ شخص اس حدیث کی یون تاویل کرتا ہے کہ اہل قیامت کو وہ سینڈھا دکہایا جاویگا۔ اور اونکو اعتقاد دلایا جاویگا کہ یہی موت ہے اور یہ مینڈھا اونکی حس مین موجود ہوگا بغیر اس کے کہ خارج مین موجود ہو اور اوس کا ذبح کیا جانا اون کے لئے موت سے یاس اور ناامیدی کا باعث ہوگا اس لئے کہ جو ذبح کیا جاتا ہے اوس کے عود کی پھر امید نہین رہتی۔ اور جس شخص کے نزدیک یہ برہان قایم نہین ہے تو وہ اعتقاد کریگا کہ نفس موت فی ذاتہ مینڈھا بنجاویگی اور پھر ذبح کیجاویگی۔

دوسری مثال یہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہشت اس دیوار کی پہنائی مین میرے سامنے کیا گیا۔ پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان ثابت ہے کہ اجسام مین تداخل نہین ہو سکتا اور چھوٹی چیز مین بڑی چیز نہین سما سکتی تو وہ شخص اس حدیث کو اس معنی پر حمل کریگا کہ نفس جنت تو اوس دیوار کی طرف منتقل نہین ہوا تہا لیکن حس کے لئے جنت کی صورت اوس دیوار مین اسطرح متمثل ہوئی کہ گویا جنت دکہائی دے رہا تہا۔ اور یہ منع نہین کہ بڑی شئی کی مثال ایک جزو صغیر مین دکہائی دیوے جیسے کہ آسمان ایک چہوٹے سے آئینہ مین دکہائی دیتا ہے

اور یہ دکھائی دینا صورت جنت کے مجرد تخیل کے لحاظ سے اوس سے جدا ہے کہ جو آئینہ مین آسمان دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ تو ان دو صورتون مین فرق کر سکتا ہے کہ آسمان کا آئینہ مین دکھائی دینا جدا شے ہے اور آنکھون کو بند کر کے آسمان کی صورت کا بطریق تخیل آئینہ مین ادراک کرنا جدا شی ہے اور وجود خیالی کی مثال جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ مین گویا یونس بن متی کی طرف نظر کر رہا ہون کہ وہ دو قطوانی عبا مین اوڑہے ہوئے تلبیہ (یعنے کلمہ لبیک اللہم لبیک) کہہ رہا ہے اور پہاڑ اوسکو جواب دیتے ہین اور اللہ تعالی کہتا ہے کہ لبیک اے یونس۔ حالانکہ آنحضرت کا یہ قول بظاہر اسی پر مبنی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارک مین یہ صورت متمثل ہوئی اس لئے کہ اس حالت کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے قبل ہو کر معدوم بھی ہو چکا ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے کے وقت موجود نہ تھا۔ اور یہ بھی کہنا بعید نہین کہ اس حالت کا تمثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حس مین ہوا ہو حتی کہ اس حالت کا دکھائی دینا آنحضرت کو اسطرح پر ہو گیا ہو جیسے کہ سویا ہوا شخص مختلف صورتون کو دیکھتا ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ گویا مین نظر کر رہا ہون اس امر کی خبر دیتا ہے کہ یہ نظر حقیقی

نہ تھی بلکہ اوسکی مثال تھی مگر غرض ہماری آنحضرت کے اس قول کے ذکر کرنے سے فقط مثال کا سمجھانا ہے نہ کہ خاص اس صورت کا بتلانا۔ اور حاصل یہ ہے کہ جو شئی کہ محل خیال مین متمثل ہوتی ہے محل ابصار مین اوسکا متمثل ہونا تصور کیا جاتا ہے اور یہ تمثل مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر بہت ہی کم ہے کہ جس شئی مین تخیل کا ہونا تصور کیا جاتا ہے اوسمین مشاہدہ کا محال ہونا برہان کے ساتھ تمیز کیا جاوے۔ اور **وجود عقلی** کی مثالین تو بہت ہین لیکن یہان پر ہم فقط دو مثالون پر قناعت کرتے ہین **اول** یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے آخر جو شخص کہ دوزخ کی آگ سے نکالا جاویگا اوسکو اس دنیا سے دس گنا بڑا بہشت دیا جائیگا۔ اس لئے کہ اس قول سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت طول اور عرض اور ساحت کے اعتبار سے دس گنا ہوگا حالانکہ یہ ایک حسی اور خیالی تفاوت ہے پھر کبھی تعجب سے کہا جاتا ہے کہ بہشت تو حسب دلالت اخبار ظاہرہ آسمان مین ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آسمان مین اوس سے دس گنے بڑی شئے سما سکے حالانکہ آسمان بھی تو دنیا ہی مین سے ہے۔ اور کبھی تاویل کرنے والا اس تعجب کو قطعی جانکر کہتا ہے کہ اس تفاوت سے معنوی اور عقلی تفاوت مراد ہے نہ حسی اور خیالی تفاوت جیسے کہ کہا جاتا ہے

مثلاً یہ موتی اس کھجور سے سے دس گنا ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ معنی مالیت میں دس گنا ہے کہ جو عقلاً ادراک کیا جاتا ہے نہ باعتبار مساحت کے کہ جو حس اور خیال سے ادراک کی گئی ہے۔

دوم یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔ پس گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کا ہونا ثابت کیا لیکن جس شخص کے نزدیک یہ امر برہان سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہاتھ کا ہونا محال ہے کہ جو عضو محسوسہ یا متخیلہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے روحانی اور عقلی ہاتھ ثابت کرتا ہے کہ جو اوسکی روح اور معنی اور حقیقت ہے نہ صورت۔ اس لئے کہ ہاتھ کی روح اور معنی وہ شئے ہے کہ جس کے ساتھ ملائکہ کے واسطہ سے پکڑتا اور دیتا ہے اور فعل کرتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور پھر کہا کہ میں تیرے ہی واسطہ سے دونگا اور تیرے ہی واسطہ سے پھیر لونگا۔ اور ممکن نہین کہ اس سے وہ عقل مراد ہو کہ جو ایک عرض ہے جیسے کہ متکلمین کا اعتقاد ہے اس لئے کہ ممکن نہین کہ سب سے پہلے عرض کی پیدایش ہو بلکہ اس عقل سے مراد ملائکہ مین سے اوس

اور میں ایک فرشتہ کی ذات ہے کہ جسکا نام **عقل** ہے اس لحاظ سے کہ
یہ فرشتہ کل اشیاء کا تعقل اپنی جوہر اور اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے
بغیر اس کے کہ کسی تعلم خارجی کی طرف محتاج ہو۔ اور اسی فرشتہ کو
قلم بھی بولتے ہیں اس لحاظ سے کہ اسکے واسطے سے انبیاء اور اولیاء
اور باقی ملائکہ کے لوح قلوب میں وحی اور الہام کے طریقے سے علوم
کے حقائق نقش کئے جاتے ہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں وارد
ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ پس اگر اسکو عقل کی طرف
رجوع نہ کرایا جاوے تو ان دونوں حدیثوں میں تناقض لازم آئیگا کیونکہ
جائز ہے کہ ایک شئی کے لئے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے متعدد
نام ہوں چنانچہ **عقل** باعتبار اپنی ذات کے ہے اور **ملک** اس اعتبار
سے ہوگا کہ اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف انتساب اور مخلوقات کے درمیان
واسطہ ہونے کی نسبت ہے اور **قلم** اس اعتبار سے کہ اسکو ایسی
نقش علوم کی طرف اضافت ہے کہ جو اس سے یا بواسطہ الہام اور وحی
صادر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل کو **روح** باعتبار انکی ذات کے
بولا جاتا ہے اور **امین** وحی باعتبار اسکے کہ اسرار باطنی اسکے
پاس بطور امانت رکھے گئے ہیں اور **ذُو مِرَّةٍ** باعتبار اسکی قوت کے
اور **شدید القویٰ** باعتبار اسکی کمال قدرت کے اور **مکین عند ذی العرش**

باعتبار قرب منزلت کے اور مطاع اس اعتبار سے کہ بعض ملائکہ کے
حق مین وہ متبوع ہے۔ پس اس شخص نے قلم اور ہاتھ کو عقلی ثابت کیا ہے
نہ حسی اور خیالی اور اسیطرح اوس شخص نے کہ جس نے ید یعنے ہاتھ
کو اللہ تعالی کی صفت قرار دیا ہے قدرت ہو یا کوئی دوسری صفت
جیسے کہ متکلمین کا انمین اختلاف ہے۔ اور وجود شبہی جیسے غضب
اور شوق اور فرح اور صبر وغیرہ کہ جو اللہ تعالی کے حق مین وارد
ہوئی ہین۔ اس لئے کہ مثلاً غضب کی حقیقت یہہ ہے کہ ارادہ تشفی کیلئے
خون دل کا اوبلنا لیکن یہہ معنی اللہ تعالے کے حق مین نقصان والم
سے جدا نہین پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان قایم ہے
کہ اللہ تعالی کے لئے نفس غضب کا ثبوت ذاتی اور حسی اور خیالی اور عقلی
محال ہے تو وہ اوسکی تاویل ایکدوسرے صفت کے ثبوت پر کرتا ہے کہ
جس سے وہی شی صادر ہوتی ہے کہ جو غضب سے صادر ہوتی ہے
جیسے عذاب کا ارادہ کرنا حالانکہ ارادہ کو غضب کے حقیقت ذاتیہ مین کوئی
مناسبت نہین بلکہ ایک صفت مین ہے کہ جو اوس سے قریب قریب ہے
اور ایک اثر مین جو اوس سے صادر ہوتا ہے اور وہ کیا ہے یعنے
ایلام یعنے دکھانا۔ پس یہ مراتب تاویلات کے ہین جو ذکر ہو چکے

فصل

جان تو کہ جو کوئی شخص کہ شارع کے اقوال میں سے کسی قول کو ان مراتب کے کسی ایک مرتبہ کے موافق تاویل کرے تو وہ شخص بھی مُصَدِّقین میں سے ہے اس لئے کہ تکذیب اوس صورت میں ہے کہ ان تمام معانی کا انکار کرے اور زعم کرے کہ جو کچھ کہ شارع نے کہا ہے اوسکا کوئی معنی نہیں بلکہ کذب محض ہے اور غرض اوسکی اس قول میں فقط فریب دہی یا کوئی دنیا کی مصلحت ہے پس یہی کفر محض اور زندقہ ہے۔ اور تاویل کرنے والوں کو جب تک کہ وہ قانون تاویل کی پاس کرتے ہیں کفر نہیں لازم آسکتا جیسے کہ ہم عنقریب اس امر کی طرف اشارہ کرینگے اور کیونکر کفر لازم آسکتا ہے حالانکہ اہل اسلام کا کوئی ایسا فریق نہیں کہ جسکو تاویل کی طرف اضطرار نہ ہو۔ چنانچہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرنے والا شخص احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہے۔ اور سب تاویلات میں سے حقیقت سے زیادہ تر بعید اور کلام کو مجاز یا استعارہ کی طرف زیادہ تر قریب کرنے والا وجود عقلی اور وجود شبہی ہے حالانکہ اسی کے طرف حنبلی کو اضطرار ہے اور وہ اسکا قائل ہے۔ چنانچہ میں نے حنبلی مذہب کے معتبر اماموں سے کہ جو

بغداد مین ہمنے سنا کہ احمد بن حنبل نے فقط ذیل کی تین حدیثون کی تاویل پر تصریح کی ہے۔

اول یہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حجر اسود زمین مین اللہ تعالی کا داہنا ہاتھ ہے۔

اور دوم یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن آدمی کا دل اللہ تعالی کی دو انگلیون کے درمیان ہے۔

اور سوم یہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مین یمن کی جانب سے نفس رحمن ادراک کرتا ہون۔

پس تو غور کر کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ان احادیث کی کسطرح تاویل کی جب کہ اوس کے نزدیک ان احادیث کی ظاہری معنے کی محال ہونے پر برہان قایم تھا لہذا اوس نے اسطرح پر تاویل کر کے کہا کہ داہنا ہاتھ چونکہ بطور عادت کے صاحب ہاتھ کی تقرب کے لئے چوما جاتا ہے اور حجر اسود بھی اللہ تعالی کی طرف تقرب کے لئے چوما جاتا ہے تو گویا وہ بھی داہنے ہاتھ کی مثل ہے لیکن یہ مماثلت کوئی ذات اور صفات مین نہین بلکہ ایک امر عارضی مین ہے اور اسی وجہ سے حجر اسود کو یمین اللہ بولا گیا۔ اور یہ معنی جو امام احمد رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے یہ وہی معنی ہے کہ جسکو ہم وجود شبہی بولتے ہین اور یہ معنی تمامی وجوہ

تاویلات میں سے بعید تر ہے۔ پس غور کر کہ اس بعید تر تاویل کی طرف
وہ شخص جو کہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرتا ہے کیونکر مضطر
ہوا۔ اور اسی طرح جب کہ اوس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے دو حسّی
انگلیوں کا ہونا محال ثابت ہوا اس لئے کہ جو شخص بھی دلوں میں تفتیش
کرتا ہے تو اوس میں دو انگلیوں کا ہونا نہیں دیکھتا لہذا امام احمد بن حنبل
رضی اللہ عنہ نے ان دو انگلیوں سے اونکی روح اور حقیقت سمجھ کر تاویل کیا
اور وہ کیا ہے یعنے انگلی عقلی روحانی کہ جس سے اشیاء کی تقلیب اور
تحویل حاصل ہوتی ہے اور چونکہ انسان کا دل فرشتہ اور شیطان کے
وسوسے میں ہے اور انہیں دونوں سے دلوں کو پھیرتا ہے لہذا دو انگلیوں
کے ساتھ ان دو وسوسوں سے تعبیر کی۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے
فقط ان تینوں احادیث کی تاویل پر اس لئے اکتفا کیا کہ ان کو فقط اسیقدر
میں استحالہ معلوم ہوا اس لئے کہ نظر عقلی میں اونکو تعمق نہ تھا اور اگر اون کو
تعمق ہوتا تو باریتعالیٰ کے لئے جہت فوق کے اختصاص وغیرہ میں بھی
کہ جس کی انہوں نے تاویل نہیں کی یہ استحالہ ظاہر ہو جاتا۔ اور اشعری
او معتزلی نے بسبب زیادہ تفحص اور مباحثہ کے اکثر ظواہر کی تاویل کی
طرف بھی قدم بڑھایا۔ اور سب سے زیادہ حنابلہ کی طرف قریب تر امور
آخرت میں اشعریہ کی جماعت ہے اس لئے کہ انہوں نے سوائے چند ظواہر کے

اکثر ظواہر کو اپنے ظاہر پر ثابت رکھا ہے لیکن معتزلہ کی جماعت نے
تاویلات مین نہایت سخت توغل کیا۔ اور باوجود اس کے اشعری بھی
کسی ایک امر کی تاویل کی طرف مضطر ہے جیسے کہ ہم نے رسول علیہ السلام
کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ موت قیامت کے روز ایک بلیع مینڈھی
کی صورت مین لائی جاویگی اور جیسے کہ اعمال کا میزان سے وزن کیا جانا
وارد ہے اس لئے کہ اشعری نے اعمال کی تاویل کرکے کہا کہ اعمال
سے مراد اون کے صحیفہ ہین اور اللہ تعالیٰ اون صحیفون مین بدرجات
اعمال کے موافق وزن اور گرانی پیدا کردیگا اور یہ تاویل گویا وجود شبہی
کے ساتھ کی گئی کہ جو سب وجوہات مین سے بعید ہی اس لئے کہ صحیفہ
ایسے اجسام ہین کہ جنہین رقمین لکھی جاتی ہین۔ پس اصطلاحاً ثابت ہوا
کہ اعمال اعراض ہین لہذا جو شئے کہ وزن کیجاویگی وہ عمل نہین بلکہ وہ
ایسے نقش کا محل ہے کہ جو اصطلاحاً عمل پر دلالت کرتا ہے۔ اور معتزلی
نفس میزان کی تاویل کرتا ہے اور اوسکو ایک ایسے سبب سے تعبیر کرتا ہے
کہ جس کے ذریعہ سے ہر ایک کے لئے اپنے عمل کی مقدار منکشف
ہوجاویگی حالانکہ اسمین اوسقدر تعسف نہین جتنا کہ تاویل وزن صحایف
مین ہے اور ہماری غرض اس بیان سے یہ نہین کہ ایک تاویل کو صحیح
بتلائین اور دوسرے کو غلط بلکہ ہماری غرض فقط اس امر کا معلوم کرانا ہے

کہ ہر ایک فریق نے اگرچہ ظواہر کی ملازمت مین مبالغہ کیا ہے تاہم تاویل کی طرف مضطر ہے۔ مگر اوس شخص سے بحث نہین کہ جو عبادت اور تجاہل مین حد سے بڑھ گیا ہو اور کہے کہ حجر اسود بالتحقیق اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے اور موت اگرچہ عرض ہے لیکن بطریق انقلاب مینڈھا بنجاویگی اور اعمال اگرچہ اعراض ہین اور معدوم بھی ہو چکے ہین۔ لیکن تاہم میزان پر رکھی جاوینگے اور ان مین ثقل ہوگا۔ اور جو شخص کہ اس حد تک جہالت کو پہونچ جاتا ہے گویا وہ شخص عقل کے رشتہ سے الگ ہے۔

فصل

اب تو تاویل کا قانون سماعت کر اور پہلے تو معلوم کر چکا ہے کہ کل فرقہ تاویل مین ان پانچون درجون پر متفق ہین اور ان مین سے کوئی شئے بھی تکذیب کے دائرہ سے نہین لیکن وہ کل فرقہ اس امر پر بھی متفق ہین کہ ان سب درجات مین سے کسی ایک درجہ کی تاویل اوسوقت جائز ہے کہ جب معنی ظاہر کے محال ہونے پر کوئی برہان قایم ہو۔ اور ظاہر اوّل ان درجات مین سے **وجود ذاتی** ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن مین آجاتے ہین پس اگر وجود ذاتی کا ارادہ کیا جانا متعذر ہو تو اس کے بعد **وجود حسی**

کا مرتبہ ہے اس سلئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اسکے ضمن مین آجاتے ہین۔ پس اگر وجود حسی کا ثبوت متعذر ہو تو اس کے بعد وجود خیالی یا عقلی کا مرتبہ ہے پس اگر انکا تعذر ہو تو پھر وجود شبہی کا مرتبہ ہے کہ جو مجازی ہے۔ اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ تحتانی کی طرف عدول کرنا بغیر ضرورت برہان کے جائز نہین۔ پھر آخر کار اختلاف کا مرجع اختلاف برہان ٹھہرتا ہے اس سلئے کہ حنبلی کہتا ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کی طرف مختص ہونے کے استحالہ پر کوئی برہان نہین اور اشعری کہتا ہے کہ رویت باریتعالی کے استحالہ پر کوئی برہان قایم نہین۔ اور ہر ایک اپنے خصم مقابل کے بیان کو پسند نہین کرتا اور نہ اوسکو دلیل قاطع خیال کرتا ہے۔ اور خواہ کسطرح ہو یہ لایق نہین کہ کوئی فریق اپنے خصم مقابل کی تکفیر اس خیال سے کرے کہ اوسکو برہان مین غلطی کرنے والا جانتا ہے۔ ہان اسقدر جایز ہے کہ اپنے خصم کو غلط برہانی کے خیال سے گمراہ یا بدعتی بولے۔ لیکن گمراہ تو اس لئے کہ اوس کے نزدیک خصم مقابل اوس کے طریق سے گمراہ ہے اور بدعتی اس لئے کہ اوس نے ایک ایسا نیا قول ایجاد کرلیا ہے کہ جسکی نسبت سلف سے تصریح کا ہونا معہود نہین اس لئے کہ سلف سے یہ امر مشہور چلا آتا ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے روز دیکھا دکھلائی

پس جو شخص کہ یہ کہتا ہے کہ وہ دکھائی نہ دیگا تو اوس کا یہ قول بدعت ہے اور اگر روئیت کی تاویل پر تصریح کرے تو یہ بھی بدعت ہے بلکہ اگر اوس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاوے کہ روئیت کا معنی ول کا مشاہدہ ہے تو بھی لایق ہے کہ اسکا اظہار نکرے اور نہ اسکا ذکر کرے اس لئے کہ سلف نے اسکو ذکر نہیں کیا۔ لیکن ساتھ ہی حنبلی کہتا ہے کہ اللہ تعالی کے لئے جہت فوق کا ثابت کرنا سلف کے نزدیک مشہور ہے مگر یہ امر کسی نے سلف میں سے ذکر نہیں کیا۔ کہ عالم کا پیدا کرنے والا نہ عالم سے کے ساتھ متصل ہے اور نہ منفصل اور نہ اوسمین داخل ہے اور نہ اوس سے خارج اور یہ کہ جہات ستہ اوس سے خالی ہیں اور اوسکی طرف جہت فوق کی نسبت ایسی ہے جیسے جہت تحت کی نسبت۔ پس یہ قول کہ جو سلف سے منقول نہیں بدعت ہے اس لئے کہ بدعت کا معنی یہی ہے کہ ایک ایسی بات کا ایجاد کرنا کہ جو سلف سے ماثور نہ ہو۔ اور یہان پر تیرے لئے واضح ہو جائیگا کہ یہان دو مقام ہیں۔

پہلا مقام تو عام مخلوقات کا ہے اور اوس میں امر حق یہ ہے کہ ظواہر کا اتباع کیا جاوے اور ان ظواہر کو اپنے ظواہر سے نہ بدلا جائے اور جس تاویل کی نسبت کہ صحابہ کرام نے تصریح نہیں کی اوس کے ایجاد اور ابداع سے احتراز کیا جاوے اور ہر باب سوال کرنا کل قطع اور علم کلام

مین خوض اور بحث اور قرآن اور حدیث کے الفاظ متشابہ کی اتباع
سے زجر کی جاوے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ اون سے کسی نے دو متعارض آیتون کی نسبت سوال کیا تو حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے اوس شخص کو دُرّہ سے پٹوایا اور جیسے کہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ اون سے کسی نے استواء کی نسبت سوال کیا
تو اونھون نے جواب مین ارشاد فرمایا کہ استواء امر معلوم ہے اور ایمان
اوس پر واجب ہے لیکن کیفیت اوس استواء کی مجہول ہے اور سوال اوسکا بدعت ہے

دوسرا مقام اون اہل نظر اور اہل اجتہاد کے درمیان ہے کہ جن کے
عقائد اثرہ مین اضطراب ہے - پس لائق ہے کہ اون اہل اجتہاد کی
بحث بقدر ضرورت ہو اور اگر معنی ظاہر کی ترک کرین تو بضرورت
برہان قاطع کرین - اور لائق نہین کہ آپس مین ایکدوسرے کی تکفیر کرین اس خیال
سے کہ خصم کو اپنی برہان اعتقادی مین غلطی کرنے والا جانتے ہین
اس لئے کہ اس امر کا ادراک چندان آسان نہین لیکن برہان اون کے
درمیان یہ امر ہے کہ اون موازین خمسہ مین سے کسی ایک میزان کے
ساتھ وزن کرکے خلاف کو رفع کرین کہ جنکو ہم نے اپنی کتاب
قسطاس مستقیم[1] مین ذکر کیا ہے - اور یہ موازین خمسہ ایسے ہین

[1] اس کتاب کا ترجمہ بھی ہم نے ختم کر دیا ہے انشاءاللہ تعالے جلد تر شایع ہوگا

کہ جن مین سمجھنے کے بعد ہرگز امر خلاف راہ گیر نہین ہوتا اس لئے کہ
ان موازین خمسہ سے قطعی یقین کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اور مفہوم سے
کہ ان موازین کو حاصل کیا ہے اونپر انصاف کا عقدہ آسان ہو جاتا ہے۔
اور انصاف کیا ہے یعنے پردہ کا دور ہو جانا اور اختلاف کا اٹھ جانا
لیکن ان ناظرین کے درمیان سے اختلاف بھی دور نہین ہوتا اور یہ یا قسم

یہ کتاب امام غزالی رح کی ایک عجیب طرز پر لکھی گئی ہے کہ جس مین مسئلہ امامت کو بخوبی
طرح حل کردیا ہے اور پانچون میزانون کو کہ جو اہل منطق کے اصطلاح مین شکلون سے معتبر ہیں
قرآن کریم کے جملون سے اقتباس کیا ہے۔ چنانچہ میزان اول کا نام تعادل اکبر اور دوم
کا تعادل اوسط اور سوم کا تعادل اصغر اور چارم کا میزان تلازم اور پنجم کا میزان تعاند ہے
میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی شئی کی صفت معلوم ہو اور اوس صفت کی نسبت کوئی حکم
ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ وہ صفت مساوی موصوف
ہو یا اوس سے عام نہ ہو۔ **میزان اوسط** یہ ہے کہ اگر ایک شئے سے کسی امر کی نفی کی جائے
اور یہی امر کسی اور شئی کے لئے ثابت کیا جائے تو شئی اول مباین شئی ثانی کی ہوگی۔
میزان اصغر یہ ہے کہ اگر دو امر ایک شئی پر صادق آئین تو ضرور ہے کہ ان دونو
امرون مین سے کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے۔ **میزان تلازم** یہ ہے کہ وجود
ملزوم موجب وجود لازم ہوتا ہے اور نفی لازم موجب نفی ملزوم ہوتی ہے اور نفی ملزوم
یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا۔ **میزان تعاند** یہ ہے کہ اگر کوئی امر

اس لئے ہے کہ انمین سے بعض تو میزان کے تمام شرائط کے ادراک سے قاصر ہوتے ہین اور یا اس لئے کہ باوجود تمام شرائط کے جاننے کے محض اپنی طبیعت سے کام لیتے ہین اور میزان کے ساتھ وزن نہین کرتے جیسے کوئی شخص علم عروض کے حاصل کرنے کے بعد شعر کے کہنے مین فقط اپنے ذوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور عروض سے کام نہین لیتا اسوجہ سے کہ ہر شعر کو عروض کے سامنے کرنا اوسکو گران گذرتا ہے تو بعید نہین کہ ایسا شخص غلطی کرجاوے۔ اور یا اس لئے کہ وہ اون علوم مین مختلف درجہ رکھتے ہین کہ جو براہین کے مقدمات ہین اس لئے کہ بعض علوم تو ایسے ہین کہ جو براہین کے اصول ہین جیسے علوم تجربیہ اور تواتریہ وغیرہ کہ جو تجربہ اور تواتر سے حاصل ہون اور آدمی ان علوم تجربیہ اور تواتریہ مین مختلف ہوتے ہین اس لئے کہ کبھی ایک شخص کے نزدیک وہ امر متواتر ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے نزدیک متواتر نہین۔ اور کبھی ایک شخص کو ایک شئی کا اس قسم کا تجربہ ہوتا ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہین ہوتا

دو قسمون مین منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو۔ ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرائط جن سے قول مین غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کہ صداقت ہائے مذہب کو ان موازین سے کسطرح تولا کرتی ہین یہ سب امور بالتفصیل کتاب القسطاس المستقیم مین درج ہین۔ مترجم

اور یا اس لئے اختلاف وجود نہیں ہوتا کہ قضایا وہمیہ اور قضایا عقلیہ
میں التباس ہو جاتا ہے اور یا اس لئے کہ کلمات مسلمہ مشہورہ کو
کلمات ضروریہ اور اولیہ سے التباس ہو جاتا ہے جیسے کہ ہم نے
اسکو اپنی کتاب محک النظر میں بالتفصیل ذکر کیا ہے لیکن بالجملہ
جب کہ ناظرین ان موازین خمسہ کو تحصیل کر لیں اور انکو محقق طور پر
دریافت کر لیں تو ممکن ہے بشرطیکہ معاند نہو کہ مواقع غلطی پر انکو وقوف
حاصل ہو جاوے

فصل

بعض آدمی ایسے ہیں کہ جو بغیر کسی برہان قاطع کے فقط اپنے غلبۂ ظن کے
ساتھ تاویل کی طرف جلدی کر جاتے ہیں حالانکہ ایسے آدمی کی تکفیر
کی طرف بھی ہر مقام میں جلدی کرنی لایق نہیں بلکہ اوس میں نظر کرنی
چاہئے پس اگر انکی تاویل ایسے امر میں ہو کہ جس کو اصول عقائد سے
کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی امر مہم سے تو انکی تکفیر نہ چاہئے اور مثال
اسکی یہ ہے جیسے کہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام نے جو
ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھا اور کہا کہ یہ میرا رب ہے تو ان سے
ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مراد انسے جواہر نورانیہ ملکیہ ہیں کہ جنکی

نورانیت عقلیہ سے ہے نہ حسیہ اور ان انوار کے لئے کمال میں مختلف
مراتب ہیں اور نسبت تفاوت ان کے درمیان ایسی ہے
جیسے ستاروں اور چاند اور سورج کے درمیان ہی اور اس امر پر
یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام کا شان اس سے بہت
بڑا ہی کہ وہ ایک جسم کی نسبت اعتقاد کرتا کہ وہ خدا ہے حتی کہ
اوس کے غروب ہونے کے مشاہدہ کی طرف محتاج ہوتا کیا تو اعتقاد
کر سکتا ہی کہ اگر وہ غروب نہ ہوتا اور خلیل علیہ السلام کو اوس کے جسم
و مقدار ہونے کے لحاظ سے اوسکا خدا ہونا محال نہ جانتا تو وہ اوسکو
خدا بنا لیتا۔ انہوں نے یہ بھی دلیل پیش کی ہی کہ یہ کیسے ہو سکتا
ہی کہ سب سے پہلے خلیل علیہ السلام نے فقط ستاروں کو ہی دیکھا ہو
حالانکہ سورج سب سے روشن ہے اور پہلے یہی دکھائی دیتا ہی اور نیز
یہ دلیل پیش کی ہے کہ اول باری تعالی نے کہا ہے کہ ایسے ہی
اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملک
اور ملکوت دکھلائے ہیں اور پھر اس کے بعد اس قول کا ذکر حکایت
فرمایا ہی پھر یہ کیسے ممکن ہی کہ کشف ملکوت کے بعد ستاروں کی نسبت
حضرت خلیل علیہ السلام ایسا وہم کریں۔ اور یہ انکی دلیلیں کل ظنی
ہیں برہانی نہیں چنانچہ اونکا اولا یہ کہنا کہ خلیل علیہ السلام کا شان

اس سے بہت بڑا ہی کہ وہ ایک جسم کو خدا اعتقاد کرتا تو اس کے
جواب مین کہا گیا ہے کہ جب کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ
یہ ماجرا ہوا تھا تو اوس وقت وہ چھوٹے بچے تھے اور بعید نہین
کہ جس شخص نے عنقریب نبی ہونا ہو بچپن کی عمر مین اوس کو اس
قسم کے خطرات پیش آوین اور پھر بہت جلد اوسنے تجاوز کر جاوے
اور یہ بھی بعید نہین کہ غروب ہونے کی دلالت اوسکے حدوث پر
خلیل علیہ السلام کے نزدیک جسم ذومقدار کی دلالت سے زیادہ
ظاہر اور روشن ہو۔ اور پہلے ستارون کا دکھلائی دینا اسکی وجہ بیان
کی گئی ہے کہ خلیل علیہ السلام طفولیت کے زمانہ مین ایک غار
مین قید تھے اور جب نکلے تو رات کو نکلے۔ اور یہ جو پہلے اللہ تعالی
نے فرمایا ہے کہ اے محمد ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانون
اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہین جایز ہے کہ اللہ تعالی
نے یہ اونکی نہایت کا ذکر کیا ہو اور پھر حالت ہدایت کا بیان فرمایا
ہو۔ پس یہ اور اسکی مثل کل تاویل ظنی ہین انکو وہ شخص برہان اعتقاد کرتا
ہی کہ جو برہان کی حقیقت اور شرط نہین جانتا پس اونکی تاویل اسی
قسم کی ہوتی ہے۔ اور اونہون نے عصا اور نعلین کی تاویل
بھی کی ہے کہ جو آیۂ اخلع نعلیك اور آیۂ القِ مافی یمینك

مین واقع ہے - اور مین امید کرتا ہون کہ ظن ایسے امور مین کہ جو
اصول اعتقاد سے تعلق نہین رکھتے جابجا اوس برہان کے
ہوتا ہے کہ جو اصول اعتقاد مین ہوتا ہے پس ایسے ظن سے
نہ کفر کی نسبت ہو سکتی ہے اور نہ بدعت کی - ہان اگر ایسے دروازہ
کا کھولنا یہان تک پہونچانے کا اندیشہ رکھتا ہو کہ عوام کے دلون
مین تشویش ڈالدے تو ایسے ظن سے صاحب قول کو بدعتی
اوس ہر امر مین کہہ سکتے ہین کہ جس کا ذکر سلف سے ماثور نہین
اور اسیکے قریب بعض باطنیہ کا قول ہے کہ سامری کا
بچھڑا ماؤل ہے اسلئے کہ خلق کثیر ایک ایسے عاقل سے کیسے
خالی ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہو کہ سونے کی بنائی شئے خدا نہین
ہو سکتی حالانکہ یہ قول بھی ظن ہے اسلئے کہ یہ امر محال نہین کہ ایک
طائفہ اس مرتبہ کی جہالت کو پہونچگیا ہو جیسے وثن پرستون
کی جماعت - اور اوس بچھڑے کا نادر ہونا یقین بخش نہین ہے
لیکن اس جنس سے جو امر کہ عقائد اہم کے اصول سے تعلق
رکھتا ہے تو واجب ہے کہ اس شخص کی تکفیر کیجاوے کہ جو ظاہر
کو بغیر کسی برہان قاطع کی بدلا دیوے جیسےؔ وہ شخص

ؔ جیسے فارابی اور ابن سینا کہ جو قیامت کے دن حشر اجساد کا انکار کرتے ہین

کہ جو حشر اجساد کا انکار کرتا ہی اور نیز عقوبات حسیہ کا فقط ظنون
اور اوہام اور استبعادات سے بغیر کسی برہان قاطع کے کرتا ہی

اور کہتے ہین کہ محل ثواب و عذاب فقط ارواح مجردہ ہی ہون گے اور عذاب اور
ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی - امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتاب المنقذ من
الضلال مین تحریر فرماتے ہین کہ یہہ تو اونہون نے سچ کہا کہ وہان عذاب و ثواب
روحانی ہون گے لیکن یہہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہین ہون گے" گویا مذہب حق
یہہ ہے کہ عذاب روحانی اور جسمانی دونون ہون گے لیکن **سید احمد خان صاحب**
امام النیچریہ کا اعتقاد یہہ ہے کہ یہہ جسم کہ جس کا حشر قیامت کے دن
ہوگا یہہ وہ جسم نہین کہ جو اس وقت ہماری نظرون مین ہے بلکہ اونہون نے اس
جسم سے ایک جسم لطیف ارادہ کیا ہی کہ جو روح حقیقی اور کالبد خاکی کے درمیان
واسطہ ہے اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہی اور روح اوس سے
متعلق رہتی ہے **اقول** اس جسم لطیف کا اثبات البتہ حضرت **شاہ ولی اللہ صاحب**
محدث دہلوی رح کے قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو اونہون نے حجۃ اللہ البالغہ مین
لکھا ہی لیکن اوس سے یہہ نہین پایا جاتا کہ یہہ جسم جو کہ کالبد خاکی ہی اسکا حشر نہین ہوگا
ہان شاہ صاحب اتنا فرماتے ہین کہ جو شخص کہتا ہی کہ موت کے وقت انسان
کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہی وہ جھک مارتا ہی روح کے لئے دو قسم کا مادہ
ہی ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے اور دوسرے بالعرض جس مادہ سے بالذات

پس ایسے شخص کی تکفیر قطعاً واجب ہی اسلئے کہ جسمون کی طرف روحون کے واپس آنیکے استحالہ پر کوی برہان نہین اور ایسے

تعلق ہے وہ نسمہ ہے اور جس مادہ سے بالعرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہی جب آدمی مرجاتا ہی تو مادہ خاکی کا زائل ہوجانا اوسے کچھہ نقصان نہین پہونچاتا بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ مین حلول کئی رہتی ہے **سید احمد خان صاحب** اس عام قول اہل اسلام کو کہ جب خدا تعالی حشر کرنا چاہیگا تو ہرایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائیگا تسلیم نہین کرتے بلکہ اون کے نزدیک جن اجساد کے حشر کا بیان قرآن مین ہے اوسنے وہی اجسام لطیف مراد ہین جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس مین لیکر آتے ہین اور یہی حشر جسدی اون کے نزدیک ثابت ہی حالانکہ یہہ قول بالکل تکذیب نبوت بلکہ تکذیب الوہیت ہی امام بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور مجھے دشنام دی حالانکہ اوس کے لئے مناسب نہ تھا۔ تکذیب تو اوس نے یطرح کی کہ اوس نے میری نسبت کہا کہ مین بدائیت کی شل اوسکا اعادہ نہ کرونگا حالانکہ خلق اول اعادہ سے آسان نہین۔ اور دشنام اس طرح دی ہے کہ اوس نے میری طرف ولد کی نسبت کی حالانکہ مین ایسا احد صمد ہون کہ تو مین کسیکا ولد ہون اور نہ کوئی میرا ولد ہے **معہذا** قرآن کریم بآواز بلند اسی خاکی جسم کی حشر کی طرف دعوت دیتا

امر کا ذکر دین میں ضرر عظیم رکھتا ہے پس ایسے منکر کی تکفیر واجب ہی اور نیز ان میں سے اوس شخص کی تکفیر کہ جو قائل ہو کہ اللہ تعالےٰ کے فقط

جیسے کہ سورۂ یاسین میں ہے قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور جو لوگ کہ حشر کذائی کے منکر ہین اونکے نزدیک آج تک اس حشر کے استحالہ پر کوئی برہان قایم نہین ہوا **اقول** اولاً یہہ امر غور طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان اجزاء بدنیہ کو مرنے کے بعد معدوم کرکے اعادہ کریگا یا اون کو از یکدیگر مفارق اور جدا کرکے پھر اون مین تالیف پیدا کریگا لیکن **امر حق** یہہ ہی کہ ان مین سے کوئی امر بھی قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو نہین پہونچا اسلئے کہ ان مین سے کسی امر کے ثبوت پر آجتک کوئی قطعی دلیل قایم نہین ہوئی اور یہہ جو آیہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کو اعدام پر دلیل لاتے ہین اسکا استدلال باطل ضعیف ہے اسلئے کہ تفریق اجزا بھی اعدام ہے اسلئے کہ ہلاک شئی کا یہہ معنے ہے کہ وہ شئی اپنی صفات مطلوبہ سے نکل جاوے اور اوس کی وہ تالیف و وحدت ہو جاوے

اپنے نفس کا علم رکھتا ہی یا فقط کلیات کا علم رکھتا ہی اور امور جزویہ
کہ جنکا تعلق اشخاص سے ہے اون کو نہین جانتا اسلئے کہ قطعاً

کہ جس کے ساتھ اوس شئے کے اجزا اپنے افعال کے لئے صلاحیت رکھتے ہین
اور جسکے ساتھ اون کے منافع پورے ہوتے ہین اور اسیطرح فنا، کا بھی فن مین
یہی معنی ہے لہذا آیۂ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سے بھی اس امر پر استدلال نہین
ہوسکتا لہذا فناء اور ہلاکت سے مراد یہی تفریق اجزاء قرین قیاس ہے اور
یہی امر طیرابراہیم سے بھی پایا جاتا ہے اور ہمارے علماے عظام
کے نزدیک اعادہ معدوم بعینہٖ ایک بدیہی حجت یہ ہے کہ شئے معدوم
کا وجود ثانی ممتنع نہین ورنہ وجود اول بھی ممتنع ہوتا گویا مبدا اور معاد دونون
لازم اور ملزوم ہین - الحاصل حشر ومعاد کے مسئلہ مین کل پانچ اقوال منقول ہین
ایک فقط حشر جسمانی کا قول کہ جو اکثر متکلمین اور اون فلاسفہ کا ہی کہ جو نفس
ناطقہ کا انکار کرتے ہین اور دوسرا فقط حشر روحانی اور یہ فلاسفہ الٰہیہ
کا قول ہے - اور تیسرا حشر جسمانی اور روحانی دونون یہ اکثر محققین
جیسے حلیمی اور امام غزالی رح اور ابوزید دبوسی اور قدماء معتزلین سے معمر اور
متاخرین امامیہ مین سے جمہور اور اکثر صوفیہ کا قول ہے یہ لوگ کہتے ہین کہ انسان
حقیقت مین نفس ناطقہ کا نام ہے اور وہی مکلف اور مطیع اور عاصی اور مثاب
اور معاقب ہی اور بدن اوس کے لئے بمنزلۂ آلہ کے ہی اور نفس ناطقہ فساد بدن کے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہو اور ان درجات کے قبیل سے نہیں کہ جنکا ہم نے باب تاویل میں ذکر کیا ہے

بعد بھی باقی رہتا ہے پس جبکہ اللہ تعالی حشر مخلوقات کا ارادہ کریگا تو ہر روح کے لئے ایک بدن خاکی مثل ابدان دنیا کے پیدا کریگا کہ جس کے ساتھ اوس کو تعلق ہوتا ہے اور جس کے ذریعے اشیا میں تصرف کرتا ہے گویا عظام بالیہ کو از سر نو تالیف حاصل ہوگی اور یہی مذہب حق ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اللہ تعالے پارہ سویم میں فرماتا ہے أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور **چوتھا** قول یہ ہے کہ نہ حشر جسمانی ہوگا اور نہ روحانی یہ فلاسفہ طبعیہ کا ہے **پانچواں** قول توقف کا ہے اور یہ جالینوس سے منقول ہے ہمارے زمانہ

اسلئے کہ قرآن اور حدیث کی دلائل عام حشر اجساد اور عام علم اللہ تعالیٰ پر باین طور کہ وہ ہر اوس امر کو بالتفصیل جانتا ہے

لی انگریزی خوان دہریہ طالب علمون کو خدا ہدایت دیوے کہ وہ حشر اور نشر اور عذاب قبر وغیرہ سے انکار کرتے ہین حالانکہ اسکے وجود پر کوئی استحالہ قایم نہین ہوسکتا جب کہ ایک صاحب نبوت اعجاز کے ساتھ کسی امر مستقبل کا بیان فرما وے تو اوس کی تصدیق واجب ہے۔ کیا حیات اخروی حیات دنیوی سے کم پایہ رکھتی ہے کیا عذاب اخروی عذاب دنیوی سے عبرت نہین دلاتا ایک نابالغ لڑکا جب کہ کسی عاقل بالغ کو کہدے کہ اس رستہ مین سانپ ہی تو اوس نابالغ کے قول کو بالغ عاقل فقط حیات دنیوی کے بچانے کے لئے اعتقاد کرلیتا ہے اور صاحب نبوت صاحب اعجاز جو اعجاز کے ساتھ حیات اخروی اور عذاب اخروی سے آگاہ کرتا ہے اوس کے قول پر اعتماد نہین ہا لے ایسی غفلت اور ایسی جہالت سہ بروز حشر شود ہمچو روز معلومت ؎ کہ باکہ باختہ عشق در شب یجور۔ لیکن علم باری تعالیٰ کے بارہ مین اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ چونکہ جزئیات اور کلیات کا صدور ذات باری تعالیٰ سے ہی تو ضرور ہوا کہ انکا علم بھی اوس ذات کو ہو کیونکہ اس قدر اتفاق ان کے ساتھ ان کا صدور بجز اس کے نہین کہ ایک ذات عالم سے ہوا ہے اور ان جزئیات کے تغیر سے اوس کی ذات مین کوئی تغیر نہین آتا کیونکہ یہ تغیرات فقط اضافی اور زمانی ہین کہ جو ماضی اور حال اور استقبال کے اعتبار سے ہین لیکن ذات

کہ جو اشخاص عالم پر جاری ہوتے ہیں ایسے حد سے متجاوز ہیں کہ
جو قابل تاویل ہو اور وہ منکرین باوجود اس کے اعتراف
کرتے ہیں کہ یہ باب تاویل سے نہیں لیکن کہتے ہیں کہ جب کہ
مخلوقات کی صلاحیت اس امر میں نہ تھی کہ وہ حشر اجساد کا اعتقاد
کریں اسلئے کہ اون کے عقول معاد عقلی کے سمجھنے سے قاصر
تھے - اور نیز اس امر میں اونکی صلاحیت نہ تھی کہ وہ اس کا اعتقاد
کریں کہ اللہ تعالیٰ اون سب امور کا عالم ہے کہ جو اونپر گزرتی ہیں
اور اونپر رقیب اور حفیظ ہے تاکہ اون کے دلون مین رغبت
اور رہبت پیدا ہو لہٰذا رسول علیہ السلام کے لئے جایز ہوا کہ وہ
ان کو حشر اجساد اور کل اشیاء کے علم کی تفہیم کرے اور جو شخص کہ
غیر کی صلاحیت کرے اور اوس بارہ مین وہی امر کہے کہ جس مین
صلاحیت ہو گو خلاف حقیقت امر کہے تو وہ کاذب نہین کہلاتا
پس یہ قول قطعاً باطل ہے اسلئے کہ یہ صریح تکذیب ہے اور پھر اس

باری تعالیٰ کا علم ازلی ہے کہ جن کو تغیرات ازمنہ متغیر نہین کر سکتے کیونکہ وہ خالق
ازمنہ ہے اوس کے علم مین نہ ماضی متصور ہے اور نہ حال اور نہ مستقبل لہٰذا کل
موجودات ازل سے ابد تک اوس کے لئے حضوری ہیں جیسے کہ قرآن کریم اس کی
طرف اشارہ فرماتا ہے کہ لا یعزب عن علمہ مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض ۱۲

عذر کی طلب ہو کہ کیون اس نے کذب بولا حالانکہ منصب نبوت
کا ایسے رذیل امور سے پاک ہونا واجب ہے اسلئے کہ صدق بین انہیز
اس کے ساتھ مخلوقات کی صلاحیت مین کذب کی نسبت زیادہ تر
وسعت ہو اور یہی زندقہ کا پہلا درجہ ہے اور یہی اعتزال اور زندقہ
مطلقہ کے درمیان کا مرتبہ ہے اسلئے کہ معتزلہ کا طریق فلاسفہ
کے طریق سے سواے اس ایک امر کے قریب تر ہے اور
وہ ایک امر یہہ ہے کہ معتزلی ایسے عذر سے رسول پر تکذیب
جایز نہین رکھتا بلکہ جہان برہان کے ساتھ اوس کو
خلاف ظاہر ہوتا ہے وہان تاویل کرتا ہے - لیکن فلسفی ظاہری
معنی پر وہین تک اکتفا نہین کرتا کہ جہان تک وہ تاویل کے قابل
ہوتا ہے خواہ وہ تاویل قریب ہو یا بعید بلکہ اوس سے تجاوز
کر جاتا ہے اور زندقہ مطلقہ یہہ ہے کہ اصل معاد کا ہی انکار
ہو عقلی ہو یا حسی اور عالم صانع کا بھی بالکل انکار کیا جاوے -
لیکن فقط معاد عقلی کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے آلام اور لذات
حسیہ کی نفی اور صانع کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے صانع
کی تفصیلی علم کی نفی یہہ زندقہ مقیدہ ہو کہ جس مین ایک
قسم کا انبیا علیہم السلام کی صدق کا اعتراف ہے اور لفظاً

میرا ظن یہ ہے اور علم اسکا اللہ کے پاس ہے کہ یہی زندقہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول[۱] سے مراد ہین کہ عنقریب میری امت ستر پر کتنے فرقہ ہوجاویگی کہ جو سب کے سب جنت مین ہون گے سواے ایک فرقہ زناوقہ کے ۔ یہ لفظ حدیث کا ہی اور بعض روایات مین ثابت ہی ۔ اور یہ حدیث بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرقہ زنادقہ بھی رسول علیہ السلام کی امت مین سے ہے اسلئے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہی کہ عنقریب میری امت استنے فرقہ ہوجاویگی اور جو شخص کہ اوس کی نبوت کا اعتراف نہین کرتا وہ اوس کی امت سے نہین اور جو لوگ کہ اصل معاد اور اصل صانع[۲] کا انکار کرتے ہین تو وہ

[۱] قال علیہ الصلوۃ والسلام ستفترق امتی نیفا وسبعین فرقۃ کلھم فی الجنۃ الّا الزنادقۃ وھی فرقۃ انتہی

[۲] یہ اعتقاد بجز فرقہ دہریہ کے جو بالکل کورعقل ہین کوئی عقلمند نہین کرسکتا اسلئے کہ ہر فطرت اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نفس الامر مین ایک ایسا وجود موجود ہے کہ جو باقی موجودات کے خصوصیات اور احوال سے ممتاز ہی پس اگر وہ موجود واجب ہوا فہو المراد اور اگر ممکن ہوا تو کسی نہ کسی مؤثر کا محتاج ہوگا اور ضرور ہے کہ اس سلسلہ کی انتہا اوس وجود واجب تک پہنچے ورنہ دور اور تسلسل لازم آئیگا اور یہ دونون باطل ہین ۱۲ مترجم

گویا رسول علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف نہین کرتے اسلئے کہ
وہ زعم کرتے ہین کہ موت عدم محض ہے اور یہہ عالم ہمیشہ سے
بنفسہ بغیر کسی صانع کے موجود ہی اور یہہ لوگ اللہ اور روز آخرت
پر ایمان نہین رکھتے اور انبیا علیہ السلام کو مکر اور تلبیس کی طرف
نسبت کرتے ہین لہذا ان لوگون کو رسول علیہ السلام کی امت
کی طرف نسبت کرنا جایز نہین پس اس وقت زندقۂ امت کا معنی
سوا ے اس کے نہین جو ہمنے ذکر کیا ہی۔

فصل

جان تو کہ جن امور سے تکفیر واجب ہوتی ہی اور جنسے واجب نہین
ہوتی اونکی شرح ایک ایسی لمبی تفصیل کو چاہتی ہے کہ جسکے ذکر کرنے
مین ہر مقالہ اور مذہب اور ہر ایک کے شبہہ اور دلیل اور ظاہری
معنی سے وجہ بُعد اور وجہ تاویل کے بیان کرنے کی طرف حاجت
پڑتی ہے کہ جس کے لئے بڑے بڑے مجلدات بھی احاطہ نہین کر سکتے
اور نہ اس امر کے شرح کرنیکے لئے میری اوقات مین اس قدر
گنجایش ہی۔ لہذا اس وقت تو ایک وصیت اور قانون پر قناعت کر
چنانچہ وصیت یہہ ہے کہ تو اپنی زبان کو اہل قبلہ سے حتی الامکان
نگہدار رکھ جب تک کہ وہ بغیر کسی مناقضت کے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کے قایل ہین اسلئے کہ بہرحال تکفیر کا حکم خطرہ سے خالی نہین اور سکوت مین کوئی خطرہ نہین اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مناقض امر یہہ ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی عذر سے یا سواے عذر کے جھوٹ کا بولنا جایز رکھین بعد قانون یہہ ہے کہ تو جان لیو کہ جو امور کہ نظر اور اجتہاد سے تعلق رکھتے ہین وہ دو قسم ہین ایک قسم تو وہ ہے کہ جو اصول عقاید سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا قسم وہ جو فروعات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ایمان کے تین اصول ہین اللہ اور رسول اور روز آخرت سے ایمان لانا اور اسکے ماسواے کل فروعات سے ہین۔

اور جان تو کہ اصل امامت اور اسکے تعین اور اسکے شروط اور اسکے متعلقات مین خطا کا ہونا انہین سے کوئی شخص بھی تکفیر کو واجب نہین کرتے چنانچہ ابن کیسان نے اصل وجوب امامت کا انکار کیا حالانکہ اوس کی تکفیر لازم نہین ہے۔ اور وہ قوم کہ جو امر امامت کو معظم جانتی ہے اور امام سے ایمان رکھنے کو اللہ اور رسول سے ایمان رکھنے کے مقارن جانتی ہو اور نیز وہ قوم کہ جو اُن کے مخالف ہے

[1] ہان یہہ درست ہے کہ جو لوگ کہ امام کو اس قدر معظم بنا دیوین تا کہ درجہ حلول اور تشبیہ تک پہونچادین جیسے کہ شیعہ غالیہ کا مذہب ہے تو یہہ امر بیشک کفر ہے ۱۲ مترجم

اور ان کے اس مجرد مذہب امامت سے انکی تکفیر کرتی ہے ہرگز التفات کے قابل نہین - اور یہہ کل فضول گوئی ہے اسلئے کہ تعظیم امر امامت اور خدا اور رسول سے امام کو مقرون کرنے مین کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہرگز لازم نہین آتی اور جہان کہین کہ تکذیب پائی جاوے تکفیر واجب ہے اگرچہ فروعات مین ہو۔ پس اگر[1]

[1] یہہ اعتقاد فرقہ مرجیہ مین سے غسان بن کوفی کا ہے اوسکا زعم ہے کہ اگر کوئی شخص یہہ کہے کہ بالتحقیق اللہ تعالی نے خنزیر کو حرام کہا ہے لیکن مین نہین جانتا کہ آیا وہ خنزیر کہ جس کو حرام کہا گیا ہے وہی بکری ہے یا غیر اسکا تو وہ شخص مومن ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالی نے کعبہ کا حج فرض تو کہا ہے لیکن مین نہین جانتا کہ وہ کعبہ کہان ہے شاید ہند مین ہو تو یہہ شخص اوس کے نزدیک مومن ہے اور غسان کا مقصود اسکے ذکر کرنے سے یہہ ہے کہ ایسے اعتقادات کو ایمان سے کوئی تعلق نہین نہ یہہ کہ وہ ان امور مین شک رکھتا ہے اسلئے کہ کوئی عقلمند اپنی عقل سے مجاز نہین کہ وہ جہت کعبہ مین شک کرتا ہو اور ہر عقل والے کے نزدیک بکری اور خنزیر مین فرق ظاہر ہے عبد الکریم شہرستانی کتاب الملل مین لکھتا ہے کہ عجیب امر ہے کہ غسان بن کوفی اس مذہب کو امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا کرتا تھا اور امام صاحب کو فرقہ مرجیہ مین سے شمار کیا کرتا تھا مگر مین امید کرتا ہون کہ غسان نے جھوٹ کہا شاید ابی حنیفہ رح اور اصحاب

کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ جو گھر کہ مکہ مین ہے یہہ وہ کعبہ نہین کہ جس کے حج کے لئے اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہی تو یہہ کفر ہوگا۔

ابی حنیفہ رح کو مرجیہ سنت کہا جاتا تھا اور اکثر اصحاب مقالات نے ابی حنیفہ رح کو مرجیہ مین سے شمار کیا لیکن سبب اصلی اسکا یہ ہے کہ چونکہ امام ابوحنیفہ رح کہا کرتے تھے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اوس مین نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ نقصان لہذا ان لوگون نے ظن کر لیا کہ ابوحنیفہ رح اعمال کو ایمان سے موخر جانتے ہین حالانکہ ابوحنیفہ رح عامل ہوتے ہوئے ترک عمل کا فتویٰ کیون کر دیسکتے تھے اور اسکا ایک دوسرا سبب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح فرقہ قدریہ اور معتزلہ سے کہ جو صدر اول مین ظاہر ہوئی مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ گو ہر اوس شخص کو کہ جو قدر کے مسئلہ مین انکا خلاف کرتا تھا مرجیہ کے لقب سے پکارتے تھے اور اسیطرح فرقہ وعیدیہ کا بھی یہی حال تھا اور بعید نہین کہ یہ لقب امام ابوحنیفہ رح کو ان دونون مخالف فرقون کی جانب سے لازم ہوا ہو اور حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا غنیۃ الطالبین مین امام صاحب کے بعض اصحاب کو مرجیہ مین سے شمار کرنا اس امر کے لئے صاف دلیل ہے کہ امام صاحب مرجیہ مین سے نہین تھے لیکن چونکہ غنیہ مین یہہ نہین بتلایا گیا کہ وہ بعض کون ہین اس لئے اس نقل مین بھی شبہ پایا جاتا ہی لہذا ابن جوزی و خطیب بغدادی کا قول بھی مردود ہے ۱۲ مترجم

اسلئے کہ بطریق تواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے برخلاف ثابت ہوچکا ہے اور اگر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا کہ جو اس گھر کی نسبت اونہوں نے دی ہے کہ یہی وہی کعبہ ہے انکار کرے تو اوس شخص کا انکار سود مند نہوگا بلکہ اوسکے اس انکار سے قطعی طور پر معلوم ہوجائیگا کہ وہ شخص اپنے اس انکار مین عناد کر رہا ہے ہان اگر وہ شخص تھوڑے زمانہ سے مسلمان ہوا ہوا اور اوس کو اس امر کا تواتر نہ حاصل ہوا ہو تو اوس کو معذور سمجھا جاویگا۔ اور اسیطرح جو شخص کہ حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف فاحشہ ہونے کی نسبت کرے[1] حالانکہ قرآن کریم اوسکی پاکی اور عصمت مین نازل ہوچکا ہی تو وہ شخص کافر ہے اسلئے کہ یہہ امر اور اوسکے مثل بغیر تکذیب اور انکار تواتر کے صادر نہین ہوسکتا۔ اور انسان جب کہ تواتر کا انکار کرتا ہے تو فقط اپنی زبان سے انکار کرتا ہے لیکن ممکن نہین کہ اوسکو

---

[1] جیسے کہ شیعہ بہ پیروی منافقین کی اتباع سے حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی طرف نسبت کرتے ہین حالانکہ سورہ نور مین اللہ تعالےٰ نے حضرت عایشہ صدیقہ کی نسبت عصمت کا بیان فرمایا ہے اور افترا کرنیوالون کو ملعون بتایا ہی کہ ان الذین یرمون المحصنٰت الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم یوم تشہد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون الایہ ۱۲ مترجم

اپنے دل سے بھی بھلا دیوے ہاں اگر ایسے امر کا انکار کرتا ہی کہ جسکا
ثبوت اخبار احاد سے ہے تو اوس سے کفر لازم نہین ہوتا۔ اور اگر
ایسے امر کا انکار کرے کہ جس کا ثبوت اجماع سے ہے تو یہہ امر
غور طلب ہے اسلئے کہ اجماع کے حجت ہونے کی معرفت مین
اختلاف ہے۔ پس یہہ حکم فروعات کا ہے۔ لیکن اصول ثلثہ
کا حکم یہہ ہے کہ ہر وہ امر کہ جو فی نفسہ تاویل کا احتمال نہین رکھتا
اور اسکی نقل تواتر سے ہے اور یہہ بھی متصور نہین کہ اوس کے
خلاف پر کوئی برہان قایم ہو تو ایسے امر کی مخالفت تکذیب محض ہے
اور مثال اسکی وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے جیسے حشر اجساد اور
بہشت اور دوزخ اور اللہ تعالی کا کل تفصیلی امور پر احاطہ علمی۔ اور
جس امر مین کہ تاویل کا احتمال ہو گو مجاز بعید سے کیون نہو تو اوسکے
برہان کی طرف نظر کیجاتی ہے پس اگر برہان قاطع ہو تو اوس کا کھنا
واجب ہی لیکن اگر اوسکے اظہار سے عوام کو بسبب اون کے
قصور فہم کے ضرر ہوتا ہو تو اوسکا اظہار کرنا بدعت ہے۔ اور اگر
ایسا برہان قاطع نہین کہ جس کے ذریعہ اوس امر سے دین مین ضرر
کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے معتزلہ[1] کا باری تعالی کی رویت کا انکار تو

[1] اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالی کا آخرت مین دکھائی دینا صحیح ہے آگے کا قول ہی کہ

یہہ بدعت ہی لیکن کفر نہین مگر وہ امر کہ جس سے دین مین ضرر کا ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس باعث سے وہ محل اجتہاد مین واقع ہوتا ہے تو

کہ ہم کل اس امر پر متفق ہین کہ اللہ تعالےٰ کی رویت دنیا اور آخرت مین عقلاً جایز ہے لیکن اس امر مین اختلاف ہے کہ آیا دنیا مین بھی اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا سمعاً جایز ہی یا نہین چنانچہ بعض نے دلیل قرآنی سے اسکا اثبات کیا اور کہا کہ موسی علیہ السلام کا سوال کہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یہی جواز رویت کی دلیل ہے اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا دنیا مین منع ہوتا تو حضرت موسیٰ کبھی اس کا سوال نہ کرتے اسلئے کہ عاقل آدمی امر محال کا سوال نہین کرتا اور جاہل کا منصب نہین کہ وہ نبی کریم ہو - اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس رویت کو استقرار جبل کے ساتھ معلق کیا حالانکہ استقرار جبل کا فی نفسہ ممکن ہے اور بعض نے اسکا انکار کیا پھر اس امر مین اختلاف ہی کہ آیا اللہ تعالیٰ کا خواب مین دکھائی دینا جایز ہے یا نہین بعض کا قول ہے کہ جائز نہین اور بعض کہتے ہین کہ جایز ہے اور حق یہہ ہے کہ اس رویا سے کوئی امر مانع نہین اگرچہ یہہ رویا حقیقتہً نہین چنانچہ یہی مذہب امام غزالی رح کا ہے امام صاحب فرماتے ہین کہ مثل اور مثال مین فرق ہے مثل ممتنع ہے اور مثال ممتنع نہین ہے جیسے کہ حدیث قدسی ہی کہ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ تو مثال کا دکھائی دینا ممکن ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دکھائی دینا اور ہمارے درمیان خلاف نہیں کہ باری تعالیٰ کی ذات آخرت مین دکھائی جاویگی اور معتزلہ ذی الحواس کے سلئے اس کا جایز ہونا منع کہتے ہین اور انہون نے بہت سے دلائل

اوس سے تکفیر اور عدم تکفیر دونون کا احتمال ہے اور اسی جنس مین سے
وہ امر ہے کہ جس کو بعض تصوف کے مدعی دعوے کرتے ہین کہ
اون کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہوگئی ہے کہ جس سے
نماز اونسے ساقط ہوگئی ہے اور مسکرات کا پینا اور معاصی کا ارتکاب اور
بادشاہونکا مال کھانا حلال ہوگیا ہے تو ایسے شخص کے وجوب
قتل مین کوئی شک نہین گو خلود نار کا حکم اوس کے حق مین غور طلب ہے
اور ایسے ایک شخص کا قتل کرنا سو کافر کے قتل سے افضل ہے اسلئے
کہ ایسے شخص کا وجود دین مین عظیم الضرر ہے اور اوس کے ہونے سے
ایک دروازہ اباحت کا اس طرح پر کھل جاتا ہے کہ پھر بند ہونا
اوس کا دشوار ہے - اور نیز اس کا ضرر اوس شخص کے ضرر سے
زیادہ ہے کہ جو مطلقاً صوم وصلوۃ کی اباحت کا قائل ہے اسلئے
کہ اس شخص سے بسبب اس کے ظہور کفر کے ہر کوئی نفرت کریگا
اور کوئی بھی اسکی طرف کان نہین لگائیگا - لیکن وہ شخص جو اپنا درجۂ
قرب اس حد تک پہونچاتا ہے کہ صوم وصلوۃ کو اوس سے ساقط

عقلیہ اس بارہ مین پیش کئے ہین ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ
وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ - وسترون ربکم یوم القیامۃ
اور اس مسئلہ کی بحث شرح مواقف مین بہت بسط کے ساتھ ہے کہ جس کا ذکر یہان پر طوالت کو چاہتا ہے۔ مترجم

جانتا ہی تو وہ شخص گویا شریعت کو شریعت سے مٹاتا ہے اور زعم
کرتا ہے کہ اوس نے فقط تکلیفات عامہ کی تخصیص اونہین لوگون کے
ساتھ کی ہے کہ جو اوسکے مرتبہ تک نہین پہونچے اور کبھی زعم
کرتا ہے کہ وہ بظاہر تو دنیا سے ملا ہوا اور گناہون سے مقارن ہی
لیکن باطن مین ان سب سے بری ہے اور یہان تک اسکی شنوائی
کرتا ہے کہ ہر فاسق کو اپنی حالت کی مثل پر دعوت دیتا ہی اور شریعت
کی رسّی اوس سے کھولتا ہی اور تجھے یہہ ظن کرنا لائق نہین کہ تکفیر اور
عدم تکفیر کا ادراک ہر مقام مین ہو سکتا ہے بلکہ تکفیر ایک ایسا حکم
شرعی ہے کہ جسکا مرجع اور مآل مال کی اباحت اور خون کے بہانے
اور خلود نار کی طرف ہے پس تکفیر کا ماخذ باقی احکام شرعیہ کے ماخذ کی
مثل کبھی تو یقین کے ساتھ ادراک کیا جاتا ہے اور کبھی ظن غالب کے
ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ اور جہان کہین کہ تردد پایا جاوے
وہان تکفیر مین توقف کرنا سب سے بہتر ہے اور تکفیر کی طرف جلدی کرنا
اون طبائع مین غالب ہوتا ہے کہ جن مین جہالت کا وجود غالب ہوتا ہی
اور ایک دوسرے قاعدہ سے بھی تنبیہ کرنی ضرور ہے اور وہ یہہ ہے
کہ مخالف کبھی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور زعم کرتا ہی کہ وہ ماوّل
ہے اور باوجود اسکے اوسکی اس تاویل کے لئے قریب یا بعید کا کوئی

محل نہین تو یہ کفر صریح ہے اور تاویل کرنے والا مکذب ہے گو اپنے کو زعم کرتا ہے کہ وہ تاویل کر رہا ہے ۔ اور مثال اسکی جیسے تو نے بعض فرقہ باطنیہ کی کلام مین دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہین کہ اللہ تعالے واحد اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو وحدت عطا کرتا ہے اور وحدت کا خالق ہے اور اسی طرح اللہ تعالی کا عالم ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو علم عطا کرتا ہے اور اللہ تعالی کا موجود ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو ایجاد کرتا ہے اور یہ معنی نہین کہ اللہ تعالے فی نفسہ واحد یا موجود یا عالم ہے باین معنی کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہے حالانکہ یہ کفر صریح ہے اسلئے کہ وحدت کو ایجاد وحدت پر حمل کرنا کسی قسم کی تاویل نہین اور نہ عرب کی لغت اس معنی کیلئے حامل ہے اور اگر وحدت کا خالق اسلئے واحد ہوتا کہ اوس نے وحدت کو پیدا کیا ہے تو لازم ہوتا کہ ایسے خالق کو تین اور چار بھی بولا جاتا اسلئے کہ اوس نے اعداد کو بھی پیدا کیا ہے ۔ پس ان مقالات کی مثالین محض تکذیبات ہین کہ جنکی تعبیر تاویلات سے کیجاتی ہے ۔

فصل

تو نے ان تفہیمات سے معلوم کر لیا ہے کہ تکفیر کا تعلق کئی ایک امور سے ہے پہلا امر یہ کہ اس امر مین نظر کرنی چاہئے کہ جو نص شرعی کہ اپنی ظاہر سے

عدول کیگئی ہے کیا اوس مین تاویل کا احتمال ہے یا نہین اور اگر اوسمین
تاویل کا احتمال ہے توکیا یہہ تاویل قریب ہے یا بعید۔ اور قابل تاویل
اور غیر قابل تاویل نص کی معرفت کوئی آسان امر نہین ہے بلکہ اسمین
وہی شخص شغل رکھسکتا ہے کہ جو علم لغت مین ماہر اور حاذق اور
اصول لغت کا عارف ہو اور باوجود اسکے پھر استعارات اور مجازات
مین اون الفاظ کے طریقہ استعمال اور امثال کے بیان کرنے
مین عرب کی عادت اور عرف کا بھی ماہر اور عارف ہو۔ دوسرا
امر یہہ ہی کہ آیا وہ نص کہ جسکا ظاہر ترک کیا گیا ہے کیا بطریقہ تواتر ثابت
ہے یا بطریقہ احاد یا فقط اجماع سے ہے پس اگر اوسکا ثبوت
بطریقہ تواتر ہے توکیا بشرط تواتر ہے یا نہین اسلئے کہ بسا اوقات
مستفیض آدمی نص مستفاض کو متواتر گمان کرتا ہے حالانکہ تواتر کی
تعریف یہہ ہے کہ جس مین شک کا ہونا ممکن نہو جیسے انبیا علیہم السلام
اور بلاد مشہورہ وغیرہ کے وجود کا علم اسلئے کہ انکے وجود کا علم
ہر عصر مین زمانہ نبوت تک اس طرح متواتر رہا ہے کہ ہرگز یہہ امر متصور
نہین ہے کہ کسی زمانہ مین عدد تواتر مین نقصان ہوا ہو اور تواتر کی بھی
شرط ہے کہ اس امر کا اوس مین احتمال بھی نہو جیسے کہ قرآن کریم کے
بارہ مین ہے لیکن غیر قرآن کے بارہ مین تواتر کا ادراک نہایت غامض

اور گو را سے اوراس کے ادراک کے لئے بجز اون لوگون کے کسی دوسرے
کو اشتغال جایز نہین کہ جو کتب تواریخ اور گزشتہ زمانون کے
احوال اور کتب احادیث اور احوال رجال احادیث اور نقل مقالات
مین اون کے اغراض سے بحث کرتے ہین اسلئے کہ کبھی ہر عصر
مین تواتر کا عدد پایا جاتا ہے لیکن اوس سے علم کا حصول نہین ہوتا
اسلئے کہ یہ امر متصور ہے کہ ایک جماعت کثیرہ کو باہم توافق کرنے
مین کسی قسم کا رابطہ ہو علی الخصوص جب کہ اہل مذاہب کے درمیان تعصب
ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تو رافضیون کو دیکھتا ہے کہ وہ علیؓ بن ابیطالب
رضی اللہ عنہ کے حق مین امامت[1] کی نسبت نص کا دعوی کرتے ہین
باین اعتبار کہ یہ نص اون کے نزدیک متواتر ہے حالانکہ اون کے مخالف
کے نزدیک بہت سی اشیاء مین تواتر ثابت ہے برخلاف
اوس تواتر کے کہ جو رافضیون کے نزدیک ہے اسلئے کہ رافضیون
کو جھوٹی اور بناوٹی باتون کی اشاعت کرنی مین باہم نہایت
سخت موافقت ہوتی ہے۔ لیکن وہ نص کہ جسکا استناد

[1] یہی پہلا مسئلہ ہے کہ جس نے اہل سنت اور شیعہ میں اسلام مین در مقابل اور تضاد سے زرقہ بنا دئے جسکی تشریح کتب تواریخ خصوصا تاریخ محب طبری کا اور حبیب السیر وغیرہ مین شرح اور ہم بھی اسکی تشریح مین ایک مستقل رسالہ لکھا ہے کہ جو انشاء اللہ تعالی بمقتضائے کل امر مرہون باوقاتہا بہت جلد شایع ہوگا برادر متعلم ۔ مترجم

اجماع کی طرف ہے اوسکا ادراک نہایت ہی گہرا ہے اسلئے
کہ اوس کی شرط ہے کہ تمام اہل اجتہاد ایک ہی خطہ مین جمع
ہون اور پھر صریح لفظ کے ساتھ ایک امر پر اتفاق کرین اور
پھر ایک قوم کے نزدیک یہہ ہی کہ وہ اہل اجتہاد اوس امر
متفق علیہ پر ایک مدت تک قایم رہین اور دوسری قوم کے
نزدیک یہہ ہے کہ اوس عصر کے ختم ہونے تک اوس امر
متفق علیہ پر عمل کرین - اور یا اوسکی یہہ شرط ہے کہ امام وقت
کل اہل اجتہاد کے ساتھ اطراف مین مین خط وکتابت کر کے
ان کے فتاوے ایک ہی عصر مین جمع کرے اس طرح پر
اون کے اقوال مین صریح الفاظ سے اتفاق ہوتا کہ اوس سے
رجوع کرنا ممکن نہو اور بعد اوس کے خلاف نہو سکے پھر اس امر
مین نظر ہے کہ آیا جو شخص کہ بعد اتفاق کے مخالفت کرے کیا
اوس کی تکفیر ہو سکتی ہے یا نہین اسلئے کہ بعض آدمیون کا
قول ہے کہ جب کہ وقت اتفاق مین بھی مخالفت کا ہونا جایز ہی
اور پھر اون کو موافقت پر لایا جاتا ہے تو یہہ ممتنع نہین کہ بعد
اتفاق کے کوئی اُنہین سے اختلاف کرے لہذا یہہ بھی ایک امر
غامض ہے - تیسرا امر یہہ ہے کہ اس امر مین نظر کرنی چاہیے

کہ آیا صاحب مقالہ کے نزدیک خبر کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے
کہ یا اوس کو اجماع پہونچا ہے اسلئے کہ ہر وہ شخص کہ کسی خبر کی تاویل
کرتا ہے یہہ ضروری نہین کہ اوس کے نزدیک امور ماؤلہ کا ثبوت
تواتر سے ہو یا اجماع کے مقامات اوسکے نزدیک خلاف کے
مواقع سے ممتاز ہون بلکہ وہ شخص ان امور کا ادراک بتدریج
کرتا ہے اور وہ سلف کی اُن کتابون کے مطالعہ سے اس امر
کی معرفت حاصل کرتا ہے کہ جو اختلاف اور اجماع کے بیان
مین تصنیف کی گئی ہین پھر ایک یا دو تصنیفات کے مطالعہ سے
یہہ امر حاصل نہین ہوتا اسلئے کہ اس قدر سے اجماع کا تواتر
حاصل نہین ہوتا چنانچہ ابوبکر فارسی نے اجماع کے مسایل مین
ایک کتاب تصنیف کی اور اوس کے اکثر مسایل اجماعیہ کا انکار
کیا گیا اور بعض مسایل مین اہل علم نے مخالفت کی۔ پس اسصورت
مین جو شخص کہ اجماع کی مخالفت کرے حالانکہ ابھی اوس کے
نزدیک اس کا ثبوت نہین ہے تو وہ شخص جاہل خطاکن ہے
مکذب نہین لہذا اوس کی تکفیر بھی ممکن نہین اور اس امر کی تحقیق کی
معرفت مین اشتغال رکھنا کوئی آسان امر نہین۔ چوتھا
امر اوس دلیل کے بیان مین کہ جو تاویل کرنے والے کے لئے مخالفت

ظاہر کی باعث ہی کہ آیا وہ دلیل شرط برہان کے موافق ہی یا نہین۔ اور شروط برہان کی معرفت کی شرح بغیر بڑی مجلدات کے ممکن نہین اور وہ جو ہم نے کتاب قسطاس مستقیم اور کتاب محک النظر مین ذکر کیا ہے فقط ایک نمونہ ہے۔ اور اس زمانہ کے اکثر فقہا کی طبیعت پوری طور پر شروط برہان کے سمجھنے سے رُکتی ہے حالانکہ اس کا سمجھنا ضروری امر ہے اسلئے کہ اگر برہان قطعی ہو تو تاویل کرنے مین رخصت ہی اگرچہ وہ تاویل بعید کیون نہو اور اگر برہان قطعی نہو تو بغیر ایسی تاویل قریب کے جو قریب الفہم ہی رخصت نہین۔ پانچوآن امر اس امر کے بیان کرنے مین کہ آیا اوس مقالہ کا ذکر کہ جو اہل تاویل کے نزدیک ہی کیا دین مین اوس کا ضرر عظیم ہے یا نہین اسلئے کہ جس مقالہ کا ضرر دین مین عظیم ہو تو اوس مین ایک قسم کی آسانی ہے گو وہ قول بُرا اور ظاہر البطلان کیون نہو جیسے اوس شخص کا قول کہ جو امام کے انتظار مین ہے کہ امام سرداب مین چھپا ہوا ہے اور وہ شخص امام کے نکلنے کا منتظر ہے اسلئے کہ یہہ قول صریح جھوٹ اور نہائیت بڑا ہے لیکن اسکا ضرر دین مین کچھ نہین بلکہ اس کا ضرر اوسی احمق پر ہے کہ جو امام کے نکلنے کا منتظر کھڑا ہے اسلئے کہ وہ ہر روز شہر سے

امام کے استقبال کے لئے باہر نکلتا ہے تاکہ امام شہر مین داخل ہو لیکن وہ شخص ناامید ہوکر اپنے گھر کی طرف واپس جاتا ہے پس یہ ایک مثال ہے لیکن مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر چیز وہ گوئی سے گو وہ ظاہر البطلان کیون نہین قائل کی تکفیر نہین چاہئے۔ پس جس وقت تو نے سمجھ لیا کہ تکفیر کے امر مین نظر کرنا ان تمام مقامات پر موقوف ہے کہ جن کے ادراک پر دلیرون کو بھی استقلال نہین تو اس وقت تو نے جان لیا کہ جو شخص اس شخص کی تکفیر کے لئے جلدی کرتا ہے کہ جس نے اشعری یا غیر اشعری کی مخالفت کی ہے وہ ایک جاہل نفتری ہے اور کیونکر ایک فقیہ شخص فقط فقہ دانی سے اس امر عظیم کے لئے استقلال کر سکتا ہے اور وہ ان علوم کو فقہ کی کونسی جگہ کے ساتھ مین پاویگا۔ پس جب تو ایسے فقیہ شخص کو کہ جس کی بضاعت مجرد فقہ ہے تکفیر اور تضلیل مین خوض کرتے دیکھے تو تو ایسے فقیہ سے اعراض اور روگردانی کر اور اپنے دل اور زبان کو اس کے ساتھ مشغول نکر اسلئے کہ دعوی علوم کا ایک ایسا طبعی امر ہے کہ جاہلون کو اس سے صبر نہین ہو سکتا اور اسی وجہ سے آدمیون کے درمیان خلافات بڑھے ہین اور اگر جو شخص کہ نہین جانتا خاموش رہتا تو ہرگز اس قدر خلافات مخلوقات مین نہ پھیلتی۔

فصل

سب سے زیادہ غلو اور فضولی کرنے والا فرقہ متکلمین کا ایک طائفہ ہے کہ جنہون نے عام مسلمانون کی تکفیر کی اور انہون نے زعم کر لیا کہ جو شخص کہ ہمارے مثل علم کلام کو نہین جانتا اور عقاید شرعیہ کو ان دلیلون کے ساتھ نہین جانتا کہ جو ہم نے تحریر کی ہین وہ کافر ہے پس ان لوگون نے پہلے اللہ تعالی کی وسیع رحمت کو اوس کے بندون پر تنگ کر دیا اور جنت کو متکلمین مین سے ایک جماعت قلیلہ پر وقف کر دیا اور ثانیاً انہون نے سنت متواترہ کو بھلا دیا اسلئے کہ عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اون پر ظاہر ہے کہ انہون نے عرب کے اون بدوی طائفون کے اسلام پر حکم کیا کہ جو بتون کی عبادت مین مشغول رہتے تھے اور انہون نے اون بدویون کو دلیل کے جاننے کے لئے مشغول نکیا اور اگر وہ بدوی تعلیم دلیل کے لئے مشغول بھی ہوتے تو بھی اوس کو سمجھ نہ سکتے اور جو شخص یہ ظن کرتا ہے کہ ایمان کا ماخذ علم کلام اور مجرد دلیلین اور وہ تقسیمات ہین کہ جو علم کلام مین مترتب ہین تو وہ شخص راہ راست سے بہت دور ہے بلکہ ایمان ایک ایسا نور ہے کہ اوس کو اللہ تعالی اپنے بندہ کے دل مین بطور

عطیہ اور ہدیہ سے کبھی تو ایک ایسی باطنی تنبیہ کے ذریعہ سے القا
کرتا ہے کہ جس کی تعبیر ممکن نہین اور کبھی بذریعہ خواب کے دیکھنے کے
اور کبھی کسی دیندار آدمی کے حال کے مشاہدہ اور اوسکی صحبت اور
مجالست کے ذریعہ سے اوسکی طرف نور ایمان کی سرایت ہوتی
ہے اور کبھی قرینہ حال کے ذریعہ سے چنانچہ ایک اعرابی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انکار کی حالت مین آیا پس جب کہ اوس
اعرابی کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی چہرہ پر پڑی
اور اسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر انوار نبوت
کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار بول اوٹھا کہ واللہ ما ھذا
بوجہ کذاب یعنے خدا کی قسم یہہ موبنہ جھوٹ بولنے والا نہین اور
اوسی وقت اوس اعرابی نے سوال کیا کہ اوس کو اسلام کی
تعلیم کیجاوے - اور ایک دوسرا اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین تجھسے پوچھتا
ہون کہ کیا تجھے اللہ تعالی اسنے نبی بناکر مبعوث کیا ہے؟ تو آنحضرت علیہ السلام
نے فرمایا کہ ہان اللہ کی قسم مجھے اللہ نے نبی بناکر مبعوث کیا ہے
تو وہ اعرابی آنحضرت کی اس قسم کی تصدیق کرکے مسلمان ہوگیا - اور
اوس کے امثال بے شمار ہین حالانکہ اون مین سے کوئی بھی علم کلام

مین مشغول ہوا اور نہ دلیلون کے سیکھنے مین بلکہ ایسے ہی قرینون سے
اسلام کے نور نے اونکے دلون مین سفید چمک دی۔ پس آپ میری
دانش یہہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم
سے منقول ہو کہ انہون نے اعرابی کو حاضر کیا اور وہ اسلام لایا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اعرابی کو عالم کے محدث
ہونے پر یہہ دلیل بتائی کہ عالم حوادث اور اعراض سے خالی
نہین اور جو شئی کہ حوادث سے خالی نہیں پس وہ حادث ہے
اور اللہ تعالی علم کے ساتھ عالم اور ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہے
کہ جو اوسکی ذات پر زائد اور نہ یہہ وہ ہے اور نہ وہ یہہ اور اسیطرح
متکلمین کے رسومات بھی اور مین فقط یہی نہین کہتا کہ فقط یہی الفاظ
منقول نہین بلکہ کوی دوسرا ایسا لفظ بھی منقول نہین کہ جس سے
ان الفاظ کے معانی پیدا ہوسکتے ہون بلکہ کوئی معرکہ بجز اسکے فتح نہین
ہوتا تھا کہ تلوارون کے سایہ کے نیچے کئی جوانمرد بدوی ہوتے
تھے۔ اور قیدیون کی جماعت قریب یا بعید زمانہ کے بعد ایک
بعد ایک کے اسلام لاتے تھے اوس وقت انکی یہہ حالت ہوتی تھی
کہ کلمۂ شہادت اونکو پڑھانے کے بعد نماز اور زکوۃ کی تعلیم
دیجاتی تھی اور اسکے بعد اونکو اپنے اپنے پیشہ کے لئے رخصت

ویسی ہی تھی خواہ وہ پیشہ بکریون کا چرانا یا کوئی دوسرا اسی قسم کا ہوتا تھا۔ ہان مین اس امر کا انکار نہین کرتا کہ متکلمین کا اُدِلّہ کو ذکر کرنا بعض آدمیون کے حق مین ایمان کے لئے ایک سبب ہے لیکن ایمان کا حصول فقط انہین اَدِلّہ متکلمین پر موقوف نہین اور پھر بھی ایک نادر طور پر ہے بلکہ سب سے نفعمند وہ کلام ہے کہ جو معرض وعظ مین جاری ہو جیسے کہ قرآن کریم اس معنی پر مشتمل ہے مگر جو کلام کہ طریقۂ متکلمین پر تحریر کیا گیا ہے اوس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ بطریق جدال کے ہے تاکہ عامی لوگ اوس سے عاجز ہو جاوین نہ اسلئے کہ وہ فی نفسہ حق ہے۔ اور بعض اوقات ایسا کلام عامی کے حق مین عناد قلبی کے استحکام کا وسیلہ بنجاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو نے کبھی متکلمین یا فقہا کی مجلس مناظرہ کو نہین دیکھا کہ جس مین کوئی شخص اعتزال یا بدعت سے تائب ہوا ہو یا شافعی رح کے مذہب سے ابی حنیفہ رح کے مذہب کی طرف یا بالعکس انتقال کیا ہو حالانکہ ان انتقالات کے اسباب دوسرے ہین یہان تک کہ تلوار کی ساتھ مقاتلہ بھی ایک سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلف نے دعوت اسلام مین ایسے مجادلات کو عادت نہین بنایا بلکہ اونہون نے علم کلام مین خوض کرنے والے اور بحث

اور سوال مین شغل رکھنے والے کو تشدید کی - اور جبکہ ہم سنے بدعت کو چھوڑا اور کسی جانب کی رعایت نہ کی لہذا ہم سنے تصریح کردی ہے کہ علم کلام مین بجز دو شخصون کے کسی تیسرے کو خوض کرنا حرام ہے ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کوئی ایسا شبہہ واقع ہوا ہو کہ جو اوس کے دل سے نہ قریب الفہم واعظانہ کلام سے دور ہوتا ہے اور نہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس وقت جائز ہے کہ قول کلامی جو کہ علم کلام کے طریق پر مرتب ہے اوس شخص کے شبہ کے لئے دور کرنے والا اور اوسکی مرض کے لئے دوائی ہو پس ایسے شخص کے ساتھہ قول کلامی کا استعمال جائز ہے تاکہ اوس شبہ اور اوس مرض سے نجات پاوے - لیکن ساتھہ ہی اسکے واجب ہے کہ وہ تندرست کہ جس کو ایسے مرض نہین اوسکے کانون سے ایسے قول کو نگاہ رکھا جاوے اسلئے کہ احتمال ہو کہ اوس قول کے سننے سے اوس تندرست کے دل مین کسی شبہہ کی حرکت ہو اور وہ اوس سے مریض ہوجاوے اور اعتقاد صحیح اور قطعی سے تنزل کرجاوے - اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جسکا عقل کامل اور دین مین راسخ القدم اور انوار یقین سے ثابت الایمان ہو اور وہ خواہش کرتا ہے کہ اس صنعت کلامی کو حاصل کرے تاکہ وہ مریضون کے لئے

کہ جب اونکو کوئی شبہہ واقع ہو دور کرے - اور جب کہ کوئی اہل بدعت ظاہر ہو تو اوس کو لاجواب کرے اور جب کوئی اہل بدعت کسی صحیح العقیدہ کے گمراہ کرنے کا قصد کرے تو وہ اوس کو اوس گمراہی سے بچاوے - پس علم کلام کا اس غرض سے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور اس علم کا اوس مقدار پر حاصل کرنا کہ جس سے شک اور شبہ دور ہو جاوے شک اور شبہ والے شخص کے لئے فرض عین ہے لیکن اوس صورت مین کہ اوسکے قطعی اعتقاد کا اعادہ کسی دوسرے طریق سے ممکن نہو - اور حق صریح یہ ہے کہ جو شخص قطعی طور پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہین اور جو کچھ کہ قرآن کریم مین ہے حق ہے تو وہ شخص مومن ہے گو وہ شخص ان امور کی دلیلون سے آگاہ نہو بلکہ وہ ایمان کہ جو دلیل کلامی سے حاصل ہوتا ہے نہائیت ضعیف اور ہر ایک شبہ سے تزلزل کے کنارہ پر ہوتا ہے بلکہ ایمان محکم وہ ہے کہ جو عوام الناس کو زمانہ طفولیت مین تواتر سماع یا بعد از بلوغ ایسے قرائن سے حاصل ہوتا ہے کہ جن کی تعبیر ممکن نہین - اور ایمان کا پورا پورا محکم ہونا عبادت اور ذکر الٰہی کی ملازمت سے ہوتا ہے اسلئے کہ جس شخص

تو عبادت ظاہری حقیقت تقویٰ تک پہونچا دیتی ہی اور اوس کے
باطن کو کدورت دنیا سے پاک کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مدام ذکر کی
ملازمت سے اوسکے لئے معرفت کے انوار جلوہ گر ہو جاتے
ہین اور وہ امور کہ جو اوس نے بطور تقلید کے اختیار کئے ہین اوسکے
نزدیک مثل معائنہ اور مشاہدہ کے ہو جاتے ہین اور یہہ وہی حقیقت
معرفت کی ہی کہ جسکا حصول بغیر عقدۂ اعتقاد کے حل ہونے
اور اللہ کے نور سے انشراح صدر کے ہونے کے ممکن نہین ہے
پس جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت چاہتا ہی تو اوس کے
سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہی اور وہ اللہ کے نور سے
پُر ہو جاتا ہے جیسے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
شرح صدر کی معنی کا سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ وہ ایک نور ہے کہ جو مومن کے دل مین ڈالا جاتا ہے۔
سائل نے پھر پوچھا کہ اوسکی کیا علامت ہی تو آنحضرت نے فرمایا کہ
دار غرور سے کنارہ کش ہونا اور دار خلود کی طرف مایل ہونا پس
اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل کلام کہ جو دنیا کی طرف مائل
اور اوس پر ہلاک ہوتا ہے اوسنے حقیقت معرفت کی حاصل
نہین کی اور اگر اسکو حاصل کرتا تو وہ قطعاً دار غرور سے کنارہ کش ہوتا

فصل

شاید تو کہیگا کہ تکفیر اور تکذیب کا ماخذ خود نصوص شرعیہ ہین اور
شارع نے ہی رحمت الٰہی کو مخلوقات پر تنگ کیا ہے نہ کہ متکلم نے
اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ
قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو فرماویگا کہ اے آدم اپنی اولاد
مین سے ایک تعداد کو آگ مین روانہ کر اس پر حضرت آدم عرض
کرینگے کہ اے رب کتنون مین سے کتنون کو روانہ کرون پھر
اللہ تعالیٰ فرماویگا کہ ہر ایک ہزار مین (۱۰۰۰) سے نو سو ننانوین (۹۹۹) کو روانہ کر
اور نیز رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری امت
ستر پر چند فرقہ ہو جاویگی لیکن اونمین سے نجات پانے والا فرقہ
ایک ہی ہوگا - پس اسکا جواب یہہ ہے کہ حدیث پہلی بیشک
صحیح ہے لیکن اوس سے یہہ مراد نہین کہ وہ نو سو ننانوین (۹۹۹) آدمی
کفار ہونگے اور ہمیشہ دوزخ مین رہین گے بلکہ مراد یہہ ہے کہ اونمین
سے بعض کو آگ مین داخل کیا جاویگا اور بعض کو آگ کے سامنے
کیا جاویگا اور بعض کو گناہون کے انداز پر آگ مین چھوڑا جاویگا
اور گناہون سے بالکل معصوم اور پاک ہزار مین سے کوئی ایک ہی ہے
اور اسیوجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان منکم الا واردھا یعنے

تم مین سے کوئی ایسا نہین کہ جو آگ کی طرف ورود نہ کرے۔ پھر آگ
کی طرف روانہ ہونے سے وہ شخص مراد ہے کہ جو اپنے گناہون
کے عوض مین آگ کا مستحق ہے اور جائز ہے کہ شفاعت کے
ساتھ دوزخ کے راستہ سے لوٹایا جاوے جیسے کہ وسعت
رحمت کے نسبت اکثر احادیث وارد ہین اور اون کی تعداد شمار سے
زیادہ ہے چنانچہ ایک اون مین سے وہ حدیث ہے کہ جو حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اونہون نے فرمایا ہے
کہ مین نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا اور مین نے
جستجو کی اور دیکھا کہ ایک آب نوشی کے مکان مین نماز پڑھ رہے
ہین اور اُنکے سر مبارک پر تین انوار ہین پس جب کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو ادا کر چکے تو فرمانے لگے کہ تیرا کیا کام ہے
اور یہ کون ہے مین نے عرض کی کہ مین عائشہ ہون یا رسول اللہ
تو پھر آنحضرت نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو نے ان تینون انوار
کو دیکھا ہے مین نے عرض کی کہ ہان یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت
نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے آنیوالا میرے پاس آیا اور اوسنے
مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت مین سے ستر ہزار
آدمیون کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت مین داخل کریگا۔ پھر دو

آنیوالا دوسرے نور مین آیا اور اوس نے بشارت دی کہ ستر ہزار کے ہر واحد کے بجاے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت مین داخل کریگا ۔ پھر وہی آنیوالا تیسرے نور مین آیا اور بشارت دی کہ بجاے ہر واحد ستر ہزار مضاعف کے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت مین داخل کریگا پس مین نے عرض کی کہ یا رسول اللہ تیری امت کی مقدار اور تعداد اس درجہ تک نہ ہوگی پھر آنحضرت نے فرمایا کہ اسکا تکملہ اون اعراب سے کیا جاویگا کہ جو روزہ اور نماز کو ادا نہین کرتے ۔ پس یہہ اور مثل اوس کی جو اخبار کہ وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہین بکثرت ہین اور یہہ خاص کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مین ہے ۔ لیکن مین[1] کہتا ہون کہ اللہ تعالی کی رحمت واسعہ گزشتہ امتون مین سے بھی بہتون کو شامل ہوگی گو اون مین سے اکثرون کو آگ کے سامنے کیا جاویگا ایک لحظہ یا ایک ساعت کے لئے یا ایک مدت کے لئے تاکہ اون پر اطلاق کیا جاویگا کہ وہ آگ کی طرف روانہ کئے گئے بلکہ مین کہتا ہون کہ اس زمانہ مین جو روم اور ترک کے نصاری ہین اون کو بھی انشاء اللہ تعالی رحمت شامل ہوگی اور

---

[1] یہہ امام غزالی رحمتہ اللہ کا قول ہے ۔

مراد میری ان نصاری سے وہ لوگ ہین کہ جو روم اور ترک کی آخر
جانب مین سکونت رکھتے ہین اور انکو دعوت اسلام کی نہین پہونچی
اسلئے کہ یہہ لوگ تین قسم ہین ایک قسم تو وہ ہی کہ جنکو بالکل محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نہین پہونچا پس یہہ لوگ تو معذور ہین اور
دوسرا قسم وہ ہی کہ جنکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اور نعت
شریف تو پہونچی ہے لیکن معجزات کا ظہور اونپر نہین ہوا اور یہہ وہ
لوگ ہین کہ جو بلاد اسلام کے قرب وجوار مین ہین اور اون سے اختلاط
رکھتے ہین اور یہہ لوگ کافر ہین کہ جو ہمیشہ دوزخ مین رہینگے اور تیسرا
قسم ان دونون قسمون کے درمیان ہے کہ جنکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا اسم شریف تو پہونچا لیکن آنحضرت کی نعت اور صفت اون کو نہین
پہونچی بلکہ اونہون نے طفولیت کے زمانہ سے سُنا ہی کہ ایک
جھوٹے اور مکار شخص نے کہ جس کا نام محمد ہے نبوت کا دعوی کیا
جیسے کہ ہمارے لڑکے سنتے ہین کہ ایک جھوٹے شخص نے کہ جسکا
نام مُقَنَّع کہا جاتا ہے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا۔ پس یہہ لوگ میرے
نزدیک قسم اول مین شمار کئے جاتے ہین اسلئے کہ ان لوگون نے
جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف سُنا ہی ویسا ہی اونہون
نے آنحضرت کے اوصاف کی ضد کو سنا ہی اور اس قدر علم سے

طلب کی داعیہ مین حرکت پیدا نہین ہوتی تاکہ ان لوگون کو معذور نہ سمجھا وے ۔ اور دوسری حدیث کہ جس مین آیا ہے کہ فرقہ نجات پانیوالا ایک ہے اس کی روایت مین اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت مین یہہ بھی ہے کہ فرقہ ہلاکت مین پڑنے والا ایک ہی لیکن زیادہ تر مشہور پہلی روایت ہی اور نجات پانیوالے فرقہ سے مراد وہی فرقہ ہے کہ جو آگ کے سامنے نہین کیا جاویگا اور شفاعت کی طرف محتاج نہوگا بلکہ وہ شخص کہ جس کے ساتھ زبانیہ تعلق پکڑیگا تاکہ اوس کو آگ کے طرف کھینچے تو وہ شخص مطلق نجات والا نہین گو شفاعت کے ذریعہ سے اون کے پنجہ سے نکل جاویگا اور ایک روائیت مین ہے کہ **کل نجات پاوینگے مگر فرقہ زندقہ** اور ممکن ہے کہ کل روایتین صحیح ہون اور ہلاکت والا ایک ہی فرقہ ہو جو ہمیشہ آگ مین رہیگا اور ہلاکت والے سے مراد وہ شخص ہو کہ جسکی صلاحیت کی امید باقی نہ رہی ہو اسلئے کہ ہلاکت والے کے لئے بعد از ہلاکت کسی خیر اور بھلائی کی امید نہین کیجاتی ۔ اور فرقہ نجات والا بھی ایک ہو کہ جو جنت مین بغیر حساب اور شفاعت کے داخل ہوگا اسلئے کہ جس شخص کا حساب لیا جاویگا تو وہ بھی مطلق نجات والا نہین ۔ پس یہہ دو فرقہ ہالک اور ناجی گویا دو طرفین

ہین کہ جو شر خلق اور خیر خلق سے معبر ہین اور جوان دونون
درجون کے درمیان ہین پس اونمین سے بعض تو ایسے ہونگے
کہ جنکو فقط حساب کا عذاب ہوگا اور بعض ایسے ہونگے کہ جو آگ
کے نزدیک لیجائے جاوینگے اور شفاعت سے واپس کئے جاوینگے
اور بعض ایسے ہون گے کہ جو اپنی خطا، عقیدہ اور بدعت کے
انداز پر اور کثرت اور قلت معاصی کے موافق آگ مین رہین گے
پس اس امت مین سے جو فرقہ ہلاکت والا کہ ہمیشہ آگ مین رہیگا
وہ فقط ایک ہی کہ جسنے تکذیب کی اور رسول صلعم اللہ علیہ وسلم پر
بنا بر مصلحت جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ لیکن باقی امتون مین سے
وہ شخص کہ جس نے متواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج
اور آنحضرت کی صفات اور معجزات خارق عادت جیسے چاند کا
دو ٹکڑے ہونا اور کنکرون کا تسبیح کا پڑہنا اور آنحضرت کی انگلیون
سے پانی کا جوش مار کر نکلنا اور ایسے قرآن معجز کو سنا کہ جس کا
معارضہ اہل فصاحت نے کرنا چاہا لیکن عاجز ہو گئے اور پھر
اوس نے باوجود سننے کے اعراض اور روگردانی کی اور اوس نے
ان امور مین غور اور تامل نکیا اور اس نے تصدیق کی طرف جلدی نکی
تو ایسا شخص ہی منکر اور مکذب ہے اور یہی کافر ہے اور اسمین دم

اور ترک کے وہ اکثر لوگ کہ جنکے بلاد اسلام کے بلاد سے بعید ہین
داخل نہین ہین۔ بلکہ مین کہتا ہون کہ جس شخص کے کان تک یہہ
امور پہونچے تو ضرور ہے کہ داعیہ طلب اوس کو حرکت مین لاوے
تاکہ حقیقت امر کی ظاہر ہو اگر وہ اہل دین سے ہی اور اون لوگون
مین سے نہین کہ جنہون نے حیات دنیا کو آخرت پر دوست رکھا
اور اگر اوسکو یہہ داعیہ حرکت مین نہ لاوے اس وجہ سے کہ وہ
دنیا کی طرف مائل اور امر دین کے خوف اور خطرہ سے نڈر ہے
تو یہہ کفر ہے اور اگر اوسکو داعیہ طلب حرکت مین لاوے لیکن
طلب مین اوس نے قصور کیا تو بھی کفر ہے بلکہ ہر اہل ملت مین
سے جو شخص کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے ممکن نہین کہ وہ
طلب مین قصور کرے پس اگر اوس نے نظر اور طلب مین قصور
نہ کیا اور اوس مین مشغول رہا اور اسی مین مرگیا قبل اسکے کہ اوسکی
تحقیق تمام ہوتی تو وہ شخص بھی اہل مغفرت ہی اور رحمت واسعہ اوسکے
لئے بھی عام ہے پس تو اللہ تعالی کی رحمت کی وسعت کا طالب ہو
اور امور الٰہیہ کو مختصر رسمی میزانون سے وزن نکر۔ اور جان تو کہ آخرت
دنیا سے قریب ہے پس تمہاری پیدایش اور بعثت فقط نفس
واحد کی مثل ہے۔ اور جیسے کہ اکثر اہل دنیا کے ایسی نعمت یا سلامت

یا حالت مین ہوتے ہین کہ اوس پر غبطہ ہوتا ہے اسلئے کہ اگر اونکو
مثلا اوس حالت اور موت کے درمیان اختیار دیا جاوے تو
وہ اوسی حالت اور نعمت اور سلامت کو اختیار کرتے ہین لیکن
جس کو دنیا مین عذاب اور تکلیف ہوتا ہے اوس کا موت کو خواہش
کرنا نادر ہے پس اسیطرح جو لوگ کہ ہمیشہ دوزخ مین رہین گے
بہ نسبت اون لوگون کے جو نجات والے ہین اور آخر مین آگ
سے نکالے جاوین گے نادر ہین اسلئے کہ ہمارے احوال کے
مختلف ہونیسے صفت رحمت مین تغیر نہین - اور دنیا اور آخرت
تیرے اختلاف حال سے معبر ہے اور اگر یون نہوتا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کوئی معنی نہوتا جو فرماتے ہین
کہ پہلے جو کچھ کہ اللہ تعالی نے کتاب اول مین لکھا یہ ہے کہ مین
ہی اللہ ہون کہ میرے سوا کوئی اللہ نہین میری رحمت کو
میرے غضب پر سبقت ہے پس جس شخص نے اس امر کی شہادت
دی کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہین اور محمد اوس کا بندہ
اور رسول ہے تو اوس کے لئے جنت ہے اور جان تو کہ[1] بصارت

---

[1] چنانچہ صاحب فصوص اعنی قطب الاقطاب غوث الاحباب جناب بحر الحقایق حضرت
محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا مکشوف ہے کہ ہر ایک جہنمی کا مال کار رحمت الہی

والوں کو اسباب اور مکاشفات کے ذریعہ سے بھی رحمت کی سبقت اور شمول کا انکشاف ہوا ہے بغیر اس کے کہ اخبار

ہو گی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان رحمتی وسعت کل شیٔ اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبۃً ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کفار کے حق میں دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو گی جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں نمرود کی آگ برد و سلام ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے وعید حقتعالیٰ میں خُلف جائز رکھکر فرمایا ہے کہ کوئی اہل دل خلود عذاب کفار کا قائل نہیں لیکن حضرت امام ربانی قیوم حقانی شیخ احمد مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکتوبات کے جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب فصوص رح درین مسئلہ نیز از صواب دور افتادہ است ندانستہ است کہ وسعت رحمت درحق مؤمنان وکافران مخصوص بدنیا است ودر آخرت بوئے از رحمت بکافر نرسد کما قال تعالیٰ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون وقال تعالیٰ ورحمتی وسعت کل شیٔ فساکتبہا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ہم بایتنا یؤمنون شیخ اول آیت را خواندہ وآخر را انکار نمودہ وکریمہ ولا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ دلالت ندارد بر خصوصیت خلف وعدہ تواند بود کہ انتفار عدم خلف بوعدہ ایجا بر بواسطہ آن بود کہ مراد از وعدہ انجا نصرت رسل است وغلبۂ ایشان بر کفار وآن متضمن وعدہ ووعید ست

اور آثار کو انہون نے سنا ہی لیکن اس کا بیان کرنا طوالت کی
چاہتا ہے پس اگر تو نے ایمان اور عمل صالح کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ
رحمت اور نجات مطلقہ تیرے لئے بشارت ہی اور اگر تو ان دونون
سے خالی رہا تو ہلاکت مطلقہ کی بشارت ہے۔ اور اگر تو اصل تصدیق
مین یقین رکھتا ہے اور بعض تاویلات مین خطا یا شک یا اعمال
مین خطا تو نجات مطلقہ کی طمع نکر اور جان تو کہ یا تو تجھے ایک مدت
تک عذاب دیا جاویگا اور پھر نجات ہوگی اور یا وہ شخص تیری نجات
کریگا کہ جس کی تصدیق تو اون تمامی امور مین کرتا ہے کہ جو وہ اللہ سے
لایا ہے یا کوئی دوسرا شفاعت کریگا پس تو کوشش کر کہ اللہ تعالیٰ
اپنے فضل سے تجھے شفاعت کرنے والون کی شفاعت سے

وعدست مر رسل را و وعید ست مر کفار را پس گویا درین کریمہ ہم خلف وعد منتفی شد
وہم خلف وعید فالآیۃ مستشہدۃ علیہ لا لہ وایضاً خلف در
وعید در رنگ خلف از وعد مستلزم کذب ست و ناشایان آنحضرت جل سلطانہٗ زیرا کہ در
ازل دانستہ بود کہ کفار را عذاب مخلد نخواہم کرد مع ذلک برای مصلحتی مخالف علم خود
گفتہ کہ عذاب مخلد خواہم کرد و ایمعنی را تجویز نمودن شناعت تمام دارد سبحان
ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین اجماع اہل ملل بر عدم نما و عذاب کفار
کشفی صحیح است و مجال خطا در کشف بسیار ست فلا اعتداد بمع کونہ مخالفا للاجماع المسلمین انتہی مترجم

سے بے پرواہ کردی اسلئے کہ شفاعت کا امر بھی خطرناک ہے۔

فصل

بعض آدمیون کا ظن ہے کہ تکفیر کا ماخذ عقل ہی شرع نہین اور جو شخص کہ اللہ سے جاہل ہے کافر ہے اور جو اوسکا عارف ہے مومن ہے پس اوسکو کہا جاویگا کہ اباحت دم اور خلود فی النار کا حکم جو شرعی ہے قبل ورود شرع کے اسکا کوئی معنی نہین۔ اور اگر اوس کی یہہ مراد ہے کہ شارع کے قول سے مفہوم ہے کہ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے وہی کافر ہے تو یہہ حصر ممکن نہین اسلئے کہ جو شخص رسول اور آخرت سے جاہل ہے وہ بھی تو کافر ہے۔ پھر اگر ذات الٰہی سے جاہل ہونے کی تخصیص کیجاوے اور اس جہالت سے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اوسکی وحدانیت کا انکار مراد رکھا جاوے تو باقی صفات کو جامع نہوگا۔ اور اگر صفات مین خطا کرنے والے کو بھی جاہل یا کافر ٹھہرایا جاوے تو اوس شخص کی تکفیر لازم ہوگی کہ جس نے صفت بقا اور صفت قدم کی نفی کی ہے اور جس نے کلام کو علم پر وصف زائد ہونے کا انکار کیا ہے اور نیز جس نے سمع اور بصر کو علم پر وصف زائد نہین بتایا اور نیز جس نے جواز رویت کی نفی کی اور نیز جس نے جہت کو ثابت کیا اور اوس نے ایک ایسے ارادہ حادثہ

تو ثابت کیا کہ جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات مین حادث ہی اور نہ کسی دوسرے
محل مین اور یا اس مین خلاف کرنے والون کی تکفیر لازم ہو گی بخلاف
یہ کہ ہر اوس مسئلہ مین تکفیر لازم آئیگی کہ جو صفات اللہ تعالیٰ سے تعلق
رکھتا ہے اور یہہ ایک ایسا تحکم ہے کہ جس کے لئے کوئی سند نہین
اور اگر اس حکم کو بعض صفات کے ساتھ خاص کیا جاوے تو اسکے لئے
کوئی امر فیصل نہین ہوگا پس بغیر ضابطہ تکذیب کے کوئی دوسری وجہ پائی
نہین جاتی کیونکہ تکذیب کا ضابطہ مکذّب رسول اور منکر معاد دونون
کو شامل ہے اور تاویل کرنے والا اس مین سے خارج ہو جاتا ہے
پھر مین یہہ امر بعید نہین جانتا کہ تاویل یا تکذیب کے جملہ مسائل مین سے
بعض مین کوئی شک اور تردد واقع ہو حتی کہ تاویل بعید ہو اور ظن
اور اجتہاد کے ساتھ اوس مین حکم دیا جاوے اسلئے کہ تو جان
چکا ہے کہ یہہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

فصل

بعض[1] آدمی یون کہتے ہین کہ مین خاصکر اوس شخص کی تکفیر کرونگا
کہ جو ان فرقون مین سے میری تکفیر کریگا اور جو شخص کہ میری تکفیر
نہ کریگا تو مین بھی اوس کی تکفیر نہ کرون گا حالانکہ اس کا کوئی ماخذ نہین

[1] یہہ قول استاذ ابو اسحاق کا ہے چنانچہ شرح مقاصد مین مذکور ہی ۱۲ مترجم

اسلئے کہ جب کہ قایل کا یہہ قول کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے لئے اَوْلٰوِیّت رکھتا ہے) کفر نہین تو قایل اگر خطا کر کے مخالف کو کافر ظن کرے تو قایل اس ظن سے کافر نہین ہوسکتا اسلئے کہ یہہ ایک ایسی خطا ہی کہ جو مسئلہ شرعیہ مین واقع ہے۔ اور اسی طرح جب کہ حنبلی کو جہت کے ثابت کرنیسے کافر نہین کہا جاتا تو وہ اگر غلطی سے ظن کرے کہ جو شخص جہت کی نفی کرتا ہے مکذب ہی ناول نہین تو اس ظن سے بھی حنبلی کو کافر نہین کہا جائیگا لیکن یہہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ جب دو مسلمان مین سے ایک مسلمان بھی دوسرے بھائی کو کافر کہے تو وہ کفر تکفیر کرنیوالے کے طرف رجوع کرتا ہی۔ اس حدیث کا یہہ معنی ہی کہ تکفیر کرنے والا باوجود دوسرے مسلمان بھائی کی حالت جاننے کے اوسکی تکفیر کرے۔ پس اگر کوئی شخص کسی آدمی کی نسبت جانتا ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا ہی تو باوجود اس جاننے کے پہر اوس کی تکفیر کرتا ہے تو تکفیر کرنے والا خود کافر ہوگا۔ پس اگر اوسنے فقط اپنے اس ظن سے تکفیر کی کہ وہ رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتا ہی تو یہہ اوس شخص کی غلطی ہے۔ پس ہم نے ان تردیدات سے تیرے لئے اس امر پر تنبیہ کر دی ہے کہ اس قاعدہ اور قانون پر کہ جس مین اتباع لایق ہے غور عظیم کرے پس اسی پر قناعت کر اور سلامت رہ فقط

تمت